تذکرہ

# صوفیائے پنجاب

اعجاز الحق قدوسی

سلمان اکیڈمی کراچی

سلسلۂ مطبوعات سلمان اکیڈمی

(۵)

# تذکرہ

# صوفیائے پنجاب

اعجاز الحق قدوسی

سلمان اکیڈمی

حق نشان، ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | صوفیائے پنجاب |
| نام مصنف | : | اعجاز الحق قدوسی |
| سن تالیف | : | ۱۹۶۲ء |
| سن طباعت | : | ۱۹۹۶ء |
| ناشر | : | سلمان اکیڈمی، کراچی |
| قیمت | : | ۱۷۰/- |

# فہرست مضامین تذکرہ صوفیائے پنجاب

# دلکش شخصیت

مولانا اعجاز الحق قدوسی کی پہلودار شخصیت اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا، مجھ جیسے نیاز مندوں کے لیے بڑی کشش رکھتی ہے، انھوں نے عجیب باغ و بہار طبیعت پائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر محفل میں وہ جانِ محفل بن جاتے ہیں مگر اس طرح کہ بہر صورت اپنی امتیازی شان برقرار رکھتے ہیں۔ حلقۂ رنداں ہو کہ بزم صوفیا، ان کی آنکھوں نے ہر رنگ میں وا ہوجانا سیکھا لیکن انھوں نے آپ کو کسی ایک سانچے میں نہیں ڈھالا۔ رندوں سے وسیع القلبی، بے تکلفی اور دنیا کے ہر غم کو ہنس کر ٹال دینے کی خصوصیات لے لیں اور صوفیا سے خود شناسی، خدا شناسی اور شانِ بے نیازی کا درس لیا اور وہ بھی اس طرح کہ رندوں کی رندی کو اپنے قریب آنے دیا، نہ صوفیا کے تصوف کو، یعنی نہ اِس شراب کو ہاتھ لگایا نہ اُس شراب کو لیکن شراب سے اجتناب کے باوجود "سرشاری" ان کا مقدر ہے اور یہ سرشاری انھیں اپنے علمی ذوق کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ مولانا کی زندگی تحصیل علم کا دوسرا نام ہے جسے بہ الفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ زندگی بھر "خوب" سے "خوب تر" کی تلاش میں سرگرداں رہے۔

علمی دنیا میں کچھ لوگ "کنواں" ہوتے ہیں کیوں کہ ان میں گہرائی ہوتی ہے اور کچھ لوگ "دریا" ہوتے ہیں کیونکہ ان کے علم میں وسعت ہوتی ہے، لیکن مولانا قدوسی نہ "کنواں" ہیں اور نہ "دریا"، بلکہ ایک مواج سمندر ہیں، جس میں گہرائی بھی ہے اور وسعت بھی! مذہب اور تاریخ ان کے محبوب موضوعات ہیں ان دونوں کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کی تصنیفی زندگی کا آغاز "مذہبی تاریخ" کے بعض اوراق کی تدوینِ نو سے ہوا۔

یوں تو ۱۹۲۸ء ہی میں وہ تصنیفی اور تالیفی دنیا میں قدم رکھ چکے تھے، لیکن ان کی علمی کاوشوں کے یادگار نتائج قیام پاکستان کے بعد ہی منظرِ عام پر آئے۔

"سندھ کی تاریخی کہانیاں" اور "تاریخ سندھ" (غیر مطبوعہ) "صوفیائے سندھ" — "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات" اور "صوفیائے پنجاب" کے علاوہ گزشتہ تیرہ چودہ برس میں آپ نے اور بھی کئی کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا آج کل ہند و پاکستان کے صوفیا کی تفصیلی تاریخ لکھنے میں مشغول ہیں۔ "صوفیائے سندھ" کے بعد زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ اب وہ مشرقی بنگال کے صوفیا پر کام کر رہے ہیں۔ توقع ہے کہ آئندہ تین چار برس میں تاریخِ تصوف کا یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تاریخ کے کھنڈروں سے سامانِ عبرت اور صوفیا کے ملفوظات سے سرمایۂ بصیرت فراہم کرنے والا "صاحب نظر" "صاحب دل" بھی ہے! میری مراد مولانا کی شاعری سے ہے، جس سے وہ اپنے خاص خاص نیازمندوں ہی کو نوازتے ہیں۔ مولانا کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دماغ ہی نہیں دل بھی ابھی تک جوان بلکہ نوجوان ہے۔ جہاں "حقیقت" ان کی نثر کا طغرائے امتیاز ہے وہیں "مجاز" ان کی شاعری کی روح ہے۔ (گویا قدوسی صاحب نے اپنے بزرگوں کی تقلید میں عملی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر "مجاز" اور "حقیقت" کے دونوں مرحلے طے کر لیے) مولانا کے اشعار اب تک کہیں نہیں شائع ہوئے۔ پہلی بار یہاں ان کے چند شعر درج کرتا ہوں اور اس تحریر کو جو ایک نیازمند کی نیازمندی کا مختصر سا اظہار ہے، ختم کرتا ہوں۔

چشمِ میگوں شراب ہو کے رہی — ساری دنیا خراب ہو کے رہی
مرحبا اے تصورِ جاناں — عمر ساری شباب ہو کے رہی
میری پژمردگی بھی بالآخر — ان کے چہرے پہ آب ہو کے رہی

---

آئیے اور روح میں میری سما کر دیکھیے — ان حجاباتِ تعین کو اٹھا کر دیکھیے
دیکھنا ہو گر کبھی حسنِ پشیماں کی بہار — میرا افسانہ ذرا ان کو سنا کر دیکھیے
آپ کا پندار بھی کچھ سیکھ جائے گا نیاز — اپنی محفل میں ذرا مجھ کو بلا کر دیکھیے

مشفق خواجہ
اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ پاکستان۔
(۱۲ مارچ سنہ ۱۹۶۲ء)

# تعارف

## از ڈاکٹر سید معین الحقؔ۔ ایم، اے، پی، ایچ، ڈی)

### جنرل سکریٹری و ڈائرکٹر آف ریسرچ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

غیر معروف شخصیتوں کو متعارف کرانا یقیناً مشکل کام ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ دشوار یہ ہے کہ آپ ایک ایسے مصنف کی کتاب پر "تعارف" لکھنے کی ذمہ داری لیں جو اپنی تصانیف کے ذریعہ ملک میں ایک مخصوص مقام حاصل کر چکا ہو۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی صاحب کا شمار اس ملک کے اُن لکھنے والوں میں ہے جن کی تصانیف کو علمی حلقوں میں پسند کیا گیا ہے، مجلس ترقی ادب لاہور نے "صوفیائے سندھ" پر انعام دے کر اس مقبولیت پر ٹھپہ لگا دیا ہے، قدوسی صاحب کی دوسری گراں قدر تصنیف "حضرت عبدالقدوس گنگوہی" سے اُردو ادب میں ایک ایسا اضافہ ہوا ہے جس پر کوئی مصنف بھی فخر کر سکتا ہے۔

ہماری تاریخ کے درخشاں ابواب میں مشائخ و صوفیاء کے دو کارنامے قابل ذکر ہیں۔ یعنی اشاعتِ دین اور معاشرہ کی دینی بُنیادوں کا

استحکام، لیکن افسوس ہے کہ اُن پر موجودہ دور کے مورخین نے اتنی توجہ نہیں کی کہ جس قدر کہ کرنی چاہیئے تھی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بعض حلقوں میں بے جا تعصبات کی بناء پر اور بعض میں مغربی مستشرقین کے خیالات سے متاثر ہونے کی وجہ سے اسلامی فکر کے ایک اہم پہلو سے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے معاشرہ کو اسلامی تصورات اور تعلیمات کی حدود میں رکھنے کے سلسلے میں صوفیاء کی کوششیں بڑی حد تک پوشیدہ رہی ہیں اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ یہ حضرات نام و نمود کو گناہ عظیم سمجھتے تھے، چنانچہ ان کے کارنامے تحریر و زبانی روایات کی شکل میں قائم رکھنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا، بر خلاف اس کے اُن کے عقیدت مندوں نے کرامات کے قصّوں کو جن میں غیر مصدقہ روایتیں بہ کثرت شامل ہیں ایسا رواج دیا اور اس قدر دُہرایا کہ ان کے ساتھ اصل واقعات کے مستند ہونے میں بھی لوگوں کو شکوک پیدا ہو گئے، ان واقعات نے حقیقت پسند مورخ کے لئے ایک اہم مگر دشوار طلب مسئلہ پیدا کر دیا ہے، اسلام کی اشاعت میں بالخصوص دوسرے صدی ہجری کے بعد کون کون سے عوامل کارفرما رہے؟ مثلاً ہم خود اپنے برصغیر کی تاریخ کے متعلق اگر یہ سوال کریں تو اس کے جواب میں سخت مشکلات پیش آئیں گی، یہ تو ہر شخص جانتا ہے۔ اسلامی حکومت اور مسلم حکمرانوں نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں کی، یہ بھی ظاہر ہے کہ باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد بہت محدود تھی، پھر وہ کیا اسباب تھے، جن کا نتیجہ ہوا کہ آبادی میں ایک چوتھائی سے زیادہ عنصر مسلمان ہو گیا۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مورخ کے لئے یہ ضروری ہے

کہ وہ مشائخ وصوفیاء کے حالات اور ان کے کارناموں سے متعلق صحیح واقعات کی تحقیق کرے، دوسرا مسئلہ یعنی معاشرہ کے اسلامی رنگ کو قائم رکھنے میں ان حضرات نے کیا رول ادا کیا، یہ بھی تحقیق طلب ہے، مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس پہلو پر تحقیق کا کام نہایت اہم اور ضروری بھی ہے اور مشکل بھی۔

اسلامی تاریخ کے اس پہلو پر تحقیق کے لئے وسعت معلومات، علمی ذوق، حقیقت پسندی اور جانفشانی کے علاوہ، صبر اور استقلال کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، بہت کچھ پڑھا جائے گا، بہت کچھ ڈھونڈا جائے گا، اور بہت کچھ لکھا جائے گا، تب ہی کچھ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جن سے تاریخ کے اس باب پر روشنی پڑے گی۔ قدوسی صاحب ان چند پختہ کار محققین میں ہیں جنھوں نے اس موضوع پر تحقیقی کام شروع کیا ہے، ان کی تصنیف "صوفیائے سندھ" جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے ملک گیر شہرت حاصل کرچکی ہے۔ اب انھوں نے دوسری کتاب "صوفیائے پنجاب" مرتب کی ہے۔ اسی طرح مغربی پاکستان کے بیشتر صوفیاء کے حالات ان کی دونوں کتابوں میں آجائیں گے۔

"صوفیاء پنجاب" میں جن بزرگوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں اُن میں سے بعض ہماری تاریخ کی نمایاں ترین شخصیتیں ہیں۔ فتح سندھ کے بعد اسلام کے سیاسی اقتدار کی پہلی منزل اسی علاقے میں طے ہوئی، قیام اقتدار کے پہلے ہی اشاعتِ دین کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، اس ابتدائی دور کی مشہور ترین شخصیت، شیخ ہجویری یعنی حضرت داتا گنج بخش کی ہے، تیرھویں صدی عیسوی میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کو علی الترتیب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ رکن الدین ملتانیؒ کی بدولت اس علاقہ میں فروغ

حاصل ہوا۔اسی طرح قادریہ سلسلے نے بھی یہاں بہت ترقی کی۔ قدوسی صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے ان بزرگوں کے مستند حالات جمع کر کے، ان کو سلیس عبارت میں پیش کرنے کی کوشش اور کامیاب کوشش کی ہے۔اس موضوع پر اُردو میں یہ پہلی محققانہ کتاب ہوگی، اور یقین ہے کہ کثرت سے لوگ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔وہ حضرات بھی جو صوفیاء سے عقیدت رکھتے ہیں اور وہ طلبائے تاریخ بھی جو صحیح واقعات کے متلاشی ہوں۔

کراچی ۵؍ جنوری ۱۹۶۲ء } سید معین الحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمہ

## از جناب لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب۔

پنجاب کے صوفیائے کرام پر ایک مبسوط کتاب کی ضرورت مدّت سے محسوس کی جارہی تھی۔ ویسے تو مواد متعدد کتابوں میں بکھرا پڑا تھا، مگر اصل کام یہی تھا کہ اس تمام منتشر مواد کو یکجا کیا جائے تاکہ اہل علم کے لئے تحقیق میں سہولت پیدا ہو جائے۔ خصوصاً صوفیائے کرام کے تذکرے آج کل نایاب اور ناپید ہوتے چلے جارہے ہیں۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے اس کتاب کو لکھ کر ایک دیرینہ ضرورت کو پورا کر دیا ہے جس کے لئے اصحاب علم و دانش ان کے بے حد مرہون منت ہوں گے۔ یقیناً اس کے لکھنے میں ان کو بڑی عرق ریزی کرنا پڑی ہوگی۔ تاہم وہ لائق ستائش ہیں کہ انھوں نے تاریخ صوفیا کا ایک اہم باب مکمل کر دیا۔

مولانا قدوسی نے اپنی اس جامع تاریخ میں ۹۳ صوفیا کا تذکرہ کیا ہے۔ یقیناً اُن کی تعداد اس سے بہت متجاوز ہوگی، مگر سب کے حالات دریافت کر لینا ایک مہم گراں ہے۔ آپ نے بہت اچھا کیا ہے جو

صوفیائے کرام کے ناموں کی ایک فہرست دے دی ہے۔ اس سے دیگر کام کرنے والوں کے لئے کئی ایک تحقیق کی نئی راہیں نکل آئیں گی۔ اگر قدوسی صاحب اس راہ کے شہسوار نہ ہوتے تو یہ مہم گراں اُن سے سر نہ ہو سکتی۔ احباب علم و دانش اس شاہکار پر ان کے مدتوں احسان مند رہیں گے۔

تاریخ اسلام میں صوفیاء نے ایک اہم پارٹ ادا کیا ہے، جہاں علماء اختلاف اور رخنے پیدا کرنے میں مشغول رہے صوفیاء تبلیغ اور تنظیم میں مشغول رہے، علماء نے نہ صرف مذہبی اور سیاسی پارٹیاں بنا کر اُمت کا شیرازہ بکھیرا بلکہ حکمرانوں کو بسا اوقات دھوکے دے کر انقلاب پیدا کرا دیئے۔ صوفیاء اسلام کا کردار اِن سے بہت بلند رہا ہے۔ اُنھوں نے نہ صرف حکمرانوں کو صحیح نصیحتیں دیں، بلکہ مملکت کے کام میں سہولتیں پیدا کیں اور قوم میں یک جہتی کی جو جھلکیں ہیں تاریخ میں نظر آتی ہیں وہ انھیں صوفیائے کرام کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ اس لئے نہایت ضروری تھا کہ ہم صوفیاء کے کردار کا بالتفصیل مطالعہ کریں۔ اگرچہ قدوسی صاحب ہر بیان میں زیادہ تفصیل میں نہیں گئے، تاہم جو جو بھی اہم شخصیتیں تھیں اُن کو اُنھوں نے کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ اُن کی زندگی ہمارے سامنے کھول کر آجائے اور اُن کا کردار نمایاں ہو جائے۔ اور یہ بہت ضروری تھا۔ طبقہ صوفیاء کے وجود میں آنے کی جہاں اور بہت سی وجوہ ہیں ان میں ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ طبقہ علماء نے مذہب کے اندر فلسفہ اور اور منطق کی وہ وہ موشگافیاں کرنا شروع کر دیں کہ ایک عام متوسط سمجھ کا آدمی مذہب سے بیزار ہو گیا تھا۔ اور جو لوگ معبود حقیقی کے متلاشی تھے ان کو یہ علمی موشگافیاں راس نہ آئیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ؂

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدا را

آئینہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست!

تحریک صوفیہ طبقہ علماء کے خلاف ایک شعوری انقلاب تھا، جو دنیائے اسلام میں بڑھا اور سیلاب کی طرح پھیل گیا اور اس کے توازن کو تھام لیا۔ ورنہ طبقۂ علماء اسے افراط و تفریط کی طرف لے کر بڑھ چکا تھا!

تاریخ اسلام میں صوفیائے کرام نے ایک اہم پارٹ ادا کیا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ صوفیائے کرام نے ہر زمانے میں مذہب کی تجدید میں مدد دی اور جب کبھی تبلیغ کا موقع آیا تو اس میں بھی نہ پیش پیش ہی رہے۔ اسلام صحیح طور پر اگر اس برِ عظیم پر پھیلا ہے تو وہ انھیں صوفیاء کی بدولت تھا۔ آج کل اگر فتنہ ارتداد پھیل گیا ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں کوئی صحیح راہ نما صوفی نہیں۔ جو چند ایک سُننے میں آتے ہیں نہ دوکان دار صوفی ہیں۔ ورنہ کیا مجال تھی کہ مسلمان اپنا مذہب چھوڑتا۔ یہ دوکان داری ہی تو ہے جو تبلیغ کی راہ میں مانع ہو رہی ہے۔ ایک طرف ڈاکٹروں اور حکیموں کی پریکٹس چل رہی ہے تو دوسری طرف ان خود ساختہ پیروں کی پریکٹس چل رہی ہے، اصل اور حقیقی تصوف سے سب ناآشنا ہیں۔ مقام تاسف ہے کہ یہ سلوک کی راہوں سے بھی نابلد ہیں۔ ورنہ کم از کم اپنے ہی حلقۂ ارادت میں یہ ایک نئی روح پھونک سکتے تھے اور چونکہ یہ تجدیدی کام ان سے پورا نہیں ہو رہا، ارتداد بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرے پر تصوف دو طرح سے اثر انداز ہوتا ہے، ایک تو عوام کے لئے تجدیدی پہلو رکھتا ہے تاکہ ہر خاص و عام کو اصول دین کے متعارف کرواتا رہے اور فرائض پر سہل طریق سے عمل پیرا ہونا بتائے اور دوسرے ایک مخصوص طبقہ کے لئے جو روحانیت اور تصفیۂ قلب کا متلاشی ہے اس سلوک کی راہوں سے آشنا کرواتا چلا جائے۔ ہر دو حالتوں میں یہ دینِ اسلام کے لئے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہوتا ہے۔ تصوف درحقیقت تصفیۂ قلب حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔ اگر اس دنیا میں لوگوں کو کسی چیز کی تلاش رہی ہے تو وہ سکون قلب ہے۔ ہر قوم اور ہر فرقہ کا ہر آدمی سکون قلب کا متلاشی رہتا ہے۔ یہ ایک ایسی جنسِ گراں ہے

جو بڑی کمیاب ہے۔ اس کا نسخہ صوفیائے کرام کے ہاں ملتا ہے۔ مگر یہ تسکین قلب صفائی قلب کے بغیر ممکن نہیں۔ صوفیائے کرام قلب کا تصفیہ سہل نسخوں سے کرتے ہیں جن کا دارومدار ذکر واذکار پر ہوتا ہے۔ یہاں ہم اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے، مگر یہ یقینی اور حتمی بات ہے کہ صوفیائے کرام نے متلاشیوں کو یہ سکون بہم پہنچایا اور انھیں اپنے سفلی یا منفی جذبات پر قابو پانا سکھایا جس سے لوگوں نے اپنے وجود کو بلند کرنا سیکھا جس سے وہ اس مادی زمان و مکان سے نکل کر روحانی زمان و مکان میں پرواز کرنے لگے اور واردات و مکاشفات سے وہ دوچار ہوئے۔ جب روحانی دنیا کی ایک جھلک صوفیائے عوام کو دکھلائی تو راہ راست پر لوگوں کا لے آنا اُن کے لئے ایک آسان کام ہوگیا۔ جب تک انسانی وجود بلندی اختیار نہیں کرتا اُس میں روحانی ترقی ناممکن ہے اور اس کا رابطہ اپنے خالق سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ صوفیائے کرام نے وجود کو بلند کرنے کے مختلف طریقے اپنے اعمال سے ایجاد کئے جو ان کے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ پر منحصر تھے۔ یہی وہ حقیقی راہیں ہیں جو وہ اپنے ارادتمندوں کو سبقاً سبقاً تعلیم دیتے رہے۔ جو اب اُن کے مخصوص سلسلوں کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ سلسلے اگرچہ اب بھی موجود ہیں مگر ان کی تعلیم ناقص ہو چکی ہے اور ان میں کوئی جان باقی نہیں رہی۔ اور نہ ہی ان میں کوئی اثر باقی ہے۔ ان سلسلوں کے اب جو مرشد اور خلیفہ باقی ہیں ان میں نہ تو خود جان باقی ہے نہ ان کے وجود بلند ہیں اور نہ ہی ان کو اپنے منفی جذبات پر قابو ہے۔ یہ دنیاوی لذتوں میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کو خود اپنے نفسوں پر قابو نہیں، اعلائے کلمۃ الحق، اکلِ حلال، اور صدقِ مقال اب کتابوں کے افسانے بن کر رہ گئے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ۔ ع

ہر کجا افسانہ باشد، ہیچ کس بیدار نیست!

اصل تصوّف کی یہی تو بنیادیں ہوا کرتی تھیں۔ اب نمائش زیادہ رہ گئی

ہے اور عمل کم۔ کسی ایک کے مقام فکر کا بھی تو یقین نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ کسی کا شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ ہر طرف غفلت ہی غفلت نظر آتی ہے۔

قدوسی صاحب نے گاہے گاہے صوفیا کی تعلیم کا بھی ذکر کیا ہے جو غور طلب ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بات ذرا مشکل تھی کہ فرداً فرداً ہر بزرگ کی تعلیم کا ذکر کیا جاتا۔ ایک تو ہر بزرگ کے ملفوظات قلمبند نہیں ہوئے، اور نہ ہی ہر کوئی صوفی مصنف تھا۔ تاہم جو جو صوفیائے کرام صاحب تصنیف ہوئے ہیں قدوسی صاحب نے ان کی تعلیمات سے استفادہ کر کے ہمارے لئے ان تعلیمات کا ملخص پیش کر دیا ہے جو بذات خود ایک بڑا کام ہے۔

عام تذکرہ کی طرح قدوسی صاحب نے بھی بعض جگہ اولیائے کرام کی کرامات کا ذکر کیا ہے۔ ہمارا نظریہ اس ضمن میں کچھ مختلف ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ صوفیائے کرام نے خود اپنی کشف و کرامات کا ذکر بہت کم کیا ہے، ہمیں بھی ان پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے بلکہ ان کی تعلیمات پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ ورنہ یہ عام رویہ ہو گیا کہ لوگ کشف و کرامات کے پیچھے زیادہ بھاگتے ہیں اور جو اصل تعلیم ہوتی ہے اس کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اور چونکہ کرامات آج کل کچھ کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں (یہ ایجادات کا زمانہ ہے!) اکثر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ عقیدت مند لوگ اپنے اپنے مرشدوں کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کے لئے کرامات کا اختراع کر لیتے ہیں۔ یہ بات معاشرے کے لئے سود مند نہیں بلکہ اس سے تو الٹا نقصان پہنچنے کا امکان ہے۔ کشف و کرامات کا تو اکثر خود ولی کو شعور تک نہیں ہوتا! اور نہ ہی ان کا ہونا یا نہ ہونا ولایت کے لئے ضروری ہے۔ صوفیائے کرام کے حالات پڑھنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ان کے طریقہ زندگی کا مطالعہ کیا جائے کہ وہ کس طرح زندگی بسر کرتے تھے، ان کے خصائل، ان کا اخلاق، ان کے اطوار اور دیگر اعمال و عبادات سے سبق حاصل کیا جائے۔ نہ یہ کہ ہم ان کی کرامات دیکھیں جن سے ہم قطعاً مستفید

نہیں ہو سکتے۔ اگر کشف و کرامات ایک حقیقت ہے تو پھر یہ تو غیر مسلم جوگیوں اور پادریوں کے یہاں بھی مل سکتی ہے، اگر تصوف کا یہی منشا اور مقتضا ہے تو پھر کیوں نہ ان غیر مسلموں کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو جایا جائے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

"بنما مارا راہ است، راہ آنانکہ کرانعام کردہ بر آیشاں، بجز آناں کہ خشم گرفتہ شد بر آنہا، و بجز گمراہان۔" (آمین)

دو دل بودن درین راہ سخت ترعیب است سالک را

خجل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوئے ایماں ہم!

(مولانا شبلی)

۳ جنوری ۱۹۶۲ء

حقیر

عبد الرشید عفی عنہ

# پیش لفظ

## از مؤلف

"تذکرۂ صوفیائے سندھ" لکھنے کے بعد میرا خیال تھا کہ تذکرۂ صوفیائے پنجاب مرتب کروں، لیکن "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات" کے ذہنی تقاضے مجھ پر اتنے شدید تھے کہ مجھے اس کام کو مؤخر کرنا پڑا اور میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات کے لکھنے میں تقریباً دو سال اس طرح منہمک رہا کہ مجھے کسی چیز کا ہوش نہ تھا، جب اِس کتاب کا کام ختم ہوا تو ارادہ تھا کہ کچھ دن سکون لوں اور قلم کو توڑ کر بیٹھ جاؤں، لیکن یہ ذہنی تقاضے کہاں چین سے بیٹھنے دیتے ہیں۔

اب "صوفیائے پنجاب" کی تصویر پھر ذہن میں اُبھری، اس تالیف کے خط و خال سامنے آئے، خیال نے عمل کی صورت اختیار کی، اور میں پھر قلم لے کر بیٹھ گیا، اس مرتبہ بھی راہ میں وہی مشکلات تھیں یعنی مآخذ کی کمیابی، لیکن کہتے ہیں کہ ہمّت کا ساتھی خدا ہوتا ہے، میں نے ہمّت نہیں ہاری، اور خدا کا نام لے کر اُن ماخذوں کی بناء پر جو میرے پاس تھے کام شروع کر دیا، لکھتا جاتا تھا، اور سوچتا جاتا تھا کہ اِن چند مآخذ کی بنیادوں پر اس عظیم تذکرے کی تکمیل کیسے ہوگی یکایک ان بزرگوں کی یُمن و برکت سے کہ جن کا تذکرہ اس کتاب کی زیب و زینت ہے، تائیدِ غیبی حاصل ہوئی، اور عین اُس وقت جب میں مایوسیوں کی وادی میں بھٹک رہا تھا ایک فرشتۂ رحمت نمودار ہوا، جس نے نہ صرف میری ہمّت افزائی

کی، بلکہ اپنی لائبریری کے دروازے مجھ پر کھول دیئے، یہ تھے لفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید جنھیں قدرت نے سیف و قلم دونوں سے نوازا ہے، اُن کے متعلق اہلِ سیف ہونے کی حیثیت سے تو میں اس قدر جانتا ہوں کہ وہ لفٹیننٹ کرنل ہیں، رہا اہلِ قلم ہونے کی حیثیت سے تو وہ میرے تعارف کے محتاج نہیں، وہ پاکستان کے ممتاز ادیبوں میں ہیں، اُن کا موضوع خاص اسلامیات اور تاریخ ہے، اور ہندو پاکستان کے مشہور جرائد و رسائل میں اُن کے مضامین شائع ہو کر اہلِ علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں جو میری مدد فرمائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں اُن کے شکریہ سے باندازہ احساس و تاثر قاصر ہوں، اُنھوں نے نہ صرف اپنی لائبریری سے وہ تمام ماخذ جو اُن کے پاس تھے میرے حوالے کر دیئے، بلکہ اس کتاب کے مکمل ہونے کے بعد باوجود اپنی گوناگوں اور اہم مصروفیتوں کے بالاستیعاب مسودے کو دیکھا، اور نہایت ضروری اور اہم مشورے دیئے، اُن کے کرم کی انتہا یہیں نہیں ہوئی بلکہ اُنھوں نے میری گذارش پر اس کتاب پر ایک بسیط اور فاضلانہ مقدمہ لکھا، اور مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا رہینِ منت بنا لیا۔

میں محترمی ڈاکٹر معین الحق صاحب جنرل سکریٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی کا بھی ممنون ہوں کہ اُنھوں نے اس کتاب پر ایک گرانمایہ تعارف لکھ کر مجھے نہ صرف رہینِ منت بنایا، بلکہ اُنھیں کے کرم کی بدولت یہ کتاب اس قدر جلد منظرِ عام پر آ رہی ہے۔

اُردو کے ممتاز ادیب جمیل جالبی اور میرے اُن عزیز ترین دوستوں میں کہ جنھیں میں پیکرِ خلوص کہتا ہوں وہ سراپا محبت و خلوص ہیں، میری کتابوں پر اُن کے مقدمے اور پیش لفظ اُس لطف و کرم کے آئینہ دار ہیں جو وہ مجھ پر فرماتے ہیں، میری اس تالیف کے دوران میں بھی اُس رسم کے مطابق جو مجھ میں اور اُن میں ہے اُن کے الطاف میرے شاملِ حال رہے، اُن کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی کوتاہی ہے۔

میں اپنے عزیز مبین الحق صدیقی ایم۔ اے، بی۔کام ایل۔ایل۔ بی کا بھی ممنونِ کرم ہوں کہ اُن کے ذوق اور شدید تقاضوں نے مجھ سے اس کتاب کی تکمیل کرائی، ورنہ خدا جانے یہ کتاب کب تک معرضِ التواء میں پڑی رہتی۔

محبِ محترم سید حسام الدین راشدی کا بھی میں ممنون ہوں کہ اس تالیف کے دوران میں وہ منیلا میں تھے، جب وہ کراچی واپس ہوئے تو اُنھوں نے بڑی فراخ دلی سے اس کے لئے کچھ مآخذ اپنی لائبریری سے عطا فرمائے۔

میں اپنے مشفق اور مخلص دوست جناب محمد ایوب قادری بی۔اے کا بھی سپاس گزار ہوں کہ اُنھوں نے بعض مفید مشوروں سے مجھے نوازا اور اس کے پروف دیکھ کر مجھے ممنونِ کرم بنایا۔

میں عزیز مکرم زیاڈ ایچ انصاری سول ایجنٹ شیفرز پین (پاکستان) کی وضع داریوں اور عنایتوں کو فراموش نہیں کر سکتا کہ اُنھوں نے اِس کتاب میں اپنی روایاتِ قدیم کو برقرار رکھا، اور اس کتاب کے لئے شیفرز کا ایک نہایت اور مضبوط قلم مجھے عطا فرمایا۔

اِس کتاب کے متعلق صرف اِس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ مغربی پاکستان کے اس علاقے کے جسے سابق میں پنجاب کہا جاتا تھا (۳۹۰) مشاہیر صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے، جنھوں نے اِس علاقے میں رُشد و ہدایت کے چراغ روشن کر کے برصغیر پاک و ہند کو روشن و منور بنا دیا، ان بزرگوں کی سوانح حیات لکھتے وقت میری یہ کوشش رہی ہے کہ اُن کی پاکیزہ زندگی کی صحیح تصویر قارئین کے سامنے آئے اور اُنھوں نے اشاعتِ اسلام، انسانیت اور اخلاقی سربلندی کے لئے جو کوششیں کی ہیں اُنھیں زیادہ سے زیادہ اُجاگر کیا جائے۔

میں نے یہ تذکرہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے کہ اس میں پڑھنے والوں کو زیادہ سہولت ہے، البتہ حرفِ تہجی کے ذیل میں سنین کی ترتیب کا بھی خیال رکھا ہے، میں نے اس کی بھی کوشش کی ہے کہ جن اشخاص و رجال کے نام متن

میں آئے ہیں حتی الامکان اُن کے متعلق ضروری معلومات حواشی میں دے دی ہیں، اس کے علاوہ مآخذ کے حوالے بھی حواشی میں دے دیئے گئے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اس کتاب کی خوبیوں کا تعلق ہے میں انھیں اُن بزرگوں کا تصرف سمجھتا ہوں جن کا تذکرہ اس کتاب کی زیب و زینت ہے، اور جو کوتاہیاں ہیں وہ میری ہیں، جن کے متعلق میں اپنے قارئین سے متوقع ہوں کہ وہ مجھے معاف فرمادیں گے۔

میرے لئے یہ سعادت کیا کم ہے کہ ان بزرگوں کے نام لیواؤں میں ہوں، اور اُن کے تذکرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہوں کہ ؎

تذکرہ اِس قدر کِیا اُن کا
قابلِ ذکر ہو گئے ہم بھی
(فضلی)

لیاقت آباد ۵/۵۷ کراچی ۱۹ } اعجاز الحق قدوسی۔
۴ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(۱)

# پنجاب کے سب سے پہلے صوفی اور درویش

# شیخ صفی الدین گازرونی

جس طرح سندھ کے صوفیائے کرام میں سب سے زیادہ قدامت شیخ ابوتراب مشہور بہ حاجی ترابی کو حاصل ہے، اسی طرح پنجاب میں سب سے پہلے صوفی اور درویش شیخ صفی الدین گازرونی ہیں۔ جو ہندوپاکستان میں حاجی ترابی کے بعد سب سے پہلے صوفی اور درویش سمجھے جاتے ہیں۔

شیخ صفی الدین حقانی گازرونی ۳۵۱ھ/۹۶۲ء میں گازرون میں پیدا ہوئے،

وہ خواجہ ابو اسحاقؒ گازرونی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں وہ گازرون سے اُچ تشریف لائے، اور اُچ میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کی اُچ میں تشریف آوری کے واقعے کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ صفی الدین کو اُن کے شیخ نے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور اپنے شیخ کے ارشاد پر آپ نے اُس سرزمین

---

لے آپ کا نام ابراہیم، ابو اسحاق کنیت۔ آپ کے والد کا نام شہریار تھا، اصل وطن فارس ہے، تصوف میں آپ کو شیخ ابو علی حسین بن فیروز آبادی الاکار سے نسبت ہے حدیث میں بھی آپ کو مستند اور ثقہ مانا جاتا ہے۔ آپ گازرون، شیراز، بصرے، مکے اور مدینے کے بہت سے محدثین کی خدمت پہنچے، اور اُن سے حدیث میں استفادہ کیا، آپ نے مکہ معظمہ میں شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ جہضم ہمدانی کو بھی دیکھا تھا، اور اُن سے آپ روایت بھی کرتے تھے۔

ایک وزیر کو خواجہ ابو اسحاق سے بڑی عقیدت تھی، اُس نے ہر چند چاہا کہ خواجہ ابو اسحاق اس کا کوئی تحفہ قبول کریں، لیکن آپ نے اس کا کوئی تحفہ قبول نہیں فرمایا، آخر اس نے آپ کو یہ پیغام بھیجا کہ میں نے ہر چند کوشش کی کہ آپ میرا کوئی تحفہ قبول فرمائیں، لیکن آپ نے میرا کوئی تحفہ قبول نہیں کیا، اب مجبوراً میں نے چند غلام آزاد کر کے اُن کا ثواب آپ کو بخش دیا ہے، خواجہ ابو اسحاق نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا، تمھارا پیغام مجھے ملا، تمھارے اس احسان کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن بندوں کو آزاد کرنا میرا مذہب نہیں۔ بلکہ میرا مذہب آزادوں کو احسان و لطف و کرم سے غلام بنانا ہے۔

خواجہ ابو اسحاق گازرونی نے ذی قعدہ کے مہینے میں ۴۲۶ھ میں میں وفات پائی۔

(نفحات الانس۔ مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ص $\frac{239}{240}$ )

میں سکونت اختیار فرمائی جسے اب "اُچ"[1] کہتے ہیں، یہاں آپ نے عمارتیں بنوائیں اور آپ نے ہی اُچ کی بنیاد رکھی[2]۔

لیکن اُچ کے متعلق مشہور ہے کہ اس کی آبادی بہت قدیم ہے، بلکہ ان شہروں میں سے ہے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سکندر اعظم کے وقت سے آباد ہیں، ممکن ہے کہ شیخ صفی الدین کے زمانے میں یہ ویران ہو گیا ہو، اور شیخ صفی الدین نے دوبارہ آباد کیا ہو، یا پرانی آبادی کے قریب آپ نے کوئی نئی بستی بسائی ہو۔

شیخ صفی الدین ۳۹۸ھ ؍ ۱۰۰۸ء میں واصل الی اللہ ہوئے۔

---

[1] اوچ، اوّچا، اوسا، اوچہ، اسکندرہ، الیگزنڈرہ، اسکالنڈہ، یہ دیوگڑھ بھی کہلایا ہے۔ [راجہ دیوسنگھ بھٹی کے نام پر] ۵۰۷ھ میں "تلواڑہ" چاچوزہ بھی کہلایا، غالباً ایک برہمن وزیر چاچ رائے کے نام پر اُچ کی تاریخ پر مندرجہ ذیل کتابیں روشنی ڈالتی ہیں:۔

(۱) تاریخ فرشتہ، (۲) تاریخ معصومی (۳) سفر نامہ حضرت مخدوم جانیاں، (۴) خزینہ جلالیہ (۵) جواہر جلالیہ (۶) طبقات ناصری، (۷) تحفۃ الکرام (۸) آئین اکبری (۹) تاریخ سندھ (عبد الحلیم شرر)۔ (۱۰) معجم البلدان (۱۱) مروج الذہب (۱۲) فتوح البلدان (۱۳) فتح نامہ (۱۴) تاریخ طاہری۔

"اُچ" تین ہیں

| اُچ موغلہ | اُچ بخاری | اُچ گیلانی |
| --- | --- | --- |
| مغلوں نے آباد کیا۔ | سادات بخاری | سید صفی الدین گازرونی |
| شیخ جمال الدین شیخ خنجدی ← | ۷۰۰ھ | ۳۷۰ھ |

[2] اخبار الاخیار ص ۲۰۵ بضمن مخدوم شیخ عبد القادر۔

(۲)

# شیخ اسماعیل لاہوری

**حالات** لاہور میں جو سب سے پہلے مبلغ تشریف لائے، وہ شیخ اسمٰعیل بخاری تھے، وہ اُس زمانے میں لاہور وارد ہوئے، جب لاہور میں ایک ہندو راجہ کی حکومت تھی، یہ راجہ سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا، اور اُس وقت تک لاہور میں سلطان محمود غزنوی کا کوئی نائب نہ تھا، شیخ اسماعیل بخاری سادات میں سے تھے، علوم ظاہری اور علوم باطنی میں کمال رکھتے تھے، وہ ۳۹۶ھ ۱۰۰۵ء میں لاہور پہنچے، اور اُنھوں نے لاہور میں اشاعتِ اسلام اور تبلیغ و ترویج دین کے لئے بے پناہ کوششیں کیں۔ اُن کے وعظ میں بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوتے تھے، اثر و تاثیر کا یہ عالم تھا کہ وعظ کے بعد کثرت سے لوگ اسلام قبول کرتے، وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے لاہور میں سب سے پہلے تفسیر و حدیث کا درس شروع کیا، تذکرۂ علمائے ہند میں ہے۔

" از علمائے محدثین و مفسرین بود، اوّل کسے است کہ علم تفسیر و حدیث بہ لاہور آوردہ، و ہزار ہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف باسلام شدند[1]۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ جب شیخ اسماعیل لاہور میں تشریف لائے تو دوسرے جمعہ کو پانچ سو پچاس آدمی اور تیسرے جمعہ کو ایک ہزار آدمی

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔

اُن کی تبلیغ سے داخل اسلام ہوئے۔ شیخ اسماعیل ۴۴۸ھ؍۱۰۵۶-۵۷ء میں واصل الی اللہ ہوئے۔

## تاریخ وفات

متقدم مورخین نے شیخ اسماعیل لاہوری کا سنہ تاریخ وفات لفظ "مہتاب" (۴۴۸ھ) سے نکالا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے ذیل کے قطعہ میں تاریخ وفات لکھی:۔

شیخ دنیا و دیں امامِ زماں ‏ ‏ ‏ ‏ سیدِ دیں فقیہ اسماعیل

سال وصلش "فقیر محبوب" (۴۴۸ھ) است ‏ ‏ ‏ ‏ نیز "میر وجیہہ اسماعیل" (۴۴۸ھ)[1]

شیخ اسماعیل نے لاہور میں وفات پائی۔[2]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۳۰ [2] تذکرہ علمائے ہند۔ تذکرہ شیخ اسماعیل لاہوری۔

(۳)

# حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری

## داتا گنج بخش

سیدِ ہجویر مخدومِ اُمم — مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت — در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد — حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبح ما از مہرِ او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصدِ طیارِ عشق — از جبینش آشکار اسرارِ عشق

(علامہ اقبال)

**نام و نسب** آپ کا اسمِ گرامی علی، ابوالحسن کنیت، اور داتا گنج بخش لقب ہے، آپ کے والد کا نام نامی سید عثمان ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسنؑ بن علی مرتضیٰؓ

آپ کو ہجویری اور جلابی اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کا شروع میں قیام ہجویر اور جلاب میں رہا۔ یہ غزنین کے دو مشہور گاؤں ہیں، آپ کی ولادت باسعادت ۴۰۰ھ میں ہوئی۔

---

۵۱ بزمِ صوفیہ۔ ص۔ ۱

**اساتذہ** کشف المحجوب میں حضرت شیخ ابوالحسن ہجویری نے اپنے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے، اُن میں سے حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی[1] ہیں، آپ نے اُن کے فضائل و مناقب کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"مرا با وے انسے عظیم بودہ، وے را بر من شفقتے صادق، و در بعضے علوم اُستادِ من بود، ہرگز از ہیچ صنف کسے ندیدم کہ شرع را بنزدیک وے تعظیم بیشتر بود۔"[2]

اسی کتاب میں ایک اور جگہ آپ اپنے ایک دوسرے اُستاد شیخ

---

[1] شیخ ابوالعباس شقانی کا نام احمد بن محمد تھا، علم اصول و فروع میں امام تھے۔ اُنھوں نے بہت سے مشائخین سے استفادہ کیا تھا، اکابرِ اہلِ تصوّف میں تھے، صاحبِ کشف المحجوب کا بیان ہے کہ ایک روز میں شیخ ابوالعباس کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ وہ ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لا یقدر علی شئی پڑھتے جاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے ایک نعرہ لگایا، ایسا نعرہ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ وفات پا جائیں گے۔ پھر میں نے پوچھا اے شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا کہ آج گیارہ سال ہو چکے ہیں اس مقام پر پہنچا ہوں اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔
ایک روز شیخ ابوسعید ابوالخیر، نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بہت بڑے سید جو اکابر سادات نیشاپور میں تھے، شیخ کے سلام کے لئے آئے اور شیخ کے پہلو میں بیٹھ گئے، اتفاق سے اسی وقت ابوالعباس شقانی بھی آگئے، شیخ ابوسعید نے اُن کو اُن سید سے زیادہ معزز جگہ پر بٹھایا، سید کو اس سے رنج ہوا، شیخ ابوسعید نے اُن سید سے فرمایا کہ ہم جو تم کو دوست رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں، اور اِن کو اللہ کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں۔ (نفحات الانس ص ۲۸۹/۲۹۰)۔

[2] نفحات الانس۔ ص ۲۸۹۔

ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی[1] کا تذکرہ کیا ہے، اُن کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وہ روسائے متصوف میں تھے، تحقیق میں اُن کی زبان اچھی تھی حسین بن منصور سے بہت محبت رکھتے تھے، میں نے اُن کی بعض تصانیف اُنھیں سے پڑھیں۔

ان کے علاوہ اُنھوں نے شیخ ابو القاسم[2] عبدالکریم بن ہوازن قُشیری سے بھی استفادہ کیا، اور شیخ ابو القاسم[3] بن علی بن عبداللہ گرگانی بھی اُن کے اساتذہ میں تھے، شیخ ابو القاسم کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ہجویری نے لکھا کہ۔

مرا با دے اسرار بسیار بود، اگر باظہارِ آیات وے مشغول گردم از مقصود بمانم۔

---

[1] ابو جعفر صیدلانی، ابوالحسن صائغ دینوری کے اُستاد ہیں، بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ابو العباس کے ہمعصر تھے، مکّہ میں مجاور تھے، اُنھوں نے مصر میں وفات پائی، اُن کی قبر دقاق مصری کے پہلو میں ہے۔ (نفحات الانس ص ۱۶۳)

[2] شیخ ابو القاسم کا اسم گرامی عبدالکریم بن ہوازن قشیری ہے، کئی رسالوں اور تفسیر لطائف الاشارات کے مصنّف ہیں، ہر فن میں اُن کے بہت سے لطائف ہیں، حضرت ابو علی دقاق کے مرید تھے، اور ابو علی فارمدی کے اُستاد تھے، شیخ ابو القاسم قشیری نے ربیع الآخر ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔

(نفحات الانس۔ ص ۲۸۸)

[3] شیخ ابو القاسم گرگانی کا نام علی ہے، اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، تین واسطوں سے آپ کا سلسلۂ سید الطائفہ حضرت جنید سے جا ملتا ہے، بعض مشکل مسائل کے پوچھنے کے لئے حضرت ہجویری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

متاخرینِ آئمہ میں حضرت ہجویری نے ابو العباس احمد بن محمد قصاب[1]، ابو عبد اللہ[2] محمد بن علی المعروف الداغستانی، ابو سعید فضل اللہ بن محمد اور ابو احمد المظفر بن حمدان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، اور اُن کی تعلیمات اور تصانیف سے بھی استفادہ فرمایا۔

## روحانی تعلیم و تربیت

حضرت داتا گنج بخش نے جن بزرگ سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی اُن کا اسم گرامی ابو الفضل محمد بن حسن ختلی ہے۔ شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی سلسلۂ جنیدیہ میں منسلک تھے، اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری نے اُن کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا۔

وہ اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میں طریقت میں اُنھیں کا پیرو ہوں، وہ علمِ تفسیر اور روایات کے عالم تھے، اور تصوف میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے، اور حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور رازدار تھے، ابو عمر قزوینی اور ابو الحسن سالبہ کے ہمعصر تھے۔ ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ گیر ہو کر خلقت سے دور رہے

---

[1] شیخ ابو العباس کا نام احمد بن محمد بن عبد الکریم ہے، آملی او طبرستان کے مشہور شیخ تھے، اور محمد بن عبد اللہ طبری کے مرید تھے، اگرچہ اُمی تھے، مگر ان کی گفتگو معارف اور نکات سے مزین ہوتی تھی، طبرستان کے ایک امام کہا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ کے افضال میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو بغیر تعلیم و تعلّم کے بھی ایسا کر دیتا ہے کہ جب ہم کو اصول دین اور دقائق توحید میں کوئی چیز مشکل پیش آتی ہے تو ہم ابو العباس قصاب سے پوچھتے ہیں۔ (نفحات الانس۔ ص ۲۶۶)۔

[2] شیخ ابو عبد اللہ الداغستانی کا اصل نام محمد بن علی داغستانی ہے، ان کا لقب شیخ المشائخ عالم تھا مختلف علوم میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے، شیخ ابو الحسن خرقانی کے ہمعصر تھے، ۵۹ سال کی عمر میں ماہ رجب ٣١٧ھ میں وفات پائی (نفحات الانس۔ ص ۲۷۶)۔

اُن کا قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اُنھوں نے اچھی عمر پائی، اُن کی ولایت کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ لیکن ظاہری لباس اور رسوم صوفیہ کے نہ رکھتے تھے، میں نے اُن سے زیادہ پُر رعب کسی کو نہیں دیکھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ الدنیا یوم و لنا فیھا صوم[۱]۔

**مرشد کا وصال** کشف المحجوب میں ہے کہ آپ کے شیخ حضرت ابو الفضل محمد بن حسن ختلی نے آپ ہی کے زانو پر وصال فرمایا، اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"جس روز آپ (حضرت ابو الفضل محمد بن حسن ختلی) کی وفات ہوئی آپ بیت الجن میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے پہاڑی پر جو دمشق اور بانیاز کے درمیان ہے، اُس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا، اور میرے دل میں ایک دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں، اگر تم اُس کے مطابق اپنے آپ کو درست کر لوگے تو سب رنجوں سے نجات پا جاؤ گے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بُروں کو پیدا کرتا ہے، اس لئے تمھیں اس کے کسی فعل پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینی چاہیے۔ اس کے سوا کوئی وصیت نہیں فرمائی، اور جاں بحق ہوئے۔[۲]

**سیر و سیاحت** تزکیۂ باطن اور روحانی کمال کے لئے آپ نے اسلامی ممالک، شام، بغداد، عراق، پارس، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراءالنہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا،

---

[۱] کشف المحجوب۔ ذکر آئمہ متاخرین و نفحات الانس۔ ص ۲۹۰۔

[۲] " " " " ص ۲۹۰۔

اور ہر مقام کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں آپ نے تین سو مشائخ کرام سے ملاقات فرمائی۔

## ریاضتیں اور مجاہدے

سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کئے، اُن کو کشف المحجوب میں آپ نے جا بجا بیان فرمایا ہے۔ کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت میں فرماتے ہیں کہ:-

ایک مرتبہ میں شیخ ابو یزید کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، چنانچہ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا مگر وہ مشکل حل نہ ہوئی، آخر میں نے خراسان جانے کی ٹھانی، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں موٹا اور کھُردرا لباس پہنے ہوئے تھا، ہاتھ میں ڈنڈا اور پانی کا برتن تھا، اس کے علاوہ کوئی اور ساز و سامان میرے پاس موجود نہ تھا، اس جماعت نے مجھے بنگاہِ تحقیر دیکھا اور اُن میں سے کسی نے مجھے نہیں پہچانا، اُن میں سے کچھ لوگ کہنے لگے یہ ہم میں سے نہیں، اور واقعی میں اُن میں سے نہ تھا، لیکن وہاں رات گزارنا بھی ضروری تھا، ان لوگوں نے مجھے خانقاہ کے نچلے حصے میں ٹھہرایا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھیرے، کھانے کے وقت ایک سوکھی روٹی مجھ کو دی، میں اُن کے خوشبو دار کھانوں کو سونگھ رہا تھا، جو وہ تناول کر رہے تھے، اور بالائی منزل پر میرے متعلق گفتگو کرتے جاتے تھے، جب وہ کھانا کھا چکے تو خربوزے کھانے لگے، اور ازراہِ تمسخر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے، اور طنز کی باتیں کرتے رہے، مگر جتنا وہ زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل اُن سے خوش ہوتا تھا، اس طرح ملامت سہنے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی، اس وقت مجھے

معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں[1]

مسلسل چار سال تک سفر میں رہنے کے باوجود کبھی کی نماز باجماعت ترک نہیں ہوئی، اور ہر جمعہ کو کسی قصبہ میں نماز کے لئے قیام فرمایا۔

## صوفیہ کی ظاہری رسوم سے نفرت

حضرت داتا گنج بخش بھی اپنے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کی طرح صوفیوں کی ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، اور ان ظاہری رسوم کو معصیت اور ریا سے تعبیر فرماتے تھے، اور ظاہر پرست صوفیوں کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے[2]

## ازدواجی زندگی

آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق کوئی واضح صراحت نہیں ملتی، لیکن کشف المحجوب کے بعض اندراجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی، کشف المحجوب میں ہے کہ :-

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام پس آنکہ مرا حق تعالے یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند، بے آنکہ رویت بودہ بود، ویک سال مستغرق آں بودم، چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود، تا حق تعالے بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بے چارۂ من فرستادند، برحمت

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں حق تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک شادی کی آفت سے بچائے رکھا پھر تقدیر سے آزمائش میں ڈالا گیا، میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کا اسیر ہوا، بغیر اس کے کہ میں نے اُس کو دیکھا ہو، ایک سال تک میں اس کے خیال میں غرق رہا نزدیک تھا کہ یہ چیز میرے دینی معاملات میں خلل انداز ہو کہ اللہ تعالے نے کمال لطف و فضل سے عصمت کو دل بے چارہ کے استقبال کے لئے بھیجا، اور اپنی رحمت سے

---

[1] کشف المحجوب [2] بزم صوفیہ ۔ص ۷

خلاصی ارزانی داشت [۱] ] مجھے اس مصیبت سے نجات دی۔

## لاہور میں تشریف آوری

حضرت داتا گنج بخش سلطان مسعود[۲] بن محمود غزنوی کے آخیر دورِ حکومت میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مختلف ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے[۳]، خوائد الفواد میں ہمیں آپ کے لاہور تشریف لانے کی کچھ تفصیلات ملتی ہیں، حضرت شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ۔

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے، اور اُن کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ سے لہاور (لاہور) میں مقیم تھے، کچھ دنوں کے بعد اُن کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لہاور میں جاکر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے کہا کہ وہاں شیخ حسین زنجانی موجود ہیں، لیکن اُن کے پیر نے پھر فرمایا کہ تم جاؤ، جب علی ہجویری اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں لہاور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا[۴]"

آبِ کوثر میں ہے کہ لاہور تشریف لانے کے بعد یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا، کچھ دن تک درس دیتے رہے، پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے[۵]

---

[۱] کشف المحجوب

[۲] سلطان مسعود سلطان محمود غزنوی کا تیسرا لڑکا تھا، جو ۴۲۲ھ میں اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا، اور جمادی الاول ۴۳۲ھ قلعہ گسری میں قتل ہو گیا۔ (ماخوذ تاریخ دیالمہ و ایران فصل پانزدھم ص ۳۱۹ و ۳۲۰)۔ [۳] آب کوثر ص ۸۶

[۴] فوائد الفواد۔ ص ۳۵۔

[۵] آب کوثر۔ ص ۸۶

## لاہور سے مرشد کی خدمت میں حاضری

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آنے کے بعد آپ پھر اپنے مرشد کی خدمت میں واپس گئے تھے، کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ کے مرشد نے آپ کے زانو ہی پر وفات پائی، اور مرشد کے وصال کے بعد آپ دوبارہ لاہور واپس آگئے۔

## تبلیغ اسلام

مشہور ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جن میں سے ایک رائے راجو بھی تھا، جو سلطان مودود[1] ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا، اسلام لانے کے بعد آپ نے اُس کا عرف شیخ ہندی رکھا، اُسی کی اولاد سے آپ کے مزار کے خدام و مجاور ہیں[2]۔

---

[1] امیر مودود، سلطان مسعود کا لڑکا تھا جب سلطان مسعود ہندوستان گیا، تو اُس نے وہاں کی حکومت اپنے لڑکے امیر مودود کے سپرد کی، ۴۳۲ھ میں جب سلطان مسعود کے مارے جانے کی خبر ہندوستان پہنچی تو وہ اپنے باپ کے انتقام کے لئے ایک جمعیت کے ساتھ غزنی آیا، اور غزنی کے قریب اپنے چچا امیر محمد سے اُس کی لڑائی ہوئی، امیر محمد اس جنگ میں مارا گیا، جس جگہ یہ جنگ ہوئی تھی اُس کا نام امیر مودود نے فتح آباد رکھا، اس فتح کے بعد وہ غزنی میں داخل ہوا۔

امیر مودود نے ۴۳۵ھ میں سلاجقہ کو مغلوب کرنے کے لئے ہندوستان کے راجاؤں اور ترکوں اور قرب و جوار کے ممالک سے اتحاد کیا، پھر وہ ایک بڑی جمعیت لے کر غزنی سے عازم خراسان ہوا، ابھی غزنی سے ایک منزل بھی آگے نہ بڑھا تھا کہ مرض قولنج میں گرفتار ہوا، اور غزنی لوٹ آیا، اُسی زمانے میں سلاجقہ سیستان پر غالب آگئے۔ امیر مودود جو خود جنگ میں نہیں جاسکتا تھا، اُس نے اپنے وزیر عبدالرزاق بن احمد میمندی کو جنگ کے لئے مقرر کیا، امیر مودود کا مرض روز بروز شدت اختیار کرتا گیا، یہاں تک کہ اُنتالیس سال کی عمر میں، ۱۰ رجب ۴۴۱ھ کو اس نے وفات پائی۔
(ماخوذ از تاریخ دیالمہ وغزنویاں مصنفہ عباس پرویز فصل شانزدہم باز ماندگان غزنویان - از صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۵)

[2] آب کوثر، ص ۸۶

یہ وہی زمانہ تھا کہ تصوف میں بعض نئی اور غیر اسلامی چیزیں داخل ہو رہی تھیں، حضرت داتا گنج بخش شروع ہی سے دینی اصولوں پر بڑی شدّت سے عامل تھے، آپ نے حسین فارسی اور ابو سلمان کے حلولی فرقوں کو جنھوں نے تصوف میں بے راہ روی اختیار کی تھی ملحد اور لعنتی کہا ہے، کشف المحجوب میں گروہ حلولیہ کے ضمن میں ان دونوں فرقوں کے متعلق تحریر فرمایا۔

میں نہیں جانتا فارسی کون اور ابو سلمان کون ہے، اور اُنھوں نے کیا باتیں کہی ہیں، جو شخص توحید کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اُس کا دینِ اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے، چونکہ دین اصل ہے۔ وہ تصوف جو اُس کا نتیجہ اور اس سے مشتق نہ ہو مستحکم نہیں ہو سکتا۔[۱]

## تصانیف

حضرت داتا گنج بخش متعدد کتابوں کے مصنف تھے، کشف المحجوب آپ کی مشہور تصنیف ہے، کشف المحجوب میں آپ نے اپنی جن دوسری تصانیف کا تذکرہ کیا ہے اُن میں (۱) منہاج الدین (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ (۷) رسالہ در شرح کلام حلاج اور رسالہ ایمان ہیں، کشف المحجوب میں آپ نے اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، جو اب نہیں ملتا۔

کشف المحجوب کی پہلی فصل میں آپ نے اِس پر بحث کرتے ہوئے کہ آپ نے کتاب کے شروع میں اپنا نام کیوں لکھا ہے، اس ضمن میں واضح کیا ہے کہ کس طرح آپ کا مجموعہ اشعار رائیگاں ہوا۔

"کتاب کے اوّلین حصّہ میں جو میں نے اپنا نام لکھا ہے، اس سے دو چیزیں مراد ہیں، ایک نصیب خاص، اور دوسری نصیب عام، جو کچھ نصیب عام سے متعلق ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب کم علم

---

[۱] کشف المحجوب۔

لوگ اِس موضوع کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو اُس میں اصل مصنف کا کہیں ایک جگہ نام نہیں پاتے تو اُسے اپنی طرف منسوب کر کے کتاب کی مقصدیت کو فوت کر دیتے ہیں، کیونکہ مصنف کا اپنے نام کی اشاعت سے بقائے دوام مقصود ہوتا ہے، اور خواہش رکھتا ہے کہ اس کی کتاب سے مستفید ہونے والے اُسے نیک دعاؤں سے یاد کریں۔ میرے ساتھ یہ واقعہ ہو چکا ہے، ایک دفعہ کسی نے میرے اشعار کا مجموعہ طلب کیا، میرے پاس اُس کی نقل نہیں تھی، اُس نے اُسے واپس نہیں کیا، اور آغازِ کتاب سے میرا نام محو کر کے میری تمام کاوشوں کو رائیگاں کر دیا، خدا اس پر رحم کرے، میں نے منہاج الدین کے نام سے ایک اور کتاب تالیف کی تھی، جو تصوف کے موضوع سے متعلق تھی، ایک پست احساس مدعیِ علم نے اس پر سے میرا نام ہٹا کر خود سے منسوب کیا، اور لوگوں میں مشہور کیا کہ وہ اس کی تالیف ہے، عوام و خواص اُس کی حرکت پر ہنستے رہے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ خدا نے اُسے مردودِ بارگاہ قرار دیا، اور اُس کا نام محو کر دیا گیا۔

کشف المحجوب کے اب تک متعدد اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا اردو ترجمہ جو ہماری نظر سے گزرا ہے، وہ مولوی فیروز الدین کا ہے جو کتب خانہ اسلامی لاہور سے ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا، پھر اس کا ایک ترجمہ ۱۳۲۲ھ کا بھی ہماری نظر سے گزرا ہے، لیکن اس میں مترجم کا نام نہیں اس کا تیسرا ترجمہ مولوی محمد حسین مناظر گوندیا والہ کا ہے، اس کا چوتھا ترجمہ صوفی شیخ محمد اقبال صاحب کا ہے، اس کا پانچواں ترجمہ مفتاح القلوب کے نام سے خیال امروہوی نے کیا ہے، جو اس وقت مارکیٹ میں ملتا ہے۔

مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن نے کشف المحجوب کو انگریزی میں

منتقل کیا۔ اس کے انگریزی ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۲ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

**کشف المحجوب اکابر صوفیا کی نظر میں** اب آپ کی تمام کتابوں میں صرف کشف المحجوب ہی ملتی ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں تصوّف کی پہلی کتاب ہے، جو ہر دور میں اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے بے نظیر سمجھی گئی ہے، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

کشف المحجوب از تصنیفِ شیخ علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز اگر کسے را پیرے نباشد۔ چوں ایں کتاب را مطالعہ کند پیدا شود، و من ایں کتاب را بتمام مطالعہ کردہ ام [۱]

حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائفِ اشرفی میں بکثرت اس کے حوالے موجود ہیں۔

مولانا جامی نفحات الانس میں کشف المحجوب کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی قدس سرہ کنیت وے ابوالحسن ست عالم و عارف بودہ، مرید شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی ست و بصحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است، صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہورہ دریں فن ست، ولطائف و حقائق بسیار در آں کتاب جمع کردہ ست [۲]

---

[۱] دُرر نظامی۔ مرتبہ شیخ محمود علی جاندار خادم نظام المشائخ دہلی (مملوکہ سید علیم الدین خادم درگاہ سلطان المشائخ دہلی)، بحوالہ تصوف اسلام ص ۵۲

[۲] نفحات الانس۔ ص ۲۹۱ بضمن تذکرہ حضرت ہجویری مطبوعہ نول کشور۔

دارا شکوہ نے حضرت داتا گنج بخش کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کشف المحجوب کی اہمیت و افادیت کو اس طرح واضح کیا ہے۔

حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است، اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و ہیچ کس را بر آں سخن نیست و مرشدے است کامل، در کتبِ تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نشدہ [1]

پروفیسر نکلسن نے کشف المحجوب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش نے، اپنے ساتھی ابو سعید ہجویری کے ایک استفسار پر جو آپ کے ساتھ غزنی سے لاہور آئے تھے لکھی، ابو سعید ہجویری آپ سے تصوف کے رموز و اشارات کو سمجھنا چاہتے تھے، آپ نے اِس کتاب میں تصوف کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، اس طرح یہ وہ کتاب ہے جس سے پہلی مرتبہ ہند و پاکستان اسلامی تصوف سے متعارف ہوا ہے۔

**تعلیمات** حضرت داتا گنج بخش کی تعلیمات تک پہنچنے کا ذریعہ ہمارے پاس صرف اُن کی کتاب کشف المحجوب ہے، ہم اسی کتاب سے آپ کی تعلیمات کے مختلف پہلو پیش کرتے ہیں۔

**علم** کشف المحجوب کے پہلے باب میں آپ نے قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ کے روشنی علم کی اہمیت کو ظاہر کر کے یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک معرفت کے اعلیٰ مراتب و مدارج پر فائز ہوتا ہے، اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ اپنے علم پر عامل بھی ہو، پھر آپ نے علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک علم خداوندی، دوسرا علمِ انسانی، علم خداوندی کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ اللہ کے علم کے نزدیک اُس کے بندوں کا علم بالکل

---

[1] سفینۃ الاولیاء۔ ص ۲۸۲۔

ہیچ ہے۔ وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، انسانوں کا علم ایسا ہونا چاہئے کہ وہ ظاہر و باطن میں نفع بخشنے والا ہو، انسانی علم کی دو قسمیں ہیں ایک اصولی دوسرے، فروعی۔ اصولی یعنی ظاہر میں کلمۂ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا، فروعی، یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اُس کے لئے صحیح نیت رکھنا۔

پیر ہجویری کی رائے میں ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن، حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، ایک خدائے تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں، دوسرے خداوند تعالیٰ کی صفات کا علم، یعنی وہ عالم ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے، تیسرے اُس کی حکمت اور افعال کا علم یعنی وہ تمام خلائق کو پیدا کرنے والا ہے۔

علمِ شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (۱) کتاب (۲) سنّت (۳) اجماعِ اُمّت، پھر پیر ہجویری نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جس کو خدا کا علم یعنی علمِ حقیقت نہیں، اُس کا دل جہالت کی وجہ سے مُردہ ہے، اور جس کو اُس کا عنایت کیا ہوا علمِ شریعت نہیں ملا اُس کا دل عدم واقفیت کی بنا پر بیمار ہے، پیر ہجویری نے علم حقیقت اور علم شریعت کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ پھر حضرت ابو بکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس نے صرف علم توحید پر اکتفا کیا وہ زندیق ہے۔[1]

**درویشی** کشف المحجوب کے دوسرے باب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ نے فقر درویشی کے فضائل بیان کرتے ہوئے

---

[1] ماخوذ از کشف المحجوب۔ باب اوّل۔

لکھا ہے کہ فقیر کو خدا کے نزدیک بڑا مرتبہ حاصل ہے، پھر فقیر کی تعریف کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ فقیر وہ ہے اگر اُس کے پاس کچھ نہ ہو تو اُس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، اور نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے وہ مالدار ہو، اور نہ اُس کے نہ ہونے سے محتاج ہو، یعنی ساز و سامان کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لئے برابر ہو۔ کیونکہ فقیر جس قدر تنگ دست ہوگا، اُسی قدر اُس پر حال زیادہ کھُلے گا، اور اسرارِ الٰہی منکشف ہوں گے، وہ جس قدر بھی دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جائے گا اُسی قدر اُس کی زندگی لطائفِ خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جائے گی، فقیر رضائے الٰہی کے لئے دنیا کی تمام چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے، فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اُس کے فقر کی ترازو کے پلڑے میں اگر دونوں جہان رکھ دیئے جائیں تو وہ مچھر کے برابر بھی نہ ہوں، اور اُس کے ایک سانس میں دونوں عالم نہ سمائیں۔

پھر آپ نے صوفیانہ نقطۂ نظر سے اِس پر بحث فرمائی ہے کہ فقر افضل ہے یا غنا، پیر ہجویری کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل خدائے تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جُدا رہتا ہے، اس لئے فقر، غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالب خدا کے سوا تمام دنیا کی چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اُس کے لئے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

اس باب کی تیسری فصل میں آپ نے فقر و فقیر کے متعلق مختلف صوفیائے کرام کے اقوال نقل کئے ہیں[۱]

**تصوف**۔ کشف المحجوب کے تیسرے باب میں پیر ہجویری نے تصو-

---

[۱] ماخوذ از کشف المحجوب۔ باب اوّل۔

پر بڑی محققانہ اور سیر حاصل بحث کی ہے، اس باب کی پہلی فصل میں لفظ صوفی کے متعلق جو صوفیائے کرام کے اقوال ہیں اُن کو نقل کیا ہے، آپ نے لکھا کہ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف رہی ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی چونکہ صوف کا کپڑا پہنتا ہے اس لئے وہ صوفی کہلاتا ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صفِ اوّل میں رہتا ہے۔ اس لئے صوفی کہلاتا ہے، تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ یہ اہل صُفّہ سے منسوب ہیں لہذا اس لئے ان کو صوفی کہا جاتا ہے، چوتھے گروہ کی رائے ہے کہ یہ صفا سے مشتق ہے لیکن پیر علی ہجویری نے اِن تمام اقوال کو غلط ٹھہراتے ہوئے لکھا ہے کہ صوفی کو صوفی اِس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تَفَعُّل سے ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اُٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں، پھر آپ نے اہلِ تصوف کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) صوفی وہ ہے جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طبیعت کے تصرف سے آزاد ہو کر حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۲) متصوف وہ ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ سے صوفی کے مقام کو حاصل کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔

(۳) مستصوف وہ ہے جو محض مال و دولت اور عزت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

لہذا صوفی صاحبِ وصول یعنی وصل حاصل کرنے والا متصوف صاحب اصول یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا، اور مستصوف صاحبِ فضول

ہوتا ہے یعنی جو حصۂ فضول کا مالک ہے وہ تمام چیزوں سے محروم ہے۔

پھر پیر ہجویری نے حضرت جُنید کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوّف کی بُنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔ یعنی تصوف میں سخاوت، حضرت ابراہیم کی ہو، رضا حضرت اسماعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحییٰ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو اور فقر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

**لباسِ صوفیہ** کشف المحجوب کے چوتھے باب میں آپ نے اہلِ تصوّف کے لباس سے بحث کی ہے، جس میں آپ نے بتایا ہے کہ صوفی سُنتِ رسول کی پیروی میں کمبل یا گُدڑی پہنتا ہے جو اُس کے فقر و ریاضت کی علامت ہے، پھر آپ نے گُدڑی پہننے کی بہت سی شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔

**درویشی اور تزکیۂ نفس** کشف المحجوب کے پانچویں باب میں آپ نے درویشی اور تزکیۂ نفس کے اختلاف کے بارے میں بحث کی ہے، اور علمائے تصوف میں جو درویشی اور تزکیۂ نفس کی افضلیت میں اختلاف ہے اُس کو واضح کیا ہے۔

**ملامت** اس کتاب کے چھٹے باب میں پیر ہجویری نے ملامت پر بحث کی ہے، آپ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے، پھر آپ نے بتایا ہے کہ ملامت تین وجوہ کی بنا پر ہوتی ہے۔

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات اور عبادات میں بالکل درست ہو، پھر لوگ اُس کو ملامت کرتے ہوں، لیکن وہ اُن کی مطلق پروا نہ کرتا ہو۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منھ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلقِ خدا کی ملامت روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل

نہ ہونے پائے۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا، محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، پیر ہجویری نے اس قسم کو واضح ضلالت قرار دیا ہے۔

پیر ہجویری نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لئے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لئے مایۂ تفریح اور مشتاقوں کے لئے راحت اور مریدوں کا سرور ہے۔

اس کے بعد کشف المحجوب کے سات ابواب میں صحابۂ کرام میں آئمہ تصوف اہلِ بیتِ اطہارؓ، اہلِ صفہؓ، تابعین، تبع تابعین میں آئمۂ صوفیاء کا تذکرہ کیا ہے۔

چودھویں باب میں صوفیوں کے فرقوں کے مختلف عقائد پر آپ نے نہایت محققانہ بحث کی ہے، اس کے بعد آپ نے راہِ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح و توضیح فرمائی ہے۔

اس کے بعد پیر ہجویری نے اس کے مختلف ابواب میں سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے۔

کتاب کے ختم پر سماع پر بحث فرمائی ہے، پیر ہجویری کے نزدیک سماع مباح ہے مگر چند شرطوں کے ساتھ، پھر ان شرطوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

**وفات** تاریخ اور تذکروں میں عموماً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی کا سنہ وفات ۴۶۵ھ مذکور ہے، اور یہی تاریخ وفات لاہور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے، دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۴۶۴ھ

لکھا ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ تحریر کیا ہے، مفتی غلام سرور لاہوری اپنی کتاب خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ نفحات الانس اور اخبار الاصفیاء آپ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ معتبر بتاتے ہیں، اور اسی سنہ کو انھوں نے منظوم کیا ہے، درآنحالیکہ نفحات کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں آپ کی تاریخ وفات کا کوئی ذکر نہیں، نفحات کا ایک بہت قدیم قلمی نسخہ جو حضرت جامی کے بالکل قریبی عہد میں لکھا گیا ہے، اور ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کی لائبریری میں لاہور میں موجود ہے اس میں بھی آپ کے سنہ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں، ثمرات القدس جو میرزا لعل بیگ لعلی ولد شاہ قلی سلطان بدخشی کی تصنیف ہے، جس کا نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے، اس میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ منقول ہے، لعلی عہدِ اکبری کا مورخ ہے۔

اس کے بعد کے لکھنے والوں میں ہدایت حسین نے آرٹیکل داتا گنج بخش میں دائرۃ المعارف اسلامی کی جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ پر اور ریو نے مخطوطات فارسی کی فہرست کے صفحہ ۱-۳۴۳ پر، رحمان علی نے تذکرۂ علما ہند کے صفحہ ۵۹ پر اور ملک الشعرا بہار مرحوم نے سبک شناسی کے صفحہ ۲-۱۸۷ پر، اور مولانا عبد الماجد دریابادی نے تصوف اسلام کے صفحہ ۵۳ پر اور اسماعیل پاشا بغدادی نے اسماء المصنفین جلد ۱ صفحہ ۹۱۶ پر اور سید صباح الدین نے بزم صوفیہ کے صفحہ ۸ پر، اور شیخ محمد اکرام نے آب کوثر کے صفحہ ۸۶ پر آپ کا سنہ وفات (۴۶۵ھ) لکھا ہے، ان کے علاوہ صاحب ماثر الکرام و حدائق الحنفیہ و نزہۃ الخواطر نے بھی حضرت شیخ ہجویری کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ لکھی ہے۔

صرف ڈاکٹر غنی نے تصوف اسلام کے صفحہ ۵ پر آپ کا سنہ وفات (۴۷۰ھ) کے قریب لکھا ہے، اور نکلسن نے کشف المحجوب کے انگریزی ترجمے

کے دیباچے میں قیاساً ۴۶۵ھ و ۴۶۹ھ لکھا ہے۔

یہ وہ سنہ وفات ہیں جو حضرت ہجویری کے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں لیکن ان حالات واختلافات میں بہتر یہ ہوگا کہ ہم کشف المحجوب کے ذریعہ ہی سے آپ کے سنہ وفات کو متعین کرنے کی کوشش کریں۔

کشف المحجوب حضرت شیخ ہجویری نے کس زمانے میں لکھنی شروع کی اُس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ حضرت شیخ ہجویری نے وضاحت سے شیخ ابوسعید ابوالخیر کو مرحوم سمجھ کر کشف المحجوب کے لکھتے وقت دعائے خیر کی ہے، اور مورخین کے قول کے مطابق شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ۴ شعبان سنہ ۴۴۰ھ میں وفات پائی[1]، اس سے ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کشف المحجوب کے لکھنے کا زمانہ یقیناً سنہ ۴۴۰ھ کے بعد ہے اور چونکہ کشف المحجوب لاہور میں لکھی گئی ہے، اِس بنا پر ہم کہہ سکتے کہ شیخ ہجویری سنہ ۴۴۰ھ کے بعد لاہور میں تھے۔

کشف المحجوب میں جن دو مرے بزرگوں کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، اور جو اُس زمانے میں حیات تھے، اُن میں ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی ہیں، اُن کے متعلق کشف المحجوب میں ہے:۔

"شیخ ابوالقاسم گرگانی کہ امروز قطب و مدار علیہ وبست ابقاء اللہ تعالیٰ"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشف المحجوب کے اس باب کے لکھتے وقت شیخ ابوالقاسم گرگانی حیات تھے، گرگانی نے سنہ ۴۵۰ھ میں وفات پائی[2]۔ اِس کی بنا پر ہم یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ حضرت شیخ ہجویری سنہ ۴۵۰ھ میں لاہور میں تھے، اور کشف المحجوب کی تصنیف کا سلسلہ جاری تھا۔

ابوالفضل بن محمد بن حسن ختلی جو آپ کے مرشد اور اُستاد بھی تھے،

---

[1] اسرار التوحید۔ ص ۶۵۲   [2] تاریخ تصوف اسلام۔ ص ۴۷۸۔

اور جن کا تذکرہ ہم گزشتہ اوراق میں کر آئے ہیں، اُنھوں نے موضع بیت الجن میں آپ ہی کے زانو پر وفات پائی، علامہ ذہبی نے ختلی کا سنہ وفات ۴۶۰ھ لکھا ہے۔

اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۴۶۰ھ میں حضرت شیخ ہجویری بیت الجن دمشق میں تھے، اور اُس کے بعد لاہور واپس تشریف لائے۔

کشف المحجوب میں آپ نے اپنے اُستاد امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ قشیری نیشاپوری شافعی (۳۷۶-۴۶۵ھ) کے فیضِ صحبت سے مستفید ہونے کا تذکرہ کیا ہے، اور آپ نے اُن کے ارشاداتِ گرامی کا اِن الفاظ میں تذکرہ کیا ہے "از اُستاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ شنیدم" (ص ۳۰-و ۲۰۵ طبع سمرقند) اور قشیری کا سنِ وفات وفیات الاعیان ابنِ خلکان ج ۲- ص ۳۷۵ کے مطابق ۴۶۵ھ ہے، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ ہجویری ۴۶۵ھ میں لاہور میں تھے اور کشف المحجوب اُس وقت تک مکمل نہ ہوئی تھی۔

ابوالحسن سالبہ بن ابراہیم جو شیراز کے جلیل القدر مشائخ میں تھے کشف المحجوب میں حضرت ہجویری نے اُن کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے: "شیخ الشیوخ ابوالفتح سالبہ مر پدر را خلفے نیکو و امیدوار است" اس عبارت میں باپ بیٹے کے تذکرے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں جب کے کشف المحجوب کا یہ حصہ لکھا جا رہا تھا، شیخ ابوالفتح کے والد وفات پا چکے تھے۔ لیکن خود ابوالفتح حیات تھے، اور نفحات الانس ص ۲۵۹ اور المنتظم میں ابن جوزی کی تحریر کے مطابق ابوالحسن سالبہ نے ۴۷۳ھ میں وفات پائی، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کشف المحجوب ۴۷۳ھ کے بعد ختم ہوئی اور شیخ ہجویری اس کے بعد بھی حیات تھے۔

کشف المحجوب میں شیخ ہجویری نے ایک اور بزرگ ابو علی فضل بن محمد

فارمدی کا ذکر ابقاہ اللہ کے دعائیہ جملے کے ساتھ فرمایا ہے (ص ۲۱۱ مطبوعہ سمرقند) اور فارمدی کی وفات ۴۷۷ھ میں ہوئی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ہجویری ۴۷۷ھ کے بعد بھی حیات تھے۔

کشف المحجوب میں ہرات کے مشہور بزرگ خواجہ عبداللہ انصاری کا بھی ذکر آیا ہے، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ پیر انصاری کی وفات ۴۸۱ھ میں ہوئی، ڈاکٹر محمد شفیع لاہوری کی لائبریری میں کشف المحجوب کا ایک قلمی نسخہ محررہ ۶۶۵ھ موجود ہے، اس نسخے سے قدیم تر کوئی نسخہ ابھی تک نہیں ملا اس نسخہ کے صفحہ ۱۷ پر یہ عبارت درج ہے: "پیر گفت یعنی خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ" لاہور کے مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۱۹۳ اور سمرقند کے مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۱۳ پر بھی عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ درج ہے، اور نسخہ مطبوعہ لینن گراڈ کے صفحہ ۲۸ پر متن میں پیر گفت (رض) درج ہے، چونکہ لفظ رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کے کلمات خصوصیت سے متوفی لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اس لئے قیاس چاہتا ہے کہ اُس زمانے میں جب کہ کشف المحجوب کی تصنیف ابتدائی مرحلے میں تھی پیر انصاری وفات پا چکے تھے، اور اُسی زمانے میں حضرت ہجویری لاہور میں بقیدِ حیات موجود تھے۔ اور کشف المحجوب کا ابتدائی حصہ لکھ رہے تھے، اس سے یہ رائے بھی قائم کی جاسکتی ہے کہ کشف المحجوب کی تالیف کے مکمل ہونے کا زمانہ (۴۸۱ھ سے ۵۰۰ھ) تک ہے اور اُس زمانے میں حضرت ہجویری بھی لاہور میں ہوں گے۔

ایک اور شخصیت جن کا تذکرہ ہمیں کشف المحجوب میں ملتا ہے وہ شیخ قسورہ بن محمد گردیزی ہیں، کشف المحجوب میں ہے کہ۔

"شیخ اوحد قسورہ بن محمد الجردیزی با اہل طریقت شفقتے تمام دارد، و ہر یکے را نزدیک وے حرمتے ہست و مشائخ را دیدہ است۔

شیخ قسورہ کا اصل نام اُن کے خاندان کے افراد کے بیان کے مطابق جو ملتان

میں رہتے ہیں، شاہ علی قسور تھا، اور وہ شاہ یوسف گردیزی کے دادا تھے۔
شیخ قسورہ کا مزار کابل کے جنوب صوبہ پختیا میں بمقام گردیز مشہور و معروف ہے۔
شیخ قسورہ کے متعلق بعض قوی قرائن کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ
انھوں نے ۵۰۰ھ کے آغاز میں وفات پائی ہے، اس سے یہ رائے قائم ہوتی
ہے کہ کشف المحجوب کے مکمل ہونے کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا آخر ہوگا۔
ان تمام تفصیلات و مباحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شیخ علی ہجویری نے
۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان کسی سال میں وفات پائی ہوگی۔
رہا یہ امر کہ ۴۶۵ھ آپ کی تاریخ وفات آپ کے مقبرے پر درج ہے تو
اس کے متعلق یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس تحریر کو دیکھنے کے بعد معلوم
ہوتا ہے کہ اس میں وہ پرانا پن اور قدامت نہیں ہے جو تاریخ وفات کی قدامت
کے اعتبار سے ہونا چاہیے، اس کے علاوہ مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیا
نے لکھا ہے کہ ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد فقیر نے حضرت شیخ ہجویری کی قبر پر گنبد
تعمیر کرایا تھا، اور ساتھ ہی پرانی مسجد کی بھی تعمیر کی تھی، اس بناء پر
قیاس چاہتا ہے کہ موجودہ کتبہ بھی اُسی زمانے میں یا اُس سے پہلے لگایا
گیا ہوگا۔ واللہ اعلم[1]

## فضائل و مناقب

حضرت ہجویری کی جلالتِ شان اور عظمت و بلندی
مرتبہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خواجۂ بزرگ
خواجہ معین الدین اجمیری[2] نے آپ کے مزارِ مبارک پر چلّہ کھینچا، اور جب

---

[1] تاریخ وفات کے متعلق یہ تمام مواد عبدالحئی حبیبی صاحب کے مضمون تاریخ وفات
داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی شائع شدہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور سے ماخوذ ہے۔

[2] حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سجستان میں پیدا ہوئے، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد
قصبہ ہرون میں حضرت شیخ عثمان ہرونی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت

چلّہ پورا کرنے کے بعد رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نورِ خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما[1]

گنج بخش کے نام سے آپ کی شہرت کا سبب یہی شعر ہے، عوام آپ کو داتا بخش بھی کہتے ہیں۔

حضرت بابا فرید گنج شکر نے بھی آپ کے مزار پر چلّہ کھینچا تھا، دارا شکوہ جو آپ کے مزار پر حاضر ہوا تھا، اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے۔

"طلقے انبوہ بر شب جمعہ بزیارتِ آں روضۂ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریف ایشاں بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد۔

فقیر نیز بزیارت روضۂ منورہ ایشاں و والدین و خال ایشاں مشرف گشتہ[2]۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵)

حاصل کیا۔ اور اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال سیاحت کی، مرشد ہی کے ساتھ مدینۂ منورہ اور مکۂ معظمہ حاضر ہوئے۔ مدینۂ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے آپ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی، آپ لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے۔ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر پہنچے، اس وقت اجمیر اور دہلی کا حکمران رائے پتھورا تھا اس نے آپ کے قیام میں بڑی بڑی مزاحمتیں کی۔ لیکن آپ اجمیر میں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، آخر آپ کی تعلیم سے رائے پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے یہاں تک کہ ہندو پاکستان آپ کے فیوض و برکات سے منور ہو گیا۔ ۶ رجب ۶۳۲ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اجمیر شریف میں آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی)

[1] بزم صوفیہ۔ ص ۸

[2] سفینۃ الاولیاء۔ ص ۲۸۳۔

(۴)

# سیّد امام علی لاحق سیالکوٹیؒ

**حالات** آپ کا اسم گرامی امام علی اور خطاب لاحق تھا، یہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے جلیل قدر خلفاء میں تھے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ چشتیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت بابا فریدؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ وہ سیالکوٹ میں رُشد و ہدایت کی شمع روشن کریں اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق آپ سیالکوٹ میں تشریف لائے، اور وہیں مسندِ ارشاد کو زینت بخشی اور ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ ہزاروں طالبانِ حق آپ کے روحانی فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔

معارج الولایت میں ہے کہ جب سید امام علی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُس وقت دو اور بزرگ اسی نام کے آپ کی خدمت میں موجود تھے اُن میں سے ایک شیخ علی بہاری اور دوسرے حضرت

شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری تھے، جس وقت یہ پہنچے تو حضرت بابا فرید گنج شکر نے اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ علی بھی ان دو علی کے ساتھ لاحق ہو، اور اُنھیں کے ساتھ ذکر و شغل میں یک جا مشغول ہو، اس ارشاد کے بعد آپ اُسی وقت سے لاحق کے خطاب سے مشہور ہو گئے۔

**وفات** سید امام علی لاحق نے ۶۶۱ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مُبارک سیالکوٹ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے اس شعر میں آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے:- ؎

"علی شاہِ کریم" آمد وصالش
۶۸۶ھ
دگر فرما"علی سردار عالی"
۶۸۶ھ

---

ٰ۱ؔ: عام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۱۴ و ۳۱۵ سے ماخوذ ہے۔

(۵)

# سیّد اسحاق گازرونی لاہوری

## مشہور بہ میراں شاہ

**حالات** سید اسحاق گازرونی لاہوری اپنے وقت کے عظیم المرتبت شیوخ میں تھے، اُن کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اُنھوں نے شیخ اوحدالدین[1] کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، ابتدائً گازروں میں رہتے تھے۔

---

[1] شیخ اوحدالدین کرمانی، شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید و خلیفہ تھے، اُن کا سلسلۂ طریقت یہ ہے: شیخ اوحدالدین، شیخ رکن الدین سنجاسی، شیخ قطب الدین ابہری، شیخ ابو النجیب سہروردی شیخ اوحدالدین کرمانی کچھ دن شیخ محی الدین ابن عربی کی صحبت میں بھی رہے تھے، چنانچہ شیخ ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں اُن سے ایک حکایت بھی نقل کی ہے۔
شیخ اوحدالدین نے ۶۳۵ھ میں وفات پائی۔ فتوحات مکیہ کے آٹھویں باب میں ہے کہ شیخ اوحدالدین کرمانی نے بیان کیا کہ میں جوانی میں اپنے شیخ کی خدمت کرتا تھا، ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے ساتھ سفر میں تھا اور وہ عماری میں بیٹھے ہوئے تھے، اور پیٹ کے درد یا

**لاہور میں تشریف آوری** پھر اشارۂ غیبی کی بناء پر لاہور تشریف لائے۔

**رُشد و ہدایت** ایک طویل زمانے تک لاہور میں رُشد و ہدایت میں مصروف رہے، لاہور میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لاہور کے جلیل القدر علماء اور سادات اُن کے حلقۂ ارادت میں شامل

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

بتلاتے تھے، جب ہم اس مقام پر پہنچے جہاں دواخانہ تھا تو میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے لئے دواخانے سے دوا لاؤں تاکہ آپ کی یہ تکلیف دُور ہو، شیخ نے میرے چہرے سے پریشانی کے آثار دیکھ کر باکراہ مجھے اجازت دی، بس دواخانے گیا، میں نے دیکھا کہ خیمے میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ملازم اُس کے سامنے شمع روشن کئے ہوئے ہیں، اور بھیڑ لگی ہوئی ہے، میں نہ اُس شخص کو جانتا تھا نہ وہ مجھے پہچانتا تھا، جب اُس نے اپنے ملازموں میں مجھے دیکھا، وہ اُٹھا اور میرے پاس آیا، اور نہایت مہربانی سے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم کس غرض سے آئے ہو، میں نے اپنے شیخ کی کیفیت بیان کی، اُس نے خود آہی مجھے دوا دی، جب میں رخصت ہونے لگا تو وہ شخص بھی مجھے چھوڑنے کے لئے آیا، اور اُس کے خادم ہاتھ میں شمع لئے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے، میں ڈرا کہ اگر وہ اور تھوڑی دور میری ساتھ چلا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیخ اس کو دیکھ لیں، اور اس سخت تکلیف میں اُٹھ کر عماری سے باہر آئیں، میں نے اُسے قسم دے کر کہا کہ تم واپس لوٹ جاؤ چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا، میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوا پیش کی اور اس شخص کے اکرام و احترام کا تمام واقعہ سُنایا، شیخ نے ہنس کر فرمایا کہ بیٹے جب میں نے تمہاری پریشانی کو دیکھا تو مجبور ہو کر تمہیں دوا لانے کی اجازت دے دی، جب تم دواخانے میں پہنچے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ شخص (جو اس دواخانے کا طبیب ہے) اس موضع کا امیر ہے، وہ تم سے التفات سے پیش نہیں آئے گا، اور تمہیں خواہ مخواہ رنج ہوگا، چنانچہ میں خود اُس کی صورت میں وہاں پہنچا، اور اُس کی جگہ بیٹھا، جب تم آئے تو میں نے تمہارے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو تم نے دیکھا۔

تھے، اور ظاہری و باطنی امور میں اُن سے مدد چاہتے تھے، جو شخص بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہدایت سے سرفراز ہو کر جاتا۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

شیخ اوحدالدین کرمانی عشقِ مجازی کی طرف بہت مائل تھے غالباً ان کی یہ بات شیخ شہاب الدین سہروردی کو ناپسند تھی، چنانچہ انھوں نے آپ کو مبتدع کہا۔

شیخ شہاب الدین کے ایک مرید نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی نے شیخ اوحدالدین کا ذکر کیا، شہاب الدین نے فرمایا کہ میرے سامنے اس کا ذکر نہ کرو کہ وہ مبتدع ہے۔ دوسرے دن میں پھر اپنے شیخ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے شیخ سے کہا کل جو آپ نے شیخ اوحدالدین کرمانی کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ مبتدع ہے یہ بات شیخ اوحدالدین کرمانی کو پہنچی، انھوں نے سُن کر یہ شعر پڑھا۔

ما ساءنی ذکرک لی بمسبة

بل سرنی انی خطرت ببالک

(ترجمہ) مجھے تمھی سے آپ کا یاد کرنا ناگوار نہیں گزرا

بلکہ میں خوش ہوں کہ میرا خیال تو آپ کے دل میں آیا

شیخ شہاب الدین نے یہ سُن کر اُن کی بلندیِ اخلاق کی تعریف کی۔

مولانا جامی نے لکھا ہے کہ شاید شیخ شہاب الدین کا ان کو مبتدع کہنا اس وجہ سے ہو کہ وہ عشقِ مجازی میں شغف رکھتے تھے، اور جمالِ مطلق کو صورِ مقیدات میں مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے اس عشقِ مجازی کے شغف کو دیکھ کر جب مولانا شمس الدین تبریزی بغداد میں آئے تو شیخ اوحدالدین سے ملے اور پوچھا کیا کر رہے ہو، انھوں نے اپنے عشقِ مجازی کی طرف ایک بلیغ اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "ماہ را در طشتِ آب می بینم" (چاند کو پانی کے طشت میں دیکھ رہا ہوں)، مولانا شمس الدین نے بھی اسی قدر بلیغ جواب دیتے ہوئے فرمایا "اگر بر قفائے دنبل نداری چرا بر آسمانش نمی بینی" (اگر تم گُدّی پر دنبل نہیں رکھتے تو تم اس کو آسمان پر کیوں نہیں دیکھتے)۔

شیخ اوحدالدین کو سماع سے غیر معمولی شغف تھا، اور بلند پایہ شاعر تھے، ان کی ایک

**حلم** سید اسحاق گازرونی کے آئینۂ اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ ان کا غیر معمولی حلم ہے، تحفۃ الواصلین میں ہے کہ لاہور کا ایک متمول شخص آپ کی خدمت میں آیا، لیکن شیخ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ وہ نہایت برہم ہوکر آپ کو گالیاں دینے لگا، لیکن آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ چہرے پر کسی قسم کی خفگی کا اثر ظاہر نہیں ہوا، جب وہ شخص بہت دیر تک آپ کو بُرا بھلا کہتا رہا تو حاضرین مجلس میں سے کسی شخص نے آپ سے کہا کہ یہ بدتمیز اتنی دیر سے آپ کی شان میں گستاخیاں کر رہا ہے، آپ اس کے لئے بد دعا فرمایئے تاکہ یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے، آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے، اور کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا فرماتے رہے، ابھی آپ دعا ختم نہ کرپائے تھے کہ وہ بے ادب زمین پر بے ہوش ہوکر گرا، اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد جیسے ہی ہوش میں آیا اُٹھ کر شیخ کے قدموں میں گرا، معافی چاہی، اور شیخ کا مُرید ہوگیا۔ پھر آپ نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ میں نے اس شخص کے حق میں دُعائے خیر کی تھی، خدائے تعالیٰ نے اس کو نیک توفیق بخشی اور اس پر اسرارِ باطن عیاں ہوگئے، یہ بہتر ہے یا وہ بہتر تھا کہ میں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۰)

رُباعی ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں ؎

جز نیستی تو نیست ہستی بخدائے
اے ہوشیاراں خوش ست مستی بخدائے
گر زاں کہ بحق پرستی روزے،
حقا کہ رسی زبت پرستی بخدائے

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ شیخ اوحدالدین نے ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔
(یہ تمام تفصیل نفحات الانس مطبوعہ نول کشور ص ۵۳۲ تا ۵۳۵ سے ماخوذ ہے۔)

اس کے لئے بد دعا کرتا اور یہ اپنی سزا کو پہنچتا۔

**وفات** سید اسحاق نے ۸۸۲ھ میں وصال فرمایا، آپ کا سنہ وفات بسم اللہ الرحیم سے نکلتا ہے۔

**مدفن** وفات کے بعد آپ لاہور میں دہلی دروازے کے متصل دفن ہوئے۔

**تعمیر مسجد** عہدِ شاہ جہانی میں ۱۰۳۷ھ میں نواب وزیر خاں حاکمِ لاہور نے اس جگہ ایک عالی شان مسجد تعمیر کروائی اور آپ کے مزار کو صحنِ مسجد میں لے لیا۔[1]

---

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۹۲ تا ۲۹۳ سے ماخوذ ہے۔

(۶)

# سید اسماعیل گیلانی

**حالات** سید اسماعیل گیلانی، سید عبد اللہ ربانیؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت "اُچ" میں ہوئی، اپنے والد سید عبد اللہ سے تعلیم اور روحانی تربیت حاصل کی، اور سلسلۂ قادریہ میں خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

---

لہ سید عبد اللہ، بانی سید محمد غوث گیلانی حلبی کے صاحبزادے تھے، علومِ عقلیہ و نقلیہ کے ماہر فروع و اصول پر حاوی، صاحبِ علم و عمل اور اہلِ توکل بزرگ تھے، سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے، دنیا اور اہلِ دنیا سے بے نیاز، اور مشائخ میں صاحبِ احترام اور ممتاز سمجھے جاتے تھے، "اُچ" میں سکونت رکھتے تھے، بہت سے طالبانِ حق آپ کے وسیلے سے عرفان و سلوک کے بلند مقامات پر فائز ہوئے، سید عبد اللہ ربانی نے عہدِ اکبری میں ۹۵۵ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار پر انوار اُچ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۲۶-۱۲۷)

## شہنشاہ اکبر کی عقیدت

چند دن ہی میں آپ کی بزرگی اور کشف و کرامات کی شہرت شہنشاہ اکبر[1] تک پہنچی، وہ آپ کے اوصاف و محامد کو سن کر اس درجہ معتقد ہوا کہ آپ کو لاہور بلوایا، اور نہایت عقیدت سے ایک ہزار بیگھ زمین آپ کو علاقہ فیروز پور میں نذر گزرانی۔

## لاہور میں قیام

اس کے بعد سید اسماعیل گیلانی نے لاہور کے محلہ لکھی میں سکونت اختیار فرمائی، یہ محلہ سکھوں کے عہد حکومت میں ویران ہوگیا، اس وقت محلہ لکھی[2] میں زیادہ تر تجارت پیشہ افراد آباد تھے جن تجارتی تعلقات دوسرے ممالک سے تھے، وہ سید اسماعیل کے تقویٰ و تقدس علم و فضل سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

---

[1] جلال الدین اکبر اپنے والد ہمایوں کی جلاوطنی کے زمانے میں ۲ ربیع الاول ۹۴۹ھ میں جب کہ ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ میں مقیم تھا حمیدہ بانو کے بطن سے عمر کوٹ ضلع تھرپارکر (سندھ) میں پیدا ہوا۔ ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں جب ہمایون نے وفات پائی تو اکبر کی تاج پوشی کلانور ضلع گورداسپور میں ہوئی، اس وقت اکبر کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ کم عمری کی وجہ سے بیرم خاں اس کا اتالیق اور وکیل سلطنت مقرر ہوا۔ جب اکبر سن شعور کو پہنچا تو اس نے زمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا، ۵۱ سال کی حکومت کے بعد اکبر نے جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی اور آگرے کے قریب سکندر آباد میں مدفون ہوا۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۷۴ تا ۸۰)

[2] لکھی محلہ باغ رتن چند کے پائین میں تھا، آج کل رتن چند کے باغ میں میو ہسپتال کا آؤٹ ڈور ڈیپارٹمنٹ بن گیا ہے، یہ پاکستان ٹائمز کے دفتر کے متصل ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں خوب لمبے اور بڑے جوہری رہا کرتے تھے۔

(تاریخ لاہور عبداللطیف)

**استغنا** سید اسماعیلؒ کے استغنا کی یہ کیفیت تھی کہ بادشاہ و اُمراء آپ کی بارگاہ میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، لیکن اُن کے قلب میں غیرِ حق کے لئے مطلق گنجائش نہ تھی۔

**وفات** شجرۃ الانوار میں ہے کہ سید اسماعیل گیلانی نے ۹۷۰ھ میں وفات پائی، اور محلہ لکھی میں میراں شاہ موج دریا بخاری کے مقبرے کے متصل حضرت بی بی کلاں زوجۂ موج دریا بخاری کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

**اولاد** سید اسماعیل گیلانی کے تین صاحبزادے تھے، جن کے نام یہ ہیں سید حاجی بہاؤالدین، سید بدرالدین، سید قطب الدین۔[۱]

---

[۱] یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیا رجلد اوّل ص ۱۲۷ سے ماخوذ ہیں۔

(۷)

# شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری

**حالات** شیخ ابو اسحاق بن شاہ حسین قادری لاہوری ہند و پاکستان کے عظیم المرتبت صوفیائے کرام میں ہیں، صاحب خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور نے شیخ ابو اسحاق کے محامد محاسن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

• شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری از اعظم خلفائے شیخ داؤد کرمانی چونی وال ست، جامع بود میانِ علوم ظاہر و باطن و زہد و ورع وتقویٰ وسخاوت در یاضت و مجاہدات صیام دوام و قیام مدام داشت، و خوارق و کرامت بے اختیار از وے سر برمیزد۔

**بیعت و خلافت** شیخ ابو اسحاق نے شیخ داؤد بن فتح اللہ چونی وال کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور ایک طویل عرصے تک وہ اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔

**لاہور میں تشریف آوری۔** شاہ ابو اسحاق اور شاہ ابوالمعالی میں

بہت مخلصانہ مراسم و تعلقات تھے، اور دونوں میں بے حد محبت اور خلوص تھا، یہاں تک کہ عبادتوں اور ریاضتوں میں بھی دونوں برابر شریک رہتے تھے۔

جب شاہ ابوالمعالی اپنے شیخ کے ارشاد کی بنا پر لاہور تشریف لے گئے تو شاہ ابواسحاق اپنے دوست کے بغیر تنہائی سی محسوس کرنے لگے، آخر اُنھوں نے بھی اپنے شیخ سے لاہور جانے کی اجازت چاہی، شیخ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد وہ لاہور تشریف لائے اور محلۂ پیر عزیز (نیرنگ جی) (مزنگ) میں سکونت اختیار کی، اور وہیں ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، بہت سے طالبانِ حق نے آپ سے ہدایت حاصل کی۔[۱]

**شیخ کا ادب** نزہتہ الخواطر میں ہے کہ شیخ ابواسحاق بہت بڑے عالم اور تفسیر قرآن کریم کے ماہر تھے، تفسیرِ قرآن کریم میں اُن کو اس قدر تبحر تھا کہ اِس فن کے لوگ اُن کی طرف مشکل مسائل میں رجوع کرتے تھے، وہ فقر و قناعت کے انتہائی مقام پر تھے، اُنھوں نے باوجود اس کے کہ صاحبِ خلافت و مجاز تھے احتراماً اپنے شیخ کی زندگی میں کسی سے بیعت نہیں لی۔[۲]

**وفات** شیخ ابواسحاق نے لاہور میں ۵ محرم الحرام ۹۸۵ھ کو وصال فرمایا[۳] اور اُسی جگہ مدفون ہوئے جہاں اُن کا قیام تھا۔

---

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۳۲ و ۱۳۳ سے ماخوذ ہے۔

[۲] نزہتہ الخواطر جلد رابع ص ۷ و ۸

[۳] نزہتہ الخواطر میں بحوالہ اخبار الاصفیا شیخ ابواسحاق کی وفات ۱ محرم ۹۸۴ھ مذکور ہے۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۴ ص ۸)

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا مادۂ تاریخ وفات نکالا ہے۔

شد ز دار الفنا و چو در جنّت
شیخ دیں شاہ پیر بو اسحاق
گفت سرورؔ بہ سالِ تاریخش
"شاہ عالی فقیر بو اسحاق"

۹۸۵ھ

آپ کے مزار پر مندرجہ ذیل قطعہ بھی موجود ہے۔

حضرتِ شیخ شاہ ابو اسحاق
بود چوں از خدا طلبش
سوئے حق رفت از سرِ تحقیق
کہ ہمیں وعدہ بود از ازلش
جست تاریخِ فوت او برہان
یافت "سلطان عارفاں" لقبش[1]

۹۸۵ھ = ۱۵۷۷ء

[1] تاریخ لاہور۔ عبداللطیف۔

(۸)

# شاہ ابوالمعالی لاہوری

**نام ونسب** آپ کا اسم گرامی خیرالدین، ابوالمعالی لقب تھا، آپ شیخ داؤد کرمانی کے برادر زادے، داماد اور خلیفہ تھے اور بھیرہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید رحمت اللہ، اور دادا کا نام نامی سید فتح اللہ تھا، شاہ ابوالمعالی کے بزرگوں کا اصل وطن کرمان تھا، اور سادات کرمان میں سے تھے، آپ کی ولادت باسعادت روز دوشنبہ ۱۰ ماہ ذی الحجہ ۹۶۰ھ میں ہوئی۔

**بیعت** علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد شاہ ابوالمعالی نے اپنے چچا شیخ داؤد شیر گڑھی کے دستِ حق پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی، اور تقریباً تیس سال تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف رہے۔

**لاہور میں ورود** روحانی سربلندیوں اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے شیخ کی جانب سے لاہور میں

رشد و ہدایت پر مامور کئے گئے۔ چنانچہ جب آپ نے اپنے شیخ سے رخصت ہو کر لاہور روانہ ہوئے تو راستہ میں جہاں بھی آپ کا مقام ہوتا تھا۔ وہاں آپ کنواں، تالاب تعمیر کراتے اور باغ لگواتے تھے، شیر گڈھ سے لاہور تک متعدد مقامات پر آپ کے تعمیر کرائے ہوئے، مکانات موجود ہیں۔ جو شاہ ابوالمعالی کے جھوک کے نام سے مشہور ہیں۔[1]

سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ کا بیان ہے کہ ایک دن میرے اُستاد اپنے اُستاد مُلا نعمت اللہ کے ساتھ جو عالم باعمل تھے، شاہ ابوالمعالی کی زیارت کے لئے گئے، یہ دونوں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ شاہ ابوالمعالی کے ایک مرید نے ایک تسبیح آپ کی خدمت میں تحفتاً پیش کی، آپ نے یہ تحفہ قبول کر لیا، میرے اُستاد ملا نعمت اللہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر واقعی شاہ ابوالمعالی صاحب کشف و کرامات ہیں تو میں تو اُن کا اس وقت قائل ہوں گا جب آپ مجھے یہ تسبیح بغیر میرے مانگے مجھے عنایت فرمائیں گے، جب میں چلنے لگا تو شاہ ابوالمعالی نے رخصت ہوتے وقت مجھے اپنے پاس بُلایا، اور فرمایا کہ یہ تسبیح تم اپنی خواہش کے مطابق لے لو، اگر تم سے ممکن ہو تو سو مرتبہ روزانہ اس پر درود شریف پڑھنا، تاکہ مجھ کو، تم کو اور اُس شخص کو جس نے یہ تسبیح دی ہے ثواب پہنچتا رہے۔[2]

## شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی عقیدت

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اُن سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ شیخ محدّث نے اُن کا تذکرہ جابجا نہایت عقیدت سے کیا ہے، فتوح الغیب کی شرح جو حضرت شیخ عبدالحق محدّث نے شاہ ابوالمعالی کے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۴۹

[2] سفینۃ الاولیاء۔ دارا شکوہ۔ تذکرہ حضرت شاہ ابوالمعالی۔

اصرار پر لکھی تھی، اس کے خاتمہ پر حضرت شاہ ابوالمعالی کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے :-

اسدالدین شاہ ابوالمعالی کہ شیر بیشۂ جلالت و سرہنگِ دیوان قدرت واز والہانِ آگاہ و عاشقانِ درگاہ قادریہ است[1]

اخبار الاخیار میں بضمن شیخ داؤد شاہ ابوالمعالی کے مناقب و محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اکنوں جانشین شیخ داؤد، شیخ ابوالمعالی است کہ بغایت مناسبت عالی و قدر متعالی دارد، و ریاضت مجاہدہ می کشد و قبولے تمام یافتہ، و حسنِ مقال و ضمیمہ صحتِ حال ساختہ مناقبِ حضرت غوث الثقلین را در لباس عبارت فارسی در آوردند[2]

شیخ محدث اُن کی روحانی سطوت کے اس درجہ معترف تھے کہ اپنے اندرونی حالات کو اُن سے بیان فرماتے، اور اُن سے رہنمائی اور دُعاؤں کی التجا کرتے، حضرت شیخ محدث کے کئی خط حضرت شاہ ابوالمعالی کے نام ملتے ہیں، ایک خط میں اپنے کرب و بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شاہ ابوالمعالی سے اس طرح امداد کی التجا کرتے ہیں۔

بالجملہ اندوہ و تنگ دلی از حد گزشتہ، وقتِ امداد و اعانت است، فریاد رسی می باید کرد، ورائے آغانہ کبریٰ کہ منتہیٰ بجناب حضرت غوث الاعظم است می باید پوشید، و ذرع داؤدی در بر کرد، و در قالب حقیقت عظمیٰ غوثیہ در آمد و تصرف کرد، و توجہ بارواح مقدسہ مشائخ سلسلہ نمودہ و استکشاف حال کرد و خبرے گرفت و اعلام

---

[1] شرح فتوح الغیب ص ۴۲۱

[2] اخبار الاخیار ص ۲۰۲

نمود تا دل بمرکز قرار آید :۔

دل می رود ز دستم صاحب دلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا[1]

خط کے خاتمے پر نہایت اندوہناک انداز میں یہ شعر لکھا :۔

فریاد دلے غم زدہ را گر نکنی گوش
پس بیش کہ از دستِ تو فریاد تواں کرد

ایک خط میں اُن کی صحبتِ کیمیا اثر کے متعلق اپنے تاثر کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا :۔

" ذوق صحبتِ ایشاں و رنگِ حال ایشاں کہ در ظاہر و باطن فقیر نشستہ است بتقریر بیان گنجائش ندارد[2]"

ایک خط میں اپنے صاحبزادے شیخ نور الحق کو لکھا کہ کس طرح حضرت شاہ ابوالمعالی اُن کی تصانیف کی تعریف فرماکر اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ حسب موقع جلالی شان کا بھی اظہار فرماتے ہیں ۔

ایک دفعہ شیخ محدث اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شاہ ابوالمعالی نے اُن کی تمام مشکلات کو حل کرنے کے بعد اُن سے ارشاد فرمایا ۔

" اگر اظہار کردی و افشا نمودی ترا رسوائے مرد و زن سازیم[3]"

شیخ محدث کی روحانی تربیت کے لئے حضرت شاہ ابوالمعالی نے انھیں ۱۰۲۵ھ سے قبل دہلی میں کچھ عرصے کے لئے مقید کردیا تھا ، اُن کو حکم تھا کہ وہ دہلی سے باہر قدم نہ نکالیں اور گوشۂ عزلت میں رہ کر اپنے کام میں مصروف رہیں ارشاد تھا کہ

از زاویہ انز وا پائے بیروں نہ نہد ، و از درویش و توانگر و خویش و بیگانہ و مردہ و زندہ ہیچ کس را نہ بیند ۔

---

[1] کتاب المکاتیب ۔ ص ۲۲۷ [2] ایضاً ۔ ص ۳۰۵ [3] ایضاً ۔ ص ۳۰۲ ۔

ایک دفعہ شیخ محدث اُن سے ملنے کے لئے لاہور چلے گئے، تو حضرت شاہ ابوالمعالی کو اُن کا یہ امر پسند نہ آیا اور فرمایا:-

اکنوں بہ دہلی بروید کہ دہلی در فراقِ شما بزبان حال می نالد۔

بروید برویدـ

ایک دفعہ شیخ محدث نے حضرت شاہ ابوالمعالی کی بیماری کی خبر سُن کر اُن کی عیادت کے لئے لاہور جانے کا ارادہ کیا، لیکن جب شاہ صاحب کی ممانعت کا خیال آیا تو رُک گئے، اور اُن کو ایک خط لکھا جس میں تحریر فرمایا:-

قضیہ شوق و محبت و مقتضائے عرف و عادت آں بود کہ بشنیدن ایں حال بیتابانہ بملازمت میرسید کہ امروز دوستے برائے خود کہ خیر دنیا و آخرت خواہد، جز ذاتِ شریف ایشاں را نمی داند و جان فدائے ایں محبت بلکہ ہر جا کہ نشان از محبت است باد اماں چوں رضاء ایشاں بخلاف ایں حال متعلق شدہ است، جرأت نتوانست[1]

شاہ ابوالمعالی کی صحت کی خبر ملنے پر شیخ محدث نے اُن کو ایک خط میں لکھا:-

حق جل و علا سایۂ عنایت و محبت ایشاں را بر فقرائے ایں سلسلہ پائندہ دارد کہ وسیلۂ حل بسے از مشکلات و سبب آسانی دشواری ہاست[2]

شیخ محدث کو جو عقیدت و محبت حضرت شاہ ابوالمعالی سے تھی، اُس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب وہ لاہور شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہاں سے واپس ہونے کو اُن کا جی نہ چاہتا تھا، شاہ صاحب سے اپنی والہانہ عقیدت و محبت کے تاثر کو ایک جگہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

گرفتاری ما بہ ایں شہر لاہور کہ وطن گذاشتہ ایں جامی باشیم، سبب

---

[1] المکاتیب ص ۲۲۲-۲۲۳ [2] ایضاً ص ۲۲۳

آں ایں است کہ ایں جا کسے ہست کہ گرفتارِ اویم۔

شاہ ابو المعالی بھی حضرت شیخ محدث دہلی کا خاص خیال فرماتے تھے، اور انھیں علمی اور روحانی معاملات میں مشورے دیتے تھے شیخ کی تصنیفی زندگی بہت کچھ اُن کے مشوروں کی رہین منت ہے، مشکوٰۃ کی شرح کی تالیف کی طرف ان کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جلد اس کو پورا کرو، پھر اسی خط میں لکھا کہ:۔

انشاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ از آں مستفید شوند[1]

دورانِ تالیف میں انھیں مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ شرح میں جا بجا اشعار درج کئے جائیں تاکہ طرزِ بیان دلچسپ اور اثر انگیز ہو۔[2]

فرمودند در ترجمہ گاہے بتقریب بعضے از کلمات قوم نیز در آوردہ باشید، چنانچہ مُلّا حسینؔ در تفسیر خود می کند و فرمودند یگاں بیتے مناسب مقام ہم می نوشتہ باشند

**حضرت غوث پاک سے عقیدت** حضرت شاہ ابو المعالی، حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ سے بیحد عقیدت و محبت رکھتے۔ اور روحانی طور پر شاہ ابو المعالی نے طریقہ اویسی میں آپ سے فیض حاصل کیا تھا۔

**تصانیف** شاہ ابو المعالی کی تصانیف میں تحفۂ القادریہ جس میں آپ نے حضرت غوث پاک کے مناقب و کرامات کو جمع کیا ہے اور اس کے علاوہ کتاب حلیۂ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نغمات داؤدی، مونس جان، زعفران زار، گلدستۂ باغ ارم خاص طور پر مشہور ہیں شعر بھی کہتے تھے، شاعری میں آپ کا تخلص غربتی تھا۔

---

[1] کتاب المکاتیب ص ۳۰۶ [2] حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ ص ۲۲۹

**نمونۂ کلام** شاعری میں شاہ ابوالمعالی بلند مرتبہ رکھتے تھے، ہم تبرکاً آپ کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں، جن سے آپ کی رفعتِ فکر، شاعرانہ بلندی، ندرتِ بیان اور اپنے شیخ سے غیر معمولی عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہستم از جامِ محبت ہمہ دم والہ و مست
این و آں راچہ شناسم منِ داؤد پرست

---

دلِ افسردہ کے یابد گفتِ ہر کسے گرمی
دلِ داؤ دمی باید کہ آہن را دہد نرمی

---

بتختِ فقر بنشینم چو حاصل گشت مقصودم
سلیمانی کنم کز جاں غلامِ شاہِ داؤدم

---

یارب نظرے ز عینِ مقصودم بخش
آزادگی ز بود و نابودم بخش
ہر چند نیم در خورِ ایں دولتِ خاص
یک ذرہ ز عشقِ شیخ داؤدم بخش [1]

**اقوال** فرمایا کرتے تھے یا اباالمعالی، کن عبد الرب المتعالی ولا تکن عبد الدراھم واللآلی (اے ابوالمعالی اپنے رب بزرگ و برتر کا بندہ بن، اور مال و زر کا بندہ نہ ہو)[2]

---

[1] نزہتہ الخواطر۔ جلد ۵ ص ۳۴

[2] نزہتہ الخواطر جلد ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ مؤلفہ عبدالحئی بن فخر الدین حسنی ص ۳۳ و ۳۴

**وفات** شاہ ابوالمعالی نے عہدِ جہانگیر میں ۱۶ ربیع الاوّل ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں وفات پائی۔ آپ کا روضہ مبارک ٹکسالی دروازے کے باہر لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے اور عُرس کے روز اور عیدین میں آپ کے مزار پُرانوار پر عقیدت مندوں کا بیحد ہجوم ہوتا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے ان اشعار میں آپ کا سنہ ولادت اور سنہ وفات نکالا ہے۔

بوالمعالی خیرِ دینِ احمدی
آنکہ شد پُر نور زو روئے زمیں
سالِ تولید و وصالش چوں ز دل
جست سرور بندۂ بس کمتریں
"خیر دیں مولیٰ" ست تولیدش عیاں
۹۶۰ھ
رحلتش فرما "معلّیٰ خیرِ دیں"[1]
۱۰۲۴ھ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ ص ۱۴۹ و ۱۵۰

(۹)

# حاجی اویس دتوزئی

**حالات** حاجی اویس دتوزئی حضرت پیر کبار[1] کی اولاد میں تھے، اُنھوں نے اُویسی سلسلے میں فیض روحانیت پیر کبار سے حاصل کیا، اور حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کی، پھر حضرت خواجہ اویس قرنی[2] کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہندوستان آئے، اور ارشاد و

---

[1] پیر کبار دتو بن شورہ بن خوشگی افغان قوم سے تھے، چشت میں جاکر خواجہ مودود چشتی کے مرید ہوئے۔ چالیس برس تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے۔ وفات سے قبل حضرت خواجہ مودود چشتی نے آپ کو خرقہ خلافت سے ممتاز فرماکر وطن کی طرف رخصت کیا، لیکن وہ اپنے شیخ کی وفات کے بعد بھی اپنے شیخ کے روضۂ مبارک کی جاروب کشی میں مصروف رہے، آخر اپنے شیخ کے اشارۂ روحانی کی بنا پر مجبوراً اپنے وطن واپس ہوئے اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ شیخ کبار نے ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۵۲)۔

[2] اسم گرامی اویس ہے، آپ اہل نجد کے قبیلۂ قرن سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں موجود تھے، مگر دو وجہ سے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے: ایک تو اپنی ضعیف اور بوڑھی والدہ کی وجہ سے کہ کوئی آپ کی غیر حاضری میں اُن کی خدمت گزاری

ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

حاجی اویس دتوزئی نے ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء میں وفات پائی، آپ کا مزار پُرانوار قصور میں مرجع خاص و عام ہے[1]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲)

اور نگرانی کرنے والا کوئی نہ تھا، دوسرے غلبۂ حال کے باعث شتربانی آپ کا محبوب پیشہ تھا، اس پیشے سے جو کچھ حاصل ہوتا اُسے اپنی والدہ کی خدمت، اور اپنی شکم پروری میں صرف کرتے۔

حضرت اُویس کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حد درجہ محبت درخصوص تھا، جب آپ کو معلوم ہوا کہ جنگ اُحد میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کچھ دندانِ مبارک شہید ہوئے ہیں، اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کتنے اور کون سے دانت شہید ہوئے ہیں۔ تو حضرت اویس نے اپنے تمام دانتوں کو توڑ ڈالا۔

شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت اویس آذر بائیجان میں مارے گئے ہوئے تھے، وہیں آپ نے وصال فرمایا۔

کشف المحجوب میں حضرت ہجویری نے، اور تذکرۃ الاولیا میں شیخ فریدالدین عطار نے لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنی حضرت علیؓ کے پاس آئے، اور جنگِ صفین میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

پہلے قول کے مطابق آپ کی وفات ۳ رجب ۳۲ھ / ۶۵۲ء کو اور دوسرے قول کے مطابق ۳۷ھ / ۶۵۷ء میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے متعلق روضۃ الریاحین میں یہ دونوں قول مذکور ہیں۔ (ماخوذ از ترجمہ سفینۃ الاولیا ص ۴۸ - داراشکوہ قادری۔)

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا دجلد اول ص ۴۵۲ و ۴۵۳ سے ماخوذ ہے۔

(۱۰)

# شیخ احمد شوریانی قصوری

**نام ونسب وحالات** آپ کا اسم گرامی شیخ احمد، آپ کے والد کا نام عبداللہ اور آپ کے والد کے دادا کا نام قاضی محی الدین عبداللہ خویشگی چشتی تھا، شیخ احمد قصور میں پیدا ہوئے، اور علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل لاہور میں شیخ اسحاق بن حضرت شاہ کاکو چشتی لاہوری سے کی جو عہدِ اکبری کے مشاہیر علماء میں تھے۔

شیخ احمد، خویشگی اور شوریانی افغانوں میں پہلے بزرگ تھے، جنھوں نے علوم باطنی اور علومِ ظاہری سے آراستہ ہو کر مسند رشد وہدایت کو زینت بخشی، زہد وریاضت میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، علم وفضل کے اعتبار سے بھی غیر معمولی تبحر رکھتے تھے، اُن کے تبحر علمی کی وجہ سے مشکل مسائل میں علمائے لاہور وملتان اُن کی طرف رجوع کرتے اور لاینحل مسائل کو اُن کے سامنے پیش کرتے جنھیں شیخ احمد نہایت ہی سہل طریقے پر فوراً حل کر دیتے تھے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء اُن کے محامد وفضائل کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> واول کسے کہ در قوم خویشگیان وافغانانِ شوریان علم ظاہری وباطنی در خود جمع کرد، او بود، ودر زہد وریاضت وعبادت

نظیرے نداشت بلہ[1]

**معاصرین** شیخ احمد شوریانی کے معاصرین میں حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوری[2]، اور

---

لہ خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۴۵۷ ۔ نزہتہ الخواطر جلد ۵ ص

لہ شیخ عیسیٰ برہان پوری کا لقب شیخ الاولیاء اور جند اللہ تھا، اُن کے والد کا نام قاسم تھا، شیخ عیسیٰ کے آباواجداد سندھ کے تعلقہ سیہون کے ایک قصبے پات کے رہنے والے تھے، شیخ عیسیٰ نے اپنا سلسلۂ نسب اپنی تصنیف عین المعانی میں اس طرح لکھا ہے:۔

عیسیٰ بن قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف الشہابی الجُندی السندھی الہندی۔

۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء میں جب ہمایون کے سندھ میں آنے کی وجہ سے شورش و بدامنی پھیلی تو سندھ کے کے بہت سے علماء اور صوفیاء کے گھرانے ترکِ وطن کر کے مختلف ممالک میں آباد ہونے، انھیں ہجرت کرنے والوں میں شیخ عیسیٰ کے والد شیخ قاسم بن شیخ یوسف بھی تھے، شیخ قاسم اور اُن کے بڑے بھائی شیخ محمد محدث اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کرکے پہلے احمد آباد تشریف لائے۔ اور انھوں نے کسی زمانے حضرت محمد غوث گوالیری سے بیعت ہو کر چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل کی، پھر آپ اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے خاندان کے ساتھ برار تشریف لائے۔ اس زمانے میں برار کا حاکم تفال خاں تھا، جو ان بزرگوں کے ساتھ نہایت توقیر و تعظیم سے پیش آیا، اور اُدھر یہ بھی اس کے خلوص اور قدر افزائیوں کو دیکھ کر ایلچ پور میں مقیم ہوگئے، وہاں تقریباً ۳۲ سال تک مقیم رہ کر علم و عرفان کی دولت عام کرتے رہے۔

۵ ذی الحجہ ۹۶۲ھ / ۱۵۵۴ء کو ایلچ پور ہی میں شیخ عیسیٰ کی ولادت باسعادت ہوئی، اتفاق سے اُن کی پیدائش کے دن اُن کے والد شیخ قاسم گھر پر موجود نہ تھے، اس لئے اُن کے چچا شیخ طاہر محمد محدث نے اُن کا نام عیسیٰ رکھا۔

نو سال کی عمر میں شیخ عیسیٰ نے قرآن مجید حفظ کرلیا، پھر علوم متداولہ کی طرف توجہ فرمائی،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھے، یہ تینوں حضرات اُن کا بے حد احترام کرتے تھے۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ۲)

اور اپنے چچا شیخ طاہر محمد محدث سے فقہ، حدیث، تجوید اور دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کی، ابھی اُن کا آغاز شباب ہی تھا کہ ۹۸۱ھ میں اُن کے والد شیخ قاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء میں نعمان خاں کی وفات کی وجہ سے دیار کا نظم ونسق درہم برہم ہوگیا، محمد شاہ فاروقی حاکم برہان پور کی قدر افزائیاں اور آپ کا بے حد اصرار حضرت شیخ طاہر محمد محدث اور اُن کے متعلقین کو کھینچ کر برہان پور لایا، شیخ عیسٰی بھی آپ کے ساتھ برہان پور آئے۔

شیخ طاہر محمد محدث اور شیخ عیسٰی کے برہان پور میں قیام کے بعد سندھ کے وہ خانوادے جو ہجرت کرکے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے برہان پور میں آکر آباد ہونے لگے، اور برہان پور اہلِ سندھ کا مرکز بنا، یہاں تک کہ آپ کے مکان کے متصل سندھیوں کی آبادی نے ایک مستقل محلے کی صورت اختیار کی، اور یہ محلہ سندھی پورہ کے نام سے آباد ہوا، جو آج بھی اسی نام سے موسوم ہے۔

شیخ عیسٰی اپنے چچا سے علومِ متداولہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شیخ یوسف کے درس میں شریک ہوئے۔ پھر طلب علم میں آگرے پہنچے، وہاں اُن کی ملاقات قاضی جلال الدین ملتانی سے ہوئی، آگرے میں کچھ دن ہی گذرے تھے کہ شیخ عیسٰی کو اُن کے چچا شیخ طاہر محمد کا خط ملا جس میں تحریر تھا کہ حکیم عثمان بوبکانی جو علم وفضل میں یگانۂ روزگار ہیں برہان پور آئے ہوئے ہیں، شاید تم اس سرچشمۂ علوم سے زیادہ سکون حاصل کرسکو، اس خط کے بعد وہ برہان پور واپس آئے، اور حکیم عثمان بوبکانی کے درس میں شریک ہوگئے، لیکن اب معرفت وعرفان کی ایک نئی لگن دل میں پیدا ہوئی اور شیخ لشکر محمد عارف شطاری برہان پوری کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور درس و تدریس، ارشاد وہدایت میں مصروف ہوگئے۔

شیخ عیسٰی رحمۃ اللہ کی تصانیف میں (۱) روضۃ الحسنٰی (۲) عین المعانی (۳) انوار الاسرار (۴) رسالہ حواس پنجگانہ (۵) حاشیہ بر اشارۃ غریبہ کتاب انسان کامل مصنفہ شیخ عبدالکریم جیلی۔

برہان پور کے مشہور صوفی بزرگ شیخ عبداللطیف کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنی عمر میں علمائے ظاہر و باطن میں دو ہی بزرگ دیکھے، ایک شیخ عبدالوہاب مرصیعی دوسرے شیخ احمد شوریانی میں نے ان دونوں بزرگوں سے ملاقات کی ہے، پھر مجھے ان جیسا کوئی انسان نظر نہیں آیا۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳)

(۶) شرح قصیدہ بردہ فارسی شرح (۷) رسالہ تبنیۃ المذاہب اربعہ مع اشارات اہلِ تصوف (۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ تصنیف مولانا جامی (۹) فتح محمدی در علوم ما یتعلق بہ التفسیر (۹) تتمیم شرح مائۃ عامل (۱۰) رسالہ عقود (۱۱) شرح رباعیتین (۱۲) ترجمہ اسرار الوحی مشہور ہیں۔

شیخ عیسیٰ برہان پوری نے ۱۴ ر شوال ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء میں وفات پائی، اور اپنے حجرۂ عبادت میں مدفون ہوئے۔ خانخاناں عبدالرحیم نے اُن کے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرایا۔

شیخ عیسیٰ برہان پوری کے متعدد خلفاء تھے، جن سے سلسلۂ قادریہ اور شطاریہ کا فیض عام ہوا اُن کے خلفاء میں شیخ عبدالعزیز لاہوری، شیخ محمد صدیق کابلی، شیخ فرید بن عبدالحکیم، حضرت نورالایمان، اور حضرت شیخ اسماعیل فرحی وغیرہ مشہور ہیں۔ (خود برہان پور کے سندھی اولیائے تالیف سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری۔ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ۔ کراچی۔)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ لہ)

لہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن سیف الدین بن سعد اللہ بخاری ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، تین یا چار مہینے میں اپنے والد ماجد سے قرآن مجید ختم کیا، پھر ایک مہینے میں کتابت اور انشا کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد آپ کے والد نے آپ کو بوستاں اور دیوان حافظ کے چند جزو پڑھائے، پھر میزان شروع کرائی اور مصباح اور کافیہ تک خود تعلیم دی، بارہ تیرہ سال کی عمر میں آپ نے شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی، پندرہ سولہ سال کی عمر میں آپ مختصر اور مطول سے فارغ ہوگئے، پھر آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ اور عربی میں کامل دستگاہ اور علم کلام اور منطق پر پورا عبور حاصل کرنے کے بعد آپ نے علمائے ماوراء النہر سے اکتساب علم کیا، علوم ظاہری سے

جب کوئی شخص قصور سے شیخ عبداللطیف بُرہان پوری کے پاس فیوضِ باطنی کے حاصل کرنے کے لئے پہنچتا تو اُس سے فرماتے کہ خود تمھارے گھر میں شیخ احمد شوریانی جیسا شیخ طریقت موجود ہے جو شریعت و طریقت کا دریائے جاری ہے'

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳)

فارغ ہونے کے بعد پہلے آپ نے اپنے والد سے روحانی تربیت حاصل کی پھر بائیس سال کی عمر میں ٩٨٥ھ/١٥٧٧ء میں قادریہ سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ موسیٰ بن حامد حسنی اُچی سے بیعت کی۔

٩٩٦ھ/١٥٧٧ء میں جب کہ شیخ عبدالحق کی عمر اڑتیس سال کی تھی حج کے لئے حجاز روانہ ہوئے، محمد غوثی نے گلزارِ ابرار میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق ٩٩٥ھ/١٥٦٨ء کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گزر چکا ہے، چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے، پھر وہاں سے مانڈو تشریف لے گئے، مانڈو سے روانہ ہوکر احمد آباد پہنچے، اور شیخ وجیہہ الدین علوی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور اُن کی صحبت سے فیض حاصل کیا، مرزا نظام الدین بخشی نے جو آپ کے دیرینہ دوست تھے آپ کو اپنے ہاں ٹھہرایا، جب حجاز کو روانہ ہونے کا وقت آیا تو سفر خرچ پیش کیا اور جہاز کا بندوبست کیا۔

شیخ عبدالحق دہلوی ٩٩٦ھ/١٥٨٧ء حجاز پہنچے، اور ٩٩٩ھ/١٥٩٠ء تک آپ کا قیام وہاں رہا، آپ کا تمام وقت شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی خدمت میں گزرا جو ہندوستان کے ان عدیم المثال علماء میں تھے جنھوں نے مکہ معظمہ میں قیام فرماکر علم حدیث کی عظیم الشان خدمات انجام دیں' آپ نے شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے حدیث اور تصوف کی کتابیں پڑھیں، اور شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے آپ کو سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہوں سے بھی آشنا کرایا، اور حرم شریف میں عبادت و ریاضت اپنی نگرانی میں کرائی، پھر آپ کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی، مکہ معظمہ میں آپ نے اپنے اُستاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے بیعت بھی کی اور اُن کی خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

١٠٠٠ھ/١٥٩١ء شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہندوستان واپس تشریف لائے، اور آپ نے

تعجب ہے کہ دریا کے پاس سے پیاسے ہوکر یہاں آئے ہو، تم انھیں کے پاس جاؤ تاکہ وہ تم کو خدا تک پہنچائیں۔[۱]

## تصنیف و تالیف سے احتراز

اگرچہ شیخ احمد شوریانی کا زیادہ وقت درس و تدریس میں گزرتا تھا، لیکن وہ تصنیف و تالیف سے احتراز کرتے اور فرمایا کرتے تھے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ [۱])

دہلی میں مسند درس و ارشاد کو زینت بخشی۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد آپ نے حضرت خواجہ باقی اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوکر روحانی استفادہ کیا، کلمات الصادقین میں ہے کہ آپ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے روحانی اشارے پر حضرت خواجہ باقی اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت بھی کی تھی۔

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء کو چورانوے سال کی عمر میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے وصال فرمایا، آپ کی تاریخ ولادت "شیخ اولیا" ۹۵۸ھ = ۱۵۵۱ء اور تاریخ وفات "فخر عالم" ۱۰۵۲ھ = ۱۶۴۲ء سے نکلتی ہے۔

حضرت شیخ کی عمر کا بڑا حصہ تالیف و تصنیف میں گزرا، آپ کی تالیف و تصانیف کی تعداد کثیر ہے، جن میں سے چند نام یہ ہیں۔ لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح، شرح سفر السعادۃ، مدارج النبوۃ، جذب القلوب الی دیار المحبوب، زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار، تکمیل الایمان، فتح المنان فی تائید النعمان، تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف، شرح فتوح الغیب، آداب الصالحین، رسالہ وظائف، شرح شمسیہ، اخبار الاخیار۔

(یہ تمام تفصیل حیاتِ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، تالیف خلیق احمد نظامی ونزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۰۱ تا ۲۰۹ سے ماخوذ ہے۔)

میرے خیال میں متقدمین کی کتابیں کافی موجود ہیں، اب میں تصنیف و تالیف میں کیوں وقت ضائع کروں۔

اُن کی تصانیف میں صرف ایک کتاب "سوالات احمدی" کا پتہ چلتا ہے جو اُنھوں نے ردِ ملاحدہ اور زنادقہ پر لکھی تھی، اور جسے اِس مقصد میں اکسیرِ اعظم بتایا جاتا ہے۔

**وفات** شیخ احمد فوریانی سنہ ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ء) میں واصل الی اللہ ہوئے، مفتی غلام سرور لاہوری نے، اِس شعر میں اُن کی تاریخِ وفات نکالی ہے ؎

"احمد واعظ" (۱۰۳۰ھ) بگو تاریخ او
نیز "ہادی احمد فاضل ولی" (۱۰۳۰ھ - م ۱۶۲۰ء)

(۱۱)

# شاہ ابوتراب

## معروف بہ

## شاہ گداحسینی قادری شطاری

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی شاہ بوتراب تھا، شیراز کے رہنے والے تھے۔ اور خاندانِ سادات سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

شاہ ابوتراب بن سید نجیب الدین بن شمس الدین بن اسد الدین بن زین الدین المشہور بہ زین العابدین بن یونس بن عبدالوہاب بن عبدالہادی بن ابوالبرکات بن انور علی بن عبداللطیف بن محمد شریف بن ابوالمظفر بن سید عبدالباقی بن ابوالحسن بن عبدالعزیز شیرازی بن سید عبداللہ بن محمد امین بن قدرت اللہ بن سید موسیٰ بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن بن زید بن جعفر بن محمود بن ہارون بن حضرت امام موسیٰ کاظمؑ بن حضرت امام جعفر صادقؑ۔

## گجرات میں تشریف آوری

شاہ ابوتراب ابتدائے شیراز سے طلبِ حق میں گجرات تشریف لائے، اور سلسلۂ شطاریہ میں شیخ وجیہہ الدین[1] کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا، آپ کا سلسلۂ طریقت شطاریہ یہ ہے۔

سید ابوتراب، شیخ وجیہہ الدین گجراتی، سید محمد غوث گوالیری، شاہ حمید شاہ قاذن شیخ عبداللہ شطاری۔

---

[1] شیخ وجیہہ الدین گجراتی متاخرین مشائخ میں عظیم المرتبت بزرگ تھے، وہ علوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور شطاری طریقے میں شیخ غوث گوالیری کے زبدہ خلیفہ تھے، اگرچہ دوسرے سلسلوں میں بھی اُن کو ارادت و خلافت تھی لیکن سلسلۂ شطاریہ کو اُن کی وجہ سے غیر معمولی فروغ ہوا، وہ علومِ ظاہری میں بھی غیر معمولی تبحر یکساں رکھتے تھے، اکثر درسی کتب پر اُن کے حواشی و شرح موجود ہیں جب شیر شاہ سوری نے شیخ محمد غوث گوالیری سے محض اس بناء پر عداوت اختیار کی کہ ہمایوں اُن کا معتقد ہے تو شیخ محمد غوث گوالیہ سے گجرات پہنچے، وہ تقریباً اٹھارہ سال اُس علاقے میں رہے، اور غیر معمولی اقتدار حاصل کیا، علمائے گجرات نے بھی اُن کے رسالہ معراج نامہ پر اعتراض کئے، یہاں تک کہ علمائے اُن کو کافر قرار دے کر اُن کے خلاف قتل کا محضر تیار کیا، جس پر گجرات کے مشہور عالم شیخ علی متقی گجراتی نے بھی دستخط کئے اور اپنی مُہر لگائی۔ یہ محضر گجرات کے بادشاہ سلطان محمود گجراتی کے پاس پیش کیا گیا، سلطان محمود گجراتی نے اُس محضر کو دیکھ کر شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے پاس بھجوایا تاکہ اگر وہ صحیح ہو تو وہ بھی اس پر دستخط کریں، ملیکن شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث گوالیری کی روحانیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ شیخ محمد غوث گوالیری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خود اُن سے بیعت کر لی، اور اُس محضر کو پھاڑ کر پھینک دیا، جس کی وجہ سے شیخ محمد گوالیری کا اثر عوام میں اور بھی بڑھ گیا۔

شیخ وجیہہ الدین گجراتی نے ۹۹۸ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار احمد آباد میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۳۶، ۳۳۷ و رودِ کوثر ص ۳۸)

اور سلسلۂ طریقت قادریہ یہ ہے۔

سید ابو تراب، شیخ وجیہ الدین گجراتی، سید محمد غوث گوالیری، حاجی شیخ طیفور، شیخ عبد الفتح مخاطب بہ شیخ ہدایت اللہ سرمست، شاہ قاذن شیخ عبد الوہاب، شیخ عبد الرؤف، شیخ محمود، شیخ عبد القادر، شیخ محمد، شیخ عبد الرحیم، سید ابو بکر تاج الدین، حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی۔

**لاہور میں تشریف آوری** اپنے پیر کی وفات کے بعد سید ابو تراب لاہور میں تشریف لائے اور وہیں توطن اختیار کرکے رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

**وفات** سید ابو تراب شاہ گدا نے ۱۴ شوال ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار گوہر بار لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

**خلفاء** سید ابو تراب کے خلفاء میں قاضی محمد لاہوری، شیخ فاضل، شاہ جمال، لعل گدا، احمد گدا، اور شہبانہ گدا مشہور ہیں، لعل گدا، احمد گدا اور شہبانہ گدا کے مزارات، سید ابو تراب کے مزار کے متصل واقع ہیں۔[1]

---

[1] یہ حالات خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۳۵۳/۳۵۴ سے ماخوذ ہیں۔

(۱۴)

# خواجہ اللہ بخش تونسوی

**ولادت** آپ کا اسم گرامی اللہ بخش، آپ کے والدِ ماجد کا نام نامی خواجہ گل محمد تھا، خواجہ اللہ بخش تونسوی، حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے پوتے تھے، خواجہ اللہ بخش ماہ ذی الحجہ ۱۲۱۴ھ کو تونسہ میں پیدا ہوئے آپ کی تاریخ ولادت :۔ زہے بیدار بخت سے نکلتی ہے۔[1]

**تعلیم** جب آپ کی عمر تعلیم پانے کے قابل ہوئی، تو حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کو تعلیم پانے کے لیئے مولوی محمد امین کے سپرد کیا، اُنھوں نے آپ کو قرآن مجید، فارسی نظم اور عربی صرف و نحو کی تعلیم دی، پھر حدیث پڑھائی۔[2]

**سلوک و معرفت کی تعلیم** علومِ ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد، آپ کے دادا حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی ابتدائی تربیت نے ہی آپ کو بچپن میں نماز و روزے کا

---

[1] مناقب المحبوبین - ص ۳۲۷

[2] تاریخ مشائخ چشت - ص ۳۱۹

پابند بنا دیا تھا، لیکن جوں جوں عمر بڑھتی گئی، آپ کی دلچسپی عبادت و ریاضت سے اور بھی بڑھتی گئی۔

صاحبِ مناقب المحبوبین[1] کا بیان ہے کہ ایک روز میں نوافلِ اشراق پڑھ کر مولوی محمد حسین کے حجرے سے نکلا، اُس وقت خواجہ اللہ بخش تونسوی حجرے کے باہر کسی سے گفتگو میں مصروف تھے، میں نے آپ کو دیکھ کر سلام کیا، آپ نے ازراہِ بندہ پروری نہایت تپاک سے میرے سلام کا جواب دیا، اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا خلیفہ صاحب! ہمارے لئے بھی دعا کیجئے، میں نے دست بستہ عرض کیا کہ قبلہ! ہم غلام شب و روز حق تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت (شاہ محمد سلیمان تونسوی) کی اولاد کو ہمارے حضرت کے درجے پر پہنچائے۔ اور وہ اعلیٰ مقامات جن پر ہمارے حضرت فائز ہیں اُن کی اولاد کو بھی نصیب کرے، اور اُن کی اولاد کو ذوق و شوق اور اپنی محبت عطا فرمائے[2]۔

## بیعت و خلافت

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی اپنے دادا حضرت شاہ سلیمان تونسوی سے بیعت ہوئے۔ اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ ہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، وہ اپنے شیخ کی حیات ہی میں اس منزلِ عالی فائز ہو چکے تھے کہ حضرت شاہ سلیمان تونسوی

---

[1] صاحبِ مناقب المحبوبین کا نام نجم الدین چشتی نظامی، فخری، نور محمدی سلیمانی ہے یہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے مرید تھے، اُنھوں نے ۱۲۷۸ھ میں جب کہ اُن کی عمر ۴۵ سال کی تھی، خواجہ محمد فخرالدین اور خواجہ نور محمد مہاروی، اور اُن کے خلفاء کے حالات مناقب المحبوبین کے نام سے لکھنے شروع کئے، اور تونسہ میں قیام کر کے اس کتاب کو مکمل کیا، پھر اس کا مسودہ حضرت اللہ بخش تونسوی کو دکھایا، آپ نے اسے بے حد پسند فرمایا، یہ کتاب مطبع محمدی لاہور سے شائع ہو چکی ہے جو اب کم یاب ہے (ماخوذ از مقدمہ مناقب المحبوبین۔ ص ۴، ۵) [2] مناقب المحبوبین ص

نے اُن کو اپنی زندگی ہی میں اپنی دلائل الخیرات عطا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اب یہ ہم سے نہیں پڑھی جاتی، ہماری طرف سے تم پڑھ لیا کرو، اور مریدوں کے شجرہ سلسلہ بھی ہماری طرف سے تم ہی دستخط کیا کرو، مناقب المحبوبین میں ہے کہ وہ شاہ سلیمان تونسوی کی وفات کے بعد بھی شجروں پر انھیں کا نام لکھتے تھے، اپنا نام نہ لکھتے تھے[۱] تاریخ مشائخ چشت میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنے دادا مولوی فرید احمد مرحوم کے شجرے کی وہ عبارت جو خواجہ اللہ بخش تونسوی نے تحریر فرمائی تھی بجنسہ نقل کی ہے، جو یہ ہے۔

الٰہی بکربت وغربت خاک راہِ رندمندان سلیمان عاقبت شیخ فرید بخش بخیر گردان۔[۲]

## شاہ سلیمان تونسوی کی انتہائی شفقت

مناقب المحبوبین میں ہے کہ شب پنجشنبہ، ۷ صفر ۱۲۶۷ھ میں جب حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی پر نزع کا عالم طاری تھا، خواجہ اللہ بخش تونسوی نے آپ کے قدموں سر رکھ کر عرض کیا۔

| | |
|---|---|
| بابو! من از تو ہیچ چیز دیگر نمی خواہم پس ہمیں خواہم کہ نعلین فقیران ترا راست کنم۔ | بابو! میں آپ سے کوئی چیز نہیں چاہتا میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے فقیروں کی جوتیاں سیدھی کروں۔ |

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے ایک خاص نگاہِ لطف سے اُن کو دیکھا اور فرمایا ونفخت فیہ من روحی[۳] (میں نے اپنی روح ان میں پھونک دی) یہ آخری الفاظ تھے، جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلے، اور وفات پاگئے۔

---

[۱] مناقب المحبوبین - ص ۳۳۱-
[۲] تاریخ مشائخ چشت - ص ۷۱۹
[۳] مناقب المحبوبین ص ۳۱۷ و ۳۳۱-

**سجادگی** شاہ محمد سلیمان تونسوی کے وصال کے بعد شاہ غلام نظام الدین فرزند کالے صاحب نے خواجہ اللہ بخش کے دستارِ سجادگی باندھ کر مسندِ سجادگی پر بٹھایا، وہ ساری عمر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی تعلیمات کو عام کرتے رہے[۱]

روشن از مہر جمالش برج دیں
آفتابِ آسماں، فخرِ زمیں ہے

**زہد** مناقب المحبوبین میں ہے کہ ابتداً خواجہ اللہ بخش تونسوی کو نفیس پوشاک بہترین گھوڑوں اور شان و شوکت کی زندگی بسر کرنے کا بہت شوق تھا، لیکن جب بڑے ہوئے تو اس ظاہری شان و شوکت سے دل برداشتہ ہو کر زہد کی طرف اس درجہ مائل ہوئے کہ ملت لوہدن میں کئی کئی جوڑے بدلنا چھوڑ کر، نیلا تہبند، پرانی ٹوپی اور معمولی کپڑے پہننے اختیار کر لیے[۲]

**اخلاق** انوار العارفین کے مصنف ان کی اخلاقی بلندی اور پاکیزگی کے متعلق رقمطراز ہیں۔

| | |
|---|---|
| دریں زمان نبیرۂ ایشاں (خولیہ محمد سلیمان) میاں اللہ بخش بر مسندِ ارشاد نشستہ اند، طالبان را ارشاد می کنند، واز آیندگان و روندگانِ آنجا معلوم گردید کہ کریم النفس و خوش اخلاق اند[۳] | اس زمانے میں خواجہ محمد سلیمان کے پوتے میاں اللہ بخش مسندِ ارشاد بیٹھے ہیں، اور طالبوں کو ارشاد و تلقین فرماتے، اور وہاں کے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ وہ نہایت کریم النفس اور خوش اخلاق ہیں۔ |

---

**غربانوازی** دوست دشمن اور امیر و غریب کے امتیاز کے بغیر ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آنا خواجہ اللہ بخش تونسوی کا امتیازی

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص ۷۱۸-۷۱۹ [۲] مناقب المحبوبین - ص ۳۲۲

[۳] انوار العارفین - ص ۵۷۴

وصف تھا، خصوصاً وہ غربا کے ہمدرد او آن پر نہایت شفقت فرماتے تھے حضرت سید پیر مہر علی شاہ نے اپنی ایک مجلس میں آن کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| درنظرِ خواجہ اللہ بخش صاحبِ اہلِ دنیارا بمقدار یک ذرّہ ہم وقعت وقدر نبود، بسیار غریب نواز بودہ اند، دنیاداران را بسیار حقیر و بے مقدار دانند، ہمچوں خواجہ اللہ بخش صاحب ہیچ فقیر دیدہ وشنیدہ نشد[1] | خواجہ اللہ بخش کی نظر میں اہلِ دنیا کی ایک ذرّہ کے برابر وقعت اور قدر نہ تھی، بہت غریب نواز تھے دنیاداروں کو بہت حقیر اور بے مقدار جانتے تھے، خواجہ اللہ بخش کے مانند کوئی فقیر دیکھا اور سُنا نہیں گیا۔ |

## شاہانِ وقت کی عقیدت

مسندِ سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لے گئے، اور متعدد مقامات پر مشائخینِ کرام کے مزارات پر حاضر ہوئے، بیکانیر میں ایک مسجد میں قیام فرمایا، بیکانیر کے بہت سے لوگ آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے، بیکانیر کے راجہ سردار سنگھ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، آپ نے اُسے جواب میں کہلا بھیجا۔

| | |
|---|---|
| ما فقیریم از ملاقاتِ ما یاں ترا چہ سود است، دریں جا نیائی۔ | ہم فقیر ہیں، ہماری ملاقات سے تمہیں کیا فائدہ، اس جگہ نہ آؤ۔ |

پھر ناگور حاضر ہوئے اور حضرت سلطان التارکین حمید الدین ناگوری کے مزارِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے، ناگور کے بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے، وہاں سے میرٹھ تشریف لائے اور میرٹھ کے لوگوں کو داخلِ سلسلہ کیا، ۲۸ رجمادی الثانی ۱۲۷۰ھ کو اجمیر شریف حاضر ہوئے، اور خواجہ

---

[1] ملفوظات طیبہ ص ۱۴۲ –

بزرگ معین الدین اجمیری کی زیارت سے مشرف ہوئے، تقریباً دس روز آپ نے اجمیر میں قیام فرمایا، اجمیر کے ہزاروں لوگ آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے، وہاں سے روانہ ہو کر آپ کشن گڑھ ہوتے ہوئے جے پور پہنچے، وہاں کا راجہ رام سنگھ نہایت عقیدت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جے پور کے بہت سے لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ جے پور سے آپ دہلی تشریف لائے پہلے حضرت بابا قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر اپنے دادا پیر خواجہ فخر الدین کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے، اس کے بعد حضرت چراغ دہلی کی درگاہ میں حاضر ہوئے، اُن کی زیارت سے اور شیخ علامہ کمال الدین کی زیارت سے جو حضرت چراغ دہلی کے پائینتی دفن ہیں مشرف ہوئے، جب ابو المظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کو معلوم ہوا تو وہ ملاقات کے لئے آئے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ آپ کی ملاقات کے لئے آئے ہیں تو آپ دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے، لوگ منت سماجت سے آپ کو واپس لائے۔ بادشاہ نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، وہاں سے آپ درگاہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی میں حاضر ہو کر حضرت محبوب الٰہی کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں سے شاہجہان آباد تشریف لائے، وہاں اُمراء اور درباریوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوسی کی سعادت حاصل کی، محلات کی بیگمات بیعت ہوئیں، اور خود بہادر شاہ نے بھی نذر پیش کی۔[۱]

**وفات** حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی نے ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء مطابق ۲۹ جمادی الاوّل ۱۳۱۹ھ کو وصال فرمایا، تاریخ وفات اس

---

[۱] یہ تمام تفصیل مناقب المحبوبین ص۔ ۳۳۳ و ۳۳۴ سے ماخوذ ہے۔

مصرع سے نکلتی ہے۔ ؎

"چراغِ جہاں بجھ گیا ہے"۔

**اولاد** خواجہ صاحب کے تین صاحبزادے تھے، حافظ محمد موسیٰ، حافظ احمد، اور حافظ محمود۔

خواجہ صاحب کے وصال کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد موسیٰ سجادہ نشین ہوئے، اُنھوں نے ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۶ء میں وفات پائی، اُن کے بعد ان کے بھائی حافظ محمود مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ وہ جید عالم اور صاحب باطن بزرگ تھے، عربی، فارسی، اُردو، پشتو اور بلوچی زبانوں میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔[۱]

---

[۱] وفات و اولاد کی تفصیل خاندان مشائخ چشت۔ ص ۲۳۷ سے ماخوذ ہے۔

(۱۳)

# حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی

**نام و نسب** ہندوستان میں سلسلۂ سُہروردیہ[1] کے بانی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی ہیں اُن کی کنیت ابو محمد اور ابو البرکات ہے، اُن کے والد کا نام وجیہ الدین اور دادا کا نام حضرت کمال الدین علی شاہ تھا، جو خاندان قریش سے تھے۔ حضرت کمال الدین علی شاہ، پہلے مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، اور وہاں سے ملتان تشریف لائے اُن کے نانا مولانا حسام الدین ترمذی منگولوں کے حملے میں وطن چھوڑ کر ہندوستان آئے، اور کوٹ کروڑ مضافاتِ ملتان میں سکونت اختیار کی، حضرت کمال الدین علی شاہ نے اپنے صاحبزادے شیخ وجیہہ الدین کی شادی مولانا

---

[1] سہرورد ایک مقام کا نام ہے، جو عراق عجم کے اندر ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین، اور اُن کے پیر شیخ ضیاء الدین ابو نجیب، اور اُن کے پیر شیخ وجیہہ الدین سہرورد کے رہنے والے تھے۔ اس لئے ان کے سلسلے کو سہروردیہ کہتے ہیں۔

(ماخوذ از فٹ نوٹ بزم صوفیہ۔ ص ۸۹، مصنفہ سید صباح الدین عبدالرحمان)

حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے کی۔

**ولادت** ۵۶۶ھ میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی ولادت باسعادت کوٹ کروڑ میں ہوئی، اُن کی عمر بارہ سال کی تھی کہ اُن کے والد کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا۔

**تعلیم** اپنے والد کی وفات کے بعد وہ خراسان چلے گئے، اور سات برس تک علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی، پھر بخارا پہنچے اور یہاں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور بہت سے بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے، حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اور پانچ سال تک مدینۂ منورہ شیخ کمال الدین محمد یمانی محدّث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، شیخ کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرمِ نبوی کی خدمت کی تھی، حدیث کی تعلیم کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے بیت المقدس پہنچے اور مسجدِ اقصیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی مقابر کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ بیت المقدس سے بغداد شریف گئے۔

**بیعت** بغداد میں شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی صاحبِ عوارف کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ دن ٹھیرے تھے کہ اُنھیں روحانی نعمتیں اور خرقۂ خلافت مل گیا، خانقاہ کے دوسرے درویشوں کے دل میں رشک پیدا ہوا، اور اُنھوں نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سے شکایت کی کہ ہم سالہا سال سے ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہیں، اور ابھی تک

آپ کی خلافت سے مشرف نہیں ہوئے، لیکن یہ ہندوستانی چند روز ہی میں آپ کی خلافت سے سرفراز ہوگیا، اُن کے جواب میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لے کر آئے تھے، جن میں آگ دیر میں لگتی ہے اور بہاءالدین زکریا خشک لکڑیاں لایا تھا، جنھوں نے فوراً آگ پکڑ لی۔[1]

**سلسلۂ طریقت** حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا مُلتانی کا سلسلۂ طریقت یہ ہے:۔

شیخ بہاؤالدین زکریا، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاءالدین ابونجیب سہروردی، شیخ وجیہہ الدین سہروردی، شیخ ابوعبداللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممشاد علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسنؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔[2]

**ملتان کو واپسی** خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد حضرت الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کو حکم دیا کہ وہ ملتان جاکر رشد و ہدایت کے نور کو عام کریں، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق ملتان روانہ ہونے لگے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی جو اُس وقت وہاں مقیم تھے، انتہائے محبت میں حضرت شیخ شہاب الدین سے اجازت لے کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔

جب یہ دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال تبریزی: حضرت شیخ فریدالدین عطار کی ملاقات کے لئے اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد جب واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی نے اُن سے پوچھا

---

[1] خزینۃ الاصفیاء بحوالہ فوائد الفواد ص ۲۰ [2] بزمِ صوفیہ۔ ص ۹۱

کہیئے آج کی ملاقاتوں میں کس درویش کو سب سے بہتر پایا؟ اُنھوں نے جواب دیا، کہ شیخ فریدالدین عطار کو، حضرت بہاءالدین زکریا نے اُن سے پوچھا کہ اُن سے کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ اُنھوں نے مجھ سے ملتے ہی پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بغداد سے آرہے ہیں، پھر اُنھوں پوچھا کہ وہاں کون درویش حق میں مشغول ہے؟ میں خاموش ہو رہا، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ تم نے اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کا نام کیوں نہ لیا، اُنھوں نے جواب دیا کہ اُس وقت شیخ فریدالدین کی عظمت میرے دل میں اس قدر بیٹھی ہوئی تھی کہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا۔ یہ سُن کر حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کو بے حد رنج ہوا، اور وہ حضرت جلال تبریزی سے علحدہ ہو کر ملتان چلے آئے[1]، اور حضرت جلال الدین تبریزی[2] شمالی ہندوستان کے راستے بنگال تشریف لے گئے۔

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۵۲۔

[2] حضرت شیخ جلال الدین تبریزی مشہور اولیائے کرام میں ہیں، وہ ایرانی تھے، پہلے شیخ عبدالدین بن سعید تبریزی سے مرید ہوئے، پھر اُن کی وفات کے بعد بغداد حاضر ہو کر شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت کی اور ایک طویل عرصے تک اُن کی خدمت میں رہے۔ اور اپنے شیخ کی اس طرح خدمت کی کہ شاید ہی کسی مرید نے اپنے پیر کی کی ہو: شیخ شہاب الدین سہروردی ہر سال حج کے لئے جاتے تھے، چونکہ وہ ضعیف ہو چکے تھے، اس لئے گرم اور جلد ہضم ہونے والی غذاؤں کے سوا کچھ نہ کھا سکتے تھے، شیخ جلال الدین تبریزی اپنے سر پر ایک انگیٹھی اور دیگچی اٹھائے رکھتے تھے، تاکہ اُن کے پیر کھانا طلب کریں وہ اُنھیں گرم کھانا دے سکیں۔ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی اور حضرت جلال الدین تبریزی میں جو تعلق رہا جیسا کہ متن میں گزر چکا ہے کہ وہ، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ساتھ ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، اور اُن سے جدا ہونے کے

رشد و ہدایت ملتان میں واپس آنے کے بعد آپ نے اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا، اور

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ص ۲)

بعد دہلی تشریف لائے، اُس وقت دہلی کا بادشاہ شمس الدین التمش تھا، وہ آپ کی دہلی میں آمد کی خبر سُن کر استقبال کے لئے نکلا، اور بڑی تعظیم و توقیر سے پیش آیا، دہلی میں شیخ جلال الدین تبریزی کی دوستانہ ملاقاتیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے رہیں، لیکن اُس زمانے میں دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ تھا۔ جو آپ کا سخت مخالف ہوگیا، اُس نے آپ پر شدید الزام لگا کر علماء کی ایک مجلس طلب کی، سیر الاولیاء میں ہے کہ علماء نے شیخ نجم الدین صغریٰ کو معزول کرکے اُن کی جگہ شیخ بہاء الدین زکریا کو دہلی کا شیخ الاسلام مقرر کیا، لیکن شیخ جلال الدین تبریزی اس قدر ملول ہو چکے تھے کہ اس پر بھی آپ نے دہلی میں قیام پسند نہ کیا، اور بدایوں روانہ ہوگئے، دہلی سے روانہ ہوتے وقت آپ نے کہا۔

چوں من دریں شہر آمدم زرِ صرف بودم ایں ساعت نقرہ ام تا بیشتر چہ خواہد شد۔

میں جب اس شہر میں آیا تھا تو خالص سونا تھا، اب چاندی ہوں، آئندہ دیکھئے کیا ہو۔

شیخ جلال الدین تبریزی بدایوں پہنچے، ایک روز وہ بدایوں میں گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص دہی کا مٹکا سر پر لئے ہوئے آپ کے پاس سے گزرا، یہ شخص ہندو تھا اور بدایوں کے نواح کا رہنے والا تھا جہاں کے لوگ ڈاکہ زنی میں مشہور تھے، اور یہ خود بھی ڈاکو تھا، جب اُس کی نظر شیخ جلال الدین تبریزی پر پڑی تو اُس کے دل پر بے حد اثر ہوا، شیخ نے اُس پر ایک اور تیز نظر ڈالی، آپ کی نظر پڑتے ہی اُس کی دل کی دنیا بالکل بدل گئی، وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ رسول اللہ کے دین میں ایسے لوگ بھی ہیں، پھر وہ فوراً ہی ایمان لے آیا، اور شیخ نے اُس کا نام علی رکھا۔ اس کے بعد علی اپنے گھر گیا، اور ایک لاکھ

آپ کے فیوض و برکات سے سارا ہندوستان منور ہو گیا۔ ملتان، سندھ،

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵)

جیتل لاکر آپ کی خدمت میں پیش کئے، اور عرض کیا کہ آپ انھیں جہاں چاہیں خرچ فرمائیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تم اپنے ہی پاس رکھو، اور جہاں ہم کہیں وہیں خرچ کرتے رہو، چنانچہ جب کوئی حاجتمند آتا تو آپ علی سے فرماتے کہ اس کو سو درم دے دو، پھر کوئی آتا تو کہتے کہ اس کو پچاس درم دے دو، کبھی آپ نے پانچ درم سے کم کسی کو نہیں دئیے۔ یہاں تک تھوڑے ہی دن میں، وہ ایک لاکھ جیتل خرچ ہو گئے، علی کا بیان ہے کہ جب میرے پاس صرف ایک درم رہ گیا، تو مجھے خیال آیا کہ اب میرے پاس صرف ایک درم باقی رہ گیا ہے، اور شیخ کسی کو پانچ درم سے کم نہیں دیتے، اگر اب کوئی ضرورت مند آیا تو بڑی مشکل ہو گی، میں اسی خیال میں تھا کہ اچانک ایک سائل آیا، اور شیخ سے کچھ مانگا، شیخ نے مجھ سے فرمایا، علی! جو تمھارے پاس ایک درم ہے وہ اس کو دے دو۔

شیخ جلال الدین تبریزی نے بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی کو جو بعد میں حضرت محبوب الٰہی کے استاد ہوئے، اور اس وقت خود طفلِ مکتب تھے اپنا لباس عطا کیا۔

جب آپ بدایوں سے بنگال جانے لگے تو علی جو فقر اور درویشی کی منزلیں طے کر چکا تھا روتا ہوا آپ کے پیچھے دوڑنے لگا، اور اس نے عرض کیا کہ میں بغیر آپ کے اس مقام پر رہنا نہیں چاہتا، آپ نے ارشاد فرمایا علی واپس جاؤ، اس شہر کی ہدایت تمھارے ذمے ہے۔

علی نے بدایوں میں حضرت جلال تبریزی کے ارشاد کے مطابق کام شروع کر دیا۔ بہت سے کافر آپ کی تبلیغ سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ کا مزار بدایوں میں ہے۔

جب آپ بنگالہ پہنچے تو وہاں آپ نے عرفان و ہدایت کی شمع روشن کی طالبانِ حق جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے تھے، حضرت

اور بلوچستان کے علاقے کو تو آپ کی روحانی سلطنت کہا جاتا تھا، سفینۃ الاولیاءؒ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؎)
شیخ جلال الدین تبریزی نے بنگال میں جس جگہ اپنی خانقاہ تعمیر کرائی اس کو بندر دیو محل کہتے ہیں، یہاں ایک بہت بڑا تالاب تھا، جس کے قریب ایک ہندو راجہ نے بہت سارہ روپیہ خرچ کرکے ایک بت خانہ تعمیر کرایا تھا، حضرت شیخ جلال الدین نے وہاں بہت سے غیر مسلموں کو مسلمان بنایا، اور وہیں رہائش اختیار کی۔
ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ وہ شیخ جلال الدین کی زیارت کے لئے کامروپ گیا تھا۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ شیخ اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں تھے، اُن کی کرامات مشہور ہیں، وہ بہت بڑی عمر کے انسان تھے، وہ کہتے تھے کہ اُنھوں نے خلیفہ معتصم باللہ عباسی کا زمانہ بغداد میں پایا تھا، اور جس وقت اُس کو قتل کیا ہے وہ وہاں موجود تھے۔ اُنھوں نے ایک سو پچاس سال کی عمر میں وفات پائی، اور چالیس سال سے وہ برابر روزے رکھتے تھے، اور دس دن کے بعد ایک دفعہ افطار کرتے تھے، اُن کے پاس ایک گائے تھی جس کے دودھ سے افطار کرتے تھے، اور ساری رات عبادت کرتے تھے، نحیف البدن تھے، قد لمبا تھا اور رخسار لگے ہوئے تھے، اُن کے ہاتھ پر اس پہاڑی (ملک) کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، اس ملک کے ہندو اور مسلمان سب شیخ کی زیارت کو آتے ہیں اور اُن کے لئے تحفے تحائف لاتے ہیں۔ اُس میں سے فقراء اور مساکین کھاتے ہیں۔ پھر ابن بطوطہ نے اُن کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مجھ سے اُن کے بعض صحابہ نے بیان کیا کہ ہم نے اُن کی وفات سے ایک دن پہلے اُن سے کہا کہ ہمیں کوئی وصیت فرمایئے، اُنھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں۔ پھر اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں انشاءاللہ کل یہاں سے سفر کروں گا، اور اپنے بعد تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے آخری سجدے میں اُنھوں نے جان، جان آفریں کے سپرد کی، لوگوں نے غار میں جس میں وہ رہتے تھے ایک قبر کھدی ہوئی پائی جس کے پاس کفن اور کافور

میں داراشکوہ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی اصلاحی و تبلیغی کوششوں کو ہوئے لکھتا ہے :-

پھر آپ شیخ الشیوخ سے اجازت لے کر ملتان آئے، اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی، اور طالبانِ حق کی ہدایت وارشاد میں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲)

وغیرہ رکھا تھا، لوگوں نے انھیں غسل و کفن دے کر اور نمازِ جنازہ پڑھ کر اُسی قبر میں دفن کیا، پھر ابن بطوطہ نے اُن کی متعدد کرامات کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی کے متعلق اختلاف ہے کہ اُن کا مزار کہاں ہے، اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام نے اپنی مشہور کتاب آب کوثر میں لکھا کہ :-

شیخ جلال الدین تبریزی کی عظمت واہمیت کے باوجود وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا مزار کہاں ہے؟ سیر العارفین جسے سکندر لودھی کے اُستاد شیخ جمالی نے تالیف کیا ہے۔ بندر دیو محل کا ذکر ہے، ابوالفضل نے بھی یہی بیان دُہرایا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ بندر کہاں واقع ہے، خان بہادر محمد حسین نے اپنے سفرنامے کے حواشی میں لکھا ہے کہ بنگالہ کے قدیم دارالخلافہ پانڈوہ کے قریب تھل ایک جگہ ہے ممکن ہے کہ اُس جگہ مزار ہو۔ پنڈوہ (ضلع مالدہ صوبۂ مغربی بنگال) سے آٹھ دس میل دور قصبہ تبریز آباد کے نواح میں ایک جگہ دیوتل یا، دیوتلا ہے، لیکن یہاں بھی شیخ جلال الدین تبریزی کا چلّہ خانہ ہے، مزار نہیں۔ بنگالے کے سفر میں بعض اہلِ تحقیق نے راقم الحروف سے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ شیخ نے آخر عمر میں عزلت نشینی اختیار کر لی تھی اور اب وہ گوہاٹی (صوبۂ آسام) سے چند میل دور ایک پہاڑی پر ایک دشوار گزار اور نسبتاً غیر معروف بلکہ ہیبت ناک جنگل میں مدفون ہیں۔

پنڈوہ میں جہاں آپ کے چلّہ خانہ اور مسجد (بائیس ہزاری) سے

مشغول ہوئے، آپ کی برکت سے بہت سی مخلوق راہ راست پر آئی، اور اس شہر اور اطراف کے تمام لوگ آپ کے معتقد ہوئے آج بھی اس نواح میں آپ کے مرید کثرت سے موجود ہیں۔ آپ کی کرامات وخوارق ظاہر ہیں[1]

شیخ نور محمد بخش اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے، وہ علومِ ظاہری کے عالِم اور مشاہدات ومکاشفات کے مقامات واحوال میں کامل تھے، اُن سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منشعب ہوئے ہیں، اُنھوں نے لوگوں کو رُشد وہدایت فرمائی اور اُن کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے، اُن کی شان بڑی تھی[2]۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۸۲)

۲۲ ہزار ایکڑ زمین وابستہ تھی، آپ کا عرس ۲۱-۲۲ رجب کو ہوتا ہے۔
(آبِ کوثر ص ۲۴۲)

اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ کی قبر بنگلے میں ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں، اور برکت حاصل کرتے ہیں۔

(یہ تمام تفصیل نزہۃ الخواطر جلد۲ ص ۲۰-۲۱-۲۲ وخزینۃ الاصفیاء جلد۱ ص ۲۸۴ تا ۲۸۴ واخبار الاخیار ص ۴۴-۴۵-۴۶ وآب کوثر ۲۳۸ و ۲۴۲ سے ماخوذ ہے۔)

[1] سفینۃ الاولیاء۔ ص ۱۹۷ تذکرہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔

[2] نزہۃ الخواطر جلد۱ ص ۱۵۸ بحوالہ سلسلۃ الذہب۔

انوارِ غوثیہ کے نام سے ایک کتاب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے حالات و مناقب پر آپ کی درگاہ کے خادموں نے شائع کی ہے: اِس کتاب میں ہے کہ :-

حضرت کے وعظ سن کر ملکِ سندھ اور علاقہ ملتان اور لاہور کے اہلِ ہنود میں سے بھی بے شمار لوگوں نے جس میں بہت سے متمول تاجر اور بعض والیانِ ملک بھی تھے۔ دینِ اسلام اختیار کیا، اور حضور کے مرید ہوئے۔ اس کے علاوہ حضرت نے عامہ خلائق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت اور تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا، اطرافِ ملتان میں جہاں کہیں اچھا موقع ہوا، اُفتادہ جنگلوں کو آباد کرایا، چاہات اور نہریں احداث کرائیں، اور تجارت کی طرف بھی حضرت نے توجہ فرمائی۔[1]

**اصلاح و تربیت** آپ عوام کی اصلاح و تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ دیتے تھے، اگر لوگوں کی عبادات میں کوئی غلطی محسوس فرماتے تو فوراً اُس کو متنبہ کرتے، فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ملتان میں سلیمان نامی ایک شخص نہایت عابد و زاہد تھا، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اُس کے پاس گئے، اور اُس سے کہا کہ اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو، تاکہ میں دیکھوں کہ تم کس طرح نماز پڑھتے ہو، وہ شخص اُٹھا، اور اُس نے نماز شروع کی، لیکن نماز میں حالتِ قیام میں دونوں قدموں کے درمیان مسنون فاصلہ نہ چھوڑا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ اپنے دونوں قدموں کے درمیان اس قدر فاصلہ رکھو کہ جتنا مسنون ہے۔ اِس سے کم اور زیادہ نہ ہونا چاہئے، لیکن

---

[1] آبِ کوثر۔ ص ۲۹۴/۲۹۵ بحوالہ انوارِ غوثیہ ص ۴۸/۴۹

اُس نے پھر بھی دونوں قدموں کے درمیان اتنا فاصلہ نہ کیا اور نماز شروع کر دی شیخ نے دوبارہ اُسے ٹوکا، اور بتایا کہ دونوں قدموں میں اس قدر فاصلہ ہونا چاہیئے لیکن وہ پھر بھی شیخ کے فرمانے کے مطابق اپنے قدموں کے درمیان اتنا فاصلہ قائم نہ کر سکا، حضرت شیخ نے اُس سے فرمایا جاؤ اور اُچ میں مقیم ہو کر (تعلیم و تربیت) حاصل کرو، چنانچہ وہ اُچ چلا گیا[۱]۔

ایک دفعہ ایک بہت بڑا عالم دانشور و بخارا سے دہلی آیا، جب وہ ملتان پہنچا تو اپنے علمی پندار و رعونت کی وجہ سے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سے ملنے نہیں گیا۔ جب وہ ملتان سے دہلی روانہ ہونے لگا تو اُس کے ساتھیوں نے اصرار کیا کہ اُسے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے ملنا چاہیئے۔ آخر وہ اپنے ساتھیوں کے اصرار پر آپ کی خدمت میں اس شان سے حاضر ہوا کہ دستار کا شملہ نیچے تک لٹکا ہوا تھا، اور لمبے لمبے بال شانوں پر پڑے ہوئے تھے، آپ نے اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا دو دو سانپ لے کر آئے ہو، اس ارشاد کے ساتھ ہی اُس کی رعونت دور ہو گئی، اور اُس نے اُسی وقت اُٹھ کر سر منڈایا، اور دستار کے شملے کو چھوٹا کیا اور آپ سے بیعت ہو کر ایک عرصے تک آپ کی خدمت میں رہا[۲]۔

**بیعت لیتے وقت ارشاد** سیر العارفین میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی جب کسی کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرماتے تو بیعت لیتے وقت اُس کو چند نصیحتیں کرتے اور فرماتے کہ جب تم مجھ سے بیعت کر رہے ہو اور مجھے اپنا پیر بنا رہے ہو تو تمھیں چاہیئے کہ اب کسی دروازے پر نہ جاؤ، ایک دروازے کو پکڑو اور مضبوط پکڑو[۳]۔

---

[۱] فوائد الفواد۔ ص ۲۲۱ [۲] سیر العارفین۔ ص ۱۲۰

[۳] سیر العارفین ص ۱۲۵

**اعلاء کلمۃ الحق** حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بڑے سے بڑے موقعوں پر بھی اعلائے کلمۃ الحق سے نہیں جھجکے، اُس وقت ملتان کا گورنر ناصر الدین قباچہ[1] سلطان محمد غوری کا غلام تھا، سلطان قطب الدین ایبک[2] کی وفات کے بعد، جب اُس کا غلام شمس الدین التمش بادشاہ ہوا تو اُس نے التمش سے بغاوت کر کے خود مختاری کا ارادہ کیا، سلطان شمس الدین

---

[1] ناصر الدین قباچہ سلطان شہاب محمد بن سام غوری کا غلام تھا، سلطان شہاب نے اس کو سندھ کا گورنر مقرر کیا، سلطان قطب الدین ایبک کی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے اس کے نکاح میں آئیں تھیں، سلطان شمس الدین التمش جب بادشاہ ہوا تو ناصر الدین قباچہ نے اس سے بغاوت کی، سلطان شمس الدین التمش نے اُچ کا محاصرہ کیا، جہاں ناصر الدین قباچہ رہتا تھا، قباچہ اُچ سے نکل کر بھکر آیا، سلطان التمش نے اس کے تعاقب کے لئے اپنے وزیر نظام الملک قوام الدین محمد بن ابی سعد الجنیدی کو ایک لشکر کے ساتھ بھکر بھیجا، اُس نے وہاں پہنچ کر قلعۂ بھکر کا محاصرہ کر لیا، ادھر التمش نے اُچ کو فتح کر لیا قباچہ نے جب اُس کی فتح کی خبر سُنی تو اپنے لڑکے بہرام شاہ کے ہاتھ جو کچھ زر و جواہر اور خزانہ تھا سلطان شمس الدین التمش کے پاس بھجوا دیا۔ اور ۱۹ ر جمادی الآخر ۶۲۵ھ کو دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا، سندھ میں اُس کو گورنری کا زمانہ (۶۰۲ھ سے ۶۲۵ھ) تک ہے۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۲۳۳/۲۳۴ بحوالہ طبقات ناصری)

[2] سلطان قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا خود مختار بادشاہ تھا جو ۶۰۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے فقط چار سال حکومت کی اور ۶۰۷ھ میں وہ لاہور میں چوگان کھیلتے میں گھوڑے پر سے گرا اور اسی صدمے سے وفات پائی، اس کا مزار انارکلی بازار کی پچھلی جانب واقع ہے۔ (ماخوذ آب کوثر ص ۱۱۱-۱۱۲)

ایلتمش نہایت نیک، عدل پرور اور انصاف پسند بادشاہ تھا، اور اپنے زہد و تقویٰ، دینداری اور پابندیِ شریعت کی وجہ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا تھا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، اور ملتان کے مولانا قاضی شرف الدین اصفہانی کو یہ بات پسند نہ تھی، ان دونوں بزرگوں نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ وہ اس کی بغاوت کی تیاروں سے سلطان شمس الدین ایلتمش کو مطلع کر دیں، چنانچہ دونوں نے علٰحدہ علٰحدہ خط لکھ کر ایلتمش کو ناصر الدین قباچہ کے منصوبوں سے اطلاع دی، اتفاق سے دونوں کے خط ناصر الدین قباچہ کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ اُن خطوں کو دیکھ کر بے حد غضبناک ہوا، اور ایک محضر کے ذریعہ ان دونوں کو طلب کیا، جب یہ دونوں بزرگ اُس کی مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو اپنی داہنی جانب اور قاضی شرف الدین کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا، اور اُن کا خط اُن کے ہاتھ میں دے دیا، قاضی شرف الدین اپنا خط پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ قباچہ نے حکم دیا کہ اسی وقت ان کی گردن مار دی جائے، جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں جب اُن کا خط دیا گیا تو اُنھوں نے اُسے دیکھ کر فرمایا، بیشک یہ خط میرا ہے، اور میں نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح لکھا ہے، تمھاری حصولِ سلطنت کی کوششوں سے سوائے مسلمانوں کے خون بہنے کے اور کچھ نہ ہوگا، قباچہ حضرت شیخ کی یہ گفتگو سُن کر کانپ اُٹھا، اور اُس نے معذرت کر کے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا، لیکن اُس نے ایلتمش کے خلاف بغاوت کی، ایلتمش اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ وہ دریائے سندھ میں ڈوب کر رہ گیا۔[1]

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۱۹ و سیر العارفین ص ۱۲۸/۱۲۹ و تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۴۰۶

## تلاوتِ قرآن مجید

تلاوتِ قرآن مجید سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا ایک دفعہ اپنی مجلس میں اپنے خلفاء سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کرلے اور چار پارے اور پڑھے، آپ کی یہ بات سُن کر سب خاموش رہے۔ اور کسی کی ہمت نہ ہوئی، پھر آپ خود ہی نماز کے لئے کھڑے ہوئے، اور دو رکعت نماز کی نیت باندھ کر پہلی رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کیا، اور چار پارے مزید پڑھے، پھر دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی۔

فرمایا کرتے تھے کہ اہل اللہ سے مجھے جو فیض پہنچا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور جس کام کے لئے ارادہ کیا وہ پورا ہوا، لیکن اب تک جو کام نہیں ہو سکا وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ابتدائے صبح سے سورج کے طلوع ہونے تک ایک قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے، میں نے اس کی بے حد کوشش کی مگر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں، لیکن سیر العارفین کے مؤلف شیخ جمالی کا بیان ہے کہ اُن کے پیر شیخ سماء الحق کے والد بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی عادت تھی کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام مجید شروع کرتے تھے، اور فجر کی نماز کی سُنتوں تک پورا پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے[1]

## عبادت و طاعت

حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی سے منقول ہے کہ بابا فرید گنج شکر کثرت سے روزے رکھتے تھے، اور یہاں تک کہ اگر بخار بھی آتا یا فصد کھلواتے تب بھی روزہ نہ چھوڑتے تھے، اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی روزے

---

[1] سیر العارفین۔ ص ۲۰ : فوائد الفواد ص ۱۳۷

کم رکھتے تھے، لیکن طاعت اور عبادت بہت کرتے تھے اور یہ آیت بہت پڑھتے تھے یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً[1]

## اخلاق

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی محسنِ اخلاق و بہترین عادات ایک مکمل نمونہ تھے تواضع اور انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی تعظیم و تکریم ناپسند فرماتے تھے۔۔

ایک دفعہ خانقاہ میں کچھ مرید وضو کر رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی وہاں تشریف لے آئے، سب مرید وضو نامکمل چھوڑ کر آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور سلام کیا، لیکن ایک مرید وضو مکمل کر کے کھڑا ہوا اور تعظیم بجا لایا، آپ نے فرمایا تم سب درویشوں میں افضل ہو اور زاہد ہو۔[2]

لیکن دوسروں کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب ملتان تشریف لائے تو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ان سے بہت تعظیم و توقیر سے پیش آئے اور انھیں اپنے پاس ٹھیرایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بھی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتقدین نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے عرض کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں تو فرمایا کہ ملتان پر شیخ بہاؤ الدین کا سایہ اور قبضہ کافی ہے، انھیں کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

استغنا و بے نیازی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن اپنے خادم سے فرمایا کہ جس صندوقچے میں پانچ ہزار دینار سُرخ رکھے ہیں لے کر آؤ۔ خادم آیا، اور اُس نے واپس آکر عرض کیا کہ صندوقچہ کہیں نہیں ملتا، فرمایا الحمد للہ،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷ [2] سیر العارفین ص ۱۲۳

خادم دوبارہ گیا، اِس مرتبہ تلاش کرنے پر وہ صندوقچہ اسے مِل گیا، اُس نے دوبارہ آکر عرض کیا کہ صندوقچہ مل گیا ہے، آپ اس پر بھی الحمدللہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے صندوقچہ گُم ہونے پر بھی الحمدللہ فرمایا، اور مِل جانے پر بھی الحمدللہ فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ بات یہ ہے کہ فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم برابر ہے، اُنھیں نہ کسی چیز کے ملنے پر خوشی ہوتی ہے اور نہ کسی چیز کے جانے کا غم ہوتا ہے، پھر وہ پانچ ہزار دینار ضرورتمندوں میں تقسیم کردیئے[۱]

جود وسخا اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مریدوں اور معتقدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا، انتہائی اضطراب کے عالم میں اُنھوں نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے روحانی مدد طلب کی، خدا کی قدرت سے وہ جہاز غرق ہونے سے بچ گیا، اس جہاز میں جواہرات کے بڑے بڑے تاجر بھی سوار تھے، جب یہ ساحل پر اُترے تو ان تاجروں نے اپنے مال کا تہائی حصہ حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا، اور اُن کی طرف سے خواجہ فخرالدین گیلانی یہ نقد و جواہر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر چاندی کے ستر لاکھ ٹنکے ہوتے تھے، آپ نے یہ رقم قبول کرلی مگر تین دن کے اندر یہ تمام رقم فقرا اور مساکین میں تقسیم کردی، آپ کی اِس فیاضی کو دیکھ کر خواجہ فخرالدین گیلانی اِس قدر متاثر ہوئے کہ اُنھوں نے اپنا تمام مال ومتاع فقراء میں تقسیم کرکے درویشی اختیار کرلی، پانچ سال تک زندہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں رہے، پھر خانہ کعبہ حج کے لئے روانہ ہوئے، مگر جب بے پہنچکر خواجہ فخرالدین گیلانی نے وفات پائی[۲]

---

[۱] فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۱۱۳ - ۱۱۴ [۲] سیر العارفین ص ۳۲ و خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴ - ۲۵

فوائد الفواد میں ہے کہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے متعلق فرمایا کہ شیخ جب کسی کو کوئی چیز عنایت فرماتے تو بہترین چیز عنایت فرماتے، آپ کے صاحبزادوں کو جو معلّم تعلیم دیتے تھے اُن کی غیر معمولی توقیر کرتے اور اُن کو مال و دولت سے نوازتے تھے[1]۔

ملتان میں ایک دفعہ قحط پڑا اور ملتان کے حاکم کو غلّے کی ضرورت ہوئی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے بڑی مقدار میں غلّہ اُس کے پاس بھجوایا، جب غلّہ اُس کے پاس پہنچا تو نقرئی ٹنکوں سے بھرے ہوئے سات کوزے بھی نکلے، ملتان کے حاکم نے آپ کو اس کی اطلاع دی، فرمایا ہمیں پہلے سے معلوم تھا، ہم نے غلّے کے ساتھ یہ ٹنکے بھی دیئے[2]۔

جب ۱۲۵۷ء میں منگول ملتان میں داخل ہوئے، اور برج و مورچے گرا کر شہر میں قتل غارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم عالم شیخ بہاء الدین زکریا ایک لاکھ درم نقد لے کر پہنچے اور مغلوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو اُن کی تباہی سے بچایا[3]۔

مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ہمیشہ مسافروں مہمانوں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔

ایک دفعہ فقراء کی ایک بہت بڑی جماعت آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھی، آپ نے ہر درویش کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک درویش کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے، فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر کھانا خوب جانتا ہے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثرید کو کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیاءؑ پر اور عائشہؓ کو تمام عورتوں پر ہے[4]۔

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۲۲۳ [2] فوائد الفواد۔ ص
[3] آب کوثر۔ ص ۲۹۷ [4] فوائد الفواد۔ وسیر العارفین ص ۱۲۲

حلم و بردباری حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کا امتیازی وصف تھا، ایک دفعہ گدڑی پوش قلندروں کی ایک جماعت نے آپ کے پاس آکر مالی مدد مانگی، آپ نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا، قلندروں نے یہ دیکھا تو گستاخی شروع کی، اور اینٹ پتھر سے آپ کو مارنے لگے، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کردو، اب قلندروں نے دروازے پر پتھر مارنے شروع کئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا فرمایا کہ دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کا بٹھایا ہوا ہوں، خود آکر نہیں بیٹھا۔ خادم نے دروازہ کھول دیا، قلندر اپنے قصور پر نادم ہوئے اور آپ سے معافی چاہی[1]

## حضرت بابا فرید گنج شکر سے تعلق

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو بابا فرید گنج شکر سے بیحد خلوص اور محبت تھی، اس خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر کو کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے ایک رقعہ لکھا، جس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

میانِ ما و شما عشق بازی ست

حضرت بابا فرید گنج شکر نے اس معذرت کا جواب دیتے ہوئے لکھا۔

میانِ ما و شما عشق ست، بازی نیست[2]

## سماع

سماع سے ذوق رکھتے تھے، سیر العارفین میں ہے کہ جب عبداللہ رومی قوال ملتان آیا، اور اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے اس کا گانا شوق کے ساتھ سنا ہے، اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہے"

---

[1] فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۱۳۱ [2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۷

آپ نے فرمایا، اچھا اگر حضرت نے تمہارا گانا سنا ہے تو ہم بھی سنیں گے۔ چنانچہ آپ نے عبداللہ اور اس کے ساتھی کو حجرے میں بلایا، عشاء کی نماز کے بعد جب رات ایک پہر گزر گئی تو آپ خود حجرے میں تشریف لائے۔ دروازہ بند کر دیا اور دو پارے کلام مجید تلاوت کر کے عبداللہ قوال سے کہا کچھ سناؤ، عبداللہ قوال نے یہ غزل شروع کی ؎

مستان کہ شرابِ ناب خوردند

از پہلوئے خود کباب کردند

جب اس نے اس شعر کو مکرر پڑھا تو حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی، کھڑے ہو گئے اور حجرے کا چراغ گل کر دیا، عبداللہ قوال کا بیان ہے کہ مجھے اندھیرے کی وجہ سے کچھ نہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ پر کیا کیفیت گزر رہی ہے۔ صرف اتنا نظر آتا تھا کہ شیخ گردش کر رہے ہیں جب میرے قریب آتے تھے تو صرف آپ کا دامن نظر آتا تھا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا تھوڑی دیر کے بعد آپ حجرے سے باہر تشریف لے گئے، اور عبداللہ قوال اپنے ساتھیوں کے ساتھ حجرے ہی میں رہا، صبح کو آپ نے اپنے خادم کے ذریعہ سے بیس نقرئی ٹنکے اور خلعت اسے بھجوایا۔[۱]

## عراقی اور شیخ بہاءالدین[۲]

فارسی کے مشہور شاعر عراقی کی وجہ سے سماع سے حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی دلچسپی اور بھی بڑھ گئی تھی، عراقی اپنی سیاحت کے زمانے میں ملتان

---

[۱] سیر العارفین ص ۱۱ و فوائد الفواد۔ ص ۱۳۷

[۲] شیخ فخرالدین ابراہیم نام اور عراقی تخلص تھا۔ فارسی کے عظیم المرتبت شاعر، اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے، ان کا وطن ہمدان تھا، بچپن میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، اور بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ سترہ[۱۷]

تشریف لائے اور ملتان میں وہ شیخ بہاء الدین زکریا کی ملاقات کے لئے حاضر

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؎)

سال کی عمر میں ہمدان کے مشہور مدرسے میں درس دیتے تھے، سیر العارفین میں ہے کہ اُنھوں نے خود ہمدان میں ایک عالی شان مدرسہ بنایا تھا، اور وہاں خود درس دیتے تھے۔ سخاوت و فیاضی میں مشہور تھے۔ ایک دن اُن کے مدرسے میں قلندروں کی ایک جماعت آئی، اُن کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا بھی تھا، عراقی اس لڑکے پر عاشق ہوگئے۔ اور اُن کی یہ حالت ہوئی کہ جب قلندروں کی یہ جماعت ہمدان سے روانہ ہوئی تو دو چار روز بھی اُس لڑکے کی جدائی پر صبر نہ کر سکے، اور بیقرار ہو کر قلندروں کی تلاش میں روانہ ہوئے، آخر قلندروں کی یہ جماعت اُنھیں مل گئی، اُنھوں نے عراقی کو مفتون و بیقرار دیکھ کر کہا کہ لے مخدوم تم بزرگ ہو، اور ہم خوش باش قلندر ہیں ہمارا اور تمہارا کیا میل، جب تک کہ تم ہمارے رنگ میں رنگے نہ جاؤ، عراقی نے اُن کی ہمرنگی قبول کرلی اور قلندرانہ وضع اختیار کر کے وہ قلندروں کے ساتھ ہوگئے۔ یہاں تک کہ قلندروں کی یہ جماعت ملتان پہنچی، اور یہ قلندر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ میں پہنچے، سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے قلندروں پر نظر ڈالی تو آپ نے عراقی کو پہچان لیا لیکن آپ نے اپنے تعارف کو ظاہر نہیں فرمایا، دوسرے روز قلندروں کی یہ جماعت ملتان سے روانہ ہوگئی، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے ان قلندروں کو بلوایا، مگر معلوم ہوا کہ وہ روانہ ہو چکے ہیں۔ شیخ بحید متفکر ہوئے، اچانک اِس قدر زور کی آندھی اور طوفان آیا کہ تاریکی وجہ سے دن رات معلوم ہونے لگا، اور قلندروں کی وہ جماعت جو سفر کر رہی تھی اُن میں اس قدر افراتفری پیدا ہوئی کہ وہ منتشر ہوگئے اور جس کے جہاں سینگ سمائے اُدھر روانہ ہوگیا، ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، عراقی نے بلا قصد اس باد و طوفان میں جو راستہ اختیار کیا وہ ملتان کا تھا، وہ اسی پریشانی کے عالم میں بغیر ارادے کے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو توجہ باطنی سے معلوم ہوا کہ عراقی خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے اُن کو اندر بلوایا، جیسے ہی وہ آئے آپ نے اُن کو

ہوئے، اور آپ سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ کہا کرتے تھے:۔

بر مثالِ مقناطیس کہ آہن را کشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید خواہد کرد، ازیں جا زود تر باید رفت۔

---

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ص۱۲۵)

سینے سے لگایا، سینے سے لگاتے ہی عراقی کا دل قلندر بچے کی محبت سے متنفر ہو کر عشقِ الٰہی کی طرف مائل ہو گیا اور ان کو لباسِ خاص سے مشرف فرمایا اور خانقاہ میں اُن کے لئے ایک حجرہ متعین فرمایا تاکہ وہ اُس میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کریں پھر عراقی کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا، یہاں تک کہ اُنھوں نے آپ کی خدمت میں رہ کر سلوک کے اعلیٰ منازل طے کیے۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اُن کو یہ شرف بھی بخشا کہ اپنی صاحبزادی کا اُن سے عقد کر دیا۔ عراقی تقریباً پچیس ۲۵ سال تک آپ کی خدمت میں رہے، جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے عراقی کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، شیخ کی وفات کے بعد لوگوں کے رشک و حسد کی بناء پر جو محض اس وجہ سے تھا کہ شیخ اُن کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ عراقی ملتان چھوڑ کر حج کے لئے بیت اللہ روانہ ہوئے۔ حج و روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کے بعد وہ روم گئے، اور شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ کی خدمت میں تربیت حاصل کی، لوگ شیخ صدرالدین قونوی سے شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم پڑھتے تھے، عراقی عراقی بھی اس درس کو سنتے، اُسی زمانے میں عراقی نے "لمعات" لکھی، اور شیخ صدرالدین کے سامنے اُس کو پیش کی، شیخ صدرالدین نے اُن کی تصنیف کو پسند فرمایا، مولانا جلال الدین رومی کی وفات کے بعد وہ شیخ صدرالدین سے اجازت لے کر دمشق آئے، اور کچھ دن کے بعد ۸ ذی قعدہ ۶۸۸ھ کو عراقی نے دمشق میں وفات پائی، اُن کا مزار شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کے عقب میں واقع ہے، عراقی کے قبر کے پہلو میں اُن کے صاحبزادے کبیر الدین کی قبر بھی ہے جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی صاحبزادی کے بطن سے تھے، اور ملتان چھوڑ کر دمشق میں اپنے والد کے پاس آ گئے تھے۔

(ماخوذ از سیر العارفین۔ ص ۱۰۳ تا ۱۱۰ و نفحات الانس۔ ص ۵۲۳ تا ۵۲۵)

عراقی ایک طویل عرصے تک ملتان میں رہے، اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سے بیعت ہوکر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

نفحات الانس میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے اُن کو خلوت میں بٹھاکر چلّہ کھنچوایا۔ ابھی چلّے کے دس ہی روز گزرے تھے کہ عراقی پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوئی، اُسی عالم میں اُنھوں نے یہ غزل کہی، اور بلند آواز سے گانا شروع کیا ہے

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند
برائے صید مُرغ جانِ عاشق
ز زلفِ ماہ رویاں دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و ملامت
بہم بردند عشقش نام کردند
چو خود کردند رازِ خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

اہلِ خانقاہ نے جب اُن کو یہ غزل پڑھتے سُنا تو اُن کے اس عمل کو خانقاہ کے آداب کے خلاف سمجھا، کیونکہ خانقاہ میں سوائے ذکر و مراقبے کے کسی اور چیز کی اجازت نہ تھی، اُنھوں نے اس کی شکایت شیخ سے کی، لیکن شیخ نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ تمھارے لئے یہ چیزیں منع ہیں، عراقی کے لئے منع نہیں۔ چند روز گزرے تھے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا ایک مرید اتفاق سے ایک میخانے کے پاس سے گزرا، اُس نے وہاں دیکھا کہ چند خراباتی چنگ و رباب کے ساتھ میخانے میں یہ غزل گا رہے ہیں، اُس نے شیخ سے آکر تمام واقعہ بیان کیا، اور عرض کیا کہ اب آپ کو اختیار ہے جو چاہے فیصلہ فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا جو غزل تم سنی ہے پھر سناؤ، چنانچہ اُس نے پھر وہ غزل پڑھی، جب وہ مقطع پر پہنچا:-

چو خود کردند رازِ خویشتن فاش     عراقی را چرا بدنام کردند

شیخ نے اس کو سُن کر فرمایا اب اس کا کام پورا ہوگیا، یہ کہہ کر اُٹھے اور عراقی کی چلہ گاہ میں پہنچ کر کہا، عراقی! اب تم خرابات میں بھی مناجات کرنے لگے ہو، اُٹھو اور باہر آؤ، جیسے ہی وہ باہر آئے، اُنھوں نے شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا، شیخ نے اُن کے سر کو زمین سے اُٹھایا، اور اپنے جسم سے خرقہ اُتار کر اُن کو پہنایا اور اپنی صاحبزادی اُن کے عقد نکاح میں دی۔ اُن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام کبیر الدین تھا۔[1]

## وفات

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ۷ صفر ۶۶۱ھ کو وصال فرمایا۔[2] فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلوی کی محفل میں ایک دفعہ حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی کی وفات کا تذکرہ چلا، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ایک روز ایک بزرگ صورت شخص ظاہر ہوئے اور ایک لفافہ آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین کو دیا، اور کہا کہ یہ خط ایک صاحب نے دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخ بہاء الدین پہنچا دو، شیخ صدر الدین اُس کا عنوان پڑھ کر بیحد متحیر ہوئے، اور اپنے والد کی خدمت میں وہ خط پیش کر کے باہر آئے، باہر آکر دیکھا دیکھا کہ قاصد جا چکا تھا، خط کے پڑھنے کے ساتھ ہی شیخ بہاء الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آواز بلند ہوئی کہ "دوست بدوست رسید" یہ آواز سُنتے ہی شیخ صدر الدین حجرے میں گئے دیکھا کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔[3]

اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد محبوب الٰہی نے فرمایا، وہ بھی کتنا اچھا زمانہ تھا جس میں یہ پانچ بزرگ زندہ تھے۔

---

[1] نفحات الانس۔ ص ۵۴۲ - ۵۴۳ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

[2] سنہ وفات میں اختلاف ہے، راحت القلوب میں آپ کا سنہ وفات (۵۶۰ھ) اخبار الاخیار میں (۶۶۱ھ) سفینۃ الاولیا، اور تاریخ فرشتہ میں (۶۶۶ھ) اور مراۃ الاسرار میں (۶۶۵ھ) مذکور ہے۔

[3] فوائد الفواد ص ۲۲۱ ملفوظات پنجشنبہ نہم رمضان المبارک و سیر العارفین ص ۱۲۷

شیخ ابو الغیث یمنی[1]۔ شیخ سیف الدین باخرزی[2]۔ شیخ سعد الدین حمویہ[3]، شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہم۔

---

[1] شیخ ابو الغیث جمیل یمنی مشائخ کبار اور عظیم المرتبت بزرگوں میں تھے، صاحب کرامات وخوارق تھے، ابتداءً رہزنی کرتے تھے، اور چند ڈاکوؤں کے ساتھ قافلوں پر ڈاکے ڈالتے تھے، ایک روز کمین گاہ میں ایک قافلے کے لوٹنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہاتف کی آواز سنی کہ کہتا ہے وما صاحب العین علیک عینٌ، یعنی اے وہ شخص جو قافلے کے لوٹنے کے لئے نظر جمائے ہوئے ہے تو نہیں جانتا کہ تجھ پر بھی کسی کی نظر جمی ہوئی ہے۔ جب یہ آواز سنی تو اسی وقت اُن کی طبیعت میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ اور فوراً تائب ہو کر شیخ ابن الاہج کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور شیخ کی توجہ سے تصوف کے اعلیٰ منازل پر فائز ہوئے، شیخ ابو الغیث یمنی نے ۶۵۱ھ میں وفات پائی (خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص ۲۷۱ و ۲۷۲)

[2] شیخ سیف الدین باخرزی شیخ نجم الدین کبریٰ کے منتخب مریدوں میں تھے، جب شیخ نجم الدین کبریٰ نے ان کو ابتدائی زمانے چلّے میں بٹھایا تو دوسرے چلّے میں آپ دروازے پر تشریف لے گئے، اور دروازہ کھٹکھٹایا، پھر فرمایا اُٹھو اور باہر آؤ، پھر یہ شعر پڑھا۔

منم عاشق مرا غم سازوار است

تو معشوقی ترا باغم چہ کار است

شیخ سیف الدین نے ۷۰ سال کی عمر میں ۶۵۸ھ میں وفات پائی، مزار مبارک بخارا میں ہے (سفینۃ الاولیا تذکرہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی)

[3] شیخ سعد الدین حموی کا نام محمد بن موید بن ابی بکر بن ابو الحسن بن محمد بن حمویہ ہے، شیخ نجم الدین کبریٰ کے اصحاب و خلفاء میں تھے، اور اپنے وقت کے یگانہ اور فرد فرید تھے صاحب تصنیف کثیرہ تھے، اُن کی تصانیف میں سجل الارواح مشہور رہے، جس کا شمار مشکل کتابوں میں ہوتا ہے اور جس کا سمجھنا سوائے اہلِ بصیرت کے ممکن نہیں، شیخ سعد الدین کے شیخ صدر الدین قونوی سے دوستانہ مراسم تھے، اور شیخ صدر الدین بہت عرصے تک ان کی

حضرت بابا گنج شکر کے ملفوظات "راحت القلوب" میں مذکور ہے کہ جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے وفات پائی، اسی وقت اجودھن (پاک پٹن) میں حضرت بابا گنج شکر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا۔

برادرم بہاء الدین زکریا را ازیں بیابان فنا بشہرستان بقا بردند

پھر آپ نے اٹھ کر اپنے مریدوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی[۱]۔

آپ کا مزار مبارک ملتان میں سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔

## تعلیم و نصائح

تذکروں سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی کسی تالیف و تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، لیکن صاحب اخبار الاخیار نے آپ کے بعض نصائح و تعلیمات نقل کی ہیں جنھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ نے اپنے بعض مریدوں کو وصیت فرمائی کہ ذکر الٰہی کو اپنے اوپر لازم کر لو کہ ذکر کی بدولت ہی طالب محب تک پہنچتا ہے، محبت وہ آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو حسن کا ذکر

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳)

خدمت میں رہے، شاعر تھے، صاحب روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات نے ان کی ایک رباعی نقل کی ہے جسے ہم تبرکاً یہاں درج کرتے ہیں:-

کافر شوی از زلف نگارم بینی
مؤمن شوی از عارض یارم بینی
در کفر میاویز و در ایماں منگر
تا عزت یار و افتقارم بینی

شیخ سعد الدین حموی نے ۶۳ سال کی عمر میں ۶۵۰ھ میں وفات پائی، ان کی قبر مشہد کے قریب بحر آباد ہے۔ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۲۷۰۔ وفٹ نوٹ روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات صفحہ ۲۸)

(بسلسلہ صفحہ ہذا) [۱] بزم صوفیہ۔ ص ۱۰۲۔ بحوالہ مراۃ الاسرار قلمی۔

کیا جاتا ہے اُس کے مشاہدے کے ساتھ ذکر حقیقت میں ذکر ہوتا ہے، یہی وہ ذکرِ کثیر ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس قول واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

فرمایا کہ مرید کو چاہیئے کہ مراقبہ کرنے والا، اور اپنے اوقات کی جانچ پڑتال کرنے والا ہو، اور حق کے سوا ہر چیز کو اپنے دل سے نکال دے، اور اہلِ دنیا کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کرے، اور اللہ کی یاد میں مشغول رہے، اگر اُس کو حق تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہوگی تو وہ خدائے تعالیٰ کی محبت کی بُو بھی نہ پا سکے گا۔

ایک دفعہ بعض مریدوں کو لکھا کہ جسم کی سلامتی کم کھانے میں ہے، اور روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں ہے، اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے[1]۔

**اولاد** اولاد میں آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین آپ کی وفات کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے جن کا تذکرہ اس کتاب کے آئندہ اوراق میں آ رہا ہے۔

**خلفاء** آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں:۔ (۱) شیخ حسن افغان (۲) شیخ فخر الدین عراقی (۳) سید صدر الدین احمد بن سید نجم الدین ہروی[2]، (۴) شیخ جمال خندان، (۵) شیخ نجیب الدین علی برغش

---

[1] یہ تمام تعلیمات اخبار الاخیار ص ۲۷ سے ماخوذ ہیں۔

[2] سید صدر الدین احمد بن سید نجم الدین ہروی معروف بہ امیر حسینی پہلی مرتبہ اپنے والد سید نجم الدین کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں ملتان آئے، چونکہ اُن کے والد تجارت کی غرض سے ملتان آئے تھے، اور یہ بھی اُس میں بے حد منہمک تھے، اس لئے وہ صرف ایک آدھ مرتبہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے ملاقات کر سکے، اور اپنے وطن واپس چلے گئے، لیکن اپنے والد کی وفات کے بعد دنیا سے منہ موڑ کر اور اپنا تمام مال و سامان فقراء میں تقسیم

(۶) آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف (۷) آپ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح (۸) حضرت جلال سرخ بخاری (۹) اور سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر مشہور ہیں۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲)
کرکے وہ دوبارہ ملتان آئے اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور تین سال تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، ان کا مزار مبارک شہر ہری میں واقع ہے، اس شہر کے لوگ دوشنبہ کے دن اُن کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے آتے ہیں، مزار مبارک شہر کے ایسے پرفضا مقام پر واقع ہے کہ وہاں حاضر ہونے کے بعد روح ایک راحت محسوس کرتی ہے، شیخ جمالی مؤلف سیر العارفین کا بیان ہے کہ اُس زمانے میں کہ میں دارالسلام ہری میں مولانا نورالدین عبدالرحمان جامی اور مولانا عبدالرحمان لاری کی خدمت میں تھا، میں بھی حضرت سید امیر حسینی کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا، اور ہم نے ظہر و عصر کی نماز وہیں پڑھی، سید امیر حسینی جلیل القدر درویش ہونے کے علاوہ اپنے دور کے مشہور اہل قلم میں تھے۔ اُن کی نثری تصانیف میں نزہۃ الارواح اور طرب المجالس اور نظم میں زاد المسافرین، سیر نامہ اور دیوان کنز الرموز مشہور ہیں، انھوں نے کنز الرموز اُس زمانے میں جبکہ وہ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی خدمت میں تھے، تصنیف کی، جس کو دیکھ کر حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی نے اس کتاب کی بے حد تعریف فرمائی۔ شیخ محمود شستری کی مشہور مثنوی "گلشن راز" حضرت امیر حسینی کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی، طرب المجالس میں اُنھوں نے اپنے دہلی آنے کا تذکرہ کیا ہے ——
(سیر العارفین ص ۱۱۰ - ۱۱۱)

(۱۴)

# مولانا بدرالدین اسحاق

**حالات** آپ کا اسم گرامی بدرالدین اسحاق، آپ کے والد کا نام علی اور دادا کا نام اسحاق تھا، آپ نے دہلی میں علوم ظاہری کی تکمیل کی، یہاں تک کہ علم و فضل کی اُس منزل عالی پر فائز ہوئے کہ دہلی کے علماء میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا، بعض علمی مسائل اور اشکال کے حل کرنے کے لئے جو دہلی میں حل نہ ہو سکے تھے، آپ نے بخارا کا ارادہ کیا۔

**اجودھن میں حاضری** جب آپ اجودھن پہنچے تو اُس وقت حضرت بابا فرید گنج شکر کے علم و ولایت کی شہرت عالم میں پھیل چکی تھی اور طالبانِ حق دور دور سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، مولانا بدرالدین اسحاق کے ایک دوست نے جو اُن کے ساتھ ہم سفر تھے اصرار کیا کہ وہ بھی حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن علمی مسائل و مشکلات کو حل کریں جن کے لئے وہ سرگرداں ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے دوست کے ساتھ حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت بابا فرید گنج شکر نے پہلی ہی صحبت میں اُن تمام علمی

مسائل و مشکلات کو اس طرح حل کر دیا کہ مولانا بدرالدین اسحاق حیران رہ گئے، اور آپ کی تقریر کی دلکشی، لطافت، شیرینی، اور علمی تبحر کو دیکھ کر وہ یہ سوچنے لگے کہ اللہ الصمد یہ بزرگ بھی باوجود اس کے کوئی کتاب ان کے پاس نہیں، علمی پندار سے کوسوں دور، معمولی کپڑے پہنے ہوئے، لیکن علم میں کس قدر غیر معمولی تبحر رکھتے ہیں، یقیناً ان کا علم کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے جن مشکلات علمی کے لئے میں بخارا سفر کر رہا تھا، وہ یہیں حل ہو گیا، اس لئے بخارا جانا بالکل فضول ہے۔

**بیعت** وہ اسی وقت حضرت بابا فرید کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اور حضرت بابا صاحب نے انھیں خلافت سے سرفراز فرمایا[۱]۔

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمہ عشق
پیش تو رخت بیفگندم و سر بنہادم

پھر انھیں یہ شرف بھی بخشا کہ اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی شادی اُن سے کر کے اُن کو دامادی سے بھی مفتخر فرمایا[۱]۔

**خشیتِ الٰہی** مولانا بدرالدین اسحاق کا خشیتِ الٰہی سے یہ عالم تھا کہ ہر وقت آنکھیں آنسوؤں سے پُر رہتیں، سیر الاولیاء کے مؤلف میر خورد کے والد بزرگوار سید مبارک کرمانی کا بیان ہے، کہ مولانا بدرالدین اسحاق اس قدر سریع البکا تھے کہ ایک گھڑی کے لئے بھی آنکھیں آنسوؤں سے خالی نہ رہتیں۔

---

[۱] یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار ص ۶۷ سیر الاولیاء ص ۱۷۰ اور خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۱۹ سے ماخوذ ہے
[۲] سیر الاولیاء ص ۱۷۰

اے زعشقت خانۂ عقلم خراب
مردم چشمم زگریہ غرق آب[1]

چاشت کی نماز میں مشغول ہوتے تو اس قدر روتے کہ سجدے کے وقت سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ دونوں آنکھیں اشک باری سے سفید ہو گئیں تھی[2]

ایک دفعہ صاحب سیر الاولیاء میر خورد کی دادی نے جو حضرت بابا فرید سے مرید تھیں اُن سے کہا کہ اے بھائی! اگر تم ایک ساعت کے لئے اپنے آنسوؤں کو روکو تو میں ان کا علاج سرمے سے کروں، مولانا بدرالدین نے روتے ہوئے جواب دیا بہن کیا کروں کہ آنسو میرے قابو میں نہیں۔

از آبِ دیدہ خانۂ چشم خراب شد
بس نامدیم دیدۂ خانہ خراب را[3]

**عالم تحیر** ذوق اور تحیر کی یہ کیفیت تھی کہ ایک روز یہ شعر پڑھا:

پیش سیاستِ غمش روح چہ نطق میزند
اے زہزار صعوہ کم پس تو نوا چہ میزنی

تمام دن اس شعر کے ذوق کی وجہ سے عالم تحیر میں رہے، اور ہر بار جب اس شعر کو پڑھتے ایک نیا کیف محسوس فرماتے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے جب شام کی نماز کا وقت ہوا، اور حضرت بابا فرید نے اُن کو امامت کے لئے حکم دیا تو اُنھوں نے تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت کے وقت یہی شعر پڑھا، اور بیہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو حضرت بابا فرید نے دوبارہ امامت کے لئے حکم دیا، اور فرمایا کہ آپے میں رہو، اس دفعہ اُنھوں نے نماز ختم کی۔[5]

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۷۱ [2] ایضاً۔ ص ۱۷۲ [3] ایضاً۔ ص ۱۷۱ [4] ایضاً ص ۱۷۱
[5] ر ص ۱۷۲ و اخبار الاخیار ص ۶۷۔

## حضرت محبوب الٰہی کی تربیت

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ مجھے مولانا بدر الدین اسحاق سے نہایت محبت تھی، وہ ہر کام میں حضرت بابا فرید کے پاس میری مدد فرماتے اور خود بھی میری تربیت کرتے، جب تک مولانا بدر الدین حیات رہے، سلطان المشائخ نے کسی کو بیعت نہیں کیا۔[۱]

## جامع مسجد اجودھن میں قیام

حضرت بابا فرید گنج شکر کی وفات کے بعد اُن کے تعلقات بابا صاحب کے صاحب زادے اور جانشین شیخ بدر الدین سلیمان سے اچھے نہیں رہے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ جب شیخ بدر الدین سلیمان نے اپنے والد کی مسند رشد و ہدایات کو زینت بخشی تو مولانا بدر الدین اسحاق اُن کی خدمت میں بھی اسی نیازمندی کے ساتھ حاضر رہے، جس طرح وہ اُن کے والد کی خدمت میں رہتے تھے، کچھ دن کے بعد حاسدوں نے ان دونوں بزرگوں کے درمیان اختلاف کا بیج بو دیا، جس کی وجہ سے وہ اجودھن (پاک پٹن) کی جامع مسجد میں رہنے لگے، اور آخر عمر تک وہیں رہے۔[۲]

## وفات

مولانا بدر الدین اسحاق نے ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔[۳] سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اُن کی وفات کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید کے خلفاء میں سے ایک بزرگ کے انتقال کے وقت میں اُن کے پاس موجود تھا، جب وہ وفات پا چکے تو میں نے اُن کی وفات کا تذکرہ حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید سے کیا، آپ نے مجھ سے پوچھا کہ آخر وقت میں اُن کے نماز کے ادا

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۷۳-۱۷۴

[۳] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۱۹

[۲] سیر الاولیاء ص ۱۷۷-۱۷۸

ادا کرنے کی کیا کیفیت تھی، میں نے عرض کیا کہ اُن کی تین دن تک متواتر نمازیں ناغہ ہوتی رہیں، آپ یہ سُن کر خاموش ہو گئے، لیکن مولانا بدرالدین نے جو اُس مجلس میں موجود تھے فرمایا کہ وہ دنیا سے اچھی حالت میں نہیں گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شیخ شیوخ العالم کے سامنے مولانا کی جرأت مناسب نہ تھی، میں مولانا بدرالدین کی وفات کے وقت بھی موجود تھا، جس روز اُنھوں نے وفات پائی، اُنھوں نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی، اور اورادو وظائف سے فارغ ہو کر پوچھا کیا اشراق کا وقت ہے؟ پھر اُنھوں نے اشراق کی نماز ادا کی پھر اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ چاشت کی نماز کا وقت آ گیا۔ اُنھوں نے چاشت کی نماز ادا کی، چاشت کی نماز ادا کرکے وہ سربسجود ہوئے اور رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے، سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ مجھے اُس وقت اُس بات کا خیال آیا جو اُنھوں نے اُن بزرگ کے انتقال پر حضرت بابا فرید کے سامنے کہی تھی، اور میں نے دل میں کہا کہ اس قسم کی بات کہنا واقعی مولانا بدرالدین کو زیب دیتا ہے[1]

سیرالاولیا کے مؤلف کے والد سید مبارک کرمانی کہا کرتے تھے، مولانا بدرالدین جلتی ہوئی مشعل کی طرح تھے، جلد ہی کمالات کو پہنچے؛ اور جلد ہی وہ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید سے جا ملے[2]

**مدفن** اُن کا مزار پُرانوار مسجد جامع پاک پٹن کے صحن میں ہے، جہاں وہ اکثر ذکر و شغل و عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے[3]

**اولاد** مولانا بدرالدین اسحاق کے دو صاحبزادے تھے، خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے ان دونوں صاحبزادوں اور اُن کی والدہ کو مولانا بدرالدین کی وفات کے

---

[1] سیرالاولیاء ص ۱۷۷-۱۷۸ [2] سیرالاولیاء ص ۱۷۲ [3] اخبارالاخیار ص ۶۷

بعد دہلی بلوالیا تھا، اور ان دونوں صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی تھی، خواجہ محمد امام کو حضرت محبوب الٰہی نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی، وہ اپنے شیخ کی زندگی ہی میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے[۱]

تاریخ مشائخ چشت کے حواشی میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حمید قلندر کی ایک کتاب خیر المجالس کا تذکرہ کیا ہے، یہ سلطان المشائخ کے ملفوظات کا مجموعہ تھا[۲] جسے حال ہی میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔

**تصانیف** صاحبِ تصانیف تھے، سیر الاولیا، میں اُن کی ایک منظوم تصنیف "تصرف بدری" کا پتہ چلتا ہے جو اُن کے تبحرِ علمی، بلاغت و فصاحت کی آئینہ دار ہے لیکن یہ کتاب اب یہاں نہیں ملتی، اس کتاب کے خاتمے پر جو چند شعر لکھے گئے ہیں وہ سیر الاولیاء میں منقول ہیں۔ اُن میں سے پہلا شعر یہ ہے۔

انی بسطت یدی الیک الٰھی
ویسیل مسیل الدمع من اٰماقی

(ترجمہ)
اے اللہ میں نے اپنے دونوں ہاتھ تیرے آگے پھیلائے ہیں
اور میرے گوشۂ چشم سے آنسوؤں کی نہر جاری ہے

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اُن کی ایک اور کتاب اسرار الاولیاء کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جس میں انھوں نے شیخ فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات کو جمع کیا تھا[۳] لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مشائخ چشت کے حواشی میں لکھا ہے کہ اسرار الاولیاء جو شیخ بدرالدین کی طرف منسوب کی جاتی ہے، وہ اُن کی تصنیف نہیں ہے اور نہ اُس میں بابا فرید کے ملفوظات ہیں[۴]۔

---

۱؎ سیر الاولیاء ص ۱۸۳ ۲؎ تاریخ مشائخ چشت فٹ نوٹ ص ۱۶۶ (نمبر ۲)
۳؎ اخبار الاخیار ص ۶۷ ۴؎ تاریخ مشائخ چشت فٹ نوٹ ص ۱۶۵ (نمبر ۱)

(۱۵)

# شیخ بدرالدین سلیمان

**حالات** شیخ بدرالدین سلیمان حضرت بابا شیخ فریدالدین شکر گنج کے تیسرے صاحبزادے تھے، جو علم و تقویٰ میں مشہور اور مشائخ کرام کے اوصاف سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

**سجادگی** حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج وصال کے بعد آپ کی مسند رشد و ہدایت کو شیخ بدرالدین سلیمان ہی نے زینت بخشی، اُن کی سجادہ نشینی کے وقت اُن کے تمام بھائی، اور حضرت بابا فرید کے تمام مرید جو پاک پٹن میں موجود تھے حاضر تھے۔

**وفات** جب شیخ بدرالدین سلیمان نے وفات پائی تو اپنے والد کے گنبد میں مدفون ہوئے[1]

---

[1] یہ تمام حالات سیرالاولیاء ص ۱۸۸ - ۱۸۹ سے ماخوذ ہیں۔

(۱۶)

# بایزید تبک زئی

**حالات** شیخ بایزید تبک زئی قصور کے مشہور صوفیائے کرام میں تھے، آپ نے روحانی تربیت حضرت شیخ کبار کے خلیفہ شیخ تبک زئی سے حاصل کی، اور مرجع خلائق ہوئے۔

ایک روز سماع میں خوش وقت ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو میرے پاس آئے اور میں اُسے خدا تک پہنچا دوں، یہ سُن کر خویشگی قبیلے کے تین افغانی: شیر خاں امجوزی، شیخ پائندہ امجوزی اور شیخ صدرالدین دتوزئی اٹھے، شیخ بایزید نے اُنھیں سینے سے لگایا، اور ایک دم سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل طے کرا دیئے۔

مشہور ہے کہ جب وہ سماع سُنتے تو حالتِ وجد و کیف میں یہی فرماتے، اور بہت سے طالبانِ حق کو حق تک پہنچا دیتے۔

شیخ بایزید تبک زئی کسی بات پر اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر قصور سے خورجہ چلے گئے، اور وہیں ہنگامۂ ارشاد و تلقین بپا کیا۔

**وفات** شیخ بایزید نے ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۶ء میں وفات پائی مفتی غلام سرور لاہوری نے اس شعر میں اُن کی تاریخ وفات کہی :-

"اہل حق فیاض" گو تاریخ او
۱۰۳۵ھ
نیز فرما "شیخ کا اہل بایزید"
۱۰۳۵ھ

**خلفاء** شیخ بایزید بتک زئی کے خلفاء میں جن بزرگوں نے شہرت عظمت حاصل کی اُن میں شیر خاں ابجوزی، صدرالدین شیخ صدو، شیخ پایندہ دتوزئی مشہور ہیں[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل مطبوعہ نول کشور ص ۶۱ و ۶۲ سے ماخوذ ہے -

(۱۷)

# سید شاہ بلاول لاہوری

**نام ونسب** آپ کا اسمِ گرامی بلاول، آپ کے والد کا نام عثمان، اور آپ کے دادا کا نام سید عیسیٰ قادری ہے۔

محبوب الواصلین میں ہے کہ شاہ بلاول کے بزرگ ہمایوں کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان آئے اور موضع شیخو پورہ جو لاہور سے دس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ہمایون نے ان کو بطور جاگیر دیا۔ اور اسی موضع میں اُنھوں نے سکونت اختیار کی، اور یہیں شاہ بلاول کی ولادت باسعادت ہوئی، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے انوارِ ولایت ہویدا تھے۔ آپ کے دادا سید عیسیٰ نے آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے لاہور بھیجا۔

**تعلیم و تربیت** لاہور میں شیخ بلاول نے شیخ فتح محمد سے جو اُس زمانہ کے یگانۂ روزگار علماء میں تھے، تعلیم و تربیت حاصل کی، اور تھوڑے ہی دنوں میں علوم ظاہری میں غیر معمولی کمال حاصل کیا۔

**بیعت** - علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد عشقِ الٰہی کا چراغ آپ کے

قلب میں روشن ہوا۔ ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے چلے جا رہے تھے کہ اتفاق سے شیخ شمس الدین کشتی سے اُترے اور اچانک ایک دوسرے کی ملاقات ہوئی، شیخ شمس الدین نے نہایت شفقت سے شاہ بلاول کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے، پس تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمارے پاس رہو، اور تمہارا نعمت باطنی کا جو حصہ ہمارے پاس امانت ہے اُسے ہم سے حاصل کرو۔ شاہ بلاول نے یہ سُنا تو فوراً ہی شیخ شمس الدین سے بیعت کی، اور ریاضتوں و مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔

**تربیتِ روحانی** ابتداءً شاہ بلاول کے مزاج میں غصہ زیادہ تھا، بعض باتوں سے آپ کے شیخ نے اُسے محسوس کیا۔
ایک روز آپ سے فرمایا کہ ہم فقرا کے لئے اس قدر جلال و غصہ مناسب نہیں جب تک کہ تم سے یہ غصہ نہ جائے تمہارے لئے ضروری ہے کہ محلہ شاہ ابو اسحاق میں جا کر حجرے میں خلوت اختیار کرو اور قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف رہو، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق چند سال تک خلوت گزیں ہو کر نماز و روزے میں مصروف رہے۔

**فیاضی** شاہ بلاول بےحد فیاض تھے، آپ کی خانقاہ میں دونوں وقت لنگر جاری رہتا، جو آدمی بھی آپ کی خدمت میں آتا، آپ اُسے ماحضر پیش فرماتے۔

**اوقاتِ شبانہ روز** عادت مبارک یہ تھی کہ شاہ بلاول صبح سے چاشت تک مراقبے اور عبادت میں مشغول رہتے پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے۔ کھانا تقسیم فرمانے کے بعد دوپہر میں کچھ دیر آرام فرماتے پھر نمازِ ظہر باجماعت ادا فرماتے، پھر مریدوں کی طرف متوجہ ہوتے، اور اُن کو ارشاد و تلقین فرماتے، اسی درمیان میں لوگ پانی

کے کوزے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے، شاہ بلاول دعا پڑھ کر اُن پر دم کرتے، یہ دم کیا ہوا پانی بیماروں کے لئے شفا میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا، اسی دوران میں دو منشی جو آپ کے ملازم تھے حاضر ہوتے، آپ حاجتمندوں کے لئے بادشاہِ وقت اور اُس زمانے کے اُمراء کے پاس سفارشی خط لکھواتے، خطوط کے شروع میں "اللہ بس باقی ہوس" لکھواتے تھے، نمازِ عصر کے بعد مراقبے اور عبادت میں مشغول ہوجاتے، افطار کے بعد مغرب کی نماز ادا فرماتے، اور نمازِ مغرب سے فارغ ہوکر اپنے حجرۂ خاص میں تشریف لے جاتے اور دو گھنٹے تک نوافل اور صلوٰۃ الاوابین ادا فرماتے، پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے اور خود جو کی روٹی اور چولائی کے ساگ پر اکتفا کرتے، عشاء کی نماز کے بعد آپ حجرے میں تشریف لے جاتے، اور رات کا بڑا حصہ بھی عبادت میں گزارتے تھے[1]

## صاحبِ نزہۃ الخواطر کا بیان

صاحبِ نزہۃ الخواطر نے آپ کے محامد و اوصاف کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"شیخ العالم، فقیہ، زاہد بلال بن عبداللہ حنفی قادری لاہوری اپنے زمانے کے ایک مشہور عالم تھے، انھوں نے شیخ شمس الدین لاہوری سے سلوک و معرفت کے منازل طے کیے، ارشاد و تلقین میں مصروف رہتے تھے، اور زہد و عبادت کی انتہائی منازل پر تھے، شاہجہاں[2] بن جہانگیر

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۶۲ و ۱۶۳ سے ماخوذ ہے۔

[2] شہاب الدین محمد شاہجہاں بن جہانگیر بن اکبر یکم ربیع الاوّل ۱۰۰۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوا اور ۳۷ سال کی عمر میں جہانگیر کے بعد ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو آگرے میں تخت نشین ہوا، اور ۷۶ سال کی عمر میں ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ میں وفات پائی (حواشی مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص ۳۲۳ و ۲۶ م)

کئی، مرتبہ لاہور میں اُن کی خدمت میں عقیدتاً حاضر ہوا۔[1]

**وفات** شاہ بلاول ۷۰ سال کی عمر میں ۲۸ شعبان ۱۰۴۶ھ کو واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار پُر انوار لاہور میں دہلی دروازے کے باہر واقع ہے۔

مفتی غلام سرور نے اس شعر میں آپ کا سنہ وفات نکالا ہے:۔

"بلاول پیر محبوب بہشت" است
۱۰۴۶ھ
وصالِ آں شہِ دیں شاہِ عرفاں

رائے کنھیالال نے اپنی تاریخ لاہور میں ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے، اس کا بیان ہے کہ ابتدائً شاہ بلاول کو دریائے راوی کے کنارے جہاں رنجیت سنگھ کی بارہ دری تھی۔ ایک گنبد کے نیچے دفن کیا گیا، لیکن جوں ہی دریائے راوی نے اپنا رُخ بدلا تو اُس کی وجہ سے بارہ دری کا بہت سا حصّہ خراب ہوگیا، چونکہ مزار اس بارہ دری کے بغل میں تھا، اس لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خود اپنے وزیر سید عزیز الدین سے کہہ کر اُن کا جسد موجودہ مقبرے میں منتقل کروادیا، جس وقت قبر کھولی گئی تو کنھیالال کے قول کے مطابق جسدِ مبارک بالکل صحیح و سالم نکلا، بعد نمازِ جنازہ اُسے دوبارہ سپردِ قبر کیا گیا۔

بچپن میں شاہ صاحب کو یہ شعر بہت پسند تھا:۔

یا الٰہی بدہ توفیقم
راہ بنما بسوئے تحقیقم

جب بڑے ہوئے تو اکثر یہ شعر وردِ زبان رہتا تھا۔

زندگی مقصود بہرِ بندگیست
زندگی بے بندگی شرمندگیست[2]

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۹۳-۹۴
[2] تاریخ لاہور عبداللطیف ص ۱۵۸-۱۵۹

(۱۸)

# خواجہ بہاری

**حالات** خواجہ بہاری قصبہ حاجی پور کے رہنے والے تھے، تحصیل علم کے لئے آپ قصبہ کوہ پورہ میں تشریف لائے۔ اور شیخ جمال الدین اولیاً سے تعلیم حاصل کی، پھر لاہور تشریف لائے اور علوم دینیہ کی تکمیل ملا محمد فاضل لاہوری سے کی اور انھیں کے ہاں مقیم ہو گئے۔

**بیعت** علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ لاہور کے مشہور بزرگ میاں میر لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سلسلۂ قادریہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر حضرت میاں میر سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

**عوام کی عقیدت** حضرت میاں میر لاہوری کی وفات کے بعد لاہور میں اُن کے خلفاء میں خواجہ بہاری سب سے زیادہ عوام کی عقیدت کا مرکز بنے، لوگ جوق در جوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر فیوضِ روحانی کا اکتساب کرتے تھے۔

**کرامات** سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ قادری نے آپ کی متعدد کرامتیں نقل کی ہیں، خود اُس کا بیان ہے کہ ۱۰۵۱ھ میں میرزا صفی بیگ والیِ ایران نے قندھار پر حملے کا ارادہ کیا، میں نے حضرت خواجہ بہاری سے

اس کا تذکرہ کیا، فرمایا کہ اُس کی کیا مجال کہ وہ تمھارے ملک پر حملہ آور ہو، وہ انشاء اللہ اپنی موت آپ مرے گا، اب اس بات کو ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ خبر ملی کہ دشمنوں نے اُس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

## وفات

خواجہ بہاری ۱۰۶۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، صاحبِ خزینۃ الاصفیا نے ذیل کے قطعہ میں اُن کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

بہاری چوں بہ جنت رخت بربست
ز دنیا جست یکسر بر کنارے
بسالِ رحلتش سرور رقم کرد
کہ "سلطان الولی خواجہ بخاری"

۱۰۶۰ھ

عبداللطیف مؤلف تاریخ لاہور کے بیان کے مطابق خواجہ بہاری نے ۱۰۴۱ھ/۱۶۳۱ء میں وفات پائی[1]۔

---

[1] خواجہ بہاری کے یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۶۸ و ۱۶۹ سے ماخوذ ہیں۔ آپ کا ذکر بادشاہ نامہ میں بھی ملتا ہے۔

(۱۹)

# حضرت سلطان باہُو

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی باہُو، آپ کے والد ماجد کا نام بایزید محمد تھا، آپ قوم اعوان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب ۳۱ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے، قبیلۂ اعوان اپنی اصل کے اعتبار سے ہاشمی علوی ہے۔

سوانح حیات حضرت شیخ باہو میں ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد سے سادات بنی فاطمہ جہاں کہیں تھے اُن کا وقت عبادت الٰہی اور گوشہ نشینی میں بسر ہوتا تھا باقی علوی خلافت کے مدعی تھے، وہ ایران سے ہوتے ہوئے خراسان آئے، اور علویوں میں شاہ حسین نے ہرات پر قبضہ کر لیا، اُن کے بعد اُن کا لڑکا امان شاہ تختِ حکومت پر بیٹھا، چونکہ یہ سادات بنی فاطمہ کی بے حد اعانت کرتا تھا، اس لئے اس کی اولاد کا لقب اعوان ہوا، ساداتِ فاطمہ اور اعوان تین چار پشت تک ہرات میں رہے، پھر عباسیوں کے آخری عہد میں پنجاب اور خراسان کے سرحدی علاقے دریائے اٹک کے کنارے کالا باغ میں پہنچے۔ ساداتِ بنی فاطمہ نے اپنا مسکن اُمچ، بلوٹ، چوہا سیدن اور دندا شاہ بلاول کو بنایا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے، لیکن قبیلۂ اعوان کے افراد نے کالا باغ

کے گرد و نواح کے علاقے جو خٹک اور جنجوعہ اقوام کے ہندو راجاؤں کے قبضے میں تھے ان راجاؤں کا مقابلہ کر کے ان علاقوں کو فتح کر لیا، پھر قبیلہ اعوان نے اپنے شہر اور گاؤں الگ آباد کیے جن شہروں اور گاؤں میں اعوان آباد تھے وہ اعوان کار کہلانے لگے۔

پنجابی صوفی پوئیٹ میں بحوالہ مناقب سلطانی منقول ہے کہ سلطان باہو کے آباؤ اجداد حضرت امام حسینؓ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہاں آئے تھے، اور پنڈ دادن خاں اور احمد آباد میں کافروں سے اُن کے معرکے ہوئے اور انھوں نے اُن کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا، مغل فرماں روا شاہجہاں اس خاندان کی بڑی عزّت کرتا تھا۔[1]

سوانح حیات سلطان باہو میں ہے کہ سلطان باہو کے والد ماجد حضرت بازید محمد دہلی کے بادشاہ کے منصب دار تھے، وہ نہایت ہی نیک متبع شریعت، حافظِ قرآن کریم، فقیہہ، اور عالم بزرگ تھے، انھوں نے اپنی خاندان کی ایک خاتون بی بی راستی سے شادی کی تھی، چنانچہ ایک شعر میں حضرت سلطان باہو نے اپنی والدۂ محترمہ بی بی راستی کی تعلیم و تربیت کا اس طرح اعتراف کیا ہے ؎

رحمتِ حق بر روانِ راستی
راستی از راستی آر استی

سلطان بازید کو شورکوٹ ضلع جھنگ میں شاہجہاں نے ایک سالم گاؤں قہرگان اور پچاس ہزار بیگھہ زمین چند آباد کنوؤں کے ساتھ بطور انعام کے عطا فرمائی، چنانچہ سلطان بازید نے شورکوٹ میں سکونت اختیار کی۔

---

[1] پنجابی صوفی پوئیٹ۔ تصنیف لاجونتی راما کرشنا۔

**ولادت** سلطان بازید کو شورکوٹ میں سکونت اختیار کئے ہوتے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ ۱۰۳۹ھ میں شاہجہاں کے عہدِ حکومت میں آپ کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے، جن کا نام آپ نے سلطان محمد باہو رکھا۔

**بچپن** بچپن ہی سے حضرت باہو کی پیشانی سے انوارِ ولایت تاباں و نمایاں نظر آتے تھے، اور بعض ایسی باتیں پائی جاتی تھیں کہ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ آئندہ چل کر آسمانِ ولایت کے روشن آفتاب بنیں گے، سلطان باہو نے شورکوٹ ہی میں تعلیم و تربیت حاصل کی، تعلیمِ ظاہری کے بعد وہ علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُن کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سلطان باہو نے براہِ راست سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فیضانِ باطنی حاصل کیا، اور پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی تربیت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سپرد فرمائی۔

---

لہ آپ کا اسم گرامی عبدالقادر، لقب محی الدین، کنیت، ابو محمد اور عرف غوث اعظم تھا آپ نسبًا حسنی و حسینی سید ہیں، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست، اور آپ کی والدہ کا نام اُم الخیر، امۃ الجبار فاطمہ تھا، آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان ۴۷۱ھ میں قصبہ گیلان میں ہوئی، آپ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے قصبے میں حاصل کی، اٹھارہ سال کی عمر میں ۴۸۸ھ میں آپ حصولِ علم کے لئے بغداد تشریف لے گئے اور مختلف اساتذہ اور شیوخ سے آپ نے علومِ ظاہری کی تکمیل فرمائی، پھر آپ علمِ باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہداتِ شاقہ کے بعد آپ نے حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی سے بیعت کی، اور اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا، پھر آپ بغداد میں درس و تدریس افتاء و رشد و ہدایت تبلیغ اور اعلاءِ کلمۃ الحق میں مصروف ہو گئے۔

**بیعت** پھر حضرت سلطان باہُو حضرت شاہ حبیب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جنھوں نے اُن کی رہبری پیر عبدالرحمٰن قادری کی طرف کی جو دہلی میں مقیم تھے، اور بظاہر شاہی منصب دار تھے۔
حضرت سلطان باہو دہلی پہنچ کر پیر عبدالرحمان قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر فیضِ روحانی حاصل کیا، اور پھر اپنے وطن واپس آکر ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، آپ کا سلسلہ قادری سروری کہلاتا ہے۔ سلسلہ قادری سروری پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے اپنی کتاب "عین الفقر" میں تحریر فرمایا:-

"و قادری سروری آن است کہ محض بہ فیضِ ازل بے وسیلہ ظاہری بپرورش نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و مشرف مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شود، و حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ارشاد و تلقین فرمودہ دستش بدست حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بسپارند، آں را قادری و سروری گویند۔ و حکمِ سروری حکمِ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

شیخ عمر کیماتی کا بیان ہے کہ آپ کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی کہ جس میں یہود و نصاریٰ اسلام قبول نہ کرتے ہوں، یا قطاع الطریق، رہزن، چور، قاتل، فاسق، فاجر، ملحد، زندیق، بیدین اور بد اعتقاد لوگ آپ کے ہاتھ پر تائب نہ ہوتے ہوں، بہجۃ الاسرار میں ہے کہ پانچ ہزار سے زیادہ یہود و نصاریٰ نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور ایک لاکھ سے زائد فساق، فجار، قطاع الطریق اور بد اعتقاد لوگ تائب ہوئے۔

۹۱ سال کی عمر میں ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، بغداد میں آپ کا روضہ مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(اخبار الاخیار - ص ۱۰ و سیرت غوث اعظم مؤلفہ ابو البیان)

سرمدی است، واین را اویسی نیز خوانند۔"

سلطان باہو نے رشد و ہدایت کا جو چراغ شور کوٹ میں روشن کیا، اس کی روشنی سے پنجاب اور سندھ منور ہو گئے۔

**اتباعِ شریعت** سلطان باہو خود بھی متبع شریعت تھے اور اپنی تعلیمات میں اتباعِ شریعت پر بہت زور دیتے تھے، ایک دفعہ فرمایا اگر کوئی فقیر سر مو بھی خلاف شریعت چلے، اسی وقت اس کی تمام نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں، وہ اپنے ایک شعر میں اپنے تمام باطنی سربلندیوں کو اتباع شریعت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہر مراتب از شریعت یافتم
پیشوائے خود شریعت ساختم

**سندھ میں سلسلۂ باہو** سندھ میں حضرت سلطان باہو کا سلسلہ پہلے کنبار (علاقہ نارڈی) میں بتوسط حضرت شاہ غلام حیدر آیا، غلام حیدر اپنے والد محمد حسن سے بیعت تھے۔ محمد حسن ایک واسطہ سے سلطان باہو کے مرید تھے، غلام حیدر کے مرید میاں نور محمد شہداد کوٹی تھے۔

میاں نور محمد نے اپنے دو صاحبزادوں میاں گل محمد (متوفی ۱۳۰۲ھ) اور میاں غلام صدیق (متوفی ۱۳۲۲ھ) کو بھی اپنے مرشد غلام حیدر سے بیعت کرایا تھا۔

میاں نور محمد شہداد کوٹی بڑے جید عالم تھے، انھوں نے علوم رسمیہ کی تعلیم میاں عبد الحلیم کنڈوی سے حاصل کی تھی، اور انھوں نے سندھ کے مشہور مخدوم عبد الواحد سوستانی کو بھی دیکھا تھا، میاں عبد الحلیم کا مزار روہڑی کے ریلوے، اسٹیشن کے قریب دریا کے قریب پہاڑی پر ہے میاں عبد الحلیم کنڈوی عاقل شاہ دربیلوی کے شاگرد تھے۔

**تصانیف** حضرت سلطان باہو کی تصانیف کی تعداد ایک سو چالیس بتائی جاتی ہے، آپ نے نظم و نثر دونوں میں شریعت،

طریقت کے رموز و معارف بیان کئے ہیں، نثر میں ہمیں آپ کی جن کتابوں کا پتہ چل سکا ان کے نام یہ ہیں :-

(۱) عین الفقر کبیر (۲) عین الفقر صغیر (۳) عقل بیدار کبیر (۴) عقل بیدار صغیر (۵) کلید التوحید کبیر (۶) کلید التوحید صغیر (۷) مجالستہ النبی (۸) محبت الاسرار (۹) اسرار قادری (۱۰) توفیق الہدایت (۱۱) تیغ برہنہ (۱۲) مجموع الفضل (۱۳) محک الفقر الکبیر (۱۴) محک الفقر الصغیر (۱۵) فضل اللقا (۱۶) شمس العارفین (۱۷) رسالہ روحی اورنگ شاہی (۱۸) امیر الکونین (۱۹) مفتاح العاشقین (۲۰) قرب دیدار (۲۱) نور الہدی (۲۲) دیوان اُردو (۲۳) دیوان فارسی (۲۴) دیوان پنجابی۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے جہاں آپ کے غیر معمولی تبحر علمی، غیر معمولی استعداد اور صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے، وہیں یہ کتابیں ایک سالک راہ طریقت کے لئے عرفان و ہدایت کی ایک گنجِ گراں مایہ ہیں۔

## شاعری

حضرت سلطان باہو ایک عظیم المرتبت صوفی اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر بھی تھے، آپ نے اُردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے، اور اپنی شاعری میں عرفان و تصوف کو سمو کر شعر کو ایک نیا آب و رنگ بخشا ہے، ہم پہلے آپ کی فارسی پھر پنجابی شاعری کے چند نمونے تبرکاً یہاں پیش کرتے ہیں ؎

مرا ز پیرِ طریقت نصیحتے یاد است
کہ غیرِ یارِ خدا ہر چہ ہست برباد است

بزلفِ یار دل بستم، بہ بستن دل چناں مستم
دو عالم رفت از دستم کنوں خود را فدا سازم
ز دردِ دل چناں خستم زجاں ہم دست خود شستم
کنوں از درد دل گفتم کہ من خود را فدا سازم

ننگ می آید مرا ایمانِ خویش
بالیقیں من خویش را کافر کنم

---

تو راہِ صفا گر بجوئی بیا
کہ راہِ صفاست راہ رس

آپ کی پنجابی شاعری عوام میں بے حد مقبول ہے، سماع کی محفلیں آپ کے پنجابی اشعار سے گونجتی ہیں۔ ان میں ایک ایسا سوز و گداز پایا جاتا ہے کہ اہلِ نظر اُن پر سر دُھنتے ہیں۔ دیکھئے کس گداز سے ارشاد فرماتے ہیں۔

اندر ہُو تے باہر ہو، دت باہو کتھ لبھیندا ہو
ہو دا داغ محبت والا دم دم نال ڈریندا ہو
جتھے ہو کرے روشنائی، چھوڑ اندھیرا ویندا ہو
دوہیں جہاں غلام تھیندے باہو جیہڑا ہو نوں صحیح کریندا ہو

(ترجمہ) ہُو، یعنی ذات ذوالجلال ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ پھر باہو کہاں ڈھونڈا پھرتا ہے ہُو کی محبت کا داغ ہر دم جلائے رکھتا ہے، اور جہاں جلوہ افروز ہوا وہاں سے تاریکی غائب ہو جاتی ہے۔ اے باہو! جس نے ہُو یعنی وحدت کو سمجھ لیا دونوں جہاں اُس کے غلام ہو گئے۔

یار یگانہ ملسی تینوں جے سر دی بازی لائیں ہُو
عشق اللہ دچہ ہو مستانہ ہُو ہُو سدا الائیں تو
نال تصور اسم اللہ دے دم نو قید لگائیں ہُو
ذاتی نال جان جاتی لیا تد باہو نام سدائیں ہُو

(ترجمہ) یار تجھے اُس وقت ملے گا جب تو سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ اور عشق اللہ میں مست ہو کر ہُو ہُو پکارے۔ اللہ کے تصور کے ساتھ دم کو قید لگائے، تو باہو۔ اُس وقت کہلا سکے گا جب ذات کبریا میں مدغم ہو جائے گا۔

عاشق پڑھن نماز پرم دی جیں وچ حرف نہ کوئی ہو
جیہا کیہا نیت نہ سکے اُتھے درد منداں دل ڈھوئی ہو
اکھیں نیر تے خون جگر دا اُتھے وضو پاک کریوئی ہو
باہو جیبھ نہ ہلے تے ہونٹھ نہ پھڑکن خاص نماز سوئی ہو

(ترجمہ) عاشق وہ نماز پڑھتے ہیں جس میں کوئی حرف نہیں ہوتا، اور یہ نماز ایک ایسی نماز ہے، جسے ہر کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ صرف دردمند ہی پڑھ سکتے ہیں، آنسوؤں اور خون جگر سے وضو کرتے ہیں اور نہ زبان ہلتی ہے اور نہ ہونٹ پھڑکتے ہیں۔

---

**وفات** حضرت سلطان باہو یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں واصل الی اللہ ہوئے۔ کسی نے اس شعر میں آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

کاشفِ "اسرار الحق اہل دیں"
۱۱۰۲ھ
گشت تاریخ وصالش بالیقیں

ابدی غلام باہو" سے بھی آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

**مزار** آپ کو شور کوٹ کے قریب دریائے چناب کے کنارے موضع قہرگاں کے قلعہ میں دفن کیا گیا، لیکن دریا کے بڑھ آنے کی وجہ سے، اور مزار مبارک کو طغیانی کا خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے آپ کے جسد مبارک کو وہاں سے منتقل کر کے دوسری جگہ دفن کیا گیا، یہ واقعہ ۱۱۸۰ھ کا ہے، لیکن ۱۳۳۶ھ میں جب کہ حضرت شیخ حاجی سلطان نور احمد کی سجادگی کا زمانہ تھا، پھر مزار مبارک کو دریا کی طغیانی کا خطرہ لاحق ہوا، چونکہ ماہ محرم ۱۳۳۶ھ میں جسد مبارک وہاں سے منتقل کر کے

اُس جگہ دفن کیا گیا، جہاں اب آپ کا مزار مبارک مرجع خاص وعام ہے، اس لئے ماہِ مُحرّم ہی میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔

**اولاد** حضرت سلطان باہو کے آٹھ صاحبزادے تھے، جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) شیخ سلطان نور محمد (۲) سلطان ولی محمد (۳) سلطان لطیف محمد (۴) سلطان صالح محمد (۵) سلطان اسحاق محمد (۶) سلطان فتح محمد (۷) سلطان شریف محمد (۸) سلطان حیات محمد، سلطان حیات محمد نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

اِس وقت حضرت محمد حبیب سلطان سجادہ نشین ہیں[1]

---

[1] یہ تمام واقعات سوانح حیات حضرت سلطان باہو مصنفہ حمید اختر سے ماخوذ ہیں۔

(۴۰)

# میر بلّھے شاہ قادری قصوری

**حالات** میر بلّھے شاہ قادری شطاری[1] حضرت شاہ عنایت قادری، لاہوری کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، آپ کا سلسلۂ طریقت چند واسطوں سے شاہ محمد غوث گوالیری سے جا ملتا ہے، آپ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے:-

میر بلّھے شاہ قادری، شاہ عنایت قادری، شاہ محمد رضا قادری، شیخ محمد فاضل لاہوری۔ شیخ الہ دلو قادری اکبر آبادی، شیخ محمد جلال، سید نور زین العابدین چشتی، شیخ عبد الغفور، شیخ وجیہ الدین گجراتی، شاہ محمد غوث گوالیری۔

---

[1] سلسلۂ شطاریہ شیخ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے، اس سلسلے کے بزرگ اپنے آپ کو شطاری اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سلوک اور طریقت میں دوسرے سلسلے کے بزرگوں سے (شطار) یعنی زیادہ تیز اور سرگرم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضتیں کرتے تھے، شطاری اپنا سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاتے ہیں، عہدِ وسطیٰ میں شطاریہ طریق تصوف نے بہت زیادہ فروغ حاصل کیا، سب سے پہلے شمالی ہندوستان میں جس بزرگ نے یہ طریقہ جاری کیا وہ شیخ عبداللہ شطاری تھے، جو اپنے پیر کے ارشاد کی بناء پر ایران سے ہندوستان تشریف لائے، ان کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں سے حضرت بایزید بسطامی سے جا ملتا ہے۔ (رود کوثر۔ ص ۳۳)

**آبائی وطن** بیر بُلھے شاہ کا آبائی وطن علاقہ بھاول پور کا ایک مشہور گاؤں اُچ گیلانیاں تھا، کتاب تاریخ الاصفیا رجو بُلھے شاہ کے مرشد شاہ عنایت قادری شطاری لاہوری کی خاندانی تصنیف ہے، اس میں اُن کا سلسلۂ نسب چودھویں پُشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔

تاریخ اُچ میں مولانا حفیظ الرحمان بھاول پوری نے گیلانی سادات کا ذکر کرتے ہوئے بُلھے شاہ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالوہاب فرزند حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے توسط سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچایا ہے۔

بیر بُلھے شاہ کے اجداد میں جو بزرگ سب سے پہلے ۸۸۷ھ میں حلب سے آکر اُچ میں آباد ہوئے، وہ حضرت شیخ بندگی محمد غوث تھے، اُن سے ڈھائی سو سال قبل بخاری سادات کے بزرگوں میں سید جلال الدین سرخ بخاری ملتان آکر حضرت بہاءالدین ذکریا ملتانی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کرکے اُن کے ارشاد کی بنا پر اُچ میں آباد ہوئے۔

بُلھے شاہ کا مجموعہ کلام حال ہی میں پنجابی اکیڈیمی لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کے مرتب کا خیال ہے کہ وہ حضرت غوث اعظم کے فرزند حضرت شیخ عبدالرزاق کی اولاد میں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بُلھے شاہ کے اجداد میں کون سے بزرگ سب سے پہلے اُچ آئے، اس کا معین کرنا بہت مشکل ہے، البتہ بُلھے شاہ کے والد سخی شاہ محمد درویش اُچ سے علاقہ ساہیوال کی طرف آئے، اور خود میر بُلھے شاہ قصور میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے [1]

**ولادت** بُلھے شاہ کے سنہ ولادت میں بھی اُن کے تذکرہ نگاروں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، تاریخ ساتِ ستارے کا

[1] وطن و ولادت کی تفصیل (مقدمہ کلیاتِ بُلھے شاہ۔ شائع کردہ پنجابی اکیڈیمی لاہور سے ماخوذ ہے۔

مصنف جو ایک سکھ ہے، وہ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتا ہے کہ "لاہور سے دکن کی جانب ایک بستی پانڈوکی ہے، وہیں سنجاری سادات کے خاندان میں ۱۱۴۸ھ کے لگ بھگ بُلھے شاہ نے جنم لیا۔" لیکن اُن کا یہ سنہ ولادت اس لئے صحیح نہیں کہ اُن کے پیر شاہ عنایت قادری نے ۱۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ اس لئے ۱۱۴۸ھ میں اُن کی ولادت ایک ناقابلِ قبول حقیقت ہے۔

بُلھے شاہ کے مصنف مسٹر اسبورن نے ان کی تاریخ پیدائش ۱۶۸۰ء اور تاریخ وفات ۱۷۸۵ء لکھی ہے، اس طرح ان کی عمر ایک سو پانچ سال قرار پاتی ہے، یہ ایک ایسے دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل مسٹر اسبورن نے پیش نہیں کی۔

بُلھے شاہ کے کلام مجموع ہائے کلام کے مرتب مولوی انور علی رہتکی، خان عبدالرحمان رئیس موضع ڈھوگری ضلع جالندھر، اور بھائی پریم سنگھ زرگر قصوری ہیں، مگر ان حضرات میں سے کسی نے بھی اپنے مرتبہ مجموعے میں بُلھے شاہ کا سنہ ولادت اور سنہ وفات ذکر نہیں کیا، مولوی انور علی رہتکی نے ان کا سنہ وفات ۱۱۷۱ھ ذکر کیا ہے، یہ وہی سنہ ہے جو صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے[۱]

**زہد و ورع**

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ میر بُلھے شاہ نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے، اور اکثر آپ پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری رہتی تھی[۲]

**شاعری**

میر بُلھے شاہ پنجابی زبان کے عظیم المرتبت شاعر تھے، ایک طرف اُن کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف اُن کی شاعری اپنے اندر اثر و تاثیر اور سوز و گداز کا ایک خزانہ لئے ہوئے

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ ص ۲۰۸ [۲] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۸۸/۱۸۹

تھی، اُنھوں نے جو کچھ کہا ہے اُس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے، اُن کا ہر شعر روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور دل کی پہنائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے پاکیزہ نغموں سے پنجاب کے گاؤں، قصبے اور شہر گونج اُٹھے، ان کی شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پھیلی، بُلھے شاہ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے، اور ناخواندہ طبقہ بھی، ان کے اشعار میں لذّت محسوس کرتا ہے، آج بھی عورتیں، گھروں میں، کسان کھیتوں میں، بچے گلیوں میں، صوفیا خانقاہوں میں بُلھے شاہ کے کلام کو پڑھتے اور سر دُھنتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی شاعری تصوّف کے باریک نکات اور زندگی کے حقائق کو انتہائی حسن و دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے، سلاست و روانی، شیرینی اور سادگی کی وجہ سے اُن کے اشعار عوام و خواص کے وردِ زبان ہیں، ان کی کافیوں سے سماع کی محفلیں گونجتی ہیں، ان کی شاعری کافیاں، اٹھوارہ دوہڑے، سی حرفیاں، اور گندھاں پر مشتمل ہے۔

**نمونۂ کلام:**۔ ہم ان کے چند اشعار یہاں نمونتاً نقل کرتے ہیں ؎

بلھیا غیر شرع نہ ہو
سکھ کی نیند بھر کے سو
نہوں نہ انا الحق گو
چڑھ سولی ڈھوے گا دیں گا
پیارا سنبھل کے نیولا پچھوں پچھتاوے گا

**مجموعۂ کلام** بُلھے شاہ کے جو مجموعہائے کلام اب تک شایع ہو چکے اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) قانون عشق حصہ اوّل و دوم۔ مرتبہ مولوی انور علی رہتکی (۱۳۰۹ھ ۱۹۵۲ء ۔ ۱۹۵۹ء ۔ لاہور)

(۲) کافیہائے حضرت بلھے شاہ قصوری۔ مرتبہ بھائی پریم سنگھ زرگری قصوری قصور۔ ۱۹۵۳ء سمت۔

(۳) کافیاں میاں بلھے شاہ لاہور ۱۳۲۸ھ

(۴) کافیاں بلھے شاہ۔ لاہور ۱۹۵۰ء

(۵) کافیاں بلھے شاہ۔ لاہور ۱۹۶۰ء

(۶) کافیہائے بلھے شاہ قلمی نسخہ میاں احمد دین صاحب نورائین ضلع گجرات۔

ان نسخوں کے علاوہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب پروفیسر پنجاب فارسی یونیورسٹی کے اہتمام و نگرانی میں پنجابی اکیڈمی لاہور سے "کلیات بلھے شاہ" کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام حال ہی میں شائع ہوا ہے، جس کو ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے مرتب کیا ہے، یہ کلیات معنوی اور صوری حیثیت سے بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔[1]

**وفات** خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ بلھے شاہ نے ۱۱۷۱ھ میں وفات پائی، مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اس شعر میں ان کا سنہ وفات نکالا ہے:۔

رفتہ کن شیخ اکرم ارتحالش ۔۔۔ دگر ہادی اکبر ست توحید
۱۱۷۱ ۔۔۔ ۱۱۷۱ھ

لیکن مغربی پاکستان کے مشہور عالم ڈاکٹر محمد شفیع نے جو مقالہ پنجاب یونیورسٹی کے ترپنویں اجلاس منعقدہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۹ء میں پڑھا، اُس میں اُنھوں نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ میر بلھے شاہ کا سنہ وفات جو خزینۃ الاصفیا میں مندرج ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا، اُنھوں نے اس مقالے میں بتایا کہ اوراد و وظائف کا ایک نسخہ جو فیروز پور میں عبدالعزیز خاں کلارک آف کورٹ سشن کورٹ فیروز پور کے پاس محفوظ ہے،

---

[1] مجموعہ ہائے کلام کی تفصیل مقدمہ کلیات بلھے شاہ شائع کردہ پنجابی اکیڈیمی۔ لاہور سے لی گئی ہے۔

جس میں کچھ اجازت نامے بُلّھے شاہ کی جانب سے درج ہیں، جن سے اس مسئلے پر روشنی پڑتی ہے، اس نسخے میں مختلف قلمی رسائل ہیں، جن میں تعویزات، نقوش، فالنامے، اعمالِ حب اور ادعیہ وغیرہ درج ہیں۔ پہلے رسالے کے آخر میں تاریخِ کتابت ۵ ربیع الثانی ۱۱۷۵ھ مندرج ہے۔ دعائے بانت العظمہ اس دعائے آخر میں لکھا ہے کہ

"باذن واجازت و رخصت حضرت حق آگاہ میاں عبداللہ عشقی شروع نمودہ، و در عمل آوردہ شد۔

ایک جگہ پر "دوم بیان دعوتِ نوعیہ مختلفہ" کا عنوان قائم کیا گیا ہے اس سے پہلے ورق پر یہ عبارت درج ہے۔

اجازت در رخصتِ حرزِ یمانی و بانت العظمہ و بانت الکرامۃ و حزب البحر اورادِ فتحیہ وغیرہ، جمیع دعوت ہا از زبانِ مبارک حضرت سید عبداللہ عشقی عرف میاں بُلّہ شاہ جیو نقیر جناب سید عبدالقادر جیلانی بحقائق و معارف آگاہ محبت پناہ حافظ خان محمد دادہ شد، باید کہ قبول نمودہ آرد سنہ ۱۱۸۱ھ و نیز اورادِ سلسلۂ قادریہ شطاری (کذا) و مداریہ و چشتیہ و سہروردیہ خلافت دادہ شد، باید کہ خود ہم مشغول شود، و بطالبان نیز اشتغال نماید۔

اس تحریر و مہر سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سنہ ۱۱۸۱ھ تک حیات تھے[1]

۱۱۸۱ھ
ز بابا بہا قادری
شاہ

---

[1] یہ تمام تفصیل مقدمہ کلیات بُلّھے شاہ مرتبہ ڈاکٹر فقیر محمد، شائع کردہ پنجابی اکیڈمی لاہور سے ماخوذ ہے۔

**فضائل و مناقب** مفتی غلام سرور صاحبِ خزینۃ الاصفیا آن کے مناقب و محامد و اوصاف میں یوں رقم طراز ہیں :-

شیخ بود عابد و زاہد و صاحبِ جذب و سکر و عشق و محبت و وجد و سماع ، در توحید سخنانِ بلند و نفاریر ارجمند داشت، و اشعار وے بزبانِ پنجابی کہ مملو از معارف و توحید اند، زبان زد خواص و عوام اند، و کافی ہائے مجوزہ وے در مجالس اصفیا ، قوالاں می خوانند کہ موجب زیادتی شوق و ذوق میگردد، و خوارق و کرامت بسیار از وے نقل می کنند[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اول - ص ۲۰۸ - مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

(۲۱)

# پیر بہاون شاہ

**نام ونسب** آپ کا اسم گرامی عبدالکریم تھا، لیکن مشہور بہاون شاہ کے نام سے تھے، آپ ساداتِ عظام بارہ خوانی سے تھے۔ آپ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد شاہ بلاق کے مرید وخلیفہ تھے، آپ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے۔

بہاون شاہ، شاہ بلاق، عبدالرشید لاہوری، شیخ محمّد مشہور بہ مُلّا شاہ، میاں محمد میر بالا پیر لاہوری، شاہ خضر سیوستانی، سید احمد، شیخ عابد کبیر، شاہ ابوالقاسم، شیخ موسیٰ حلبی شاہ ابوبکر، شاہ داؤد، شاہ سلیمان، شیخ زید، شیخ قرشی، قطب الافاق، سید عبدالرزاق، غوث الاعظم ابو محمد عبدالقادر جیلانی۔

**رشد و ہدایت** اپنے والد کی وفات کے بعد پیر بہاون شاہ مسندِ رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے، ابتداءً مزنگ میں سکونت اختیار فرمائی، جب جذب استغراق کی کیفیت آپ پر طاری ہوئی

تو شیخوپورہ میں تشریف لے جاکر بارہ سال تک عبادت الٰہی میں مصروف رہے پھر موضع میرپور میں تشریف لاکر دامنِ کوہ میں سکونت اختیار کی، گھکر قوم کے بہت سے لوگ آپ سے مرید ہوکر اصلاح و ہدایت سے آراستہ ہوئے۔ اِس کے علاوہ دور دور سے لوگ آکر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

**وفات** پیر بہاون شاہ نے ۱۲۱۳ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار پُرانوار میرپور چونگہ میں ہے۔[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۸۴ و ۳۸۵ سے ماخوذ ہے۔

(۲۲)

# شیخ تاج الدین

مشہور بہ

## تاجِ سرور

**حالات** شیخ تاج الدین، مشہور بہ تاج سرور، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے پوتے تھے، جو چشتیان علاقہ بھاول پور میں مقیم ہو گئے تھے۔

**رشد و ہدایت** آپ کے دستِ مبارک پر ریگستانِ بیکانیر و جیسلمیر کے بہت سے لوگوں نے مذہبِ اسلام میں داخل ہو کر شرفِ بیعت حاصل کیا۔

**شہادت** یہ امر اس علاقے کے راجپوتوں کو ناگوار تھا کہ اُن کی وجہ سے بہت سے غیر مسلم اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، اُنھوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ اُسی جنگ میں شہید ہوئے۔ آپ کا مزار و خانقاہ روضۂ تاج سرور کے نام سے چشتیاں میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

**عقیدت** حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اپنی زندگی میں ہمیشہ ہفتہ وار مہار سے روضۂ تاج سرور کی زیارت کے لئے جاتے تھے[1]

---

[1] ذکر کرام۔ مرتبہ محمد حفیظ الرحمان۔ ص ۳۰

(۲۳)

# شیخ جمال خنداں

## حالات

جمال الدین نام تھا، لیکن جمالِ خنداں کے لقب سے مشہور تھے، اپنے عہد کے جلیل القدر علماء میں تھے، اُچ کے رہنے والے تھے۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی وفات سے پہلے اپنے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف سے فرمایا تھا کہ اُچ میں ایک صاحب حال اور ذی صلاحیت درویش ہے جو ابھی تک کسی سلسلے میں منسلک نہیں ہوا۔ اس کا پورا پورا حصہ ہمارے سلسلے میں مقدر ہو چکا ہے۔ اگرچہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا، لیکن ہماری وفات کے بعد وہ تمہارے ذریعہ سے ہمارے سلسلے میں منسلک ہوگا، وہ جذبۂ حق میں مجذوب ہے، جب وہ تمہارے پاس آئے تو پہلے روز اُس کو راہ نہ دینا، یہاں تک کہ چالیس روز کا چلّہ اُس سے کھنچوایا جائے۔ اس چلّے میں اُسے قرآن مجید کی تلاوت کا حکم دینا، تاکہ جذب کی کیفیت سے نکل کر شعور اور افاقے کی کیفیت پیدا ہو، پھر اسے مرید کرنا، اور جمالِ مطلق کا آشنا بنانا، جب وہ سلوک کی منزلیں طے کر لے تو ہمارا وہ لباس اور تبرکات جو تمہارے پاس ہیں سوائے شیخ شہاب الدین سہروردی کے خرقے کے تم رکھنا اور نصف اُس کو دے دینا، اور کہہ دینا کہ نصف تمہارے لئے ہے اور نصف میرے لئے۔ چنانچہ شیخ صدرالدین عارف نے ایسا ہی کیا، جب شیخ جمال حضرت شیخ صدرالدین کی

خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے سلسلہ سہروردیہ میں شیخ صدرالدین کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ایک طویل عرصے تک آپ کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، یہاں تک کہ مرتبہ کمال کو پہنچ کر خرقہ خلافت سے سرفراز کئے گئے، پھر شیخ صدرالدین نے اُن کو اُن کے وطن اُچ میں رشد و ہدایت کے لئے مامور فرمایا[1]۔

**رشد و ہدایت** چنانچہ وہ اُچ میں مقیم ہوکر رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، اور اس سرچشمہ علم و ہدایت سے ہزاروں طالبانِ علم و معرفت فیض یاب ہوئے۔

**درس و تدریس** درس و تدریس حضرت شیخ جمال کا خاص مشغلہ تھا۔ شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری کا بیان ہے کہ وہ ہمیشہ درس دینے میں مشغول رہتے، اگرچہ وہ تمام علوم پڑھاتے تھے، لیکن ہدایہ، بزدوی، مشارق، مصابیح اور عوارف کے درس میں اُن کو غیرمعمولی دلچسپی تھی۔ اثنائے درس میں اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو فوراً ہی تھوڑی دیر کے لئے سر جھکاتے، پھر سر اُٹھاکر بڑی خوبی سے اُس مسئلے کا حل فرماتے۔

**اخلاق** شیخ جمال اُچی سراپا حسن اخلاق تھے، وہ باطن میں مشغولیت حق کے باوجود لوگوں سے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملتے، شاید اسی بنا پر وہ "جمال خنداں" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ہمیشہ موٹے کپڑے استعمال کرتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس قسم کا لباس پہنا ہے۔ ابتدائً اُمراء اور بادشاہوں کے تحفے قبول نہ کرتے تھے، مگر آخر میں یہ تحفے قبول کرنے لگے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں سلفِ صالحین کی پیروی کے خیال سے اِن کو قبول کرنے لگا ہوں۔ کسی چیز کو اپنے لئے جمع کرکے نہ رکھتے، بلکہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۲۶

جو کچھ آتا اسے لوگوں میں خیرات یا ہبہ کر دیتے، کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو صدر جگہ پر بیٹھنے سے احتراز کرتے، بلکہ جہاں بھی جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے، خواہ وہ جوتوں کے قریب ہی کیوں نہ ہو، لیکن جہاں بھی بیٹھ جاتے "صدر آنجا کہ نشیند صدر ست" کی مثال اُن پر صادق آتی تھی، نہایت ہی زاہد و متقی تھے۔

**فضائل** شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اُن کے مناقب و محامد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مکّے میں شیخ عبداللہ یافعی سے اور مدینے میں شیخ عبداللہ مطری سے سُنا، دونوں فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جمال الدین اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار ہیں، اور جن بلند مقامات پر فائز ہیں اُس کی مثال اِس زمانے میں نہیں ملتی۔

**وفات** شیخ جمال الدین کی وفات کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ۶۷۰ھ میں وفات پائی، لیکن یہ قول اس لئے غلط معلوم ہوتا ہے کہ شیخ حسین بن احمد اُچی نے شیخ جمال کا زمانہ پایا تھا، اور وہ اُن کے درس میں حاضر رہے تھے اور شیخ حسین بن احمد کا سنہ ولادت (۷۰۷ھ) ہے خزینۃ الاصفیا میں بھی اُن کا سنہ وفات (۶۷۰ھ) مذکور ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا، قیاس چاہتا ہے کہ اُنھوں نے آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں وفات پائی ہو گی[1]۔

---

[1] یہ تمام حالات نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۲۴ و ۲۵ سے ماخوذ ہیں

(۲۴)

# سیّد جلال الدین میر شاہ بخاری

معروف بہ

# جلال سُرخ

**نام ونسب** اسم گرامی سید جلال الدین، اور لقب جلال سرخ تھا، آپ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے جا ملتا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

حضرت سید جلال الدین میر سُرخ بخاری بن سید ابو الموید علی بن سید جعفر بن سید محمد، بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر، بن سید جعفر ثانی بن امام والاکرام امام علی نقی علیہ السلام

سید علی اصغر کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک سید عبد اللہ دوسرے سید اسماعیل سید عبد اللہ سید جلال سرخ کے جد امجد تھے، اُوچ کے بخاری سادات انھیں سید عبد اللہ کی اولاد سے ہیں۔

سید جلال سرخ کی والدہ سلطان محمود بادشاہ توران کی صاحبزادی تھیں۔

**ولادت** حضرت سید جلال سرخ کی ولادت باسعادت ۵۹۰ھ میں ہوئی، ابتدا ہی سے آپ کی پیشانی سے آثارِ ولایت نمایاں تھے[1]

**بھکر میں تشریف آوری** سب سے پہلے حضرت جلال سُرخ بخارا سے بھکر تشریف لائے اور بھکر میں سکونت اختیار کی[2]

**بیعت** پھر آپ نے ملتان جاکر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت کی، اور مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا، میر علی شیر قانع کی مشہور کتاب تحفۃ الکرام میں ہے کہ:-

سید جلال بخاری جنھیں سید جلال سُرخ کا لقب حاصل ہے وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور یار ہیں، یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے ہیں، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ فرید الدین، سید عثمان مروندی لعل شہباز اور سید جلال سرخ[3]

**بزرگی و عظمت** آپ کی بزرگی و عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سفینۃ الاولیاء میں ہے۔

از بزرگان صحیح ست، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودند[4]

**ازدواج** بھکر کے دورانِ قیام میں وہاں کے ایک مشہور امیر سید بدر الدین[5] کی چھوٹی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا، اخبار الاخیار میں ہے

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۵ - ۳۶ سے ماخوذ ہے۔
[2] اخبار الاخیار ص ۶۱ [3] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۳ [4] سفینۃ الاولیاء ص ۲۱
[5] سید بدر الدین عرف سید بدر بن سید صدر الدین خطیب کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی

کہ اس نکاح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو دی تھی، اور اس بشارت سے خواب میں سید بدرالدین بھی نوازے گئے تھے[۱]

## ترکِ وطن اور وفات

خویش و اقارب کے رشک و حسد کی بنا پر آپ بھکر چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے، اور آپ ترکِ وطن کر کے اُچ تشریف لے گئے، اور اُچ میں جسے اُس زمانے میں دیوگڑھ کہتے تھے، محلہ بخاریاں آباد کیا، آپ کی بدولت اُچ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی، وہاں کے راجہ نے آپ کی مخالفت کی، لیکن بالآخر ریاست سے ہاتھ دھونے پڑے اور یہ شہر اسلام کا مرکز بنا، پھر آپ نے پنجاب میں شہر جھنگ سیالاں کی بنیاد ڈالی، اور بہت دن تک مغربی پنجاب میں اعلائے کلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے اور آپ کی سعی سے راجپوتوں کے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا،[۲] آپ نے ۹۵ سال کی عمر میں ۱۹ر جمادی الاوّل $\frac{\text{۶۹۰ھ}}{\text{۱۲۹۱ء}}$ میں اُچ میں وفات پائی، وہیں آپ کا مزار مبارک ہے[۳]

## اولاد

حضرت جلال سرخ کے چار صاحبزادے تھے، جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) سید علی (۲) سید جعفر (۳) سید محمد غوث (۴) سید احمد کبیر۔

حضرت سید احمد کبیر کے دو صاحبزادے سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت، اور سید راجو قتّال وہ آفتاب ولایت تھے جنھوں نے ہند و پاکستان کی سرزمین کو اپنی نورانیت سے منور کر دیا[۴]

---

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۳ واسطہ آپ تک پہنچتا ہے۔ وہ ذاتی بزرگی اور اعلیٰ صفات سے متصف تھے، اور یقین و معرفت اور دینی حقائق [illegible] کے بزرگوں میں ممتاز تھے، اُن کا خاندان سیادت اور نسب کی بزرگی کے لحاظ سے روہڑی (سندھ) میں مشہور ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (خواب میں) ارشاد کے مطابق اپنی صاحبزادی کو سید جلال بخاری کلاں کے عقد میں دیا تھا، جنھیں "جلال سرخ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۲)

[۱] اخبار الاخیار ص ۶۱ [۲] آب کوثر ص $\frac{\text{۳۰۹}}{\text{۳۱۰}}$ [۳] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۳۸ [۴] تحفۃ الکرام۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی جلد ۳ ص ۱۲۱

(۲۵)

# سید جلال الدین بخاری

## مخدوم جہانیاں جہاں گشت

**نام و لقب و خاندان** نام سید جلال الدین تھا، مگر لوگوں میں آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے تذکرہ نگاروں نے اس لقب کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ نے عید کے روز حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدرالدین عارف اور شیخ ابوالفتح رکن الدین کے مزاروں پر جاکر مراقبہ کیا، اور مراقبے میں عیدی طلب کی تو آپ کو ان بزرگوں کی طرف سے مخدوم جہانیاں کا لقب ملا، جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی ملتا بے اختیار آپ کو مخدوم جہانیاں کہتا۔[1]

صاحب خزانۂ جلالی نے اس خطاب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک روز شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی اپنے گھر سے نکل رہے تھے، جب انھوں نے گھر

---

[1] سیر العارفین جلد ۲ ص ۹۴

کے دروازے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، فوراً ہی سید جلال بخاری دہلیز کی دوسری سیڑھی پر لیٹ گئے۔ تاکہ شیخ رکن الدین کا قدم اُن کے سینے پر رکھا جائے، شیخ رُکن الدین نے اُن سے فرمایا کہ اے سید نبوت کا دروازہ بالکلیہ مسدود ہو چکا، رہا رُتبۂ ولایت تو تم اس مرتبہ پر فائز ہو کہ "مخدوم جہانیاں" ہو، یہ کہہ کر اُنھوں نے ہاتھ پکڑ کر سید جلال بخاری کو اُٹھایا اور اپنے سینے سے لگالیا، اور نعمتِ وافر سے سرفراز فرمایا، اُس وقت سے آپ مخدوم جہاں کہلائے۔[۱]

چونکہ آپ کا بہت سا وقت سیاحت میں گزرا، اس لئے "جہاں گشت" کے لقب سے مشہور ہوئے، اخبار الاخیار میں ہے کہ

سیاحت بسیار کردہ، واز بسیار اولیاء نعمت وبرکت یافتہ۔[۲]

آپ کی سیاحت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے مصر، شام، عراقین، بلخ اور بخارا کے سفر کئے، اور اِس دوران میں چھتیس حج کئے، اور بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔

مراۃ الاسرار میں ہے کہ۔

واکثر سفر ربع مسکون نمودہ، وجمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ وچہل یک گروہ را دریافت۔[۳]

سید جلال بخاری کا نسب نامہ یہ ہے:۔

مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبد الحسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال الملت والدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد عبد اللہ بن علی اصغر بن عبد اللہ جعفر بن امام علی نقی بن امام محمد تقی، بن امام علی موسی رضا بن امام

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ بحوالہ خزانۂ جلالی ص ۶۱ [۲] اخبار الاخیار ص ۱۴۲
[۳] بزم صوفیہ ص ۳۹۴ بحوالہ مراۃ الاسرار قلمی [۴] بزم صوفیہ ص ۳۹۵ بحوالہ تذکرۃ السادات

موسیٰ کاظم بن جعفر الصادق بن امام محمد باقر بن زین العابدین، بن امام حسین شہید کربلا بن سید علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

آپ کے دادا سید جلال سرخ بخاری سب سے پہلے بخارا سے بھکر آئے، مخدوم جہانیاں نے پہلے اپنے والد سید احمد کبیر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر تصوف کی تعلیم پائی، اپنے والد کی بزرگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک دفعہ مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ:۔

میرے والد کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے، سرما اور گرما میں کوئی چیز اوپر ڈال لیتے، ہر روز دو بار قرآن مجید ختم کرتے، ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں، وہ نہایت بزرگ آدمی تھے۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ:۔

جس وقت والد نماز ادا کرتے، یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ اُن کے سینۂ مبارک سے نعرے نکلتے تھے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

جس وقت والد نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے [۲]

## ولادت اور بچپن

مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۰۷ھ میں اُچ میں پیدا ہوئے، جب آپ سات سال کے تھے تو آپ کے والد آپ کو شیخ جمال خنداں کی خدمت میں لے کر گئے، اُس وقت شیخ جمال خنداں کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا، اُنھوں نے حکم

---

[۱] بیاض قلمی سندھی ادبی بورڈ موسومہ بہ کشکول ص ۱۹

[۲] یہ تمام ملفوظات بزم صوفیہ۔ ص ۳۹۶ بحوالہ در المنظوم مطبوعہ دہلی ص ۲۳۸ ص ۵۴۶ ص ۵۰۵ سے منقول ہیں۔

دیا کہ یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کردی جائیں، جب مخدوم جہانیاں کو اپنا حصہ ملا تو وہ اپنے حصّے کی کھجوریں گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال خنداں نے یہ دیکھا تو مسکرا کر فرمایا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت یہ کھجوریں کیوں کھالیں؟ مخدوم جہانیاں نے جواب دیا کہ جو کھجوریں آپ کے دستِ مبارک سے عطا ہوئی ہیں مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں وہ گٹھلیاں پھینک دوں، یہ سُن کر شیخ جمال خنداں نے فرمایا تم فقیر اور اپنے خاندان دونوں کے نام روشن کروگے۔[1]

**تعلیم** مخدوم جہانیاں نے ابتدائی تعلیم اُچ ہی میں پائی، لطائف اشرفی میں ہے کہ ابتداءً آپ سید محمد بخاری کے زیرِ تربیت رہے، پھر اُچ کے قاضی علامہ بہاء الدینؒ[2] سے ابتدا سے ہدایہ تک کتابیں پڑھیں، علامہ قاضی بہاء الدین کی وفات کے بعد آپ تعلیم کے لئے ملتان آئے اور اپنے والد ماجد کے مرشد شیخ ابوالفتح رُکن الدین کی خانقاہ میں ٹھیرے، شیخ رکن الدین آپ کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے، اور آپ کی تعلیم اپنی بہن کے صاحبزادے مولانا موسیٰ[3]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء - جلد دوم - ص ۵۷

[2] علامہ قاضی بہاء الدین اُچ کے رہنے والے تھے، علم و فضل میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، اُچ میں درس و تدریس کا مشغلہ تھا، جامع العلوم میں ہے کہ شیخ جلال الدین بن حسین بن احمد حسینی بخاری اُچی نے اُن سے ابتدائی کتب درسیہ ہدایہ تک پڑھیں (نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۱۸)

[3] مولانا موسیٰ بن جلال ملتانی کا اصل نام شیخ نورالدین موسیٰ تھا وہ شیخ رکن الدین کی بہن کے صاحبزادے تھے، اُنھوں نے شیخ رکن الدین سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی تھی، اور ایک طویل عرصے تک شیخ رکن الدین کی خدمت میں رہ کر فیوضات سے بہرہ ور ہوتے تھے، تکمیل علوم کے بعد وہ ملتان کے مدرسہ بہائیہ میں درس دیتے تھے، مخدوم جہانیاں بھی اُن کے شاگرد تھے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۱۶۳)

اور ایک عالم مولانا مجدالدین کے سپرد کی، اور ان بزرگوں سے آپ نے ہدایہ اور بزدوی ختم کی، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو شیخ رکن الدین نے آپ کو کشتی پر سوار کر کے اوچ واپس بھیج دیا۔

دُرِّ منظوم میں ہے کہ آپ نے کلام مجید کی ساتوں قرائتیں سیکھیں، پھر مکۂ معظمہ میں اور مدینۂ منورہ میں بھی شیخ مکہ عبداللہ یافعی سے اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ اس کے علاوہ دونوں شیوخ سے آپ نے صحاح ستہ پڑھی، شیخ عبداللہ مطری کی خدمت میں دو سال رہے اور تہجد کے وقت اُن سے عوارف اور حدیثِ نبوی پڑھتے، شیخ عبداللہ مطری آپ پر اس قدر شفقت فرماتے کہ مخدوم جہانیاں نے اُن شفقتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، اُن کے ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا، میں نے ایک روز اُن سے عرض کیا اے شیخ! آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں گا، آپ میرے مخدوم اور اُستاد ہیں، لیکن اُنھوں نے فرمایا نہیں، تمھیں اس کی ضرورت نہیں تم میرے پاس نہ آؤ میں ہی تمھارے پاس آؤں گا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہو۔

شیخ عبداللہ مطری کی شفقتوں کی بنا پر ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں کو مسجدِ نبوی میں امامت کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے عوارف کا درس جس نسخے میں لیا تھا، وہ نسخہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعے میں رہ چکا تھا، جب شیخ عبداللہ مطری کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنھوں نے وہ نسخہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ اِس کو سید جلال الدین بخاری کے پاس بھجوا دیا جائے۔

---

[۱] بزم صوفیہ۔ص ۳۹۷ بحوالہ لطائف اشرفی۔ص ۳۹۰۔

چنانچہ اُنھوں نے وہ نسخہ آپ کو بھجوا دیا، جس کو مخدوم جہانیاں بے حد عزیز رکھتے تھے۔ آپ نے عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی اُن کے وطن شوارہ (عراق) جا کر پڑھا، شیخ شرف الدین شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے جامع سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے کہ مخدوم جہانیاں ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے[1]۔ اخبار الاخیار میں ہے۔

جامع ست بیانِ علم ولایت و سعادت[2]

مراۃ الاسرار میں ہے:۔

سید جلال الدین حسین بخاری قدس سرہٗ از محتشمان روزگار و عارفانِ صاحب اسرار بود، در علوم ظاہری و باطنی ہم در فقر و استغنا نظیرے نداشت[3]

**درس و تدریس** مخدوم جہانیاں کا اگرچہ زیادہ وقت رشد و ہدایت میں صرف ہوتا تھا، لیکن علوم فنون کے درس سے بھی آپ کو غیر معمولی دلچسپی تھی، رشد و ہدایت کے زمانے میں بھی کبھی آپ قرآن مجید، کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک) کبھی حدیث میں صحاح ستہ، مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کبھی فقہ میں ہدایہ، کبھی تصوف میں عوارف المعارف، اور رسالہ مکیہ، کبھی قصیدۂ املامیہ کبھی مختلف اوراد کا اور کبھی شرح نود و نو اسماء کا درس دیتے تھے[4]

---

[1] یہ تمام تفصیل بزم صوفیہ۔ ص ۳۹۸- ۳۹۹ بحوالہ درِ منظوم سے ماخوذ ہے۔

[2] اخبار الاخیار - ص ۱۴۲-

[3] بزم صوفیہ ص ۳۹۹ بحوالہ مراۃ الاسرار قلمی۔

[4] بزم صوفیہ۔ ص ۳۹۹

**بیعت**

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شروع میں اپنے والد سید احمد کبیر سے مرید ہو کر تصوف کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچا شیخ صدر الدین بخاری سے خلافت حاصل کی، پھر ملتان حاضر ہو کر شیخ ابو الفتح رکن الدین سے بیعت ہو کر علومِ ظاہری اور باطنی کی تکمیل کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[1]

لطائف اشرفی میں ہے کہ :۔

حضرت مخدوم جہانیاں خلافت واجازت از صد وچہل وچند اولیاء را شیخ ومشائخ اہل ارشاد خرقہ معنعن وسلسلہ با حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یافتہ اند وعلم وشریعت وطریقت وتصوف از ایشان گرفتہ اند۔[2]

مراۃ الاسرار میں ہے :۔

اکثر سفر ربع مسکون نمودہ وجمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ ویک گروہ را دریافت، وہم در کتاب مذکور شیخ راجو قتال نقل می کند کہ او از سی صد وچند مشائخ صاحب ارشاد نعمت یافتہ وخرقۂ اجازت از دستِ ایشاں پوشیدہ بود۔[3]

پھر اسی تذکرہ میں ہے :۔

مخدوم جہانیاں اوّل بخدمت شیخ رکن الدین ابو الفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم تربیت یافتہ واز دستِ وے خرقۂ پیران سہروردیہ پوشید۔[4]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء - ص ۵۸ بحوالہ اخبار الاخیار [2] بزم صوفیہ بحوالہ مراۃ الاسرار۔

[3] لطائف اشرفی - جلد ۱ - ص ۳۹۱

[4] بزم صوفیہ - ص ۴۰۰ بحوالہ مراۃ الاسرار۔

اخبار الاخیار میں بحوالہ خزانہ جلالی منقول ہے کہ :۔

سیاحت بسیار کردہ، واز بسیارے از اولیاء نعمت و برکت یافتہ، ومشہور است کہ وے ہر کرا معانقہ کردے، نعمت کہ آں کس داشت، بستدے، یعنی چنداں توجہ و خدمت کردے کہ آں کس بے اختیار می شد ور داون ہر نعمتے کہ داشت[1]

صاحب اخبار الاخیار نے بحوالہ تاریخ محمدی حضرت مخدوم جہانیاں کے سلسلۂ بیعت و ارادت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ :۔

اول خرقہ از عم خود شیخ صدر الدین بخاری پوشیدہ کلاہ ارادت دخرقہ تبرک از شیخ الاسلام، سند المحدثین، شیخ عفیف الدین عبد اللہ المطری در حرم شریف نبوی علیہ السلام والتحیہ پوشید، ومدت دو سال در صحبت او ملازم بود، وکتاب عوارف ودیگر کتب سلوک پیش او تلمذ نمود، واخذ طریقت کرد۔ وتلقین ذکر یافت[2]

شیخ عفیف الدین جب آپ کو نعمتِ باطنی سے سرفراز فرما چکے تو فرمایا کہ تمھارے چلانے کی قینچی گازرون میں ہے، جب آپ گازرون پہنچے تو آپ شیخ امام الدین برادرِ شیخ الاسلام امین الحق والدین سے ملے، انھوں نے فرمایا کہ میرے بھائی شیخ امین الدین نے اپنی رحلت کے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ سید جلال بخاری ہماری ملاقات کے لئے اُچ اور ملتان سے آرہے تھے لیکن شیطان نے اثناء راہ میں ان کو یہ دھوکا دیا کہ شیخ امین الدین وفات پا چکے ہیں اس لئے وہ مکہ معظمہ چلے گئے، وہ وہاں سے واپسی میں گازرون آئیں گے۔ جب وہ یہاں پہنچے تو اُن کو میرا اسلام پہنچانا اور میری قینچی اور سجادہ ان کو دینا اور

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۱۴۲

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۱۴۲

اُن کو میری طرف سے مجاز اور خلیفہ بنانا، چنانچہ شیخ امام الدین نے ایسا ہی کیا، اور آپ نے شیخ الاسلام رکن الحق والدین سے خرقۂ تبرک پہنا۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاں کو چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل تھی۔[2]

جن بزرگوں سے آپ نے خرقۂ خلافت حاصل کیے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) سید کبیر والد بزرگوار حضرت مخدوم جہانیاں (۲) شیخ رکن الدین (۳) حضرت شیخ نظام الدین اولیا، (خواب میں) (۴) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ) (۵) شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ (۶) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (۷) شیخ مکہ عبداللہ یافعی (۸) شیخ مدینہ عبداللہ مطری (۹) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بصّال (۱۰) شیخ ابواسحاق گازرونی۔ (۱۱) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۲) حضرت سید جہدہ حمید حسینی، (۱۳) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی (۱۴) سید احمد کبیر رفاعی کبیر (۱۵) شیخ نجم الدین صنعانی (۱۶) شیخ نجم الدین کبری (خواب میں) (۱۷) حضرت خضر علیہ السلام (۱۸) حضرت اوحد الدین حسینی، (۱۹) حضرت شیخ نور الدین[3]

## ہندوستان کو واپسی

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ایک روز شیخ مکہ حضرت عبداللہ یافعی نے حضرت مخدوم جہانیاں سے فرمایا، اگرچہ دہلی کے بہت سے درویش اور اہلِ دل وفات پاچکے ہیں، لیکن اُن کی برکت کا اثر شیخ

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۱۴۲

[2] ایضاً ص ۱۴۲

[3] یہ تمام اسماء بزم صوفیہ۔ ص ۱۰۴ سے بحوالہ دُرّ منظوم ص ۱۷ و ۱۸ سے ماخوذ ہیں۔

نصیرالدین دہلوی[1] میں موجود ہے، اور وہ "چراغ دہلی" ہیں، اُن کی ذات بابرکات

---

[1] آپ کا اسم گرامی محمود، نصیرالدین لقب، اور چراغ دہلی لقب تھا، آپ کے دادا شیخ عبداللطیف یزدی خراسان سے لاہور تشریف لائے، آپ کے والد شیخ محمود یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے پھر وہ اودھ میں منتقل ہو گئے، شیخ نصیرالدین خطۂ اودھ ہی میں پیدا ہوئے، بعضوں نے آپ کا مقام ولادت اجودھیا، اور بعضوں نے بارہ بنکی لکھا ہے، شیخ نصیرالدین نسباً حسنی سادات میں سے تھے، نو سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا، آپ کی تعلیم و تربیت آپ کی والدہ نے فرمائی، والدہ کے زہد و تقویٰ کا اثر صاحبزادے پر بھی پڑا، آپ شروع ہی سے نماز باجماعت کے اس قدر پابند تھے کہ جماعت کسی حال میں نہ چھوٹتی تھی اسی طرح آثارِ ولایت و بزرگی ابتدا ہی سے آپ کے چہرے سے عیاں تھے، ابتداءً آپ نے مولانا عبدالکریم شروانی سے تعلیم حاصل کی، پھر مولانا افتخارالدین محمد گیلانی سے علوم ظاہری کی تکمیل کی ۴۲ سال کی عمر میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی بیعت سے مشرف ہوئے، (خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۵۳ و ۳۵۴ و سیرالعارفین، جلد دوم۔ ص ۴۰)

اخبارالاخیار میں ہے کہ جب خواجہ نصیرالدین سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے آپ سے پوچھا تمھارا کیا مقصد ہے اور تمھارے باپ کیا کام کرتے تھے۔ خواجہ نصیرالدین نے عرض کیا کہ میرا مقصد آپ کی درازیٔ عمر کی دعا اور درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنا ہے۔ میرے والد چند غلاموں کے ذریعے سے روئی کی تجارت کرتے تھے، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا اچھا سنو، جب میں اپنے مرشد حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں رہتا تھا تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے ہوئے کپڑے دیکھ کر کہا کہ نظام الدین تم نے اپنا یہ کیا حال بنایا ہے، اگر تم اور کچھ نہ کرتے صرف اس شہر میں لڑکوں کو پڑھاتے تب بھی ایک فارغ البال زندگی بسر کرتے، میں نے اُس کو کوئی جواب نہ دیا،

منتخمات میں سے ہے، تمھیں اُن کی خدمت میں جانا چاہئیے۔ مخدوم جہانیاں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ لہ)
اور میں اپنے مرشد حضرت بابا صاحب کی خدمت میں پہنچا، اُنھوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا نظام الدین!
اگر تمھارا کوئی دوست تمھارا یہ حال دیکھ کر پوچھے کہ تم نے اپنا یہ کیا حال بنایا ہے۔ اگر تم تعلیم
دیتے تو تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی تو تم اُس کو کیا جواب دوگے؟ میں نے عرض کیا کہ
جو کچھ آپ کا ارشاد ہوگا وہی جواب دوں گا، فرمایا اُس کے جواب میں یہ شعر پڑھ دینا ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر و برو
ترا سعادتے بادا مرا نگو نساری

اِس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اسے سر پر رکھ کر
وہاں لے جاؤ جہاں تمھارا دوست مقیم ہے، میں نے فوراً ہی ارشاد کی تعمیل کی، میرے
ہم سبق نے مجھے دیکھ کر کہا، تمھیں یہ صحبت اور حالت مبارک ہو۔
شیخ نصیر الدین کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے
مجھے اس قسم کی بہت سی نصیحتیں فرماتے رہے۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۸۱)
بیعت کے بعد آپ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ خود فرمایا کرتے
تھے کہ کبھی متواتر دس روز گزر جاتے تھے اور میں کچھ نہ کھاتا تھا، اور جب خواہشات کا
غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتا۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۸۱)
اس کے علاوہ اپنے شیخ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت بڑی تندہی سے کرتے، اسی
لئے آپ کو تمام درویش نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے تھے۔ اور تمام درویش آپ سے
بے حد محبت رکھتے تھے۔ (سیر العارفین جلد ۲ ص ۴۰)
کچھ دن اپنے شیخ کی خدمت میں رہنے کے بعد خواجہ نصیر الدین اپنے وطن اپنی والدہ
کے پاس چلے گئے، لیکن وطن سے اکثر حضرت محبوب الٰہی کی زیارت کے لئے دہلی حاضر ہوتے،
وطن آنے کے بعد آپ کی خدمت میں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ یادِ الٰہی میں فرق آنے لگا۔

نے یہ سُنا تو شیخ نصیرالدین کی ملاقات کے مشتاق ہوئے، اور مکہ معظمہ سے دہلی

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

ایک دفعہ جب حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے تو حضرت امیر خسرو کے ذریعہ حضرت محبوب الٰہی سے کہلایا کہ آپ کا یہ غلام اودھ میں پڑا ہوا ہے، لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی میں خلل پڑنے لگا ہے، اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا میں سکونت اختیار کروں تاکہ اطمینان سے عبادتِ الٰہی کرسکوں، حضرت امیر خسرو نے عشاء کے بعد جب وہ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں جاتے تھے، خواجہ نصیرالدین کا یہ پیغام حضرت محبوب الٰہی سے عرض کیا، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا، اُن سے کہو کہ وہ خلق اللہ کے درمیان میں رہیں، اور لوگوں کی جفاؤں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں، اور اُس کا بدلہ لطف وعطا سے دیں (اخبار الاخیار ص ۸۱)

والدہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نصیرالدین نے اپنے وطن کی سکونت چھوڑ کر مستقل دہلی میں توطن اختیار فرمایا، اور اپنے مرشد کے خاص حجرے میں جو جماعت خانے میں تھا رہائش اختیار فرمائی۔ (سیر العارفین جلد ۲ ص ۰۴)

حضرت محبوب الٰہی نے آپ کی بہترین صلاحیتوں کو دیکھ کر آپ کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور اپنی وفات کے وقت جو تبرکات اُن کو خواجگانِ چشت سے ملے تھے عطا کرکے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں پر صبر کرنے کی وصیت فرمائی۔

مسندِ رشد وہدایت پر رونق افروز ہونے کے بعد حضرت چراغ دہلی کا تمام وقت طالبانِ حق کی تربیت واصلاح میں صرف ہوتا تھا، ہر طبقہ اور مختلف شہروں کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ اُن کی اُن کے حال کے مطابق تربیت فرماتے۔

ایک طالب علم کو جو ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے بیعت لیتے وقت ارشاد فرمایا، جب کوئی حلقۂ طریقت میں داخل ہو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے، آستین چھوٹی کرنے سے یہ مقصد ہے کہ گویا اُس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تاکہ وہ مخلوق کے سامنے نہ پھیلایا جاسکے، دامن کے اونچا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ گویا اُس نے اپنا پاؤں

پہنچے، خواجہ نصیر الدین دہلوی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ امام عبد اللہ یافعی کے ارشاد کی بنا پر

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ملہ)
قطع کر لیا ہے تاکہ وہ برائیوں اور گناہوں کی جگہ نہ جا سکے، سر کے منڈانے کا مطلب یہ ہے کہ گویا اس نے حق کی راہ میں اپنا سر کاٹ لیا ہے۔ اب اُس سے کوئی خلاف شریعت بات سرزد نہ ہوگی (خیر المجالس۔ مجلس پانزدہم)۔

ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے کسی کے ظلم کی شکایت کی، فرمایا برداشت کرو، صبر سے کام لو، اگر کوئی ظلم بھی کرے تو اُسے معاف کر دو کہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہونا چاہئے۔ (خیر المجالس۔ مجلس پنجاہ و دوم)

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے آپ نے اُن سے پوچھا کیا کرتے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا مقتنع بنتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ شیخ احمد نہر والہ بھی نوربافی کیا کرتے تھے، پھر شیخ احمد نہر والہ کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا، کسب وہنر کا لقمہ پاک ہے، اللہ کے ابدال جو پہاڑوں میں رہتے ہیں وہ پہاڑ سے لکڑی، گھاس، جڑی بوٹیاں، پہاڑی میوے وغیرہ لاکر شہر میں فروخت کرتے ہیں، اور اُس کی قیمت سے کھانا خرید کر واپس جاتے ہیں۔ (خیر المجالس۔ مجلس نود و نہم)۔

فرمایا کہ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو اللہ اور رسول نے فرمایا ہے کہ اُس کی پیروی کرے، اور جس سے روکا ہے اُس سے رُک جائے۔ (خیر المجالس۔ مجلس ہشتاد و یکم)۔

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر طلب دنیا میں نیت بخیر ہو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے (خیر المجالس۔ مجلس ہشتاد و پنجم)۔

آپ کی خانقاہ میں طالبوں اور مریدوں کا اس قدر ہجوم رہتا تھا کہ ذرا بھی آرام لینے کی فرصت نہ ملتی تھی، ایک روز فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اکنوں من بارے فرصت مشغولی و خلوت ندارم، ہمہ روز با خلق می باید بود، بلکہ قیلولہ نیز میسر نمی شود، بارہا قیلولہ می خواہم | اب مجھ کو فرصت مشغولی اور خلوت کی نہیں رہی ہے، تمام دن مخلوق کے ساتھ رہنا پڑتا ہے، بلکہ اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں ہوتا۔ بارہا میں قیلولہ |

جو حسنِ ظن تمھیں ہمارے متعلق پیدا ہوا ہے اُس نے ہمیں تمھارے دیدار سے مشرف کیا[1]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ[1])

کہ کنیم بری کنند کہ آیندہ آمدہ ست، برخیزند (خیر المجالس - مجلس دوازدہم)

کرنا چاہتا ہوں، لوگ جگہ دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے، اُٹھئے۔

سلطان محمد تغلق نے اگرچہ آپ کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، لیکن آپ اپنے پیر کی وصیت کے مطابق اُن تمام تکالیف کو سہتے رہے۔

جب سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ٹھٹھے میں ۷۵۲ھ میں سلطان فیروز شاہ کی تاج پوشی ہوئی تو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی بھی اُن اکابر علماء و مشائخ کے ساتھ شریک تھے جنھوں نے بالاتفاق فیروز شاہ کو محمد شاہ تغلق کا جانشین بنایا، تاریخِ فیروز شاہی (عفیف) میں ہے:-

جب سلطان محمد شاہ نے ٹھٹھے میں وفات پائی اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا تو حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ مخلوقِ خدا کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان بیکس بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی دوسرا فرماں روا طلب کیا جائے، فیروز شاہ نے جواب دیا کہ میں خدا کے بندوں کے ساتھ حلم و بردباری سے پیش آؤں گا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فیروز شاہ کو کہلا بھیجا اگر آپ مخلوق کے ساتھ اخلاق و مروت سے پیش آئیں گے، تو ہم بھی اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کی دعا کریں گے، آخر وہی ہوا جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی؛ ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود نے سلطان فیروز شاہ کو انتالیس کھجوریں بھیجی تھیں جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی۔ (تاریخ فیروز شاہی۔ شمس سراج عفیف۔ ص ۲۹)

سلسلۂ چشتیہ کے دوسرے بزرگوں کی طرح حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی بھی سماع سے ذوق رکھتے تھے، لیکن سماع کو مزامیر کے ساتھ پسند نہ فرماتے تھے۔

مخدوم جہانیاں نے جواب میں عرض کیا کہ امام عبداللہ یافعی پر خدا کی رحمت ہو کہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۔)

ایک روز حضرت محبوب الٰہی کے مریدوں نے مجلسِ سماع منعقد کی، قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا، حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی جو اس مجلس میں شریک تھے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے لوگوں نے بیٹھنے کے لئے اصرار کیا، فرمایا یہ خلاف سنت ہے، لوگوں نے کہا کہ آپ نے سماع کا انکار کرکے اپنے پیر کے مشرب سے روگردانی کی ہے ۔ فرمایا یہ بات حجت نہیں کوئی دلیل قرآن اور حدیث سے بیان کرو، بعض لوگوں نے یہ بات حضرت محبوب الٰہی تک پہنچائی۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا نصیرالدین سچ کہتے ہیں۔ حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی سے مزامیر، دف، رباب، اور رقص کے متعلق پوچھا، فرمایا کہ مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم ازکم شریعت میں رہے، اگر شریعت سے بھی نہ ہوگا تو پھر اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا، اور نجات کی کیا صورت ہوگی، اوّل تو سماع ہی میں علماء کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں۔ (اخبار الاخیار ص ۸۲)

تکملہ خیر المجالس میں حضرت چراغ دہلی کی وفات کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تکملہ میں ہے کہ:۔

ایک دن ظہر کی نماز کے بعد شیخ نصیرالدین چراغ دہلی جماعت خانے سے حجرۂ خاص میں تشریف لائے، آپ کوئی دربان نہ رکھتے تھے، آپ کے خادمِ خاص آپ کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے، وہ کبھی خلوت میں ہوتے، کبھی نہ ہوتے تھے، شیخ نصیرالدین چراغ دہلی ذکر میں مشغول تھے کہ ایک بے باک قلندر تراب نامی خلوت میں آپہنچا، اس کے پاس ایک چاقو تھا، اس نے شیخ چراغ دہلی پر چاقو سے وار کرنے شروع کئے، اور آپ کے جسمِ مبارک پر بارہ زخم لگائے، آپ استغراق کی حالت میں تھے، مطلقاً بچاؤ نہیں کیا، وہاں ایک نالی تھی، اس نالی سے خون بہنا شروع ہوگیا، کچھ مریدوں نے دیکھا تو اندر آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بے باک

اُن کے ارشاد کی بناء پر مجھے اس بارگاہ ولایت کی حاضری کی سعادت میسر آئی،
اس کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین نے آپ کو خاندانِ چشت کے خرقۂ خلافت

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

قلندر چاقو سے وار کر رہا ہے، اور آپ حرکت تک نہیں کرتے، مریدوں نے چاہا کہ اُس بدبخت کو سخت ایذا پہنچائیں، لیکن آپ نے پسند نہیں کیا، اور اُسے نہ چھوڑا تاکہ کوئی کسی طرح اس کو تکلیف نہ پہنچائے، عبد المقتدر تھانیسری کو جو آپ کے خاص مریدوں میں تھے، اور شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو اپنے پاس بلایا، اور قسم دی کہ کوئی قلندر کو ضرر نہ پہنچائے۔ اور بیس ٹنکے اس قلندر کو انعام دیے اور فرمایا کہ شاید چاقو مارنے میں اُس کے ہاتھ کو تکلیف ہوئی ہوگی۔

سبحان اللہ اہلِ بصیرت کو آپ کی حسنِ سیرت معلوم ہو کہ زندگی میں تسلیم و رضا میں کیا مرتبہ رکھتے تھے۔ (تکملۂ خیر المجالس۔ ص ۳۱۴ - ۳۱۵)

اس قاتلانہ حملے کے تین سال بعد ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ کو حضرت چراغ دہلی نے وصال فرمایا، وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت محبوب الٰہی کا خرقۂ مبارک میرے سینے پر، اُن کا عصا میرے پہلو میں، اُن کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں اُن کا کاسہ اینٹ کے بجائے میرے سر کے نیچے اور اُن کی کھڑاویں میری بغل میں رکھ دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے آپ کو غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا اُس کی ڈوریاں پلنگ سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیں اور کہا کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے جو کافی ہے۔ (سیر العارفین۔ ص ۹۴)

حضرت چراغ دہلی کا مزار پرانوار دہلی میں مرجع خاص وعام ہے۔ آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں۔

(۱) خیر المجالس: اس کے مجموعے کے جامع و مرتب حمید شاعر قلندر تھے، حمید شاعر قلندر، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید تھے، لیکن وہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مجالس میں بھی حاضر ہونے والوں میں سے تھے، پہلے انھوں نے مولانا برہان غریب کے ملفوظات جمع کئے، پھر حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات مرتب کئے، جس کا نام انھوں نے خیر المجالس رکھا۔

سے سرفراز فرمایا، اور بے انتہا نوازشیں فرمائیں، اسی کے بعد سے خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

## رُشد و ہدایت

ہندوستان واپس آنے کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے وطن اُچ میں قیام فرمایا، اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، آپ لوگوں کو سلوک و معرفت کی تعلیم شریعت کے مطابق دیتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑی شدّت سے پابند تھے، غیر شرعی اُمور پر نہایت سختی سے تنبیہہ کرتے۔

ایک دفعہ اُچ میں ایک شخص آیا جو اپنے آپ کو ولی اللہ کہتا تھا، لوگ اُس کے بے حد معتقد ہو گئے، حضرت مخدوم جہانیاں بھی اُس سے ملنے کے لئے گئے، جب آپ اُس کے پاس جا کر بیٹھے تو اُس نے نہایت فخر سے کہا، اے سید! ابھی حق تعالٰے میرے پاس سے اُٹھ کر گیا ہے، آپ نے یہ سُنا تو نہایت غصّے سے اُسے ڈانٹا، اور فرمایا اے بدبخت کیا بک رہا ہے تو کافر ہو گیا، پھر سے کلمۂ شہادت پڑھ اور مسلمان ہو، اور پھر شہر کے قاضی کے پاس جا کر اُس سے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

یہ ملفوظات اُنھوں نے ۷۵۵ھ میں ترتیب دینے شروع کئے تھے، جس کی تکمیل ۷۵۶ھ میں کی۔

(اخبار الاخیار ص ۸۶)

(۲) مفتاح العاشقین۔ اس کے جامع و مرتب مولانا محب اللہ تھے، ان دونوں مجموعوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول و مشہور ہوئی۔ اور اب حال ہی میں اس کو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔

حضرت چراغ دہلی کے مشہور خلفاء میں حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ) خواجہ کمال الدین (احمد آباد) شیخ دانیال، شیخ سراج الدین، شیخ صدرالدین اور شیخ یوسف حسینی، شیخ احمد تھانیسری، شیخ محمد متوکل کنتوری، شیخ قوام الدین اور شیخ عبدالمقتدر مشہور ہیں۔ (بزم صوفیہ ص ۳۴۹)

کہا کہ اس شخص کو اپنے پاس بلاؤ، اگر وہ توبہ کرے تو معاف کردو، ورنہ اس پر حدِ شرعی جاری کرکے اُس کو قتل کرادو، شہر میں چونکہ اس شخص کے بہت سے معتقد تھے، قاضی کو اس معاملے میں کچھ تامل ہوا، آپ نے قاضی کے تذبذب کو محسوس کرلیا۔ پھر آپ نے حاکمِ شہر سے کہلا بھیجا کہ ایک شخص شہر میں کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اُسے سزا نہ دی تو پھر میں مجبوراً بادشاہ سے شکایت کروں گا، چنانچہ وہ شخص شہر بدر کردیا گیا[۱]۔

ایک دفع کچھ درویش عرب سے آئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ کس خاندان سے ہیں، اُنھوں نے جواب دیا سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا میں نے سیدی احمد کبیر سے خرقہ پہنا ہے، اور اُنھوں نے مجھے خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے۔ وہ صوفی تھے، اور سُنّت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے، پھر اُن درویشوں کو نصیحت فرمائی کہ تم علمِ شریعت حاصل کرو، سُنّت کا اتباع کرو اور بدعت سے بچو، پھر اُن کو توبہ کی تلقین کی اور خرقہ پہنایا[۲]۔

ایک مرتبہ مخدوم جہانیاں نے ارشاد فرمایا کہ میں مکّہ معظمہ سے بھکّر[۳] واپس

---

[۱] الدر المنظوم۔ ص ۵۰۳ - ۵۰۴ [۲] الدر المنظوم۔ ص ۶۵۸-۶۵۹

[۳] بھکّر سندھ کا ایک قدیم شہر ہے جو سندھ کی مدائے حکومت کے بعد اُس وقت آباد ہوا جب سندھ کا قدیم دار السلطنت اَلُور ویران ہوا، اَلُور کی کچھ آبادی اِس جگہ آکر آباد ہوئی: پھر اِسی آبادی کو بھکّر کہنے لگے، بھکّر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب سید محمد مکّی صبح کے وقت اس آبادی میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے فرمایا، جعل اللہ بکرتی فی بقعۃ المبارکۃ (اللہ میری صبح مبارک جگہ پر کرے) بُکرہ عربی میں صبح کو کہتے ہیں، اُس وقت سے یہ شہر بکر کے نام سے مشہور ہوگیا، پھر رفتہ رفتہ یہ نام بھکر ہوگیا، بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سید محمد مکّی اس مقام میں داخل ہوئے تو اُن کے خادموں نے

آیا، وہاں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ الور[1] کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اُسے نماز معاف کر دی، یہ سُن کر میں اُس کے پاس گیا، اُمرا اور دوسرے بڑے لوگوں کا ہجوم تھا، میں اُس کے قریب پہنچا، میں نے اُسے سلام نہیں کیا، بلکہ اُس کے نزدیک جاکر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان نماز سے فرق ہوتا ہے، اُس درویش نے مجھے جواب دیا میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، اور جنت سے کھانے لاتے ہیں، خدا کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمھارے لئے نماز معاف کر دی گئی اور تم خدا کے خاص مقرب ہو، میں نے اُس درویش سے کہا کہ کیا بیہودہ بکواس کرتے ہو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہو سکتی ہے، وہ جبرئیل نہیں شیطان ہے جو تیرے پاس آتا ہے اور تجھے دھوکا دیتا ہے۔ جبرئیل تو وحی لانے والے فرشتے ہیں، جو سوائے پیغمبروں کے کسی کے پاس نہیں آتے، رہا وہ کھانا جو تمھارے پاس آتا ہے وہ بھی سراسر غلیظ ہے۔ اُس درویش نے کہا کہ وہ کھانا تو بہت مزیدار ہوتا ہے، اور میں اُس میں لذت

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ نمبر ۳)

اُن سے پوچھا کہاں سامان رکھا جائے؟ فرمایا جہاں تم صبح کے وقت بقر (گائے) کی آواز سُنو۔ اُس وقت سے اُس کا نام "بقر" ہوا، پھر رفتہ رفتہ بھکر ہو گیا۔

(تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۴)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا بسلسلہ ۱)

[1] الور سندھ کا قدیم دارالسلطنت تھا، جو روہڑی سے سات میل کے فاصلے پر آباد تھا عرب جغرافیہ دانوں نے اس شہر کو "الرور" رور بھی لکھا ہے۔

محسوس کرتا ہوں، میں نے کہا اب اگر وہ فرشتہ تمھارے پاس آئے تو تم لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا۔ میں دوسرے دن پھر اُس درویش کے پاس گیا، وہ مجھے دیکھ کر میرے قدموں میں گر پڑا۔ اور اُس نے مجھ سے کہا کہ میں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا، جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھی، وہ نور آمیرے سامنے سے غائب ہو گیا، اور وہ کھانا جو اُس نے مجھے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر گیا، یہاں تک کہ میرے سارے کپڑے ناپاک ہو گئے، اس کے بعد میں نے اس بے نمازی درویش کو توبہ کرائی، اور اُس کی جس قدر نمازیں فوت ہوئی تھیں، اُن کی قضا پڑھوائی۔[۱]

مریدوں کو نمازِ باجماعت کی سخت تاکید فرماتے، اور تارکِ جماعت کو بدعتی کہتے تھے

**تبلیغ** آپ کے ملفوظات کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے ہندو حضرت مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، گجرات کا ایک راجپوت (مولی الاسلام) آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، جسے آپ نے تعلیم دے کر گجرات بھیجا تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو اور اپنی قوم میں تبلیغِ اسلام کرے۔[۲]

حضرت قطب عالم[۳] اور شاہ عالم[۴] جن کے مزار احمد آباد گجرات میں مرجع

---

[۱] بزم صوفیہ۔ ص ۴۰۴ [۲] بزم صوفیہ۔ ص ۴۰۴

[۳] حضرت قطب عالم کا اسم گرامی سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری تھا، آپ قطب عالم کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی ناصر الدین محمود تھا۔ آپ قطب عالم حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے ہیں، حضرت قطب عالم کی ولادت ۱۴ رجب ۷۹۰ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر دس سال کی تھی کہ آپ والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا، شاہ راجو قتال نے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی، اور دو سال کے عرصے میں آپ کو روحانی مراتب کے اعلیٰ منازل پر فائز کر دیا، پھر فرمایا کہ اہل گجرات کی رشد و ہدایت تمھارے سپرد ہے۔

خاص و عام ہیں۔ اور جو وہاں تبلیغِ اسلام کا ذریعہ بنے، حضرت مخدوم جہانیاں کے پوتے اور پرپوتے تھے۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

وہاں جاؤ، چلتے وقت، بعض تبرکات عنایت فرمائیے، چنانچہ آپ اپنی والدہ بی بی ہاجرہ کے ساتھ جو سعادت خاتون کے لقب سے مشہور ہیں، آٹھویں صدی ہجری میں پٹن تشریف لائے، اور سید راجو قتال کے ارشاد کے مطابق حضرت بابا فرید گنج شکر کے نواسے شیخ رکن الدین کے مشورے سے جو اس زمانے میں وہاں مقیم تھے رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ جب سلطان مظفر کو جو حضرت مخدوم جہانیاں کا مرید تھا معلوم ہوا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو وہ آپ کے استقبال کے لئے لئے حاضر ہوا، حضرت قطب عالم نے اسی شہر میں مولانا علی شیر سے علوم کی تحصیل کی۔

جب سلطان احمد نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تو اس نے آپ سے استدعا کی کہ آپ احمد آباد کو شرفِ اقامت بخش کر مفتخر فرمائیں، چنانچہ آپ پٹن سے احمد آباد آکر سکونت پزیر ہو گئے۔ سلطان احمد صحیح موزوں رکھتا تھا۔ وہ ایک قصیدہ آپ کی مدح میں لکھ کر آپ کے آستانے پر حاضر ہوا، اور اس قصیدے کو پڑھا جس کا مطلع یہ تھا ؎

قطبِ زمانِ ما برہاں بس است مارا
برہانِ او ہمیشہ چو نامش آشکارا

قصیدہ ختم کرنے کے بعد اس نے عرض کیا کہ میں اس کے صلے میں دعا کا طالب ہوں، حضرت قطب عالم نے فرمایا کہ ہمارے دادا نے تمہارے خاندان کے حق میں دعا کی ہے، سلطان احمد نے عرض کیا کہ انھوں نے ہمارے دادا سلطان مظفر کی اولاد کی حکومت کے لئے دعا فرمائی تھی اور میں آپ سے اس شہر کی آبادی کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں، اس کی اس استدعا پر حضرت قطب عالم کی زبان سے بے اختیار نکلا، احمد آباد ابداً آباداً انشاء اللہ الرؤف بالعباد، پھر آپ نے اساول کہنہ میں جو ندی سابرمتی کے کنارے سکونت اختیار فرمائی، پھر کچھ زمانے کے بعد آپ موضع بٹوہ میں مقیم ہو گئے۔

حضرت قطب عالم نے ۸ ذی الحجہ ۸۵۷ھ میں ارسٹھ سال چار ماہ اور چوبیس دن کی عمر میں

مغربی پنجاب میں جو قبیلے حضرت مخدوم جہانیاں کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہوئے بھاول پور کے سرکاری گزیٹیر میں اُن کی فہرست درج ہے، ان قبیلوں کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے، اُن میں راجپوتوں کا مشہور قبیلہ کھرل بھی شامل ہے [۱]

"دُرِ منظوم" میں ہے کہ غیر مسلم خصوصاً ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے، ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہو گئی، اُس کی یہ کیفیت تھی کہ تمام تمام رات جاگ کر خدا کی عبادت کرتی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جب اُچ سے دہلی تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے [۲]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ نمبر ۳ اور ۴)

(۳) وفات پائی۔ آپ کا مزار پُر انوار موضع ٹھٹھ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(تحفۃ الکرام - جلد اوّل - ص $\frac{16}{17}$)

(فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۴)

۴ حضرت شاہ عالم کا اسم گرامی سید محمد سراج الدین شاہ عالم تھا۔ جو حضرت قطب عالم سید برہان الدین کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی آمنہ تھا، جو کریم خاں بن عماد الدین خداوند خان کی صاحبزادیاں تھیں جو اُمرائے سلاطین گجرات میں تھے حضرت شاہ عالم کی ولادت باسعادت ۱۷ ذیقعدہ ۸۱۷ھ شب دوشنبہ کو ہوئی، "کلمۃ" وارث علی" سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے سترہ سال کی عمر میں گجرات کے مشہور شیخ، شیخ احمد کھٹو نے حضرت مخدوم جہانیاں کا خرقۂ خلافت آپ کے حوالے کیا، اور اپنے والد ماجد کی طرف سے ارشاد و تلقین پر مامور ہوئے، حضرت شاہ عالم نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰ رجمادی الثانی ۸۸۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پُر انوار رسول آباد میں ہے، جہاں آپ مقیم تھے۔

حضرت شاہ عالم کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں (تحفۃ الکرام — جلد اوّل - ص ۲۴ - ۲۵ و سفینۃ الاولیاء)

[۱] آب کوثر - ص ۳۲۵ [۲] یہ تمام تفصیل بزم صوفیہ - ص ۴۳۲ بحوالہ الدر المنظوم ص ۹۸، ۹۷ سے ماخوذ ہے۔

ملتان کے گزیٹیر میں سر ایڈورڈ میکلیگن نے بعض قبائل کے قبول اسلام کی تاریخ بھی لکھی ہے، اُنھوں نے لکھا ہے کہ پنجاب کا مشہور قبیلہ نون، مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر ایمان لایا۔[1]

انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے تیئیسویں سالانہ اجلاس میں ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی حال وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے ایک دستاویز کا تذکرہ کیا ہے، جس سے سلطان محمود بیگڑہ کے مفتوحہ علاقے میں حضرت مخدوم جہانیاں کی تبلیغی کوششوں اور سُہروردیوں کے صوفیانہ نظام پر روشنی پڑتی ہے، کاٹھیاواڑ کی مسلم ریاست منگرول میں موجودہ نواب صاحب کے مورثِ اعلےٰ جن کا نام سید سکندر بن مسعود تھا۔ اُن کو مخدوم جہانیان نے اس علاقے میں تبلیغ دارشاد کے لئے بھیجا تھا، جب فیروز تغلق کے بعد دہلی کی حکومت کمزور ہوگئی تو گرنار کے ہندو مقدم نے سر اُٹھایا، اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنی ڈاڑھیاں منڈائیں، گاؤکشی ترک کریں۔ مسجدوں میں شیولنگ نصب کرکے اُس کی پوجا کریں، اس پر منگرول کے سجادہ نشین نے حضرت شاہ عالم کو جو اُس وقت احمد آباد میں بڑا اثر رکھتے تھے لکھا کہ ہمارے بزرگوں کو آپ کے پرداد حضرت مخدوم جہانیاں نے یہاں بٹھایا تھا، اور آج ہم پر یہ قیامت گزر رہی ہے، حضرت شاہ عالم نے جواب میں لکھا کہ آپ فکر نہ کریں، خدا کارساز ہے، آپ فلاں فلاں وظیفے پڑھتے رہا کریں۔ میں بھی انشاءاللہ پوری کوشش کروں گا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی سلطان محمود بیگڑہ نے گرنار فتح کر لیا۔[2]

---

[1] آبِ کوثر۔ ص ۳۲۵    [2] آبِ کوثر۔ فٹ نوٹ ص ۳۱۸-۳۱۹ بحوالہ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کی کارروائی ۱۹۴۶ء۔

## اتباعِ شریعت

حضرت مخدوم جہانیاں بیحد پابندِ شریعت اور متبعِ سنت تھے، فرمایا کرتے تھے کہ حقیقت شریعت ہے، اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا، حقیقت تک نہ پہنچ سکے گا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا جو شریعت سے عاری ہے، وہ طریقت و حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا جو شیخ طریقت اور حقیقت کو جانتا ہے لیکن شریعت سے واقف نہیں، وہ شیخ نہیں جاہل ہے، کوئی صالح آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ شریعت، حقیقت اور طریقت کا علم اس کو نہ ہو۔

اتباعِ سنت کے سلسلے میں ایک مرتبہ فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے، اس کے ذریعہ سے اس کو حق تعالےٰ کا تقرب حاصل ہوگا، بعض اہلِ بدعت بدعت کو قربِ حق کا ذریعہ جانتے ہیں، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں۔ ڈاڑھی ترشواتے ہیں جیسا کہ قلندروں کا شیوہ ہے، لیکن اس سے تقرب حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ بُعد اور گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1]

## عام معمولات

حضرت مخدوم جہانیاں کی روزمرہ کی زندگی کے عام معمولات یہ تھے، پانچ وقت کی نماز کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، صلوۃ الاوابین، تراویح، اور دوسری نفلیں اس قدر پڑھتے، جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ پڑھتے تھے۔ زیادہ تر دہ اوراد و وظائف پڑھتے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے، رات کو عبادت میں

---

[1] یہ تمام ملفوظات الدر المنظوم کے مختلف صفحات سے ماخوذ ہیں۔

ساری رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر سو رہتے فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات جاگتا رہا اُس نے ترکِ سنت کیا، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تو یہ ہے کہ انا اُصلی وانا امُ یعنی میں نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں، کھانا تنہا نہ کھاتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے، اور فرماتے کہ حدیث میں ہے وہ ملعون ہے جو تنہا کھانا کھاتا ہے، اپنے غلام کو مارتا ہے، بخل کرتا ہے، آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منھ دھوتے، اور کلّی کرتے کہ یہ سنت ہے، کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے، فرماتے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام ادا نہیں کرتا، اور سو رہتا ہے اُس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے، اور فرماتے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا۔ رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے، فرماتے کہ یہ سنّت موکدہ ہے، ریشمی اور زربار یک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے، ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ تغلق[1] نے حضرت مخدوم

---

[1] سلطان فیروز شاہ کے والد کا نام سپہ سالار رجب تھا، رجب کے دو بھائی تھے، سلطان غیاث الدین محمد تغلق اور ابوبکر تغلق، یہ تینوں بھائی سلطان علاء الدین کے عہدِ حکومت میں خراسان سے دہلی آئے، رجب کے ہاں ۷۰۹ھ میں سلطان فیروز شاہ پیدا ہوا، سلطان محمد تغلق جب تخت پر بیٹھا اُس وقت فیروز شاہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، سلطان محمد تغلق نے فیروز شاہ کو نائب امیر حاجب مقرر کیا، سلطان محمد تغلق، فیروز شاہ کو بہت عزیز رکھتا تھا، جب سلطان محمد تغلق نے ۷۵۲ھ میں ٹھٹھے میں وفات پائی، اور مغلوں کے ایک گروہ نے اُس کے لشکر کو تباہ کرنا شروع کیا تو تمام امراء، علماء اور مشائخ نے جو اُس وقت لشکر میں موجود تھے باہمی مشورے سے سلطان فیروز شاہ کو تخت نشین کیا اور دریائے سندھ کے کنارے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو اُس کی تاج پوشی ہوئی، تاج پوشی سے پہلے جب اُس سے بادشاہ بننے کے لئے اصرار کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں تو حج کا ارادہ کر چکا ہوں، مجھے اس سے معاف رکھو، لوگ نہ مانے، اُس نے کہا اگر تم یہ بوجھ میری گردن پر رکھنا ہی چاہتے ہو تو

جہانیاں کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے، آپ نے انھیں دیکھتے ہوئے فرمایا، اگر شریعت کے مطابق ہوں گے تو پہنوں گا، پھر فرمایا کہ ریشم اور سونا رسولؐ اللہ کی اُمت کے مَردوں پر حرام اور عورتوں کے لئے حلال کیا گیا ہے، ایک دفعہ باریک کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کا کپڑا باریک ہوا، اُس کا دین باریک ہوا، گریبان دار کرتا پہننا بدعت سمجھتے، اور پیرویِ سنت میں بغیر گریبان کے کُرتے پہنتے، ایک دفعہ ایک مرید نے جوتیوں کا ایک جوڑا پیش کیا، اس کو قبول کرتے ہوئے فرمایا، نعلین پہننا سنت ہے، میں نے مدینۂ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک کو دیکھا تھا، اور اپنی آنکھوں پر رکھا تھا، جب کوئی تحفہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اُس کا بدلہ ضرور دیتے، اور فرماتے حدیث میں ہے کہ جو شخص تمھارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اُس کا بدلہ دو، اگر بدلہ دینے پر قادر نہیں تو اُس کے لئے دعائے خیر کرو، یہاں تک کہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہوگئی، پیرویِ سنت میں ایندھن بھی باہر سے لانے کی

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ لہ)

ذرا صبر کرو تاکہ میں دو رکعت نماز ادا کرلوں، فیروز شاہ نے وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کی، نماز ادا کرنے کے بعد اُس نے دعا کرتے اور روتے ہوئے کہا، اے اللہ ملکوں کا اطمینان اور عالم کا انتظام اور فرماں روائی کو صحیح طریقے پر چلانے کا کام بغیر تیری توفیق اور مدد کے انسان کی قوت سے باہر ہے، الٰہی! میں اس کام میں تیری ہی مدد اور تجھ ہی سے قوت چاہتا ہوں۔ (تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۴۴۔ ۴۵)

سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۳۸ سال کی حکومت کے بعد ۱۸ رمضان المبارک ۷۹۰ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ معصومی۔ ص ۵۲ — ۵۳)

کوشش کرتے، اور معمولی سے معمولی باتوں میں بھی اتباعِ سنت کا خیال رکھتے[1]۔ مراۃ الاسرار میں ہے کہ :۔

در جمیع امور صوری و معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ میرفت۔

**شاہانِ وقت کی عقیدت** سلطان محمد تغلق[2] حضرت مخدوم جہانیاں سے عقیدت رکھتا تھا، اُس نے آپ کو شیخ الاسلام بنا کر چالیس خانقاہیں آپ کے تصرّف میں دیں، لیکن آپ اُن کو چھوڑ کر حج کے لئے تشریف لے گئے۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

و در عہد سلطان محمد تغلق شیخ الاسلامی وسندِ خانقاہ محمدی در سیوستان با مضافات بوے مخصوص گشت[3]۔

اس واقعہ کی تفصیل حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک موقع پر اس طرح بیان

---

[1] یہ تمام تفصیلات بزم صوفیہ ص ۵۰۴ و ۵۰۶ سے ماخوذ ہیں۔

[2] سلطان غیاث الدین کی وفات کے بعد فخر الدین جونا سلطان محمد تغلق کے نام سے ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا، ۷۵۱ھ میں سلطان محمد تغلق کے غلام طغی نے بغاوت کی، محمد تغلق نے اُس کا تعاقب کیا، طغی بھاگ کر ٹھٹے پہنچا، محمد شاہ تغلق اس کا تعاقب کرتے ہوئے ٹھٹے آیا جب وہ ٹھٹے سے چودہ میل کے فاصلے پر تھا، اُس روز عاشورہ تھا، اُس نے روزہ رکھا، اور مچھلی سے روزہ افطار کیا، جس سے سلطان محمد تغلق کی طبیعت خراب ہوگئی۔ آخر ۲۱ محرم الحرام ۷۵۲ھ کو گیارہ روز بیمار رہ کر ۲۷ سال کی حکومت کے بعد وفات پائی۔ (تاریخ معصومی۔ ص ۴۹۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت مؤلفہ سید ہاشمی فرید آبادی۔ ص ۳۱۹)

[3] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۵۸

فرمائی کہ جب سلطان محمد تغلق نے مجھے شیخ الاسلام مقرر کیا، اور میرے انتظام میں چالیس خانقاہیں دیں۔ تو خواب میں مجھے اپنے مرشد شیخ ابوالفتح رکن الدین نظر آئے۔ اور فرمایا کہ تم حج کو چلے جاؤ، ورنہ غرق ہو جاؤ گے۔ صبح کو شیخ کے امام نے کہا کہ سید جلد روانہ ہو جاؤ۔ شیخ نے اشارہ کیا ہے، میں اپنے والد سے اجازت لینے کے لئے روانہ ہو گیا، میرے پاس خرچ نہ تھا، لیکن اللہ نے فتوحات پہنچائیں۔ ایک شخص حج کو جا رہا تھا، مگر اُس کے گھر والوں نے اُسے لوٹا لیا، اُس نے اپنا سفر خرچ مجھے دے دیا۔ اس کے علاوہ ایک گھوڑا بھی نذر کیا، مگر میں نے وہ گھوڑا مولانا نظام الدین کو دے دیا۔ اُنھیں دق تھی، میں پیدل حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا اور بکھیڑ میں پڑا رہتا۔[1]

فیروز تغلق اگرچہ شیخ علاؤ الدین اجودھنی نبسۂ حضرت شیخ فرید گنج شکر کا مرید تھا، لیکن اس کو حضرت سید جلال الدین بخاری سے جو غیر معمولی عقیدت تھی، اور وہ اُن کا جس قدر احترام کرتا تھا، اس کا اندازہ تاریخ فیروز شاہی کے مختلف اندراجات سے ہوتا ہے، تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ:۔

حضرت شیخ جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لئے اُچ سے فیروز آباد تشریف لاتے دونوں کے درمیان بیحد محبت تھی، دونوں اِس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش فرماتے۔

حضرت سید جلال الدین جب اُچ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ منڈتک اُن کے استقبال کے لئے جاتا اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی تو سید جلال الدین بخاری کو بے حد اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتا۔

---

[1] الدر المنظوم۔ ص ۳۵۵

حضرت سید جلال الدین بخاری کبھی تو منارے سے متصل کوشک معظم کے اندر شفا خانے میں، اور کبھی شاہزادہ فتح خاں کے حظیرے میں قیام فرماتے۔

جب سید جلال الدین بخاری اپنی قیام گاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق بادشاہ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تو بادشاہ اپنی عظمت وشان کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا، اور بیحد انکسار اور تواضع کے ساتھ سید جلال الدین بخاری سے ملاقات کرتا۔ پھر دونوں بزرگ جام خانے کے اوپر جاکر بیٹھتے۔ جب سید جلال الدین بخاری واپس ہوتے تو اُس وقت بھی فیروز شاہ جام خانے کے اوپر تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا، اور جب تک کہ حضرت سید جلال الدین محلِ حجاب تک نہ پہنچتے اسی طرح کھڑا رہتا وہاں پہنچنے کے بعد سید جلال الدین بخاری بادشاہ کو سلام کرتے سلطان سلام کا جواب دیتا، جب سید جلال الدین نظروں سے غائب ہو جاتے تو اُس وقت بادشاہ بیٹھ جاتا۔

سبحان اللہ کیا حسنِ ادب تھا جو بادشاہ حضرت سیّد جلال الدین بخاری کے لئے بجالاتا تھا۔

فیروز شاہ بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید جلال الدین بخاری کی قیام گاہ پر اُن کی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا، اور یہ دونوں بزرگ ایک جا بیٹھ کر محبت آمیز گفتگو فرماتے، اُچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت، اور غرض سید جلال الدین بخاری کی خدمت میں پیش کرتے، اور حضرت سید جلال الدین بخاری اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان کی حاجات کو قلم بند کرلیں۔

جب بادشاہ ملاقات کے لئے آتا تو وہ حاجت مندوں کے

کاغذات کو اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان فیروز ان کاغذات کو غور سے پڑھ کر ہر حاجت مند کی اس کے معروضے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔

چند روز کے قیام کے بعد حضرت سید جلال الدین بخاری فیروز آباد سے اُچ روانہ ہو جاتے، اور بادشاہ اُسی طرح ایک منزل تک انھیں پہنچانے کے لئے جاتا۔[1]

### سلطان فیروز سے جام بابنیہ کی سفارش

ٹھٹے پر ۷۶۴ھ میں جب سلطان فیروز نے دوبارہ حملہ کیا،[2] اُس وقت سندھ کا فرماں روا جام بابنیہ تھا، جام بابنیہ نے فیروز شاہ کے حملے کی خبر سُن کر اور یہ معلوم کر کے کہ اس مرتبہ فیروز تغلق بڑی تیاریوں کے ساتھ آ رہا ہے، دریائے سندھ کے پُل اور گھاٹ کو توڑ دیا، اور جام بابنیہ اور

---

[1] (ترجمہ) تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف (شائع کردہ دارالترجمہ جامع عثمانیہ) ص۔ ۳۴۳

[2] فیروز شاہ تغلق نے ٹھٹے پر پہلا حملہ ۷۵۲ھ میں تخت نشین ہوتے ہی کیا تھا، اس نے اپنے وزیر خانجہاں سے ایک دفعہ کہا کہ افسوس ہے جہاں پناہ محمد شاہ تغلق کے دل میں ایک تمنا باقی رہی کہ ٹھٹے کو فتح نہ کر سکے، عین وفات کے وقت مجھ سے جہاں پناہ (محمد تغلق) نے فرمایا تھا کہ اگر میں اِس بیماری میں بچ گیا تو ٹھٹے کو فتح کر کے چھوڑوں گا، اور اگر میں مر گیا تو یہی ایک تمنا دل میں لے جاؤں گا، اب میں چاہتا ہوں کہ جہاں پناہ کی آخری آرزو پوری کروں، خانجہاں نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد سلطان فیروز تغلق سے عرض کیا کہ حضور نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ نیک ہے، اور ویسے بھی دنیا کے بادشاہ نئے نئے ملک فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کرتے ہیں۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنے وزیر سے مشورے کے بعد حکم دیا کہ ٹھٹے پر حملے کے لئے فوج تیار ہو۔ جب وہ فوج تیار ہو گئی تو فیروز تغلق ایک بڑے لشکر کے ساتھ ٹھٹے روانہ ہوا، جام بابنیہ اُس وقت ٹھٹے کا بادشاہ تھا۔ اُس نے فیروز تغلق کے حملے کی

اُس کا لشکر ایک جگہ قلعہ بند ہو گیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ کھیتیاں پک چکی تھیں اور فصل

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲؎ و ۳؎)

(بقیہ ۲؎) خبر سُن کر ایک بڑا لشکر تیار کیا، اور ٹھٹے کی اس آبادی کے قریب جو دریائے سندھ کے کنارے تھی، لڑائی کے لئے مورچے بنائے، اس عرصے میں فیروز تغلق بھی ٹھٹے پہنچا، دونوں کے لشکروں میں زبردست جنگ ہوئی، اتفاقاً فیروز تغلق کے لشکر میں جانوروں کی بیماری پھیل گئی، یہ وبا اس قدر شدید تھی کہ تین حصے فوج کے سواروں کے گھوڑے اور بوجھ اُٹھانے والے دوسرے جانور مر گئے، اُسی کے ساتھ قحط بھی پھیل گیا اور غلّے کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی، جام بابنیہ نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر فیروز تغلق کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، فیروز تغلق نے یہ دیکھ کر کہ حالات اس کے موافق نہیں اس حملے کو آئندہ پر ملتوی کر کے اپنے لشکر کے ساتھ گجرات روانہ ہوا، اور خان اعظم ظفر خاں کو جس کے تحت بنگالی لشکر تھا اپنا قائم مقام بنا کر ٹھٹے میں چھوڑا، ٹھٹے کے رہنے والوں کو جب معلوم ہوا کہ فیروز تغلق چلا گیا ہے تو اُنھوں نے اس کا تعاقب کیا، ظفر خاں چونکہ ٹھٹے کے قرب و جوار میں موجود تھا، اُس نے سندھیوں کا مقابلہ کیا، جس کی وجہ سے سندھیوں کو واپس ہونا پڑا۔

(ماخوذ از تاریخ فیروز شاہی (عفیف)

(بقیہ ۳؎) سومرہ خاندان کے بعد سندھ میں سمہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی، اس خاندان کے بادشاہوں نے جام کا لقب اختیار کیا تھا، جس وقت سلطان فیروز تغلق نے سندھ پر فوج کشی کی اُس وقت سندھ میں جام بابنیہ اور جام جونہ کی حکومت مشترک تھی، جام بابنیہ خاص طور پر سلطنت دہلی کے خلاف تھا، اور مغلوں کے ساتھ مل کر سندھ اور گجرات کے سلطنتِ دہلی کے مقبوضہ علاقوں پر دھاوا بولتا رہتا تھا، اس کی اس حرکت سے سندھ اور گجرات کے گورنر بے حد پریشان تھے۔ ایک مرتبہ جب سلطان فیروز تغلق نے لکھنوتی پر فوج کشی کی تو بابنیہ نے صوبۂ ملتان کے علاقوں پر بھی حملے کئے (توضیحات و استدراکات تاریخ معصومی اُردو ترجمہ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ۔ ص ۲۷۴ بحوالۂ منشآت ماہرو۔ ص ۱۸)

کٹنے کے لئے تیار کھڑی، فیروز تغلق کے لشکر نے دریائے سندھ کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے، اور وہیں لڑائی کے لئے مورچے تیار کئے، سندھیوں نے قلعے سے نکل کر اور جان پر کھیل کر لڑائی شروع کی، لڑائی کا رنگ دیکھ کر فیروز تغلق نے فوراً امداد کے لئے ایک قاصد اپنے وزیر خانجہاں کے پاس دہلی روانہ کیا، تھوڑے ہی دن کے بعد ایک بڑا لشکر دہلی سے فیروز تغلق کی مدد کے لئے پہنچا، اس مرتبہ اہلِ سندھ کی قسمت کا پانسہ پلٹ چکا تھا، کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب غلہ کٹ کر گھروں میں پہنچنے نہ پایا تھا۔ فیروز تغلق کے لشکریوں نے کھیتوں ہی میں غلّے پر قبضہ کر لیا، جس کی وجہ سے سندھ میں ایسا قحط پڑا کہ اہلِ سندھ کی جان کے لالے پڑ گئے، پھر یہ کہ فیروز تغلق کو ایک بہت بڑی فوجی مدد دہلی سے پہنچ گئی، جس نے سندھ والوں کو اور بھی پریشان کر دیا۔ جام بابنیہ نے جب یہ حالات دیکھے تو بے حد پریشان ہوا، اور اُسے اپنی شکست کے آثار صاف دکھائی دینے لگے، اُس نے حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کے پاس اپنا ایک قاصد اُچ بھیجا، اور کہلایا کہ اگر حضرت تشریف لاکر صلح کرادیں تو ہزاروں انسان خوں ریزی سے بچ جائیں گے، اُس کی خواہش پر مخدوم جہانیاں اُچ سے ٹھٹھے تشریف لائے، مخدوم جہانیاں جب لشکر میں پہنچے تو اہلِ لشکر نے جان و دل سے قدمبوسی کی سعادت حاصل کی، مخدوم جہانیاں نے اُن سے فرمایا اطمینان رکھو، چند روز میں فتح ہوگی، جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز تغلق نے نہایت خلوص و عقیدت سے استقبال کیا، اور بہت ہی تعظیم و توقیر کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ ایک پارسا اور رسالہ عورت ٹھٹھے میں موجود تھی، اُس کی دعا کی برکت سے ٹھٹھہ فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا، لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہوجاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اُس عورت نے جنت کی راہ لی، اب امید ہے کہ ٹھٹھہ جلد فتح ہوجائے گا، اہلِ ٹھٹھہ کو معلوم ہوا کہ حضرت

سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف رکھتے ہیں تو آپ کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کئے، اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا، حضرت سید جلال الدین نے بھی اُن کی خاطر سلطان فیروز سے کہہ کر ان کو مطمئن کیا اور حضرت کے سفارش فرمانے پر، سلطان فیروز سے معافی چاہی، سلطان فیروز نے اس کو معاف کر دیا، اور اپنے ساتھ دہلی لے گیا، پھر جام بابنیہ کو دوبارہ سندھ کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔[1]

**دہلی میں رُشد و ہدایت** ۷۸۱ھ میں حضرت مخدوم جہانیان دہلی تشریف لائے، اُس وقت سلطان فیروز سومانہ کی مہم میں دارالسلطنت دہلی سے باہر گیا ہوا تھا، آپ کو اُس کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے قیام کرنا پڑا، اُس زمانے میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے روحانی اور مذہبی فیوض حاصل کرتے، آپ کی مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی، کبھی فقہی اور شرعی مسائل بیان فرماتے، کبھی اخلاق و معاشرت کے بہتر بنانے کی تعلیم دیتے، کبھی تصوف کے اسرار و معارف بیان فرماتے۔

اُسی زمانے میں جب کہ مخدوم جہانیاں کا قیام دہلی میں تھا، اور سلطان فیروز تغلق سومانہ کی مہم پہ تھا، آپ کے بھائی سید صدرالدین، سلطان فیروز سے شاہی لشکر میں جا کر ملے، سلطان فیروز اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و توقیر سے پیش آیا، جب وہ مخدوم جہانیان کے پاس آئے تو اُنھوں نے بتایا کہ بادشاہ نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عنایت فرمائی۔

اُسی دہلی کے قیام کے زمانے عید اضحیٰ آگئی۔ عید اضحیٰ کی صبح ہوئی تو مخدوم جہانیاں نے حسبِ عادت فجر کی نماز ادا کی، ننانوے اسمائے الٰہی

---

[1] یہ تمام تفصیل تاریخ فیروز شاہی (عفیف) کے مقدمہ چہارم سے ماخوذ ہے۔

کے وِردسے فارغ ہوئے، آفتاب ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ مصلیٰ سے اُٹھے، غسل فرمایا، اور جب سورج کسی قدر بلند ہوگیا تو پالکی میں سوار ہوکر عیدگاہ کو روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے، راستے میں تکبیر کہنے کی تاکید فرماتے، عیدگاہ کے قریب پالکی سے اُتر پڑے، تازہ وضو کیا، ڈاڑھی میں کنگھی کی، پھر عیدگاہ میں داخل ہوئے، اُس وقت زیادہ لوگ جمع نہیں ہوئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جاکر بیٹھ گئے، معتقدین بھی پیچھے بیٹھ گئے اور فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں کچھ دیر کی تو فرمایا بقرعید کی نماز جلدی ہونی چاہئے تاکہ قربانی جلد ہو، اور جانور بے چارے قید میں بند نہ رہیں، ذبح ہوکر جلد اپنی منزل کو پہنچ جائیں، پھر اپنے خاص خادم کو بلاکر فرمایا کہ مطبخ کے داروغہ کو تاکید کردو کہ سلام پھیرتے ہی جاکر قربانی کرے تاکہ ہم دوستوں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں کہ یہ مستحب ہے اسی اثنا میں فیروز شاہ کو وزیر خانجہاں آیا، اُسے دیکھ کر پوچھا کہ تمھاری قبا شرعی ہے یا نہیں، جواب دیا شرعی ہے۔ پھر پوچھا، موئے بند سوتی ہے یا ریشمی؟ اس نے جواب دیا، سوتی، پھر فرمایا تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر نیچے ڈال دینا، ورنہ نماز مکروہ ہوجائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے تم اپنے بالوں کو کھول دو، تاکہ وہ بھی تمھارے ساتھ سجدہ کریں، اسی ضمن میں فرمایا کہ بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اُس کے منہ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان میں قاضی القضاۃ صدرِ جہاں نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور آپ کو نماز کے بعد مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہوگیا، نماز کے بعد علماء نے مخدوم جہانیاں سے اس سہو کے متعلق پوچھا، فرمایا کہ عیدین کی تکبیریں واجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز کو پھر سے لوٹا لیا جائے، لیکن مجمع بہت بڑا ہے اس لئے لوگوں کو نماز کے لوٹانے میں تکلیف ہوگی،

اس لئے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں خطیب کے خطبے کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں نے چار رکعت نماز اور پڑھی اور اپنے ہمراہیوں سے پڑھوائی، ابھی آپ نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ دست بوسی کے لئے لوگوں کا ہجوم ہوگیا، ہجوم اس قدر تھا کہ مشکل سے پالکی لائی گئی، اور جب آپ پالکی پر سوار ہوکر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑ رہے تھے، کوئی پالکی کو چومتا، کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا، جب ہجوم بے حد بڑھ گیا تو خادموں نے ہجوم کو منتشر کیا، تاکہ کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے۔ قاضی القضاۃ صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ تھے، جب آپ اُن کے گھر پہنچے، تو وہاں علماء، آئمہ، قضاۃ اور صدور کا مجمع تھا، جو آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے، گفتگو کے درمیان میں حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ بعض مکبّر اکبر کو بمد "اکبار" کہتے ہیں، ان کو روکو یہ لفظ کفر کا ہے، اکبار شیطانوں کے نام میں سے ایک نام ہے، پھر فرمایا مستحب یہ ہے کہ موذن صاحبِ علم اور مفتی ہو، تاکہ فتویٰ بھی دے سکے، پھر دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد آپ نے اشراق کی نماز پڑھی، جب آپ نماز پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، فرمایا عید اضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا مسنون ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ منگوائی آپ نے اُسی سے افطار کیا، اور ہمراہیوں سے بھی افطار کرنے کے لئے کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دسترخوان بچھوایا، سب لوگ کھانا کھانے کے بعد رخصت ہوئے۔[1]

ایک دفعہ مخدوم جہانیاں جامع مسجد نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے،

---

[1] یہ تمام تفصیل بزم صوفیہ تالیف سید صباح الدین ص ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ سے بحوالہ الدر المنظوم ماخوذ ہے۔

مؤذن نے اذان میں اکبر کی جگہ اکبار کہا، آپ نے فرمایا یہ کفر ہے، اور سید الحجاب اور قاضی القضاۃ صدر جہاں کو اس طرف توجہ دلائی، سلطان فیروز کو جب خبر ہوئی تو اس نے مؤذن کو طلب کیا، وہ نہایت پریشان ہو کر مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا میں بادشاہ سے کہوں گا کہ تمہاری روٹی موقوف نہ کرے، لیکن تکبیر میں اکبار نہ کہو، اور اور نہ حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حیا علی الصلوٰۃ کہو، اس سے معنی بدل جاتے ہیں[1]

سلطان فیروز خود بھی حضرت مخدوم جہانیاں کی قیام گاہ پر حاضر ہوتا تھا، ایک دفعہ وہ حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آیا، اس وقت آپ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک آپ نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا جب آپ نماز ختم کر چکے تو دونوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا، فیروز تغلق نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری آپ کی خدمت میں پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاں نے وہ پھول ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں، اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے دو رکعت نماز نفل با جماعت ادا کرنے کے لئے کہا! مولانا سراج الدین نے امامت کی، سلطان فیروز بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز ختم ہو گئی تو حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا، حضرت امام شافعی[2] کے

---

[1] بزم صوفیہ، بحوالہ الدر المنظوم۔ ص ۴۲۲

[2] حضرت امام شافعی کا نام محمد بن ادریس، کنیت ابو عبداللہ اور لقب شافعی ہے۔ آپ قبیلہ قریش سے ہیں، امام شافعی کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں اپنے والد کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب سے مل جاتا ہے، آپ کی والدہ کا نام ام الحسن تھا ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہے۔ پھر فقہ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ عبادات میں غیر مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن معاملات میں غیر مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز نہیں، اس کے بعد سلطان فیروز سے نماز کی نیت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی بزرگی، خرقۂ مشائخ اور نفس کی دشمنی پر بات چیت کرتے رہے، اس کے بعد آپ نے سلطان فیروز سے سفارش کر کے شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لئے وظائف مقرر کرائے، سلطان فیروز رخصت ہونے لگا، تو اُس نے آپ سے اپنے پوتوں کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ نے

---

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

اُم الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب۔

اس طرح آپ قریشی، ہاشمی، علوی، فاطمی، اور آئمہ اربعہ میں تیسرے امام ہیں امام شافعی نے حضرت امام مالک سے تعلیم حاصل کی، جب تک آپ مدینے میں رہے۔ امام مالک سے علمی اکتساب کرتے رہے، جب آپ عراق آئے تو امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن سے استفادہ فرماتے رہے۔

امام شافعی کی ولادت بعضوں کے قول کے مطابق غزہ میں اور بعضوں کے قول کے مطابق عسقلان میں اور بعضوں کے قول کے مطابق منا میں ۱۵۰ھ میں ہوئی جب آپ کا سنِ شریف صرف سات سال کا تھا تو آپ حفظ قرآن مجید سے فارغ ہو چکے تھے اور تیرہ سال کی عمر میں وہ حرم میں کہا کرتے تھے سلونی ما شئتم (مجھ سے پوچھو جو تم پوچھنا چاہو) اور پندرہ سال کی عمر میں آپ فتوٰی دیتے تھے۔

امام شافعی نے ماہ رجب ۲۰۴ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار پُر انوار قرافہ مضافات مصر میں واقع ہے۔ (سفینۃ الاولیاء۔ تذکرہ حضرت امام شافعی۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ ص ۵۰)۔

اُن کے لئے وہی دعائیں کیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان فیروز رخصت ہونے لگا تو آپ اُسے رخصت کرنے کے لیے زینے سے اُترنے لگے، لیکن سلطان فیروز نے آپ کو ہاتھ پکڑ کر روکا، آپ نے فرمایا، جب تم مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہو، تو مجھے کچھ تمہاری تعظیم کرنی چاہیے۔ سلطان فیروز نے عرض کیا کہ واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں ہوں۔

سلطان فیروز دوسری دفعہ حضرت مخدوم جہانیاں کی زیارت کے لئے آیا تو آپ نے یہ اشعار پڑھے:۔

ہمت بس بلند روزی کن
کہ من از تو ہمیں ترا خواہم

---

ہر آنکو غافل اندوے یک زمان ست
در آن دم کافرست اما نہان ست
مبادا غائبے پیوستہ باشد
درِ اسلام بروئے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگارم
کہ من غائب شدن طاقت ندارم

سلطان فیروز کو یہ اشعار پسند آئے، اس نے یہ اشعار خود بھی لکھے، اور سید الحجاب کو حکم دیا کہ وہ بھی لکھ لے[1]

**خانجہاں وزیر کو نصیحت** اُس زمانے میں کہ جب کہ سلطان فیروز سومانہ کی مہم پر تھا، اور حضرت مخدوم جہانیاں دہلی

---

[1] بزم صوفیہ۔ ص ۴۲۳ بحوالہ الدر المنظوم۔ ص ۸۳۶

میں مقیم تھے، سلطان فیروز کی عدم موجودگی میں اُس کا وزیر خانجہاں آپ کی قدم بوسی کے لئے آیا، آپ نے اُس کو نصیحت فرمائی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کو ہر حال میں پیش نظر رکھے، خانجہاں دوسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے آپ کے لئے لایا، حضرت مخدوم نے اُن کو دیکھ کر فرمایا اگر مشروع ہوئے تو پہنوں گا، ورنہ بچوں کی والدہ کو دے دوں گا، خانجہاں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ وہ مشروع ہیں، جب آپ کو یقین ہوگیا تو کپڑے قبول کر لئے، اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجا لانا واجب ہے[1]۔

**شہزادوں کی نصیحتیں** ایک روز شہزادہ مبارک خاں اپنے لڑکوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت مخدوم جہانیاں کی نظر اُس کی ٹوپی پر پڑی، فرمایا، ایسی ٹوپی پہننا جائز نہیں، اُس کے لڑکے بھی ویسی ہی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے، آپ نے اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ تو بچے ہیں، اُن سے مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن ان کے ولی سے پرسش ہوگی[2]۔

**اخلاق** حضرت مخدوم جہانیاں حسنِ اخلاق کا سراپا تھے، آپ کے اخلاق سے دوست دشمن سب متاثر ہوتے۔

**فیاضی** فیاضی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ اور معتقدین کے پاس سے جو تحائف آتے اُنھیں قبول کر لیتے اور اُن میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر دوسروں میں تقسیم کر دیتے، فرمایا کرتے تھے کہ کہیں سے بھی کوئی فتوح

---

[1] بزم صوفیہ۔ ص ۴۲۳ بحوالہ الدر المنظوم۔ ص ۸۳۶۔

[2] بزم صوفیہ۔ ص ۴۲۴۔ بحوالہ الدر المنظوم۔ ص ۸۰۱۔

آتی ہے تو میں لے اس لئے قبول کر لیتا ہوں کہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فتوح کو اس لئے قبول کرو کہ دوسروں تک پہنچاؤ اور کچھ اپنی ضرورت کے لئے بھی رکھو۔

مخدوم جہانیاں جب مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے فرماں روا نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے، لیکن آپ نے یہ تمام سکے اپنے اُن ساتھیوں کو دے دیئے جو مقروض تھے۔

شیراز میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک شاگرد نے جو آپ سے مصابیح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار نذر کئے، لیکن آپ نے یہ دینار اپنے اُن رفیقوں میں میں تقسیم کر دیئے جن کو اپنی لڑکیوں کی شادی کرنی تھی۔

ایک دفعہ سید شمس الدین عراقی مسعود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میرا آج کا وظیفہ ابھی تک نہیں ملا، آپ نے اپنے خادم کو بلا کر فرمایا کہ اگر کہیں سے کوئی فتوح آئی ہو تو ان کو دے دو، خادم نے عرض کیا کہ آج تو کوئی فتوح نہیں آئی، فرمایا بنیئے سے قرض لے کر ان کا وظیفہ دے دو۔ مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا ضرورت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔

ایک دفعہ ایک سید آئے، اُنھوں نے آپ سے کفن کے لئے کپڑا مانگا، اتفاقاً اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا، اور نہ نقد روپیہ موجود تھا، فرمایا جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے، بستر میں سے روئی نکال لو اور کپڑا کفن کے لئے دے دو، اور روئی فروخت کر کے اس کی قیمت رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفے کے کام آئے، یہ فرما کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ خادم نے ارشاد کی تعمیل کی، اور کہنے لگا کہ حضرت قطب عالم کیسی شفقت فرماتے ہیں، پھر اُس نے یہ آیت پڑھی "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" آپ نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی، اور فرمایا یہ آیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم کی شان میں ہے ، اور کسی کے لئے نہیں ہو سکتی۔

ایک دفعہ ایک عرب آیا ، اُس نے کہا کہ میں لکھنوتی جانا چاہتا ہوں مجھے سفر خرچ اور کچھ کپڑا دیدیجئے ۔ اُسی وقت اتفاق سے ایک مرید طشت میں بھر کر مصری تحفتاً لایا حضرت مخدوم جہانیاں نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اُس نے وہ مصری لے لی اور پھر کپڑا مانگا ۔ اُسی وقت آپ کے جسم پر جو کپڑے تھے ، وہ کسی مرید نے عاریتاً پہنائے تھے تاکہ وہ تبرک ہو جائیں ، آپ نے عرب سے فرمایا اگر یہ کپڑے میرے ملکیت ہوتے تو تمھیں دے دیتا ، لیکن وہ عرب مانگتا رہا ۔ خادموں کو یہ دیکھ کر غصہ آیا ، عرب نے کہا کیا آپ مجھے مروا ڈالنا چاہتے ہیں ، فرمایا اگر وہ تمھیں ماریں تو تم مجھے مار ڈالنا ، یہ کہہ کر آپ نے اپنی گردن جھکادی عرب آپ کے اس اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور آپ کے قدموں پر گر پڑا ۔ آپ نے اس کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا ، اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا[۱]

**انکسار** طبعیت میں بے حد انکسار اور خاکساری تھی ، ایک دفعہ ایک مرید نے القاب میں قطب عالم ، شیخ الشیوخ اور سید السادات لکھا ، فرمایا مجھ کو گدائے عالم کہو ، مریدین اور معتقدین پاؤں چومنے کی کوشش کرتے ، لیکن آپ اُن کو روکتے ، بعض مرید سجدۂ تعظیمی کرنا چاہتے ۔ فرماتے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں[۲]

**مہمان نوازی** جب کوئی حضرت مخدوم جہانیاں سے ملاقات کے لئے آتا تو آپ اُسے ضرور کچھ نہ کچھ کھلاتے ، فرمایا

---

[۱] یہ تمام واقعات بزم صوفیہ ص ۴۲۹ و ۴۳۰ سے ماخوذ ہیں بحوالہ الدر المنظوم ۔ ص ۲۳۸ - ۴۶۴ - ۴۵۲ - ۴۸۰ - ۶۸۶ - ۱۸۶ -

[۲] بزم صوفیہ - ص ۲۳۱ بحوالہ الدر المنظوم ص ۴۵۳

کرتے تھے کہ جو آدمی کسی زندہ آدمی کی ملاقات کے لئے آئے، اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی[1]

جب کوئی مہمان آتا تو جب تک وہ رہتا، اس کے لئے کھانے پینے اور نقد وظیفے کا انتظام فرماتے، اور اس کے قیام کے لئے ایک علحدہ حجرہ متعین فرمادیتے[2]

**عفو و درگذر** عفو و درگذر آپ کی صفتِ خاص تھی، اس زمانے میں جب کہ آپ کا قیام دہلی میں تھا، کسی نے آپ کی چادر چرالی، لوگوں نے کہا آپ چور کے لئے بددعا کریں، فرمایا میں کبھی اس کے لئے بددعا نہ کروں گا، بلکہ اگر وہ میرے سامنے آجائے تو میں اس کو معاف کردوں گا، پھر فرمایا میری بہت سی چیزیں چوری ہوگئیں لیکن میں نے کبھی چور کے لئے بددعا نہیں کی[3]

**ہمعصروں کی توقیر** اپنے ہم عصر بزرگوں کا بے حد احترام فرماتے تھے، ایک دفعہ مخدوم الملک شرف الدین منیری[4] نے آپ کے لئے جوتا بھیجا جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ میں آپ کا

---

[1] بزم صوفیہ ص ۴۳۱ بحوالہ الدر المنظوم ص ۵۸۶

[2] " ص ۴۳۰ " " ص ۳۵

[3] " ص ۴۳۱ " " ص ۱۷۴

[4] مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحیٰی ۲۶ رشعبان ۶۶۱ھ کو بمقام منیر ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے، ان کا سلسلۂ نسب چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے جاملتا ہے، حضرت شرف الدین کے اجداد بیت المقدس سے آکر منیر آباد ہوئے، حضرت شرف الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں پائی، جب ذرا بڑے ہوئے تو ان کے والد نے ان کو مولانا ابوتوامہ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے سنارگاؤں بھیجا، اور انھوں

کفش بردار ہوں، آپ نے اُس کے عوض میں اُن کو دستار روانہ کی جس سے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳)

نے مولانا ابو توامہ سے تعلیم حاصل کی، تعلیم ہی کے زمانے میں اپنے استاد کی صاحبزادی سے عقد کیا، جب وہ علوم شرعیہ کی تکمیل کر چکے تو لطائف اشرفی میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی شرفِ ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے، اور ارادت و ارشاد کے لئے درخواست کی، (حضرت سلطان المشائخ نے) عالم غیبی اور فضلائے لاریب سے استفسار فرمایا، اور استغراق میں سر جھکایا، پھر فرمایا میرے بھائی شرف الدین تمھاری مریدی اور سلوک کی تعلیم برادرم نجیب الدین سے متعلق ہے، تم اُن کے پاس جاؤ، وہ تمھارے انتظار میں ہیں۔ جب وہ شیخ نجیب الدین کے پاس جانے لگے تو فرمایا کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ، تم کو اس خاندان سے صفائی اور سماع مبارک ہو۔ (لطائف اشرفی: مطبوعہ نصرت المطابع: دہلی ص ۷۷ س)

جب وہ سلطان المشائخ کے ارشاد کے مطابق شیخ نجیب الدین کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا، فقیر برسوں سے تمھارے انتظار میں ہے تاکہ تمھاری امانت تمھارے سپرد کر دے، اور فوراً اُن کو بیعت کر لیا، اور کچھ نصیحتیں فرما کر رخصت کیا، اور فرمایا اگر راستے میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا، بیعت کے بعد دہلی سے رخصت ہوئے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ مرشد کے وصال کی خبر ملی، لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ واپس نہ لوٹیں جب ضلع آرہ میں بھیا کے جنگل میں پہنچے تو مور کی آواز سنی، آواز سُن کر دل پر ایک ہوک اٹھی اور جذب و سرمستی میں جنگل میں غائب ہو گئے بھیا کے جنگل میں انھوں نے بارہ سال گزارے جب دل نورِ معرفت سے منور ہو گیا تو آبادی کی طرف رخ کیا اور بہار شریف میں سکونت اختیار کر لی۔ سلطان محمد تغلق نے جب اُن کی بزرگی اور درویشی کی شہرت سنی تو مجد الملک مقطع بہار کے نام حکم جاری کیا کہ حضرت کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے، اور اس کے اخراجات کے لئے پرگنہ راجگیر ان حضرت کے حوالے کیا جائے، مجد الملک نے اس کی تعمیل کی، اور اسی

مطلب یہ تھا کہ میں تمھیں سرتاج سمجھتا ہوں۔

حضرت جہانگیر[۱] سمنان سے آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو آپ اُن سے نہایت شفقت سے ملے اور فرمایا کہ ایک مدت کے بعد طالب صادق کی بُو دماغ میں پہنچی اور ایک زمانے کے بعد گلشنِ سیادت کی نسیم چلی۔

## قادریہ سلسلے سے عقیدت

باوجود اس کے کہ حضرت مخدوم جہانیاں سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ص)

خانقاہ میں بیٹھ کر انھوں نے رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔

۶ شوال شب پنجشنبہ ۷۸۲ھ کو حضرت شرف الدین احمد بن یحییٰ نے وصال فرمایا۔ تاریخ وصال کلمہ "پُر شرف" سے نکلتی ہے۔ مزار پُر انوار بہار شریف میں ہے۔

حضرت شرف الدین کی تصانیف کی تعداد کثیر بتائی جاتی ہے، لیکن ان میں حسبِ ذیل کتابیں مشہور ہیں۔

(۱) مکتوبات صدی۔ مطبوعہ مطبع اسلامی لاہور (۲) مکتوبات دو صدی۔ (۳) مکتوبات بست و ہشت (۴) ملفوظات (۵) معدن المعانی (۶) مخ المعانی (۷) راحت القلوب (۸) خوانِ پُر نعمت (۹) کنز المعانی (۱۰) گنج لایفنی (۱۱) مونس المریدین (۱۲) تحفۂ غیبی (۱۳) فوائد رکنی (۱۴) شرح آداب المریدین (۱۵) ارشاد السالکین (۱۶) ارشاد الطالبین (۱۷) اجوبہ (۱۸) اورادِ خورد (۱۹) اورادِ اوسط (۲۰) فوائد المریدین (۲۱) اجوبہ زاہدیہ (۲۲) رسالہ اشارات (۲۳) رسالہ مکیہ (۲۴) اوراد کلاں۔ (ماخوذ از بزم صوفیہ۔ ص ۲۶۷ تا ۳۷۷)

[۱] آپ کا اسم گرامی محمد اشرف اور جہانگیر لقب تھا، آپ کی ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی آپ کے والد محمد ابراہیم سمنان کے حاکم تھے، آپ کی والدہ کا نام خدیجہ بیگم تھا جو خواجہ احمد یسوی کی صاحبزادی تھیں، سید اشرف سمنانی نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید تجوید کے ساتھ حفظ کرلیا

تھے، لیکن سلسلۂ عالیہ قادریہ سے بھی بے حد عقیدت و محبت رکھتے تھے، اخبار الاخیار میں بحوالۂ خزانہ جلالی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلۂ ۱)

تھا، اور چودہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے، اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کے تخت سلطنت پر بیٹھے، لیکن طبیعت ابتدا ہی سے سلوک کی طرف مائل تھی، ایک رات خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اگر سلطنتِ الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، اور شیخ علاء الدین بنگالی کی خدمت میں حاضر ہو، اس خواب کے بعد آپ نے اپنی والدہ سے سفر کی اجازت طلب کی، اُنھوں نے فرمایا کہ اے فرزند سعادتمند تمھارے نانا خواجہ احمد یسوی نے مجھے بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ولایت کے نور سے عالم منور ہو جائے گا، میں سمجھتی ہوں کہ اُس کا وقت آپہنچا، تمھیں یہ سفر مبارک ہو، میں تمھیں حقِ مادری بخش کر خدا کے حفظ و امان میں سپرد کرتی ہوں، اس کے بعد آپ سمنان کی حکومت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان روانہ ہوئے، ہندوستان میں آپ سب سے پہلے اُچ میں حضرت سید مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۷۳ و ۲۷۳)۔

لطائف اشرفی میں ہے کہ مخدوم جہانیاں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔

بعد از مدتے بوئے طالبِ صادق بہ دماغ رسیدہ، بعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت وزیدہ، فرزند بسیار مردانہ بر آمدہ ای، مبارک باد، زود قدم در راہ نہید۔ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف بستہ زنہار در راہ جائے نمانی

(لطائف اشرفی جلد دوم ص ۹۴)

پھر حضرت مخدوم جہانیاں نے آپ کو نعمتِ باطنی سے مستفیض فرمایا۔ پھر آپ دہلی ہوتے ہوئے بہار میں عین اُس وقت پہنچے، جب مخدوم الملک حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کا جنازہ رکھا ہوا تھا، اُنھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ اُن کے جنازے کی نماز وہ پڑھائے جو صحیح النسب

جیلانی نے فرمایا ہے کہ خوش خبری ہو اُن لوگوں کو جنھوں نے مجھے دیکھا، اور میرے دیکھنے والے کو دیکھا، اور میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا، واقعی آپ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

سید ہو، تارک سلطنت ہو، اور ساتوں قراءتوں کا قاری ہو، چونکہ یہ تمام صفات حضرت جہانگیر سمنانی میں موجود تھی، اس لئے آپ نے اُن کے جنازے کی نماز پڑھائی، پھر اُن کی قبر پر دیر تک مراقبہ کیا اور عازم بنگالہ ہوئے۔ اُس زمانے میں بنگال سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے بزرگ شیخ علاء الدین علاء الحق بن شیخ اسعد لاہوری بنگال میں سلسلۂ چشتیہ کے فیوض و برکات کو عام کر رہے تھے، اُنھوں نے حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کی آمد سے کچھ دن پہلے اپنے مریدوں سے کہا تھا کہ وہ شخص جس کا میں دو سال سے انتظار کر رہا ہوں، اور اُس کی ملاقات کے چشم براہ ہوں دو ایک دن میں پہنچنے والا ہے، جب سید اشرف جہانگیر سمنانی پنڈوہ کے قریب پہنچے تو اُس وقت شیخ علاء الدین قیلولہ فرما رہے تھے، یکایک اُٹھے اور فرمایا دوست کی بُو آ رہی ہے، فوراً ہی اپنے مریدوں کے ساتھ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کے استقبال کے لئے شہر سے باہر گئے، جیسے حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کی نظر حضرت شیخ علاء الدین پر پڑی تو فوراً اُن کے قدموں پر گر پڑے، حضرت شیخ علاء الدین نے اُن کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور یہ شعر پڑھا۔

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے
با میدے رسد امید وارے

آپ حضرت شیخ علاء الدین کے ساتھ اُن کی خانقاہ میں تشریف لائے، اور حضرت شیخ علاء الدین نے آپ کو بیعت کیا، حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اُس وقت فی البدیہہ۔ ان اشعار میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| نہادہ تاج و دولت بر سر من | علاء الحق والدین گنج نابات |
| نسبے پیرے کہ ترک از سلطنت داد | برآوردہ مرا از چاہِ آفات |

(لطائف اشرفی جلد دوم۔ ص ۹۹)

قطب ہیں اور سچے ہیں مجھے آپ کے اس قول سے قوی اُمید ہے کہ حق تعالیٰ حضرت شیخ کے اِس قول کے مطابق مجھ پر بھی رحمت کرے گا ۔ بعد اس کے اپنی رویت کے سلسلے کو ایک واسطہ سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچایا اور یہ سلسلہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا کے علاوہ تھا ۔ فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ سلہ)

ایک دفعہ حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے، حضرت شیخ علا والدین علاء الحق نے پوچھا کیا کر رہے ہو، حضرت اشرف جہانگیر نے جواب دیا۔

میان برائے خدمت می بندم

یعنی خدمتِ خلق کے لئے کمر باندھ رہا ہوں، فرمایا کہ:۔

اگر می بندی محکم ببند کہ ہیچ درمیان نداری

یعنی اگر کمر باندھ رہے ہو تو مضبوط باندھو ۔ تاکہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے حضرت اشرف جہانگیر نے عرض کیا۔

از روئے نفس از میان کشیدہ ام تا زندہ ام

یعنی میں نے نفس کی آرزو کو میان سے دور کر دیا ہے، جب تک زندہ ہوں، حضرت علاء الحق نے آپ کو مبارک باد دی۔ (لطائف اشرفی جلد ۲ ص ۳۸۰)

روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے بعد آپ اپنے مرشد سے رخصت ہوئے منیر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد کہنہ (اعظم گڑھ) پہنچے ۔ محمد آباد سے ظفر آباد آئے ۔ ظفر آباد سے جون پور آئے، یہیں اُس دور کے مشہور عالم قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے آپ سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، آپ نے اُن کو "ملک العلماء" کا خطاب عطا کیا، جون پور سے روانہ ہو کر مینی پہنچے، وہاں سے بھدونڈ (؟) آئے، پھر آپ روح آباد میں مقیم ہوئے جو آج کل کچھوچھہ کے نام سے موسوم ہے، یہاں ایک خانقاہ بنائی، کچھوچھہ شریف میں قیام فرما کر آپ نے طالبانِ حق کی اصلاح و تربیت اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا ۔ کچھوچھہ میں کچھ دن قیام کے بعد

کو دیکھا ہے، اُنھوں نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو دیکھا ہے، اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کو دیکھا ہے[3]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ [1])

شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ بیت اللہ اور مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہوئے کچھوچھہ شریف واپس ہوئے، دوسری دفعہ میر کبیر سید علی کے ساتھ دنیا کی سیاحت کی، پھر کچھوچھہ واپس ہوئے اور وفات تک کچھوچھہ میں مقیم رہے۔

۲۸ر محرم ۸۰۸ھ کو حضرت اشرف جہانگیر سمنانی نے کچھوچھہ میں وصال فرمایا اُس وقت آپ کی عمر شریف ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی تھی، مزار پُر انوار کچھوچھہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، آپ کے خلفاء میں شیخ شہاب الدین دولت آبادی، شیخ شمس الدین اودھی شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ سماء الدین ردولوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین سدھوری اور قاضی محمد سدھوری مشہور ہیں۔

حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات پر تین کتابیں ملتی ہیں، اُن کے نام یہ ہیں۔

(۱) بشارات المریدین (۲) مکتوبات اشرفی (۳) لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی ان تینوں کتابوں میں جو کتاب سب سے زیادہ آپ کی تعلیمات اور سوانح حیات کی آئینہ دار ہے وہ "لطائف اشرفی" ہے، جس کو آپ کے مرید حضرت نظام الدین یمنی ملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی نے مرتب کیا تھا، جو آپ کی خدمت میں تیس سال رہے تھے، یہ کتاب ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع۔ دہلی سے چھپی تھی اور (۹۰۰) صفحات پر مشتمل ہے جو اب کمیاب ہے۔

(یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ ص ۳۷۱، ۳۷۲ و ۳۷۳ و لطائف اشرفی سے ماخوذ ہے)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا [3])

[3] اخبار الاخیار۔ ص ۱۴۲۔

**خدمتِ خلق** تصوّف کا ایک بڑا مقصد خدمتِ خلق ہے، مظلوم اور مجبور انسانوں کی مدد کرنا، اور اُن کے کام آنا سب سے بڑی نیکی ہے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی مجبور اور مظلوم انسانوں کی مدد کرنے، اور اُن کی حاجت برآری کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔

سیرالعارفین میں ہے کہ فیروز تغلق کا وزیر خانجہاں ابتداءً حضرت مخدوم جہانیاں کا سخت مخالف تھا، ایک مرتبہ اُس نے ایک نویسندہ کے بیٹے کو کسی بات پر قید کرا دیا، اُس کا باپ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس کی بے گناہی ظاہر کرکے سفارش کا طالب ہوا، حضرت مخدوم جہانیاں اُس کی سفارش کے لیے خانجہاں کے پاس گئے، لیکن خانجہاں نے اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ میں شیخ سے نہ ملوں گا، اور نہ اُن کی سفارش مانوں گا، ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ آئندہ پھر دروازے پر نہ آئیں، لیکن اس کے باوجود اُنیس مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں اُس کے دروازے پر گئے، اور ہر مرتبہ اُس نے یہی جواب دیا، اُنیسویں مرتبہ اُس نے کہلا بھیجا کہ اے سید! تمھیں غیرت نہیں آتی کہ میں کتنی مرتبہ تم سے انکار کر چکا ہوں۔ مگر تم پھر میرے دروازے پر آن موجود ہوتے ہو، حضرت مخدوم جہانیاں نے جواب دیا، اے عزیز! میں جتنی مرتبہ تمھارے دروازے پر آتا ہوں مجھے اس کا ثواب مل جاتا ہے، لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوا، میں چاہتا ہوں کہ اُس مظلوم کو تمھاری قید سے چھٹکارا دلوا دوں تاکہ تم بھی اس کے ثواب میں شریک ہو، یہ سن کر خانجہاں بے حد متاثر ہوا۔ وہ گھر سے باہر آیا اور آپ کا مرید ہوگیا[1]

**اُردو پر احسان** حضرت جلال الدین بخاری اُردو زبان کے اُن محسنین میں ہیں جن پر تاریخ ادبِ اُردو کو ہمیشہ فخر رہے گا کہ وہ ایسے

---

[1] سیرالعارفین۔

جلیل القدر اور اکابرِ صوفیہ کے آغوش میں پلی ہے، پہلے گذر چکا ہے کہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت فیروز تغلق کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لاتے تھے، ایک دفعہ آپ دہلی تشریف لائے، جب فیروز شاہ تغلق سے ملاقات ہوئی تو اس سے اردو زبان میں مخاطب ہو کر یوں مزاج پرسی کی۔

"کاکا فیروز چنگا ہے"[1]

**وفات** سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت نے ستتر سال کی عمر میں عین عید اضحیٰ کے دن ۷۸۵ھ وفات پائی، آپ کا مزار پر انوار آج میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

**اولاد** آپ کے بعض صاحبزادوں کے نام یہ ہیں، سید شمس، سید ماہ، سید صدر الدین اور سید سلطان محمود ناصر الدین۔

سید ناصر الدین کے مناقب و محامد بیان کرتے ہوئے صاحبِ خزینۃ الاصفیا رقمطراز ہے۔

سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہم جامع بود، میانِ علوم شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات و در ولایت رتبہ عالی و مراتب بلند داشت۔

سید ناصر الدین اپنے والد بزرگوار سے بیعت تھے اور انھیں سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ سید ناصر الدین نے ۸۲۳ھ میں وفات پائی، مفتی غلام سرور لاہوری نے اس قطعہ میں تاریخ وفات نکالی ہے ؎

---

[1] اردو زبان کا اصل مولد۔ مقالہ سید حسام الدین راشدی بحوالہ جمعات شاہی ملفوظات شاہ عالم۔

[2] خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۶۹

بنجتِ ناصرالدین چوں سفر کرد
عیاں سالِ وصالِ آں شہِ دیں
ز عارف "ناصرالدین" کامل آمد ۸۴۲ھ
دگر قطب مکرم ناصرالدین [1]

حضرت سید جلال بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد کے متعلق بزم صوفیہ میں بحوالہ مراۃ الاسرار منقول ہے کہ۔

"حضرت سید جلال (بخاری) کی بہت سی اولاد تھی، اور اُن کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبے کو پہنچے، اُن میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے، جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اُچ سے قنوج چلے گئے تھے اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی اُنھوں نے اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، اُن کے (سید جلال کے) صاحبزادے بھی صوری و معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواحِ قنوج کے لوگ اُن ہی کے سلسلۂ ارادت سے منسلک رہے، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح تنکار پور میں محو خواب ہیں، اُن میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحبِ کشف و کرامات تھے اور بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں۔" [2]

**خلفاء** حضرت مخدوم جہانیاں کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، اُن میں سے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں۔ (۱) سید صدرالدین

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۶۹ [2] بزم صوفیہ۔ ص ۴۳۳

معروف بہ شیخ راجو قتال۔ (۲) شیخ اخی راج گیری۔[1] (۳) حضرت سید علم الدین[2]

---

[1] شیخ اخی راجگیری کا اصل نام جمشید تھا، لیکن چونکہ ان کو حضرت مخدوم جہانیاں اخی کے خطاب سے یاد فرماتے تھے اس لئے یہ اخی کے نام سے مشہور ہوگئے، شیخ اخی کا وطن موضع زہرا پرگنہ دریاباد سرکار اودھ میں تھا، جوانی ہی میں ترکِ دنیا کرکے حضرت مخدوم جہانیاں کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کرکے شہر قنوج کے صاحبِ ولایت ہوئے، انھیں سید مخدوم جہانیاں نے قنوج بھیجا جب وہ قنوج پہنچے تو وہاں لوگوں کا ہجوم اس قدر ہوا کہ وہ وہاں سے دل برداشتہ ہوکر، دریائے گنگا کے کنارے موضع راجگیر میں متوطن ہوگئے، اور اسی موضع میں عرفان وہدایت کی شمع روشن کی، شیخ اخی راجگیری نے ۱۱ شوال روز چہارشنبہ ۸۷۱ھ میں وفات پائی۔

(خزینۃ الاصفیاء۔ جلد دوم۔ ص ۶۳-۶۴)

[2] سید علم الدین پلائیں سادات ترمذ میں سے تھے، اُن کے اجداد میں میر سید کمال ترمذی سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں ہندوستان آکر قصبہ کھنبل میں متوطن ہوئے۔ پھر سید علم الدین کے دادا کھنبل سے نکل کر قنوج میں سکونت پذیر ہوئے۔ میر سید علم الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور حضرت مخدوم جہانیاں کے ارشاد کی بنا پر جون پور آئے، اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں داخل ہوکر اس کے امراء میں شمار ہوئے، اُنھیں پٹہ پلاون (؟) جاگیر میں ملا۔ سید علم الدین، میر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ہمعصر تھے، دونوں میں دوستانہ مراسم تھے، اور باہمی خط وکتابت بھی تھی۔ سید علم الدین نے ۸۶۰ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار پرانواہ پلاون میں ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۴ و ۶۵)

(۴) حافظ شیخ سراج الدین[1]۔ (۵) سید اشرف الدین مشہدی۔ (۶) شیخ بابو تاج بکھری۔ (۷) سید محمود شیرازی (۸) سید سکندر بن مسعود (۹) سید علاء الدین بن سعد حسینی (مرتب جامع العلوم) (۱۰) سید شرف الدین سامی (۱۱) مولانا عطاء اللہ[2]

**ملفوظات** حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے تین مجموعوں کا اب تک پتہ چل سکا ہے :۔

(۱) خزانہ جلالی :۔ اس مجموعے کا تذکرہ مختلف کتابوں میں ملتا ہے لیکن یہ مجموعہ ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا، شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب آب کوثر کے صفحہ ۳۲۵ کے ایک فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ انھوں نے اُچ کے سفر میں خزانہ جلالی کا ایک خطی نسخہ موجودہ سجادہ نشین درگاہ شریف اُچ کے پاس دیکھا تھا، یہ مسائل و ارشادات کی ایک مبسوط کتاب ہے، اس میں سوانحی حالات بہت کم ہیں۔

(۲) سراج الہدایہ :۔ یہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ہے، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب بزم صوفیہ میں لکھا ہے کہ ان ملفوظات کے جامع احمد برنی ہیں جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے، اس میں ۷۶۷ھ کے دس مہینے کے ملفوظات ہیں۔

---

[1] حافظ سراج الدین حضرت مخدوم جہانیاں کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، وہ مخدوم جہانیاں کی امامت پر مامور تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے برسوں اُن کی اقتدا کی حضرت مخدوم جہانیاں اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے، حافظ سراج الدین نے ۸۰۳ھ میں وفات پائی، مزار مبارک کالپی میں ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۸ و ۶۹)

[2] لطائف اشرفی جلد اول ص ۳۹۲۔

سراج الهدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے۔[1]

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مجموعہ کے جامع کے نام اور اس مجموعہ کی تدوین کے سنہ میں کوئی تسامح ضرور ہوا ہے، کیونکہ سراج الهدایہ کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ اس میں اس مجموعے کے جامع کا نام سید عبداللہ اور اس مجموعے کا سنہ ترتیب ۷۸۷ھ مرقوم ہے، یہ مجموعہ حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل۔ در بیانِ احادیث۔

باب دوم۔ در بیانِ خواندن فقہ و مسائل دین۔

باب سوم۔ در بیانِ فوائد و احکامِ شرع۔

باب چہارم۔ در بیانِ حکایاتِ لطیفہ۔

باب پنجم۔ در بیانِ قصصِ انبیاء۔

باب ششم۔ در بیانِ ہفتاد و سہ ملّت۔

باب ہفتم۔ در بیانِ نصائح و فضائل حدیث۔

باب ہشتم۔ در بیانِ اشعارِ عربی و نظم فارسی۔

باب نہم۔ در بیانِ مسائلِ متفرقہ۔

اس کتاب سے ہم آپ کی تعلیم و ارشاد کے بعض نمونے پروفیسر خلیق احمد نظامی کے نسخے سے یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں، ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ

حرام است عورتانِ نامحرم را کہ در پیشِ مردماں بیگانہ بیایند، و نامحرم کسے است کہ عقدِ مناکحت باوے شرعاً پیوندد۔[2]

---

[1] بزم صوفیہ۔ ص ۴۳۴

[2] سراج الهدایہ قلمی مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ ص ۳۸۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ :۔

مکروہ است طعام و شراب ملوک و سلاطین[1]۔

ایک اور جگہ کسبِ معاش پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

بہترین کسبہا چہار چیز است ، یکے غزا ، دوم تجارت ، سوم زراعت ، چہارم صنعتِ مشروع کردن[2]۔

(۳) جامع العلوم :۔ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کا تیسرا مجموعہ ہے جس کے جامع و مرتب آپ کے مرید سید علاء الدین بن سعد حسینی ہیں یہ ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۷ محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں ، یہ اُس زمانے کے ملفوظات ہیں جب حضرت مخدوم جہانیاں ۷۸۰ء/۱۳۷۹ء میں دہلی تشریف لائے تھے اور سلطان فیروز تغلق مہم سامانہ پر گیا ہوا تھا، اُس کی ملاقات کے لئے آپ کو دس مہینے دہلی ٹھہرنا پڑا تھا، اُس زمانے میں لوگ آپ کی مجلس میں مختلف قسم کے علمی ، مذہبی ، فقہی اور تصوف کے متعلق سوالات کرتے تھے ۔ آپ ان کو جوابات دیتے تھے ، آپ کے ان ملفوظات کو سید علاء الدین بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے جمع کیا تھا، اس کا اُردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم" کے نام سے دو جلدوں میں مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے نواب سید نور الحسن کی فرمائش پر کیا جو مطبع انصاری دہلی سے شایع ہوا، یہ ترجمہ (۸۵۵) صفحات پر مشتمل ہے، اِن ملفوظات میں تصوف کے اہم حقائق و معارف، شرعی ، فقہی ، اخلاقی اور معاشرتی مسائل ہیں ۔

**مکتوبات** ان کے علاوہ حضرت مخدوم جہانیاں کے مکتوبات کا ایک قلمی مجموعہ "مقرر نامہ" کے نام سے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی لائبریری سبحان اللہ ، کلکشن میں موجود ہے ، جس کا نمبر ۲۹۷/۱۱/۷۱ ف ہے۔

---

[1] سراج الہدایہ قلمی مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۲۶ الف [2] ایضاً ص ۲۴۔ب [3] بزم صوفیہ ص

اس کے جامع تاج الحق والدین احمد ابن معین سیاہ پوش علوی ہیں، اس کی ترتیب وتدوین کی تکمیل ۶ رجب ۷۷۶ھ میں ہوئی یہ مجموعہ ان بیالیس خطوط پر مشتمل ہے جو آپ نے مولانا عزالدین کے نام تحریر فرمائے تھے، اس مجموعے کے کاتب کا نام ملّا الہ یار ہے، ہم ان مکاتیب میں سے بعض خطوط کے اقتباسات ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ایک خط میں مولانا عزیز الدین کو تحریر فرمایا۔

پیوستہ در آں بکوشد کہ در زمرۂ اہل صُفّہ درآید، یعنی در عمل بکوشد و در مجاہدہ باشد[1]

ایک اور گرامی نامے میں اُن کو تحریر فرمایا:-

ہر عالم و درویش کہ مبتلا بنفس و ہوا باشد، او از جملہ معانی حقائق محجوب بماند[2]۔

ایک اور والا نامے میں اُن کو لکھا:-

علی الدوام باید کہ نفس خود را نصیحت گیرد کہ تا سعادت ہر دو جہاں یابد، در سنت پیغمبر علیہ السلام متابعت کند، تا سعادت و کرامتِ سرمدی یابد کما قال النبی من خالف سنتی فھو کافر، باید کہ پیوستہ از صحبتِ ملوک و اغنیا اجتناب نماید، تا ثمرۂ سالکان از خدا عزوجل یابد[3]۔

—— ❖ ——
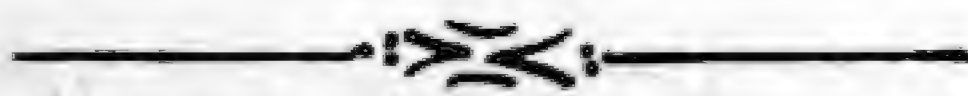
[1] مقرر نامہ قلمی - مکتوب نمبر ۱۹     [2] مقرر نامہ قلمی - مکتوب نمبر ۱۸

[3] مقرر نامہ قلمی - مکتوب نمبر ۱۶

مقرر نامہ کی ان تمام معلومات کے لئے میں اپنے عزیز ترین دوست محمد ایوب قادری کا ممنون ہوں کہ انھیں کی بدولت اس کتاب کے متعلق یہ معلومات حاصل ہوئیں۔

(۲۰۶)

# سیّد شاہ جمال قادری سہروردی

**حالات** سید شاہ جمال قادری شیخ لکرا کے مرید و خلیفہ تھے، اُن کا سلسلۂ طریقت چند واسطوں سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے جا ملتا ہے، اُن کا شجرۂ طریقت یہ ہے :-

شاہ جمال، شاہ لکرا بیگ، شاہ شرف، شاہ معروف، جعفر الدین، فہیم الدین سہروردی، شیخ جمال، شیخ عارف صدر الدین، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی۔

سید شاہ جمال کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ اور جمالِ صوری و معنوی کا پیکر تھے، اُن کے دوسرے بھائی کا نام سید جلال تھا، وہ بھی اہلِ حال اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔

**وفات** سید شاہ جمال نے شاہجہاں کی حکومت[1] کے زمانے میں وفات پائی، اُن کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ سید جمال کی

---

[1] جہانگیر کی وفات کے بعد شاہزادہ خرم شاہجہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا، اس کا عہدِ حکومت جمادی الآخر ۱۰۳۷ھ م جنوری ۱۶۲۸ء سے یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ م جولائی ۱۶۵۸ء ہے۔ (تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۵۱۱ و ص ۵۳۷)۔

عادت مبارک تھی کہ اکثر اوقات اپنے حجرے میں عبادت و ریاضت کے لئے چلّہ کھینچتے تھے، ایک دفعہ اُنھوں نے اپنے حجرے میں چلّہ کھینچا، اُن کے ارشاد کے مطابق حجرے کا دروازہ بند کردیا گیا تیس روز گزرے تھے کہ بارش اس قدر سخت ہوئی کہ حجرے کا ایک حصہ بارش کی وجہ سے گر پڑا، اسی حادثے میں اُنھوں وفات پائی، اشارۂ غیبی کی بنا پر مریدوں نے اسی حجرے کو مدفن قرار دے کر نشان قبر قائم کیا، اُن کا مزار مبارک لاہور میں اُچھرہ کے قریب ایک ٹیلے پر واقع ہے جسے دمدمہ کہا جاتا ہے[1]

تاریخ لاہور مؤلفہ عبداللطیف میں ہے کہ اُنھوں نے ۱۰۶۱ھ ۱۶۵۰ء میں وفات پائی، ان کے ایک بھائی شاہ کمال بھی تھے، اُن کا مزار بھی اپنے بھائی کے مزار کے قریب اچھرہ میں واقع ہے[2]

---

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم۔ ص ۹۸ تا ۱۰۰

[2] تاریخ لاہور۔ عبداللطیف۔ ص ۲۰۱

(۲۷)
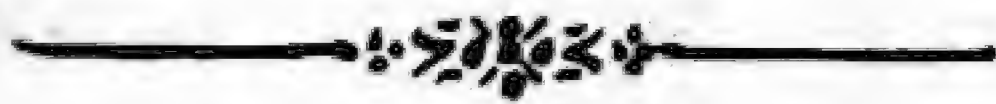
# شیخ جان محمد لاہوری

**حالات**

شیخ جان محمد لاہوری، شیخ محمد اسماعیل کلاں لاہوری کے مرید وخلیفہ تھے، طریقت وشریعت، فقہ وحدیث میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے، اور لاہور کے محلہ پرویز آباد میں سکونت رکھتے تھے۔

بچپن میں شیخ محمد اسماعیل کے خلیفہ شیخ عبدالحمید کی خدمت میں تعلیم کے لئے حاضر ہوئے۔ اور اُن سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن طالب علمی کے زمانے میں اپنے اُستاد کے ساتھ شیخ محمد اسماعیل لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ محمد اسماعیل اُن کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے، اور محبت سے فرمایا اے لڑکے جب تم عالم وفاضل ہو جاؤ گے تو ہمارے ساتھ حدیث کا تکرار کرو گے، شیخ جان محمد فرطِ ادب اور شرم وحیا سے خاموش رہے۔ لیکن اُن کے اُستاد شیخ عبدالحمید نے فرمایا بیٹا جواب کیوں نہیں دیتے، کہو کہ اگر میں آپ آپ کی برکت سے علم کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا، شیخ جان محمد نے اپنے اُستاد کے ارشاد کے مطابق یہ ہی جواب دیا، شیخ محمد اسماعیل نے خوش ہو کر اُن کے لئے دعا فرمائی۔ شیخ کی دعا قبول ہوئی اور اُنھوں نے علم وفضل میں غیر معمولی تبحر وکمال حاصل

کیا، شیخ عبدالحمید نے جب دیکھا کہ اُن کا شاگرد علم و فضل میں اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ اب اس کے لئے کسی دوسرے اُستاد کی ضرورت ہے تو وہ اُن کو مولانا تیمور لاہوری کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور اُن کو تعلیم کے لئے مولانا تیمور لاہوری کے سپرد کیا، شیخ جان محمد نے تھوڑے ہی دن میں تحصیل علم کر کے مولانا تیمور سے سند اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔

**بیعت**

شیخ محمد اسماعیل کلاں لاہوری ایک روز اپنے مدرسے میں محو مراقبہ تھے کہ دورانِ مراقبے میں شیخ جان محمد لاہوری کا خیال آیا، اور اُنھوں نے شیخ جان محمد کی طرف توجہ دی، شیخ کی کشش نے اُن پر اس درجہ اثر کیا کہ وہ فوراً بیقرار ہو کر شیخ محمد اسماعیل کلاں کے حُجرے کے دروازے پر پہنچے، اور دروازہ کھٹکھٹایا، شیخ محمد اسماعیل نے ان کو فوراً اندر بلا لیا، بغل گیر ہوئے، اور بیعت کر کے ان کو مراتبِ عالی پر پہنچا دیا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے وعدے کے مطابق دوشنبہ اور جمعہ کے دن ہمیں حدیث کا تکرار کرایا کرو، چنانچہ وہ شیخ محمد اسماعیل کی زندگی تک پابندی سے ان دو دنوں میں اپنے شیخ کو حدیث کا تکرار کراتے تھے، اور لاہور کی مسجد قصابان میں درس دیتے تھے[1]

**معیشت**

نزہۃ الخواطر میں ہے کہ وہ اپنی روزی اپنی محنت سے حاصل کرتے تھے[2]

**وفات**

شیخ جان محمد لاہوری نے ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی قطعۂ تاریخ وفات جو آپ کے مزار پر تحریر ہے وہ یہ ہے:-

---

[1] خزینۃ الاصفیاء۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۳ و ۱۱۴ و ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند۔ مترجمہ محمد ایوب قادری۔ ص ۱۴۳-۱۴۴ شایع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی [2] نزہۃ الخواطر۔ جلد ۵ ص ۱۰۵۔

جہان معنی د جانِ محمد
کہ از عشقِ محمد گشت محمود
خرد از فضلِ حق تاریخ سالش
"وصالِ عاشق و معشوق" فرمود[1]

۱۱۲۰ھ

مزارِ مبارک گڑھی شاہو کے قریب اُس سڑک پر واقع ہے جو میاں میر کے مزار کو جاتی ہے۔

اورنگ زیب نے ۶۵ ایکڑ زمین شیخ جان محمد لاہوری کی اہلیہ نور خاتون کو عطا فرمائی تھی، اس فرمان کی عبارت ہمیں تاریخ لاہور میں ملتی ہے[2]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۴

[2] تاریخ لاہور۔ عبداللطیف۔ ص ۱۷۲ پر یہ فرمان منقول ہے۔

(۲۸)

# شاہ چراغ لاہوری

**نام ونسب**

آپ کا اسمِ گرامی سید عبدالرزاق لقب شاہ چراغ اور آپ کے والد کا نامِ نامی سید عبدالوہاب تھا، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔

سید عبدالرزاق بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث بن محمد غوث بالا پیر زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث اُچی گیلانی۔

جب آپ پیدا ہوئے اُس وقت آپ کے دادا سید عبدالقادر ثالث حیات تھے، اُنھیں سید عبدالرزاق کی پیدائش کی اطلاع دی گئی، اِس خبر کو سُن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے گھر میں ایک چراغ پیدا ہوا ہے، جو اس خاندان کو روشن کرے گا، اُسی روز سے آپ چراغ شاہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

**بیعت**

شاہ چراغ نے سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد ماجد سید عبدالوہاب کے دستِ حق پرست بیعت کی جو اپنے عہد کے عظیم المرتبت شیوخ میں تھے، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے والد ہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

**سیاحت** شاہ چراغ ایک عرصے تک مختلف ممالک کی سیاحت کرتے رہے، پھر زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، اور وہاں کے شیوخ سے بھی روحانی فیوض حاصل کیے۔

**شاہ جہاں کی عقیدت** شاہ جہاں بادشاہ آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا، اُس کی تمنا تھی کہ آپ کے کسی ایک صاحبزادے سے اپنی لڑکی منسوب کرے، لیکن آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔

**مناقب** صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کے محامد و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

جامع بود میانِ علوم ظاہری و باطنی، و شرافت و نجابت و سیادت و شجاعت و سخاوت، خرقۂ ارادت و خلافت از پدر بزرگوار خود داشت۔

**وفات** شاہ چراغ ۲۲ ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، شاہ جہاں نے آپ کے روضۂ مبارک کی تعمیر کی۔

مُفتی غلام سرور نے اِس قطعہ میں آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے:۔

شاہِ دنیا، شاہِ عقبیٰ شہ چراغ
رفت چوں آواز جہاں اندر جہاں
گشت روشن سالِ ترحیلش ز دل
"سیدِ حق آفتابِ عارفاں"
۱۰۶۸ھ

**اولاد** شاہ چراغ نے اپنے بعد سات صاحبزادے چھوڑے جو سب کے سب علم و فضل، زہد و ورع میں اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے، لیکن آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے سید مصطفیٰ نے مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی، سید مصطفیٰ ابن شاہ چراغ نے ۱۳ ر شعبان ۱۰۸۴ھ کو وفات پائی۔[1]

---

[1] شاہ چراغ کے تمام حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۷۲-۱۷۳ سے ماخوذ ہیں۔

(۶۹)

# شیخ حسن افغان

**حالات** شیخ حسن افغان، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مقبول ترین خلفاء میں اور سلسلۂ سہروردیہ کے مشہور شیوخ میں تھے۔ وہ کوہ سلیمان کے رہنے والے تھے کہ جس میں افغان رہتے ہیں۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ وہ اپنے زہد و عبادت، ذوق و شوق، عشق و محبت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، علوم ظاہری سے محض اُمّی تھے، حروف تہجی تک کی شناخت نہ تھی، لیکن علوم باطنی کی اس اعلیٰ منزل پر فائز تھے گویا لوحِ محفوظ کا علم اُن کے سینے پر منقش تھا[۱]۔ ان کی بزرگی کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگوں نے ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ کر دیں، جس میں سے ایک سطر میں کلام مجید کی ایک آیت تھی، دوسری سطر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث تھی، اور تیسری سطر میں مشائخ کرام کے اقوال تھے، پھر اُن سے پوچھا بتائیے کہ کس سطر میں رسول اکرمؐ کی حدیث ہے، اور کس سطر میں مشائخ کرام کے اقوال ہیں، شیخ حسن نے سب سے پہلے اس سطر پر انگلی رکھی جس میں آیت قرآنی لکھی ہوئی تھی، اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا نور مجھے

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۲۴۳

زمین سے لے کر عرش تک نظر آتا ہے، پھر اُس سطر پر اُنگلی رکھی جس میں حدیث تحریر تھی اور کہا کہ یہ رسول اکرمؐ کی حدیث ہے، اس کا نور میں ساتویں آسمان تک دیکھتا ہوں، پھر اُنھوں نے اُس سطر پر اُنگلی رکھی جس میں اقوالِ مشائخ تھے، اور فرمایا کہ بزرگانِ دین کے اقوال ہیں، ان کا نور میں زمین سے آسمان دیکھتا ہوں[۱]۔

**کشف** صاحب کشف تھے، اُن کی کشفی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مغرب کی نماز کے ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے، اور جماعت میں شریک ہو کر امام کی اقتداء کی جب نماز ختم ہوگئی تو آپ امام کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشے میں لے گئے، اور تنہائی میں اُس سے فرمایا کہ امام صاحب ہم نے نماز میں تمھاری اقتداء کی، تم عین نماز میں دہلی سے ہندوستان گئے، اور وہاں سے غلام خرید کر اُن غلاموں کو ملتان لائے، پھر وہاں سے اُن کو فروخت کرنے کے لئے غزنی گئے، اور ہم تمھارے پیچھے دست بستہ ننگے پاؤں پھر رہا تھا، تم ہی بتلاؤ کہ میں ایسی نماز کا کیا نام رکھوں[۲]۔

**وفات** شیخ حسن افغان نے ۶۸۹ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار پُرانوار، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضہ مبارک کے عقب میں واقع ہے[۳]۔

**فضائل** شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ان کے متعلق بارہا فرمایا کہ اگر قیامت کے روز حق تعالےٰ سوال کرے گا کہ کیا لے کر آیا ہے تو میں عرض کروں گا، کہ حسن افغان کو لے کر آیا ہوں[۴]۔

---

[۱] سیر العارفین ص ۱۱۱ [۲] سیر العارفین۔ ص ۱۱۲۔ اخبار الاخیار ص ۷۶۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۳۴-۳۵ [۳] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۳۵ [۴] سیر العارفین ص ۱۱۱۔

(۳۰)

# شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی ہنکاری

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی شیخ حمید الدین، کنیت ابو حاکم اور لقب سلطان التارکین تھا، آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت ابو سفیان بن حارث سے جا ملتا ہے۔

شیخ حمید الدین بن سلطان بہار الدین بن سلطان قطب الدین بن سلطان رشید الدین بن سلطان ابو علی بن شیخ المشائخ شیخ موسیٰ ہنکاری بن شیخ ابو طاہر بن شیخ المشائخ ابراہیم ابو الحسن علی ہاشمی ہنکاری بن شیخ محمد ہنکاری بن شیخ یوسف ہنکاری بن شیخ شریف عمر بن شیخ شریف عبد الوہاب بن حارث قریشی۔

شیخ حمید الدین کے دادا سلطان قطب الدین کیچ و مکران کے بادشاہ تھے، اور آپ کے نانا حضرت سید احمد توختہ جیسے جلیل القدر درویش تھے سید احمد توختہ نے ہندوستان آتے ہوئے اپنی صاحبزادی بی بی حاج کی شادی سلطان قطب الدین کے صاحبزادے سے کر دی تھی۔

**ولادت** سلطان التارکین ابو المغیث شیخ حمید الدین کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ھ میں ہوئی، ابھی آپ کی

عمر تین ہی سال کی تھی کہ آپ کے دادا سلطان قطب الدین نے وفات پائی۔ اور آپ کے والد سلطان بہاء الدین مسندِ حکومت پر بیٹھے، بارہ سال کی حکومت کے بعد سلطان بہاء الدین نے تخت و تاج اپنے بھائی سلطان شہاب الدین کے حق میں چھوڑ کر درویشی اختیار کی، سلطان شہاب الدین کی حکومت کو دو سال ہی گزرے تھے کہ انھوں نے وفات پائی، سلطان شہاب الدین کے دو صاحبزادے، امیر ابو البقا اور ملک سرور بالکل بچے تھے، اس لیے تختِ سلطنت پر شیخ حمید الدین بیٹھے، تقریباً آپ اکیس سال تک نہایت عدل و انصاف سے بادشاہی کرتے رہے۔

**ترکِ سلطنت** آخر آپ نے ترکِ سلطنت کر کے اپنی جگہ اپنے چچازاد بھائی امیر ابو البقا کو تختِ شاہی پر بٹھایا۔

"ذکر کرام" میں آپ کے ترک سلطنت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ حمید الدین اپنی حکومت کے زمانے میں دوپہر کو ایک باغ میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ اس باغ اور محل کی نگرانی اور آپ کی خدمتِ فرش گستری نونیت نامی ایک لونڈی کے سپرد تھی، جو ہمیشہ آپ کا بستر بچھاتی تھی، ایک دن شیخ حمید الدین آرام کے لئے اس محل میں تشریف لائے، دیکھا کہ آپ کے بستر پر نونیت لونڈی سو رہی ہے، یہ دیکھ کر آپ کو بیحد غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس لونڈی کے سزا کے کوڑے لگائے جائیں، چنانچہ اس حکم کی فوری تعمیل ہوئی، اور لونڈی کے کوڑے لگائے جانے لگے، لیکن وہ بجائے آہ و بکا کے ہر کوڑے پر ہنستی تھی، آپ کو لونڈی کی اس حرکت پر تعجب ہوا، اور آپ نے اس کو بلا کر اس سے اس کی وجہ پوچھی، لونڈی نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ میں سوچتی ہوں کہ جب اس آرام دہ بستر پر بے اختیارانہ نیند کی یہ سزا ہے تو ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو ہمیشہ اس بستر پر سوتے ہیں، لونڈی کے اس جواب نے شیخ حمید الدین کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اور دل دنیا سے متنفر

ہو کر زہد و ورع کی طرف مائل ہو گیا۔

**لاہور میں تشریف آوری** ترکِ سلطنت کے بعد شیخ حمید الدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ لاہور آئے اور اپنے نانا حضرت سید احمد توختہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے دستِ حق پرست پر طریقۂ شطاریہ میں بیعت کی، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

**سید احمد توختہ کی وصیت** جب حضرت سید احمد توختہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنھوں نے شیخ حمید الدین سے ارشاد فرمایا کہ صاحبزادے! اب تمھارا حصّہ ایسے شخص کے پاس ہے جو سلسلۂ سہروردیہ میں مرید ہے۔

**شیخ شہاب الدین[1] سہروردی کی خدمت میں حاضری** حضرت سید احمد توختہ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق بغداد میں

---

[1] شیخ شہاب الدین ابو الحفص عمر بن محمد بکری سہروردی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اُن کی ولادت رجب ۵۳۹ھ میں ہوئی۔ اُنھوں نے فیض روحانی اپنے چچا ابو نجیب سہروردی سے حاصل کیا، اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی صحبت میں بھی رہے، ان کے علاوہ بھی وہ دوسرے مشائخینِ کبار کی خدمت میں حاضر رہے، کہا جاتا ہے کہ وہ جزیرۂ عبادان میں بعض ابدالوں کے ساتھ بھی رہے، اور اُنھوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے اُن سے فرمایا کہ تم عراق کے آخر مشہور ہونے والوں میں ہو، شیخ سعد الدین حموی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی کو کیسا پایا؟ فرمایا وہ ایک دریا موجیں مارنے والا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، پھر اس نے پوچھا کہ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی

شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ شہاب الدین نے انھیں بشارت دی کہ تمھارا حصہ شیخ رکن الدین ابو الفتح بن صدر الدین بن عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس ہے، اگرچہ ابھی اُن کا زمانۂ ولایت بہت دور ہے لیکن مجھے توقع ہے کہ تم اُن کے عہد ولایت کو پاؤ گے، اور اُن سے اپنا حصہ حاصل کرو گے۔

## ملتان میں حاضری

چنانچہ شیخ حمید الدین آپ کے ارشاد کے مطابق ملتان حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصے تک شیخ رکن الدین کی ولایت کے منتظر رہے، جب شیخ رکن الدین نے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے)

کو کیسا پایا، فرمایا اتباعِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو نور سہروردی کی پیشانی میں چمکتا ہے وہ دوسرا ہی ہے، شیخ شہاب الدین اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے، اور ارباب طریقت دور دور سے اُن کے پاس مسائل طریقت پوچھنے کے لئے آتے تھے، شیخ شہاب الدین نے ۶۳۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ آن کی تصانیف میں عوارف، اعلام الہدیٰ مشہور ہیں۔

شیخ شہاب الدین نے ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت اور فروغ کے لئے بہت سے مرید بھیجے تھے مشہور ہے کہ انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں، ان کے خلفاء میں شیخ نور الدین مبارک غزنوی، شیخ ضیاء الدین رومی، قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی مشہور ہیں۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے سلسلہ سہروردیہ کو ہندوستان میں غیر معمولی ترقی دی، اور انھوں نے ملتان اور اُچ میں سہروردیہ سلسلے کی خانقاہیں قائم کیں۔

(ماخوذ از نفحات الانس صفحہ ۴۲۰ و تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۱۳۲)

مسندِ شیخت کو زینت بخشی تو وہ شیخ رُکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

## تبلیغ اسلام

پھر اُچ اور سکھر کے درمیانی علاقے میں آپ اعلائے کلمۃ الحق، تبلیغ اسلام اور ارشاد و تلقین میں مصروف رہے، اس کے بعد آپ قلعۂ مؤ میں تشریف لائے، یہ قلعہ رائے ساہسی دوم[2] نے تیار کرایا تھا، اور رانا گیلاش نے اس قلعے کی چار دیواری تیار کرائی تھی۔ یہاں بھی آپ کی بدولت بہت سے ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے[3]

## وفات

شیخ حمید الدین نے ایک سو سترہ[۱۶۷] سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۶۳۷ھ میں وفات پائی، سلسلۂ سہروردیہ میں آپ سے زیادہ طویل عمر کسی نے نہیں پائی۔

ذکرِ کرام میں ہے کہ اُن کی وفات ملتان میں ہوئی، لیکن اُن کی نعش ملتان سے لاکر مئو میں دفن کی گئی جو علاقہ بھاولپور تحصیل رحیم یار خاں کے ریلوے اسٹیشن ترنڈہ سے جانب شمال چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

## ملفوظات

شیخ حمید الدین کے ملفوظات "گلزارِ حمیدیہ" کے نام سے شایع ہو چکے ہیں، جو اب نایاب ہیں۔

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص ۵۴ - ۵۵ سے ماخوذ ہے۔

[2] رائے ساہسی سیہرس کا بیٹا تھا جو قبل اسلام اپنے باپ سیہرس کے بعد اَلور میں تخت نشین ہوا اور اُس نے اپنے باپ کے مقرر کردہ ملکی ضابطوں کو بحال رکھا، عدل و انصاف، نیک اطوار بخشش حلم، تواضع و سیاست اور دبدبے کو اپنا شعار بنایا، اور سندھ پر ایک عرصے تک حکومت کرتا رہا (معصومی)

[3] ذکرِ کرام تالیف محمد حفیظ الرحمن بھاولپوری مطبوعہ محبوب المطابع ص ۱۰۳ تا ۱۰۶۔

**شاعری** شیخ حمید الدین شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، اور حاکمؔ تخلص فرماتے تھے، ہم آپ کا ایک شعر تبرکاً یہاں نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے ہمعصر شیخ سعدیؒ[1] شیرازی کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

من حاکمم ولے چو ہوا خواہِ سعدیم
مشہور ابفضلِ رونقِ شیراز کردہ ام

---

[1] شیخ سعدی کا نام مصلح الدین ان کے والد کا نام عبد اللہ تھا، تخلص سعدی فرماتے تھے۔ شیراز کے نامور شاعر اور جلیل القدر علماء اور صوفیا میں تھے۔ ان کی ولادت ۵۹۵ھ میں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے وہ بہت سے ممالک کی سیاحت کرتے رہے، ہندوستان پہنچ کر سومنات کے بت کو توڑا، شیخ شہاب الدین سہروردی اور دوسرے اکابرِ مشائخ کی صحبت میں رہے، ان کی تصانیف میں گلستاں بوستاں کو ساری دنیا میں غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ شیخ سعدی نے ایک سو بیس سال کی عمر میں ۶۹۱ھ میں وفات پائی، ان کا مزار پُر انوار شہر شیراز کے باہر واقع ہے۔
(سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شیخ سعدی و خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۲۰۹)

(۳۱)

# مخدوم شیخ حامد

**نام و نسب** آپ کا اسمِ گرامی حامد تھا، آپ کے والد کا نام عبدالرزاق تھا جو سید عبدالقادر ثانی کے صاحبزادے تھے، شیخ حامد، حامد گنج بخش کے نام سے بھی مشہور تھے۔

صاحبِ اخبار الاخیار مخدوم شیخ حامد کے محامد و مناقب کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

مخدوم شیخ حامد رحمۃ اللہ علیہ ابن شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر الحسنی الجیلانی صاحبِ سجادۂ برحق و خلیفہ مطلق حضرت غوث الثقلین بود، بزرگ عالی شان و رفیع المکان، مظہرِ کبریاء و جلال، صاحب تصرف و کرامات و ابہت و عظمت و جلالت، ہمتے بس عالی داشت و مقامے بس بلند[1]

**بیعت و خلافت** شیخ حامد نے اپنے دادا شیخ عبدالقادر کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر اُن سے خرقۂ خلافت

---

[1] یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۶ اور خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۲۷ و ۱۲۸ سے ماخوذ ہے۔

حاصل کیا تھا، جو سلسلۂ قادریہ کے اکابرِ شیوخ میں شمار ہوتے تھے، شاہان وقت آپ کے دروازے کی خاک روبی کو اپنے لیئے باعثِ افتخار سمجھتے تھے۔

**رُشد و ہدایت** شیخ حامد تمام عمر یادِ الٰہی اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے، اور سلسلۂ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرتے رہے، اور خلقت میں قبولِ عظیم رکھتے تھے۔

**سخاوت و فیاضی** صاحب اخبار الاخیار اُن کی سخاوت و فیاضی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ حامد کے پاس دنیا کے اسباب میں سے کل چیزیں موجود تھیں، لیکن کبھی نصاب کے جس سے زکوٰۃ واجب ہو مالک نہ تھے۔

**انتخاب سجادگی** شیخ حامد نے اپنی زندگی ہی میں اپنے صاحبزادے شیخ موسیٰ کو اپنا خلیفہ اور سجادہ نشین منتخب کر دیا تھا۔

**وصال** شیخ حامد نے ۹۷۸ھ میں وصال فرمایا، آپ کا مزار پُر انوار اُچ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

**اولاد** شیخ حامد کے دو صاحبزادے تھے، شیخ موسیٰ اور شیخ عبد القادر، آپ کی وفات کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادوں میں سجادہ نشینی کے مسئلے پر جھگڑا شروع ہوا، اور یہ جھگڑا ایک مدت تک چلتا رہا، اور شیخ موسیٰ اپنا وطن چھوڑ کر اکبر آباد آگئے، اکبر نے ان کو پنجہزاری کا منصب دیا۔

شیخ موسیٰ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار کے پیر بھی تھے وہ رسالۂ وصیت میں شیخ موسیٰ سے اپنے مرید ہونے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

با مر پدر مرید حضرت سیدی          میں نے اپنے والد کے حکم سے حضرت

| | |
|---|---|
| سندی کلیم اللّٰھی الشیخ موسیٰ گیلانی ام۔ | سیدی سندی شیخ موسیٰ گیلانی سے بیعت کی۔ |

شیخ موسیٰ نے شیخ عبدالحق محدّث کو خلافت سے بھی نوازا تھا، خود ایک جگہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ شیخ موسیٰ مجھ سے بیحد محبت فرماتے تھے، مجھے فرزندی میں قبول کیا، تلقین فرمائی اور خلافت سے نوازا[1]

شیخ موسیٰ اتباعِ شریعت وسنت میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، صاحب اخبارالاخیار اُن کے محامد و اوصاف کی مدح سرائی اِن الفاظ میں کرتے ہیں۔

وے سلمہ اللہ تعالیٰ در خَلق و خُلق وارثِ حضرت نبوی ست، و در زمان خود صاحب سجادہ راستین سلسلۂ عالیہ قادریہ ست، اور ابدرگاہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ، ورائے نسبتِ باطنی نسبتے دیگر ست کہ اہلِ خصوص را باشد، بارہا بشرفِ رویتِ آں حضرت، حضرت عالم پناہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مشرف شدہ، و بحضرت مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی بطریق کشفِ قبور ملاقات نمودہ، بشرف بیعت وے مشرف گشتہ ست، و وے در شجاعت و سخاوت و علم و حلم وارثِ حضرت مرتضویہ رضیہ ست، و در حسنِ صورت و سیرت نقادہ ائمہ اثنیٰ عشر[2]

مُلّا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ شیخ موسیٰ شریعت کے معاملے میں اس قدر سخت اور اتنے پابند تھے کہ وہ اس معاملے میں بادشاہ کی بھی پروانہ کرتے تھے، اگر وہ بادشاہ کے حضور میں دیوان خانۂ خاص

---

[1] رسالہ وصیت

[2] اخبارالاخیار۔ ص ۲۰۶

یا عام میں ہوتے، اور نماز کا وقت ہو جاتا تو دیوان خانے میں خود اذاں دے کر نماز باجماعت شروع کر دیتے، اور کسی کو ان کے روکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی[1]

شیخ موسیٰ کی صحبت میں بڑی کشش تھی، جو اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا اُن کا گرویدہ ہو جاتا، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کا بیان ہے کہ وہ اس حدیث کا مصداق تھے:۔

کانت فی عینی موسیٰ ملاحۃً، مَن راہ احبہ[2]۔ — موسیٰ کی آنکھ میں ملاحت تھی، جو اُن کو دیکھ لیتا، اُن سے محبت کرتا۔

شیخ موسیٰ کے بھائی شیخ عبدالقادر کے متعلق رود کوثر میں ہے کہ شیخ موسیٰ کا اپنے بھائی شیخ عبدالقادر سے سجادہ نشینی کے سلسلے میں تنازعہ ہوا تھا، اور شیخ عبدالقادر اس سلسلے میں فتح پور بھی آئے تھے، لیکن ایک دو باتوں پر ان کی اکبر سے چپقلش ہو گئی، اور انھوں نے وراثت و مدد معاش کا قضیہ ترک کرکے اُچ میں واپس جاکر متوکلانہ زندگی شروع کر دی[3]۔

**خلفاء** شیخ حامد کے خلفاء میں شیخ شیر علی شاہ[4]، شیخ داؤد کرمانی اور شیخ موسیٰ مشہور ہیں[5]۔

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۹۲

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۶

[3] رود کوثر مؤلفہ شیخ اکرام ص ۶۱

[4] شیخ شیر علی شاہ کا مقبرہ ملتان سے سات کوس کے فاصلے پر مغربی جانب واقع ہے (خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ ص ۱۲۸

[5] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ ص ۱۲۸

(۳۲)

# شیخ حسین لاہوری

**نام ونسب** آپ کا اسم گرامی شیخ حسین، آپ کے والد کا نام شیخ عثمان ڈھاڈکہ تھا، جو کپڑا بن کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔

**ولادت** شیخ حسین ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے، اور سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید کی تعلیم شیخ ابوبکر سے حاصل کی جو حافظ قرآن مجید اور عالم تھے، دس سال کی عمر میں آپ حفظ قرآن مجید سے فارغ ہوئے۔

**بیعت** اسی زمانے میں شیخ بہلول[۱] دریائی لاہور تشریف لائے۔ اور انھوں نے مسجد شیخ ابوبکر میں قیام فرمایا۔ شیخ حسین بھی اتفاق سے اس مسجد میں آگئے، شیخ بہلول دریائی نے ان سے فرمایا، میاں صاحبزادے ہمیں وضو وغیرہ کے لئے تھوڑا سا پانی لادو، شیخ حسین نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی، اور دریا سے پانی ایک لوٹے میں آپ کی وضو کے لئے رکھا، شیخ بہلول نے وضو کرکے دوگانہ ادا کیا، اور دعا فرمائی کہ الٰہی

---

[۱] شیخ بہلول دریائی قادریہ سلسلے کے جلیل القدر شیوخ میں تھے، وہ شاہ لطیف بری

اس لڑکے کو عارف بنا، اور اپنا عشق و محبت عطا کر، دعا نے اُسی وقت قبولیت کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور شیخ حسین نے فوراً ہی آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور شیخ بہلول نے چند سال میں شیخ حسین کو عرفان و سلوک کی اعلیٰ منزلوں پر پہنچا دیا۔

## ریاضتیں اور مجاہدے

شیخ حسین ۲۶ سال تک مسلسل ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف رہے، دن کو دریائے راوی کے کنارے جنگلوں اور بیابانوں میں اپنا وقت عبادتِ الٰہی میں گزارتے تھے، اور رات کو شیخ ابوالحسن ہجویری کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوتے اور محویت و مراقبے میں ساری ساری رات گزارتے تھے۔

## تفسیر مدارک کا درس

شیخ حسین کی عمر چھتیس سال کی تھی ایک روز وہ شیخ سعد اللہ لاہوری[1] سے تفسیر مدارک کا درس لے رہے تھے، جب وہ اِس آیت پر پہنچے، وما الحیوۃ الدنیا الالھو ولعب، اور شیخ سعد اللہ نے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ[1])

قادری کے مرید و خلیفہ تھے، حقیقت الفقراء میں ہے کہ شاہ لطیف برّی کی وفات کے بعد تصوف کے بعض مشکل مسائل کے حل کرنے کے لئے نجف اشرف گئے، اور حضرت علی کے روضۂ مبارک پر دو سال تک معتکف رہے، پھر کربلائے معلیٰ حاضر ہوئے، اور روضۂ امام مجتبیٰ پر حاضر ہوئے، اور باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوئے پھر بغداد حاضر ہوئے، اور حضرت غوث اعظم کے روضے پر ایک سال تک معتکف رہے۔ شیخ بہلول نے ۹۸۳ھ میں وفات پائی بہلول شاہی سلسلہ ان ہی بزرگ سے چلا۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۴۲)

[1] شیخ سعد اللہ اولیسی لاہوری علم و فضل اور صلاح و

اس کے ظاہری معنی بیان کئے تو شیخ حسین نے کہا میں ظاہری معنی نہیں پوچھتا، مجھے تو حال چاہیے، یہ کہہ کر آپ پر سرمستی کی کیفیت طاری ہوئی، اور کتاب کو دریا میں ڈال دیا، اور طریقۂ ملامتیہ اختیار کر لیا۔

**وفات** شیخ حسین نے ماہ جمادی الثانی ۱۰۰۸ھ میں اکبر کے دورِ حکومت میں وفات پائی "مستِ عشق ازل" سے اُن کا سنہ وفات نکلتا ہے[۱]۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

تقویٰ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے۔ وہ شیخ عبدالجلیل بن عمر صدیقی بیانوی ثم لکھنوی کے مرید تھے، ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر روحانی اکتساب کرتے رہے۔ پھر مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ (نزہتہ الخواطر۔ جلد ۵ ص ۱۵۶۔

(فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ہذا ۱)

۱ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء سے ماخوذ ہے۔

(۳۴)

# شیخ حسن گنجذگر

مشہور بہ

# حسو تیلی

**حالات** شاہ حسن گنجذگر شاہ جمال لاہوری کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، ابتداءً لاہور میں غلہ فروشی کا کاروبار کرتے تھے، ایک روز شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضانِ باطنی کے طالب ہوئے شاہ جمال نے فرمایا کہ غلے کی خرید و فروخت میں ناپ و تول کی برابری کا خیال رکھو، اسی روز سے شیخ حسن نے کم تولنا موقوف کیا، اور اپنا طریقہ یہ بنایا کہ جو گاہک اُن کے پاس آتا تھا، ترازو اور باٹ اُس کو دیتے اور کہتے تھے کہ تم خود غلہ تول لو، یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو تجارت میں اس قدر برکت دی کہ انھوں نے ترازو اور باٹ سونے سے بنالئے، ایک روز وہ شیخ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی دعا سے خدا نے مجھے اس قدر برکت عنایت فرمائی ہے کہ میں نے ترازو اور باٹ بھی سونے کے بنائے ہیں، فرمایا کہ ان کو دریا میں ڈال دو، شیخ حسن نے آپ کے ارشاد کے مطابق وہ ترازو اور باٹ دریا میں ڈال دیئے، اتفاق

سے دو روز کے بعد دیہات کے کچھ غلّہ فروش اُس دریا سے گزرے، وہ ترازو اور باٹ اُن کے پاؤں کو لگے، وہ اُس ترازو اور باٹ کو اٹھا کر شیخ حسن کے پاس لائے، اور کہا کہ تمھاری یہ ترازو اور باٹ ہمیں دریا میں سے ملے ہیں، ہم اُن کو لے کر تمھارے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ تمھاری چیز تم کو پہنچا دیں۔ شیخ حسن اس ترازو اور باٹ کو لے کر شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اگرچہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق اِن کو دریا میں ڈال دیا تھا، لیکن یہ پھر میرے پاس پہنچ گئے، شاہ جمال نے ارشاد فرمایا، اے حسن! یہ تمھارے معاملے کی صفائی اور راست بازی کا امتحان تھا، جب سے تم نے کم تولنا چھوڑا، اور اپنے آپ کو راست بازی اور سچائی سے آراستہ کیا، خدا نے تمھیں برکت عنایت فرمائی، تم نے دیکھا کہ جو کچھ تم نے راست بازی اور دیانت داری سے کمایا، باوجود اس کے کہ تم نے اُسے دریا میں ڈال دیا، وہ بھی تمھیں واپس مل گیا، شیخ حسن پر شاہ جمال کی اِس گفتگو کا اِس قدر اثر ہوا کہ وہ سب کچھ راہِ خدا میں لٹا کر سلسلۂ سہروردیہ میں شاہ جمال کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور چند سال کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد کے تصوف کے اعلیٰ منازل پر فائز ہوئے۔[1]

شیخ حسو، مادھولال حسین کے معاصر تھے، اُن کی دوکان چوک جھنڈے میں ابھی تک موجود ہے۔

**وفات** شیخ حسن نے ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء میں وفات پائی، اُن مزار پُرانوار لاہور میں ہے۔[2]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۱۹۰ سے ماخوذ ہے۔

[2] تاریخ لاہور۔ عبداللطیف

(۳۴)

# شیخ حامد قادری سہروردی

**حالات**

شیخ حامد قادری سہروردی کے والد کا اسم گرامی حسن تھا. شیخ حامد علومِ ظاہری و باطنی زہد وورع، تقویٰ اور قرات وتجوید میں پورے پنجاب میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، شیخ حامد کی ولادت باسعادت ۱۰۷۱ھ میں عہدِ عالمگیر[1] میں ہوئی۔

**بیعت**

اُنھوں نے سلسلۂ سہروردیہ میں مولانا تیمور لاہوری کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، اُن کا سلسلۂ طریقت یہ ہے:۔

شیخ حامد، مولانا تیمور لاہوری، مولانا عبد الکریم،
مخدوم طیب، شیخ برہان الدین، مخدوم جین، شیخ میلون
شیخ حسام الدین متقی ملتانی۔

---

[1] عہد عالمگیر دیکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ م جولائی ۱۶۵۸ء سے وفات ذی قعدہ ۱۱۱۸ م فروری ۱۷۰۷ء، تاریخ مسلمانان پاکستان وبھارت ص ۵۳۶ و ص ۵۶۶۔

**درس وتدریس** شیخ حامد لاہور میں درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، اور اپنے زمانے میں مرشد زمانہ اور اُستاد یگانہ تھے، حکّام وقت اُن کی غاشیہ برداری کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

**وفات** شیخ حامد نے ۹۵ سال کی عمر میں ۱۱۶۶ھ ہجری میں وفات پائی[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۱۱۴

(۳۵)

# شیخ حامد لاہوری

**حالات**

شیخ حامد لاہوری، سید آدم بنوری کے خلفائے خاص میں تھے، وہ روحانیت کے اس بلند مرتبے پر فائز تھے کہ حضرت سید آدمؒ نے اپنی موجودگی میں اُن کو اپنے طالب و مریدوں کو تلقین اور تربیت کی اجازت دی تھی۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیار کا بیان ہے کہ شیخ حامد کم بولتے، کم سوتے کم کھاتے، اور بے ضرورت بات نہ کرتے تھے، امرا اور دولتمندوں کی صحبت سے متنفر تھے۔

**وفات**

شیخ حامد لاہوری نے جمعرات ۲۲ رجمادی الآخر ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیار جلد اول۔ ص ۶۳۵ تا ۶۳۶۔

(۳۶)

# خواجہ خدا بخش

**نام و نسب** اسمِ گرامی خدا بخش، آپ کے والد محترم کا نام احمد علی، اور دادا کا نام خواجہ محمد عاقل تھا؛ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے[1]۔

**سجادہ نشینی** خواجہ خدا بخش نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں اپنے والد خواجہ احمد علی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت حاصل کی، اور اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے سجادہ نشین ہوئے۔

**چاچڑاں میں منتقلی** سجادہ نشینی کے بعد خواجہ خدا بخش کچھ عرصے اپنے وطن کوٹ مٹھن میں مقیم رہے، لیکن اُسی زمانے میں سکھوں کے مظالم کی خبریں ڈیرہ غازی خاں سے آپ کے پاس پہنچنے لگیں، مسلمانوں نے خود اُن سے سکھوں کے مظالم بیان کئے۔ اور بتایا کہ سکھ اس قدر مظالم کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں نماز پڑھنے، اذان دینے اور تلاوت قرآن مجید سے روکتے ہیں، اور اگر ان کی کوئی بات نہ مانے

---

[1] مناقب فریدی۔ ص۔ ۲۶۔ ۲۷۔

تو اُسے بے دریغ قتل کر دیتے ہیں، لوگوں کی زبان سے یہ باتیں سُن کر آپ رونے لگے، اور فرمایا کہ مجھ سے مسلمانوں پر یہ مظالم نہیں دیکھے جاتے چنانچہ آپ ہجرت کر کے چاچڑاں تشریف لاتے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔[۱]

## رُشد و ہدایت

چاچڑاں تشریف لانے کے بعد آپ کی خانقاہ رُشد و ہدایت کا وہ مرکز بنی کہ دور دور سے لوگ آپ کے پاس ارشاد و تلقین کے لئے حاضر ہوتے تھے، آنے والوں کے لئے آپ نے اگرچہ اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر لنگر کا انتظام فرمایا تھا، جس سے عمدہ عمدہ کھانے لوگوں کو ملتے تھے، لیکن آپ خود سوکھی روٹی کھاتے تھے، بیماروں کے علاج اور اُن کی دیکھ بھال کے لئے آپ نے ایک دواخانہ بھی قائم کیا تھا، جس میں ایک طبیب ملازم تھا جو باقاعدہ مریضوں کا علاج اور اُن کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

مناقب فریدی میں ہے کہ اس کثرت سے زمیندار اور رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ روزانہ بارہ بارہ من غلہ گھوڑوں کی خوراک میں خرچ ہوتا تھا۔[۲]

## اتباعِ شریعت

اتباعِ شریعت کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ ترکِ سُنت بھی نہ فرماتے تھے۔[۳]

## استغنا

خواجہ خدا بخش کے آئینۂ اخلاق میں استغناء اور بے نیازی کا وصف نمایاں نظر آتا ہے، متعدد مرتبہ بعض رئیسوں اور نوابوں نے اُن کی خدمت میں جاگیریں پیش کیں، لیکن آپ نے قبول نہیں فرمائیں، ایک دفعہ نواب بہاول پور نے چند مواضعات پیش کئے تو آپ نے

---

[۱] مناقب فریدی ص ۷۵-۷۶-۷۷ [۲] ایضاً ص ۷۵ [۳] ایضاً ص ۷۵۔

رد کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے مشائخ نے کبھی یہ چیزیں قبول نہیں کیں، اس لئے میں بھی یہ قبول نہیں کرسکتا، اس کے علاوہ ان مواضعات کے قبول کرنے میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ زمین داری کے ساتھ مال گزاری کے جھگڑے پیش آئیں گے، پھر کبھی نہ کبھی عدالت اور کچہری کی نوبت پیش آئے گی۔ ان جھگڑوں میں پڑ کر فقیری کہاں باقی رہتی ہے، مجھے ان کی ضرورت نہیں، خدا مسبب الاسباب ہے[1]

**مدارس کا قیام اور درس و تدریس** خواجہ خدا بخش کے زمانے میں کئی مدارس قائم ہوئے، وہ ان مدارس میں صبح کے وقت نہایت پابندی سے حدیث، فقہ اور تصوف کا درس دیتے تھے[2]

**وفات** خواجہ خدا بخش نے ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ کو وفات پائی، مزار مبارک کوٹ مٹھن میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

**خلفا** آپ کے خلفاء میں (۱) غلام فخر الدین (۲) صاحبزادہ نصیر بخش (۳) کریم حیدر (۴) مولوی غلام کبریا (۵) مولوی محمد صالح ملتانی (۶) مخدوم عنایت شاہ (۷) حیدر بخش (۸) قاضی فتح محمد ملتانی (۹) سید لال شاہ مشہور ہیں۔

**اولاد** خواجہ خدا بخش کے دو صاحبزادے تھے، بڑے صاحبزادے کا نام مولانا فخر الدین اور چھوٹے صاحبزادے کا نام مولانا غلام فرید تھا۔

خواجہ خدا بخش کی وفات کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے مولانا فخر الدین مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے، مولانا فخر الدین نے ۵ جمادی الاوّل ۱۲۸۸ھ کو وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے ان کے چھوٹے بھائی مولانا غلام فرید نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔

---

[1] مناقب فریدی۔ ص ۷۵-۷۶ [2] ایضاً۔ ص ۷۵-۷۶

(۳۷)

# شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی داؤد، آپ کے والد کا نام نامی سید فتح اللہ تھا، آپ کے بزرگوں کا وطن کرمان تھا، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

سید داؤد کرمانی بن سید فتح اللہ بن سید مبارک بن سید فیض اللہ باقی بن سید صفی الدین آدم کرمانی بن سید نقی الدین احمد بن سید عبد المجید بن سید عبد الحفیظ بن سید عبد الرشید بن سید ابو الفتح بن سید ابو المکارم بن سید ابو المحاسن بن سید ابو الفیض بن سید ابو الفضل بن سید عبد الباقی بن ابو المعانی محمد بن سید ابو الوہب بن سید ابو الحیات بن سید محمد بن سید محمد ماہ بن سید شاہ محمد میر بن سید مسعود بن سید محمود بن سید ابو الاحمد بن سید داؤد بن سید ابو ابراہیم اسماعیل بن سید محمد بن موسیٰ مبرقع بن امام موسیٰ علی رضا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

**ہندوستان میں آمد** ہندوستان میں سب سے پہلے شیخ داؤد کے والد سید فتح اللہ تشریف لائے اور سیت پور میں سکونت اختیار کی پھر چند دن کے بعد وہ قصبہ چنی وال

میں جو لاہور سے جانب جنوب چالیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے منتقل ہو گئے۔

**ولادت** شیخ داؤد کے والد نے اُن کی ولادت سے چند ماہ پہلے وفات پائی اور اُن کی والدہ نے اُن کی پیدائش سے کچھ دیر بعد وفات پائی، اس لئے اُن کی پرورش اُن کے بڑے بھائی نے کی[1]

**تعلیم و تربیت** شیخ داؤد نے ابتدائی تعلیم و تربیت قصبہ چنی وال میں حاصل کی، پھر وہ تعلیم کے لئے لاہور تشریف لے گئے، اور بقیہ علوم کی تکمیل اُس زمانے کے مشہور عالم اور شاعر، مولانا جامی کے شاگرد شیخ اسماعیل بن عبداللہ اُچی[2] سے کی

**شیخ اسماعیل کی پیشین گوئی** شیخ اسماعیل اپنے عزیز شاگرد شیخ داؤد کی غیر معمولی صلاحیتوں اور زہد و ورع کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہماری

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۲۹ سے ماخوذ ہے نزہۃ الخواطر جلد ۴۔ ص ۱۰۸ پر ہے کہ شیخ داؤد کی پرورش ان کے والدین کی وفات کے بعد اُن کے بھائی نے کی۔

[2] شیخ اسماعیل بن عبداللہ بن محمد شریف حسنی اُچی ثم لاہوری، شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ یہ اُچ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ اُنھوں نے مولانا عبدالرحمان جامی سے بھی علوم ظاہری کا اکتساب کیا تھا، اُنھیں اس پر فخر تھا کہ ان کی ملاقات مولانا جامی سے ہوئی اور جامی کی شاگردی کی سعادت اُن کو میسر آئی، پھر عہدِ اکبر میں شیخ اسماعیل نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور اکبر نے ان کو کچھ زمین بطور انعام دے دی تھی، شیخ اسماعیل نے ۹۸۸ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۷ و ص ۱۰۸)

ملاقات مولانا جامی سے ہوئی اور ہم نے اُن سے علمی اکتساب کیا، اسی طرح یہ ہمارا شاگرد بھی شہرت، قبولیت، اور بزرگی کے اس مقام پہ فائز ہوگا کہ لوگ اس سے ملنے پر فخر کریں گے، اور اس کی ملاقات کو اپنے لئے باعثِ برکت سمجھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[1]

**بیعت** تعلیم کے زمانے میں ہی شیخ داؤد کی یہ حالت تھی کہ تمام تمام رات اس طرح نماز میں گزارتے کہ کبھی ساری ساری رات قیام میں رہتے، کبھی تمام رات رکوع میں گزر جاتی، اور کبھی تمام شب سجدے میں پڑے رہتے، چند سال آپ نے اس طرح صحرا میں گزارے کہ دنیا اور اہلِ دنیا سے آپ کو تعلق نہ تھا، ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد نسبت اویسی آپ نے براہِ راست حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی سے حاصل کی، اور حضرت غوث اعظم کے اشارۂ روحانی کے بعد سید حامد گنج بخش قادری کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

**ریاضتیں اور مجاہدے** شیخ حامد گنج بخش سے بیعت ہونے کے بعد بھی شیخ داؤد نے بڑی ریاضتیں کیں، آپ دیپال پور کے صحرا میں ننگے پیر اور ننگے سر پھرا کرتے تھے، سوائے جنگل کے پرندوں اور جانوروں کے کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا، ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد شیخ داؤد نے شیر گڑھ ضلع منٹگمری میں سکونت اختیار فرمائی۔

صاحبِ اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ وہ مجلس میں اس طرح مضطرب اور حیران بیٹھے رہتے جیسے وہ شخص بیٹھتا ہے جس کی کوئی چیز گم ہو جاتی ہے، یا کوئی شخص اپنے محبوب کے انتظار میں ہوتا ہے، پھر اچانک اُن پہ

---

[1] نزہۃ الخواطر۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۸

ذوق وشوق کی کیفیت طاری ہوجاتی، اور حقائق ومعارف بیان کرنے پر آتے تو نہایت ہی حکیمانہ نکتے بیان فرماتے، کبھی کبھی بیان فرماتے کہ عراق کی ہوائیں میرے دل کو چھو رہی ہیں جو اپنے ساتھ نفحات الٰہی کو لئے ہوئے ہیں، اکثر اوقات عراق کی جانب دیکھتے رہتے [۱]

## شیخ داؤد اور سلیم شاہ سوری

اُس زمانے میں جب کہ شیخ داؤد، شیر گڑھ میں ارشاد وتلقین میں مصروف تھے، یہ زمانہ سلیم شاہ سوری[۲] کی بادشاہت کا تھا، مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری[۳] کا ستارۂ اقبال سوریوں کے زمانے میں بھی عروج پر تھا۔

---

[۱] اخبار الاخیار۔ تذکرہ شیخ داؤد۔ ص ۲۰۷

[۲] سلیم شاہ کا اصل نام جلال خاں تھا، جو شیر شاہ سوری کا چھوٹا لڑکا تھا۔ اس کا بڑا بھائی شاہزادہ عادل خاں شیر شاہ سوری کی وفات کے وقت رن تھنبور میں تھا، پٹھانوں نے چھوٹے لڑکے جلال خاں کو بلاکر جو اس وقت مضافاتِ پٹنہ میں تھا، شیر شاہ سوری کی جگہ ۹۵۲ھ / ۱۵۴۵ء میں تخت نشین کیا، جلال خاں نے تخت نشین ہوکر اسلام شاہ کا لقب اختیار کیا، پھر آگے چل کر سلیم شاہ کے لقب سے مشہور ہوا، سلیم شاہ نے اپنے باپ کے آئین وانتظام کو برقرار رکھا، سرکاری ضوابط کی ایک کتاب مرتب کرائی۔ ۹۶۱ھ / ۱۵۵۴ء میں سلیم شاہ نے آٹھ سال دو ماہ اور آٹھ روز کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔ (ماخوذ از سیر المتاخرین جلد اوّل ذکر اسلام شاہ ص ۱۶۱ تا ۱۶۳)

[۳] مخدوم الملک کا نام عبداللہ، ان کے والد کا نام شمس الدین انصاری تھا، ان کے بزرگوں کا اصل وطن ملتان تھا، مخدوم الملک کے دادا ٹھٹے سے جالندھر منتقل ہوئے، اور مخدوم الملک سلطان پور (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالقادر سرہندی سے کتبِ درسیہ پڑھیں، پھر دہلی آئے، اور حدیث شیخ ابراہیم ابن معین حسینی ایرجی سے پڑھی، پھر اپنے وطن لوٹ کر درس وتدریس تصنیف وتذکیر میں مشغول

اور وہ سلیم شاہ کے عہد میں مذہبی امور کے صدر الصدور تھے، مخدوم الملک

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

ہو گئے، اور غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، ہمایوں نے انھیں شیخ الاسلام بنایا، اور صدر الاسلام کا خطاب انھوں نے شیر شاہ سوری سے حاصل کیا، اور وہ مسلسل عہدِ اکبر تک صدر الصدور رہے، تمام بادشاہ اور اُن کے اُمراء اُن کی عزّت کرتے تھے، شیر شاہ ان کی اس قدر تعظیم و تکریم کرتا تھا کہ ان کو اپنے پاس بٹھاتا تھا، اور ان کے سامنے نذریں پیش کرتا تھا، جب ہمایوں جلاوطنی کے بعد لوٹ کر آیا اور دوسری مرتبہ تخت پر بیٹھا تو اُس نے ان کو شیخ الاسلام کا لقب دیا، اکبر نے اُن کو اپنے دورِ حکومت میں مخدوم الملک کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

رودِ کوثر میں ہے کہ مخدوم الملک نے اپنے اثر و اقتدار کو دو کاموں کے لئے استعمال کیا، ایک تو کسبِ زر کے لئے اور دوسرے بادشاہوں کو فسادِ مملکت کا خطرہ دکھا کر ہر اُس عالم و درویش کو اذیت پہنچانے کے لئے جو اُن سے کسی مسئلے میں اختلاف رکھتا تھا، ان کے مال کے جمع کرنے کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مرے تو تین کروڑ روپے نقد ان کے گھر سے نکلے، اُن کے قبرستان سے کئی صندوق ملے جن میں سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں، اور جو قبروں میں مردوں کے بہانے سے دفن کئے گئے تھے، انھیں شرعی حیلوں سے شارع کا اصل مقصد ضائع کر دینے میں ذرا تامل نہ ہوتا تھا، زکوٰۃ کے متعلق ان کا یہ عمل تھا کہ سال کے آخیر میں تمام مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتے تھے، اور اُن کی بیوی سال بھر کے اندر وہ مال اُن کو واپس کر دیتی تھیں، اس حیلۂ شرعی سے وہ اپنے آپ کو ادائیِ زکوٰۃ سے بچائے رکھتے تھے، حج کے متعلق جب کوئی اُن سے پوچھتا کہ آپ پر حج فرض ہے تو فرضیت حج سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کہتے کہ اگر میں خشکی کے راستے سے جاؤں تو رافضیوں کے ملک سے گزرنا پڑتا ہے، سمندری راستے سے سفر کروں تو فرنگیوں سے معاہدہ کرنا پڑتا، اور وہ بھی مومن کی ذلت ہے، اس لئے فریضۂ حج کی ادائی سے معذور ہوں۔

شیخ علائی جو اپنے علم و فضل اور زہد و ورع میں مشہور ہیں، مخدوم الملک نے کوڑوں

کے دستِ احتساب سے شیخ داؤد شیرگڑھی بھی نہ بچ سکے۔ غالباً مخدوم الملک ہی

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۸)
سے اِس طرح پٹوایا کہ وہ شہید ہو گئے۔ شیخ داؤد شیرگڑھی کو بھی اُنھوں نے تنگ کرنے کی کوشش کی۔

اکبر کے زمانے میں بھی مخدوم الملک نے بڑا عروج حاصل کیا، لیکن جب اکبر نے دینِ الٰہی کی بنیاد رکھی، اور مخدوم الملک کا حریف شیخ مبارک برسرِ اقتدار آیا جس نے مخدوم الملک کے ہاتھوں تکلیف اُٹھائی تھی، اور اکبر کو علما اپنی راہ میں حائل نظر آئے تو اُس نے اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ۹۸۷ھ میں مخدوم الملک کو حج کے لئے جانے کا حکم دیا اور کہا کہ وہ بلا اجازت واپس نہ آئیں۔ چنانچہ وہ مکہ معظمہ چلے گئے، وہاں اُن کی ملاقات شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے ہوئی۔ جو مخدوم الملک کے ساتھ نہایت تعظیم و توقیر سے پیش آئے۔
لیکن جب اکبر کے خلاف ملک میں برہمی پھیلی اور بغاوت ہوئی تو مخدوم الملک یہ خیال کرکے کہ شاید اکبر کی حکومت اس گڑبڑ میں ختم ہو جائے گی، واپس آ گئے، مگر جب وہ ہندوستان پہنچے تو یہ بغاوت فرو ہو چکی تھی۔ مخدوم الملک نے ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں خوف کی وجہ سے احمد آباد گجرات میں وفات پائی، بعضوں کا بیان ہے کہ اکبر کے زہر دلوانے کی وجہ سے اُن کی وفات واقع ہوئی۔

مخدوم الملک کی اِن تمام شخصی کمزوریوں کے باوجود اُن کی اِس خوبی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ ترویجِ شریعت اور ردِّ بدعت میں ہمیشہ کوشاں رہے، یہاں تک کہ اُس محضر پر بھی جسے شیخ مبارک نے اکبر کے مجتہد ہونے کے لئے تیار کرایا تھا اور جس پر علماء سے توثیقی دستخط لئے گئے تھے، مخدوم الملک نے باکراہ دستخط کئے تھے۔

مخدوم الملک کی تصانیف میں کشف الغمہ، منہاج الدین، عصمت الانبیاء، شرح عقیدۂ نطیعہ، رسالہ فی تفضیل العقل علی العلم، منہاج الوصول اور اُن کے علاوہ بعض دوسری کتابیں مشہور ہیں۔

(نزہتہ الخواطر جلد ۴ ص ۲۰۶ - ۲۰۷ و رود کوثر - ص ۸۹ تا ۹۱)

کے مشورے سے فرمان جاری ہوا کہ شیخ داؤد دربار میں حاضر ہوں، چنانچہ آپ اپنے دو ایک ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، گوالیر کے باہر مخدوم الملک سے ملاقات ہوئی، بات چیت کے درمیان میں مخدوم الملک نے آپ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے مرید ذکر کرتے وقت یا داؤد کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں غالباً سننے والے کو اشتباہ ہوا ہے وہ یا ودود یا ودود کہتے ہوں گے، مخدوم الملک آپ کے تقدس و ورع سے بہت متاثر ہوا، آپ نے اسے کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں، اور شیر گڑھ واپس ہو گئے۔

## شیخ قطب عالم سے ملاقات

شیخ قطب عالم[1] صاحبزادۂ حضرت شیخ عبدالعزیز[2] جو اس زمانے کے سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے، ان کا بیان ہے کہ جب میں شیخ داؤد کی

---

[1] شیخ قطب عالم چشتیہ سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ جب مرشدِ کامل کی تلاش میں دہلی آئے تو شیخ قطبِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی خانقاہ میں رہ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ ایک روز شیخ قطبِ عالم نے عالم کشف میں محسوس کیا کہ خواجہ باقی باللہ کا حصہ بخارا میں ہے، انھوں نے باہر آ کر خواجہ باقی باللہ سے فرمایا کہ جاؤ تمھیں بخارا کے مشائخ بلاتے ہیں، اس وقت شیخ قطب عالم کے پاس خرقہ موجود نہ تھا، ایک ازار تھی، چلتے وقت شیخ قطب عالم نے وہ ازار خواجہ باقی باللہ کو دی۔ خواجہ باللہ نے اسی ازار کو دستار کے بجائے سر پر لپیٹا اور بخارا روانہ ہو گئے، اور خواجہ امکنگی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے سلسلۂ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی، سلسلۂ نقشبندیہ کے سلوک کی تکمیل کرانے کے بعد خواجہ امکنگی نے ان سے فرمایا کہ ہندوستان کو تمہاری ضرورت ہے، تم وہاں جاؤ، اور خلقِ خدا کو فیض یاب کرو۔ چنانچہ خواجہ باقی باللہ ہندوستان آئے، اور سلسلۂ نقشبندیہ کے فروغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ اس زمانے میں جبکہ خواجہ باقی باللہ سلسلۂ

خدمت میں پہنچا تو اُن کے وعظ و نصیحت کے طریقے کو دیکھ کر میرے دل میں خیال گزرا کہ کہیں شیخ مہدوی تو نہیں۔ یہ خیال میرے دل میں گزرا ہی

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

نقشبندیہ کے فروغ و ترقی میں مصروف تھے، شیخ قطب عالم اکثر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اُن کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوتے، اگرچہ ابتداء میں خواجہ باقی باللہ شیخ قطب عالم سے باطنی فیوض حاصل کرتے رہے، اور ایک طالب کی حیثیت سے اُن کی خانقاہ میں ایک عرصے تک مقیم رہے تھے، شیخ قطب عالم کے خلفاء میں شیخ جائیلدہ اور شیخ عبدالغنی بدایونی مشہور ہیں۔ (ماخوذ از رودکوثر صفحہ ۱۹۱-۱۹۲ بحوالۂ انفاس العارفین)

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲)

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہر جون پور میں پیدا ہوئے اور ۸۹۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ دہلی تشریف لائے، اور اپنے والد کے خلیفہ میاں قاضی خاں ظفر آبادی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، وہ عوام میں بحرالمواج اور شکربار کے عرف سے مشہور ہوئے۔ شیخ عبدالعزیز نے علوم ظاہری کی تکمیل سید راجو قتال کے خلیفہ حاجی عبدالوہاب بخاری اور اُن کے صاحبزادے محمد سے کی، شیخ عبدالعزیز بچپن ہی سے ریاضت و عبادت کی طرف مائل تھے، یہاں تک کہ ابتدائے حال میں جن اوراد و اشغال کا آپ نے التزام کیا تھا وہ آخر عمر تک فوت نہیں ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحبِ اخبار الاخیار اُن کے محامد و اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

> در اتباعِ مشائخ و حفظِ قواعد ایشاں یگانۂ عصر بود، و در اد و تواضع و حلم و صبر و رضا و تسلیم و شفقت بر خلق و رعایتِ فقرا نظیر نبود در زمانِ خود یادگار مشائخ چشت بود، در دہلی بوجود او سلسلۂ ارشاد و مشیخت برپا بود۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالعزیز محتاجوں کی

ہی تھا، ابھی میں زبان سے کچھ کہہ بھی نہ پایا تھا کہ انھوں نے میری طرف مخاطب ہوکر بغیر کسی سابقہ تقریب کے فوراً ہی میرے اس خیال کی تردید واضح طور پر کردی[۱]

**اتباعِ شریعت** شیخ داؤد شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ اتباعِ شریعت سے سرِ مو تجاوز نہ فرماتے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

حاجت پوری کرنے کی بڑی کوشش کرتے تھے، جب وہ شیخ قاضی خاں کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنا سارا سازوسامان گھوڑا گاڑی جو کچھ اُن کے پاس تھا سب کا سب راہِ خدا میں تقسیم کردیا۔

اکبر کے ابتدائی دور میں شیخ عبدالعزیز کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، بیرم خاں اُن کا بہت معتقد تھا، اور اکبر کے دوسرے امیر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض حاصل کرتے تھے، شیخ عبدالعزیز بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، انھوں نے شیخ امان کے رسالہ غیریہ کے جواب میں رسالہ عینیہ لکھا تھا، فنِ سلوک پر ان کی کتاب آداب السلوک مشہور ہے، اُن کے والد حسن طاہر بھی مصنف تھے، ان کی ایک کتاب مفتاح الفیض کا تذکرہ بعض کتابوں میں ملتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز نے ۶ جمادی الآخری ۹۷۵ھ میں وفات پائی ان کا مزار پرانا اُن کی خانقاہ کے صحن میں واقع ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا۔

شیخ کامل، عارفِ دورانِ خود عبدالعزیز
آنکہ می داد اہلِ دل را مجلسش یاد از بہشت
ہرچہ از اوصافِ اہل اللہ در عالم نبود
حق تعالیٰ از اولِ فطرت بذاتِ او سرشت
یادگارِ اہلِ چشت او بود در دورانِ خود
گشت از آں تاریخ فوتش "یادگارِ اہلِ چشت"

(ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۲۸۲ و رودِ کوثر ص ۶۶ و ۶۷ ۹۷۵ھ) [۱] اخبار الاخیار ص ۲۸۲

تھے، مُلّا عبدالقادر بدایونی[1] صاحبِ منتخب التواریخ ایک مرتبہ شیر گڑھ میں

---

[1] مُلّا عبدالقادر بدایونی کے والد کا نام ملوک شاہ تھا، اگرچہ اُن کا جدی وطن بدایوں تھا، لیکن وہ ۹۴۷ھ عہد شیر شاہی میں اجمیر کے ایک موضع بساور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید کی تعلیم سید محمد مکی سے سنبھل میں حاصل کی اور بعض علوم عربیہ کی تعلیم اپنی والدہ کے دادا مخدوم محمد اشرف بساوری سے پائی۔ اور اسی زمانے میں قصیدۂ بردہ اور کنز الدقائق کے بعض اسباق شیخ حاتم سنبھلی سے پڑھے، پھر آگرے آئے اور مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری اور شیخ مبارک بن خضر ناگوری سے مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی، اور بعض کتابیں قاضی ابوالمعالی سے پڑھیں، اور نجوم، حساب، موسیقی، شطرنج اور بعض دوسرے فنون علی میر تقی بن فارغی سے حاصل کئے، اور تقریباً چالیس سال تک فیضی اور ابوالفضل کے ساتھ رہے، علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد اودھ کے والی امیر حسن خاں کی ملازمت میں ایک طویل عرصے تک منسلک رہے، پھر ۹۸۱ھ میں آگرے آئے۔ اور جلال خاں قورچی اور عین الملک شیرازی کی سفارش سے اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوئے۔ تھوڑے ہی دن میں اکبر کی نظر میں غیر معمولی تقرب حاصل کر لیا، اور اکبر نے انھیں اپنی امامت کے لئے منتخب کیا، پھر انھیں حکم دیا کہ وہ اہلِ ہند کی کتابوں کو فارسی میں منتقل کریں، چنانچہ اُنھوں نے اتھروید کو بھاون دکنی کی مدد سے فارسی میں منتقل کرنا شروع کیا، لیکن چونکہ بھاون دکنی، اتھروید کے مشکل مقامات کو سمجھانے سے قاصر رہتا تھا، مُلّا عبدالقادر نے بادشاہ سے اس ترجمہ سے معذرت کی، پھر یہ ترجمہ فیضی کے سپرد ہوا، اس کے بعد مُلّا عبدالقادر نے مہابھارت اور راماین کا ترجمہ کیا اور ۹۹۷ھ میں وہ راماین کے ترجمے سے فارغ ہوئے، پھر اُنھوں نے بادشاہ کے حکم سے جامع رشیدی اور بحرالاسمار کھیں تاریخ کشمیر شاہ محمد شاہ آبادی کا انتخاب کیا، پھر معجم البلدان کے دس اجزا کو فارسی میں منتقل کیا، ان کے علاوہ ان کی تصانیف میں تاریخ الفی، اور الاربعون فی فضل الجہاد فی سبیل اللہ، نجات الرشید، اور ان کی مشہور تاریخ منتخب التواریخ ہے۔

آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور دو تین روز آپ کے پاس مقیم رہے وہ شیخ داؤد کے متعلق اپنے تاثر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ کے جمال میں کوئی چیز ایسی نظر آتی تھی، جس سے دنیا کے صاحب جمال محروم ہیں، گفتگو اور تبسم میں چہرے پر ایسا نور چمک اٹھتا تھا کہ دلوں کی تاریکیاں دور ہو جاتی تھیں اور وجہ اللہ کا بھید عیاں ہو جاتا تھا، ملاقات کے وقت آپ ملا عبد القادر بدایونی سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور آپ نے بدایونی کو بہت ہی قیمتی نصیحتیں فرمائیں اور اُن کے سوالات کا جواب دیا، اور یہ اعزاز بھی بخشا کہ اپنی ٹوپی اُنھیں عنایت فرمائی۔[1]

بے نیازی اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ اکبر بادشاہ نے جب وہ پنجاب میں تھا شہباز خاں کنبوہ[2] کو آپ کے پاس بھیجا اور تمنا

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ [1])

جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، ملا عبد القادر نے ستاون سال کی عمر میں ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۴۔ ص ۲۳۷ تا ۲۴۰)

(فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ہذا [1]) [1] منتخب التواریخ۔ جلد ۳۔

[2] نواب میاں شہباز خاں کنبوہ اکبر کے اُمراء میں تھا، ذخیرۃ الخوانین میں ہے کہ اس کا سلسلہ چھٹی پشت میں میاں حاجی جمال سے جا ملتا ہے جو مخدوم حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے کہا کہ میں آپ سے اور اُس کے پیغمبروں کا واسطہ دے کر ہر پیغمبر کے نام پر اپنی لڑکی کی شادی کے لئے ایک ایک اشرفی چاہتا ہوں، آپ اس کو یہ سوال سن کر سخت متردد ہوئے۔ حاجی جمال نے آپ کو متردد دیکھ کر عرض کیا کہ آپ سائل کو میرے حوالے کیجئے، میں اُسے مطمئن کر دوں گا، حاجی جمال اُس سائل کو

ظاہر کی کہ وہ آپ کے پاس آئیں، لیکن آپ نے معذرت کرتے ہوئے کہلا بھیجا کہ میں یہاں بھی دعا گو ہوں، جو میں کر سکتا ہوں وہ یہاں بیٹھے ہوئے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؎)
لے کر اپنے گھر آئے، اور سائل سے کہا کہ تم ایک ایک پیغمبر کا نام لیتے جاؤ، میں تمھیں ہر نام پر ایک اشرفی دیتا جاؤں گا۔ سائل کو صرف بیس پیغمبروں کے نام یاد تھے۔ حاجی جمال نے بیس اشرفیاں دے کر اس سے کہا اور نام لو، مگر وہ کسی اور پیغمبر کا نام نہ لے سکا۔ پھر اس نے حضرت مخدوم زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے پیغمبروں کے نام کے مطابق اشرفیاں حاصل کر لیں۔ آپ نے حاجی جمال سے پوچھا، حاجی جمال نے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا یہ واقعہ سن کر متبسم ہوئے، اور حاجی جمال اور ان کی اولاد کے لئے دعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ تمھاری اولاد میں کوئی خفیف العقل نہ ہوگا، اور دولت سے بھی ان کو حصہ ملے گا، چنانچہ اس قوم کی فہم آج بھی مشہور ہے۔

نواب شہباز خاں کنبوہ کے آباؤ اجداد زہد و ریاضت و درویشی میں شہرت رکھتے تھے اور وہ خود بھی خدا پرستی میں مشہور تھا۔ ابتدائً شہباز خاں کنبوہ عہد اکبری میں تاب کوتوال مقرر ہوا، یہاں تک کہ چند دن میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے کوتوال ہو گیا۔ اور اکبر کا منظور نظر بن گیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے ایک صدی منصب سے ہفت ہزاری ذات و سوار تک پہنچا، ۹۸۰ھ میں جب اکبر گجرات گیا، شہباز خاں کنبوہ خدمت بخشی گری پر مامور تھا، پھر چند دن کے بعد تعلقہ سورت بھیج گیا، اس کے بعد اس نے متعدد مہموں پر مامور ہو کر نمایاں خدمات انجام دیں۔

۱۰۰۸ھ میں جب کہ اکبر مہم دکن اور خاندیس کی طرف متوجہ تھا، اکبر نے اسے رانا سانگا کے مقابلے کے لئے بھیجا، اس نے وہاں پہنچ کر اس کے مقابلے میں بہترین تدبیریں اختیار کیں، لیکن ابھی وہ اس کے مقابلے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ اس نے وفات پائی۔ نواب شہباز خاں کی نعش کو اس کی وصیت کے مطابق اجمیر لایا گیا، لیکن مجاوران درگاہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے اس کو اندرون احاطہ دفن نہ ہونے دیا، اور بیرون احاطہ

بھی کر رہا ہوں۔

**اعلائے حق** حضرت شیخ داؤد کے تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ وہ اعلائے حق، امر بالمعروف میں شمشیر برہنہ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵)

دفن کیا گیا، مگر رات کو مجاوروں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ شہباز خاں محبوب درگاہ رب العالمین اور ہمارا محبِ خاص ہے، اس کو اندرونِ احاطہ ہمارے گنبد کے شمالی جانب دفن کرو دوسرے دن مجاوروں نے اس کی نعش کے صندوق کو قبر سے نکال کر اس جگہ دفن کیا، جہاں حضرت خواجہ بزرگ نے اُن کو خواب میں ارشاد فرمایا، اور آج بھی وہیں اُس کی قبر موجود ہے۔

شہباز خاں کنبوہ شریعتِ اسلامیہ کا بے حد پابند اور علماء، صلحاء اور فقراء کی بہت تعظیم و توقیر کرتا تھا، اُس کی پابندیِ شریعت کا یہ عالم تھا کہ اس سے تمام عمر میں نمازِ پنجگانہ تہجد، اشراق اور چاشت کی نماز اور عصر کی سنتیں کبھی قضا نہیں ہوئیں، ہر وقت باوضو رہتا تھا، اور خلافِ سنت لباس نہ پہنتا تھا، اس کے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی۔ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتا رہتا تھا اور عصر و مغرب کے درمیان قبلہ رُخ بیٹھا رہتا اور دنیاوی باتیں نہ کرتا، وہ ہر وقت نماز کا اس قدر پابند تھا کہ ایک دن شام کے وقت اکبر بادشاہ فتح پور سیکری میں تالاب کے کنارے تفریح کر رہا تھا، اتفاق سے اُس نے امراء کے جرگہ میں سے شہباز خاں کنبوہ کا ہاتھ پکڑا اور ٹہلنے لگا، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا، اس وقت ہر آن شہباز خاں کی آنکھیں سورج پر لگی ہوئی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سورج غروب ہو جائے اور اُس کی نماز قضا ہو جائے، حکیم ابو الفتح اور حکیم علی جو اُس وقت امراء کے جرگے میں موجود تھے آپس میں کہنے لگے کہ اگر آج شہباز کنبوہ کی نماز قضا نہ ہوئی تو ہم سمجھیں گے کہ واقعی وہ فطری دیندار ہے اور ہم اس کے مرید ہو جائیں گے ورنہ ہم اُس سے آشنائی چھوڑ دیں گے کہ اس کی دینداری محض دکھاوا ہے، اتفاقاً جب

تھے اور پند و موعظت، اور ارشاد و ہدایت میں اُن کا تمام وقت گزرتا تھا، وہ اُن صوفیانِ خام اور علمائے سُوء سے سخت بیزار تھے، جنھوں نے علم اور تصوف کے پردے میں دنیا طلبی اور حبِ جاہ کو اپنا مقصد بنا رکھا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جن علماء نے بادشاہوں اور امیروں کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے، اُن سے وہ مکھی ہزار درجہ بہتر ہے جو نجاست پر بیٹھی رہتی ہے، پھر یہ رباعی پڑھتے۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۲)
شہباز خاں نے دیکھا کہ نماز کا وقت بہت تنگ ہو چکا ہے تو اس نے اکبر سے نہایت عاجزی سے کہا کہ نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ اکبر نے اس سے کہا کہ قضا کر لینا کیا تم ہمیں تنہا چھوڑ کر چلے جاؤ گے، شہباز کنبوہ نے اپنا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ سے چھڑا لیا، اور فوراً ہی رومال بچھا کر نماز میں مشغول ہو گیا، اور نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کی، پھر حسبِ عادت قبلہ رخ ہو کر تسبیح میں مشغول ہو گیا، اکبر اس کے سر پر بار بار ہاتھ مارتا تھا کہ وہ اٹھے، لیکن وہ اسی طرح تسبیح میں مصروف رہا۔ حکیم ابو الفتح نے یہ منظر دیکھ کر کہا واقعی شہباز کنبوہ دیندار انسان ہے، اب اسے نجات دلانی چاہیے، وہ فوراً ہی امرا کی ایک جماعت کے ساتھ آگے بڑھا، اور اس نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت کی یہ تمام عنایت صرف اس شخص پر فرمانا صحیح نہیں، دوسرے بھی مراحمِ خسروانہ کے امیدوار ہیں۔ تب بادشاہ نے اُسے چھوڑا۔

شہباز خاں کنبوہ کی دینداری کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے تمام عمر اکبر کے دوسرے خوانین اور امرا کی طرح داڑھی نہیں منڈائی اور نہ شراب پی، اور نہ اپنی انگوٹھی پر مرید کا نقش کرایا، جیسا کہ اس وقت دینِ الٰہی کے ماننے والوں کا دستور تھا، اور ساری عمر اسلام پر ثابت قدم رہا۔
(ماخوذ از ذخیرۃ الخوانین۔ ص ۱۴۸ تا ۱۶۰۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی)

آں کس کہ زغوغا ترہد واے براُو
بر خلقِ جہاں دل بدہد واے براُو
در دست فقیر نیست نقدے جز وقت
آں نیز گر از دست دہد واے براُو[1]

**تبلیغِ اسلام** ملا عبد القادر بدایونی جو دو چار روز آپ کی خدمت میں رہے تھے، ان کا بیان ہے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو جس میں سو سو پچاس پچاس ہندو اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام نہ قبول کرتے ہوں[2]

**وفات** شیخ داؤد ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء میں واصل الی اللہ ہوئے، "مشتاق منان" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔
شیر گڑھ میں آپ کا مزار پُر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔[3]

**خلفاء** شیخ داؤد شیر گڑھی کے خلفاء میں مولانا جمال الدین معروف بہ شیخ بہلول دہلوی شاہ ابو المعالی لاہوری اور شاہ ابو اسحاق لاہوری مشہور ہیں۔

شیخ جمال الدین کا اصلی وطن دہلی تھا، وہ عہد اکبری کے مشاہیر علماء اور صوفیاء میں تھے، اُنھوں نے علومِ معقول کی تعلیم سید رفیع الدین[4] سلامی

---

[1] ماخوذ از تذکرۂ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم۔ مطبوعہ انارکلی کتاب گھر۔ لاہور۔ ص ۴۲۔
[2] منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۴۴
[3] اخبار الاخیار تذکرہ شیخ داؤد۔ ص ۲۰۸
[4] مولانا سید رفیع الدین محدث شیرازی بن مرشد الدین حسینی صفوی شیرازی ہندوستان کے مشہور علماء و صوفیاء میں تھے، اُنھوں نے علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی سے تعلیم حاصل کی، پھر حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے،

شیرازی سے حاصل کی، اور سلوک و طریقت کی منزلیں شیخ محمد داؤد جہنی وال سے طے کیں، اور دہلی میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، درس و تدریس کے ساتھ انھوں نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری کیا تھا، دُور دُور سے لوگ حاضر ہوتے اور آپ سے اکتسابِ فیوض باطنی کر کے واپس جاتے۔

لیکن جب اکبر کے دور میں شیخ مُبارک[1] کو عروج ہوا، اور دینِ الٰہی کی بُنیاد پڑی تو وہ ہندوستان سے دل برداشتہ مکۂ معظمہ چلے گئے، اسی زمانے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ[3])

اور حدیث کی تعلیم شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان سخاوی مصری صاحبِ ضوء اللامع سے حاصل کی، جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ پھر سلطان سکندر لودھی کے کے زمانے میں آگرے تشریف لائے، اور وہیں مقیم ہو گئے، سکندر لودھی آپ کی بجید توقیر کو تعظیم کرتا تھا، اور آپ کو حضرت عالی کہہ کر مخاطب کرتا تھا، سید رفیع الدین نے ۹۵۴ھ میں آگرے میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ صفحہ ۱۱۵)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

[1] شیخ مبارک بن خضر ناگوری ۹۱۱ھ میں ناگور میں پیدا ہوئے، ان کے والد سندھ کے رہنے والے تھے، شیخ مبارک نے علوم رسمی کی تکمیل گجرات میں خطیب ابو الفضل گازرونی اور مولانا عماد الدین محمد طارمی سے کی، ان علوم کے ساتھ صوفیہ سے طریقت کے بھی سبق لئے، فلسفہ اور وحدت الوجود کی کتابیں بھی مطالعہ کیں، قرآن مجید کو دس قراتوں سے حفظ کیا، اور شاطبی کو حفظ کر لیا، ان کا ارادہ حجاز اور اسلامی ممالک کے سفر کا تھا، مگر ایک بزرگ کے مشورہ سے ۹۵۰ھ میں آگرے چلے آئے، اور جمنا پار چار باغ کے محلے میں قیام کیا۔ اور علم و فضل کے علاوہ زہد و تقویٰ میں غیر معمولی شہرت حاصل کی، ابتداءً زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا

میں جب شیخ مبارک نے بادشاہِ وقت کے امام عادل ہونے کا محضر تیار

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)
کہ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کی مجلس تذکیر میں سونے کی انگوٹھی، ریشمی لباس، یا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہن کر آئے۔ اگر کوئی ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہن کر ملنے آتا تو پائنچے کتروا دیتے انگوٹھی اتروا دیتے، جب سُوریوں کی بساط سلطنت الٹی اور مغلوں کا آفتاب حکومت طلوع ہوا تو مخدوم الملک نے ان پر عقائد کا فساد اور غالباً ہیمو بقّال سے ساز باز کا الزام لگایا شیخ مبارک جان بچانے کے لئے چھپ کر بھاگے، اور مدتوں اِدھر اُدھر جان بچاتے پھرتے رہے، آخر ایک امیر مرزا عزیز کوکہ سفارش پر ان کی جان بخشی ہوئی، پھر وہ ایک زمانے تک اپنے بچوں کے ساتھ دہلی کی مختلف درگاہوں میں مقیم رہے، یہاں تک کہ ۹۷۴ھ میں اُن کا بڑا بیٹا ابوالفیض فیضی نے اکبر کے دربار میں اپنی شاعری کے ذریعہ رسائی حاصل کی، پھر اکبر کے دربار میں اس کا چھوٹا بھائی ابوالفضل اس طرح باریاب ہوا کہ دوسروں کے قدم ڈگمگا گئے، اکبر جو اُس زمانے میں علماء سے دل برداشتہ تھا، ابوالفضل اور فیضی نے اُن کے مقابلے میں اپنے والد شیخ مبارک کو پیش کیا، شیخ مبارک ہی نے بادشاہ کے امام عادل ہونے کا محضر تیار کیا، جس پر علماء سے جبراً دستخط لئے گئے، یہ محضر ۹۷۵ھ کو مرتب ہوا، اور اُسی پر فیضی اور ابوالفضل نے اکبر کے دین الٰہی کی عمارت تعمیر کی، اب شاہی تقرب کی وجہ سے شیخ مبارک کی زندگی کا رنگ بالکل بدل گیا، زہد و مجاہدات کے بجائے زندگی دوسرے سانچوں میں ڈھل گئی یا تو حرمتِ سماع کا اس درجہ قائل تھے کہ موسیقی کی آواز سن کر کانوں میں اُنگلیاں دیتے تھے، یا وقت کا بڑا حصہ سرود و موسیقی میں گزرنے لگا، یہاں تک کہ صحت خراب ہوگئی، بصارت کمزور ہوگئی، آخر میں لاہور میں مقیم ہوگئے تھے، درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اُنھوں نے ایک تفسیر منبع العیون المعانی و مطلع شموس الثانی کے نام سے چار جلدوں میں لکھی، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ اس میں مجددیت کی ضرورت

کیا، اور دارالحکومت کے علمار کے اس پر دستخط لئے گئے تو وہ محضر علمائے دہلی کے دستخط کے لئے دہلی بھی بھیجا گیا، لیکن شیخ جمال الدین نے اس محضر پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جس قدر اس پر دستخط ہو چکے ہیں کافی، ہم گوشہ نشینوں کو اس کے لئے کیوں تکلیف دی جاتی ہے، اگر ایسے ہی اس محضر پر دستخط ضروری ہیں تو ہندوستان کے تمام مشاہیر علمار کے اس پر دستخط لئے جائیں، اس کے بعد جب مشرق کے علمار نے بادشاہ کے خلاف فتویٰ دیا تو جن دہلی کے علمار پر حکومت نے شبہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں مشرق کے علمار سے ربط رکھتے ہیں، ان میں شیخ جمال الدین بھی تھے، جب حالات زیادہ خراب ہوئے تو وہ ۹۸۷ھ میں اپنے شاگردوں اور مریدوں کی ایک جماعت کو لے کر حج کے ارادے سے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے تقریباً تیرہ سال وہاں مقیم رہے، ۱۰۰۰ھ میں خان اعظم

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۱؎)

پر تقریر تھی، اور یہ اشارہ بھی نکلتا تھا کہ دسویں صدی ہجری کا مجدد خود مصنف ہے، شیخ مبارک نے ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۳ء میں لاہور میں وفات پائی۔ لاش کچھ دن بعد لاہور سے لاکر چار باغ آگرے میں دفن کی گئی، شیخ مبارک کے تین بیٹے ابوالفیض فیضی، ابوالفضل اور ابوالخیر مشہور ہیں، شیخ مبارک کے تفصیلی حالات حسب ذیل کتابوں سے ملتے ہیں:۔

(۱) منتخب التواریخ۔ جلد ۲ صفحہ ۴۰۳۔ ۴۳۱ (۲) ماثر الکرام جلد اول ص ۱۹۷،۱۹۹ (۳) بزم تیموریہ۔ ص ۸۰ (۴) دربار اکبری۔ ص ۴۰۷۔ ۴۴۵ (۵) حدائق الحنفیہ۔ ص ۳۹۴ (۶) بوستان اخیار۔ ص ۱۴۷۔ ۱۵۳۔ (ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد اول۔ مرتبہ سید ہاشمی فرید آبادی۔ ص ۴۷۵۔ ۴۸۷ و تذکرہ علمائے ہند مترجمہ ایوب قادری ص ۴۰۲۔ ۴۰۳ شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی)

دربارِ اکبری کی گمراہیوں اور بے راہ رویوں سے بیزار ہو کر حج کے لئے گیا، تو شیخ جمال الدین ۱۰۰۲ھ میں اس کے ساتھ واپس آئے۔

تذکروں میں ہے کہ ناصر الملک پیر محمد خاں[1]، خانخاناں[2] اور خان اعظم کوکلتاش[3] کو

---

[1] پیر محمد خاں شروانی ابتداءً طالب علم تھا۔ بیرام خاں کے توسط سے امارت کے مرتبے کو پہنچا، اور بیرام خاں کا مطلق العنان وکیل ہوگیا۔ وہ اس قدر مغرور تھا کہ جو لوگ اس کے پاس جاتے تھے، انھیں بار نہیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ خانخاناں میرزا عبدالرحیم، جب وہ بیمار تھا اُس کی مزاج پرسی کو گیا، لیکن اُس نے اُسے بھی ملاقات کا موقع نہ دیا، خانخاناں کو اس سے بیحد رنج ہوا، خانخاناں نے اس سے امارت چھین لی، یہاں تک کہ یہ صرف ملا پیر محمد رہ گئے۔ چند روز قلعہ بیانہ میں محبوس رہا، پھر اُسے چھوڑ دیا گیا، اور وہ گجرات چلا گیا، جب بیرام خاں سے اکبر کی آویزش ہوئی تو یہ گجرات سے اکبر کے دربار میں پہنچا، اور منصب پنج ہزاری اور ناصر الملک کے خطاب سے سرفراز ہو کر بیرام خاں کے مقابلے کے لئے متعین ہوا۔ پھر یہ دکن میں متعین کیا گیا، ۹۶۹ھ میں اکبر کے جلوس کے ساتویں سال وہ مالوے سے لشکر جمع کر کے عازم تسخیر اسیر و برہان پور و بیجا گڑھ ہوا، جب اُس نے نربدا کو پار کیا تو اُس نے وہاں کے اکثر قصبوں اور دیہات کو قتل و غارتگری کر کے برباد کر دیا، اور برہان پور میں پہنچ کر شہر پر قبضہ کر کے قتلِ عام کیا، اور وہاں کے اکثر علماء و سادات کو اپنے سامنے شہید کرایا حاکم اسیر اور باز بہادر جو مالوے سے بھاگ کر وہاں پناہ لئے ہوئے تھا زمینداروں کے ساتھ پیر محمد پر حملہ آور ہوئے۔ پیر محمد خاں اُن کے مقابلے کی تاب نہ لا کر مندو کی جانب لوٹا جب نربدا کے کنارے پہنچا تو اُس نے اور اُس کے سارے امیروں نے اپنے آپ کو بے تحاشا دریائے نربدا میں ڈال دیا۔ اتفاق سے جب پیر محمد خاں دریا میں داخل ہو رہا تھا تو اونٹوں کی ایک قطار اس کے پاس سے گزری، اُس کا گھوڑا بھڑکا، اور وہ گھوڑے سے گر کر دریا میں غرق ہوگیا۔ (ذخیرۃ الخوانین جلد اوّل ص ۱۰۰ - ۱۰۳ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۔ کراچی۔)

[2] مرزا عبدالرحیم خانخاناں سپہ سالار عہد اکبری کے مشاہیر اُمرا میں تھا۔ وہ بروز پنجشنبہ

حضرت شیخ جمال الدین سے بے حد عقیدت تھی، وہ چاہتے تھے کہ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)

۱۴ ؍ صفر ۹۶۴ھ میں لاہور میں جمال خاں میواتی کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا، مولانا فرید الدین دہلوی کے اس مصرع سے اس کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ ع

دُرِ دریائے سعادت آمد

جمال خاں میواتی کے دو لڑکیاں تھیں ایک ہمایوں بادشاہ کے عقد میں تھی، اور دوسری خانخاناں کے والد محمد بیرم خاں کے نکاح میں تھی، اپنے والد کی شہادت کے بعد اوائل ۹۶۹ھ میں آگرہ میں وہ اکبر کے حضور میں پیش ہوا، آخوند ملا محمد امین اندنجانی جو اس زمانے کے علماء مشہور تھے اس کے تعلیم و تعلم پر مامور ہوئے، اس طرح خانخاناں نے ظلِ شاہی میں تعلیم و تربیت حاصل کی، یہاں تک کہ امراء میں اپنے باپ کے قائم مقام ہوا۔ اُس نے اپنے زمانہ امارت میں تین نمایاں کام انجام دیئے، ایک اس کی سپہ سالاری میں فتح احمد آباد و گجرات کا کارنامہ سرہوا، یہ جنگ مظفر گجراتی سے سرکیج میں احمد آباد سے تین کوس کے فاصلے پر ۱۳ ؍ محرم ۹۹۲ھ کو ہوئی اور اس میں خانخاناں نے کامیابی حاصل کی، اس فتح کے بعد اکبر نے اس کو خانخاناں کے خطاب اور منصب پنج ہزاری سے سرفراز کیا۔

دوسرے دکن کی فتح تھی، یہ جنگ جمادی الآخر ۱۰۰۵ھ میں پہلی مرتبہ چاند بی بی سے ہوئی اور دوسری دفعہ آخر شوال ۱۰۰۶ھ میں ہوئی، جس میں خانخاناں کو فتح حاصل ہوئی۔

تیسرے سندھ کی فتح تھی، اس فتح کے لیے وہ لاہور میں مامور کیا گیا اور سندھ کے ترخانی فرماں روا میرزا جانی بیگ کا مقابلہ کر کے اس نے ۹۹۹ھ میں سندھ کو مغل حکومت کا صوبہ بنا دیا اس مہم میں وہ کامیابی حاصل کر کے اور میرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ لے کر ۴ ؍ جمادی الثانی ۱۰۰۱ھ کو کامراں و فتح یاب آگرے پہنچا۔

عہدِ جہانگیری میں وہ دکن سے فرمانِ شاہی کی بناء پر بنگال کی گورنری کے لئے لاہور پہنچا، اس وقت جہانگیر لاہور میں تھا، لاہور میں پہنچنے کے بعد بیمار ہوا، لیکن وہ بیماری میں

حضرت اُن کے مال و دولت میں سے کچھ قبول کریں لیکن آپ نے یہ کہہ کر

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲ھ)

بنگال کے لیئے روانہ ہوگیا ابھی دہلی پہنچا ہی تھا کہ ۷۲، سال کی عمر میں ۱۰۳۶ھ م ۲۱ سنہ جہانگیری کو اس نے وفات پائی، اور ہمایوں کے مقبرے کے قریب مدفون ہوا۔

صاحب مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ مغل اُمرا میں سے کوئی بھی فیاضی و سخاوت میں شان خاناں کا ہمسر نہ تھا، خود بھی بہت بڑا صاحب علم و فضل، اور بلند پایہ شاعر تھا، ترکی فارسی اور ہندی میں شعر کہتا تھا، اس نے اکبر کے حکم سے تزک بابری کا ترجمہ ۹۹۸ھ میں ترکی سے فارسی میں مکمل کیا تھا، یہ ترجمہ بمبئی سے باہتمام ملک الکتاب شائع ہوا تھا، شعراء اور اہل کمال کا بے حد قدر دان تھا، اس کے درباری شعراء میں مُلا نوعی، عرفی شیرازی، نظیری، ملا مرشد یزدجردی، شکیبی صفاہانی، فرو رنی کاشانی وغیرہ تھے، جنھیں اس نے بعض قصائد پر بڑے بڑے انعامات سے نوازا تھا، اس کے فارسی کے چند شعر ہم نمونتاً یہاں درج کرتے ہیں:۔

شمارِ شوق ندانستہ ام کہ تا چند است
جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزو مند است

نہ دامم دانم و نے دانہ ایں قدر دانم
کہ پائے تا بسرم ہر چہ ہست در بند است

ادائے حق محبت عنایتے است از دوست
دگرنہ خاطر عاشق بہیچ خرسند است

مرا فروخت محبت و لے ندانستم
کہ مشتری چہ کس است و بہائے من چند است

---

نیم فضول کہ جویم وصال ہمچو توئی
بس است ہمچو منے را خیال ہمچو توئی

ہمیشہ انکار کر دیا کہ میں تو گھر بناتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲۵)

خانخاناں کے حالات حسب ذیل کتابوں میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

(۱) مآثر رحیمی۔ جلد ۲-۳ ، (۲) مآثر الامرا۔ جلد ۱۔ مقالات الشعراء۔

(یہ تمام تفصیل مقالات الشعراء (حواشی مقالات الشعراء ص ۲۳۳ تا ۲۴۰ سے ماخوذ ہے۔)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳۵)

۳۵ خان اعظم کا نام مرزا عزیز کوکہ تھا، اس کے والد کا نام شمس الدین محمد خاں اعظم تھا، اکبر کے اُمرائے اعظم میں سے تھا، اس کے علاوہ وہ اکبر کے ہمعصر اور بچپن کا دوست تھا، اور وہ اکبر بھی اس سے نہایت خصوصیت اور التفات کے ساتھ پیش آتا تھا۔ مرزا عزیز کوکہ کی ماں جیجی کا اکبر نے دودھ پیا تھا، اور وہ اس کا احترام اپنی حقیقی ماں سے زیادہ کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ خاندانِ اتکہ نے اکبر کے ہاں اس قدر تقرب واختصاص اور شان و شوکت حاصل کی تھی کہ کوئی اکبر کے دربار میں ان کا ہمسر نہ تھا، خود خان اعظم میرزا عزیز کوکہ اکبر کے ہاں اس قدر مقرب و منظور نظر تھا کہ بادشاہ اس کی گستاخیوں سے بھی درگزر کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ مجھ میں اور خان اعظم میں دودھ کی نہر کا واسطہ ہے۔ خان اعظم نہایت دیندار اور مسلک اہلِ سنت والجماعت کا سختی سے پابند تھا، اکبری اُمراء میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے کسی نہ درجے میں اکبر کے خیالات وعقائد کی پیروی نہ کی ہو، سوائے خان اعظم اور میاں شہباز خاں کنبوہ کے کہ ان دونوں نے نہ کبھی شراب پی اور نہ ڈاڑھی منڈوائی، جلوسِ اکبری کے چوتیسویں سال، وہ مالوہ میں تھا، خان خاناں کے گجرات سے بدل جانے کی وجہ سے اس کا تقرر گجرات کی گورنری پر ہوا، لیکن اُس نے مالوہ کو چھوڑنا پسند نہ کیا، آخر ۳۵ سنہ جلوس اکبری میں وہ احمد آباد چلا گیا۔

جب ۱۰۰۱ھ ہجری میں اکبر نے اس کو بلوایا تو اُس نے بیماری کا عذر کر کے حجاز جانے کی اجازت چاہی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ وہ بادشاہ کے سامنے سجدۂ تعظیم بجا نہ لاتا تھا، اور

کہیں دل نہ ویران ہو جائے۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۳)
نہ ڈاڑھی منڈاتا تھا، اور نہ ان گمراہیوں میں مبتلا تھا جو اکبر کے دربار میں ہوتی تھیں، بلکہ لمبی ڈاڑھی رکھتا تھا، اس لئے وہ اکبر کے دربار میں جانا پسند نہ کرتا تھا، اسی لئے اس نے بیماری کا عذر کر کے اکبر سے حجاز جانے کی اجازت چاہی تھی، لیکن اکبر بھی اس کے کترانے کو تاڑ گیا، اس نے خان اعظم کو جواب میں لکھا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تم حاضری میں یہ حیلے بہانے کیوں کر رہے ہو، حقیقت میں یہ تمھاری لمبی ڈاڑھی تمھیں ہمارے دربار کی حاضری سے روکتی ہے۔

کہتے ہیں کہ مرزا عزیز کوکہ اکبر کو اس کے دینِ الٰہی کے بارے میں بہت ہی صاف اور کھری کھری باتیں لکھتا تھا، یہاں تک کہ اس نے ایک مرتبہ اکبر کو بطور طنز کے لکھا کہ تم نے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی جگہ فیضی اور ابوالفضل کو مقرر کیا ہے، اب شیخین کی بجائے کن کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔

چنانچہ مرزا عزیز کوکہ ۱۰۰۲ھ میں بلاول سے جو سومنات کے قریب ہے، فرنگیوں سے صلح کر کے اپنے چھ لڑکے خرم، انور، عبداللہ، عبداللطیف، مرتضیٰ، عبدالغفور اور چھ لڑکیوں اور سو ملازموں کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہو گیا، کہتے ہیں کہ اس نے حرمین شریفین میں بہت روپیہ خیرات کیا، جب اسے وہاں اکبر کی مہربانیوں کی اطلاع ملی، اور اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ اس سے ناراض نہیں ہے تو وہ واپس لوٹ آیا، اور ۱۰۰۳ھ میں پھر شاہی ملازمت میں منسلک ہو گیا، مرزا عزیز کوکہ نے صاحبِ ذخیرۃ الخوانین کے قول مطابق ۱۰۲۹ھ میں اور صاحبِ مآثر الامراء کے بیان کے مطابق ۱۰۳۳ھ میں جبکہ وہ سلطان داور بخش بسر شاہزادہ سلطان خسرو کا اتالیق اور ہمراہی تھا احمد آباد میں وفات پائی، اس کی لاش دہلی لائی گئی اور دہلی میں مدفون ہوا۔

صاحبِ ذخیرۃ الخوانین میرزا عزیز کوکہ کی ذہانت و طبعی علم و فضل اور اس کی

ہندوستان کے مشہور عالم اور لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے مادری سلسلے کے جد اعلیٰ شیخ جمال الدین ہیں[له]۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳ھ)

سیرت و کردار کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

خان اعظم در علم تواریخ و حریف روزمرہ بے ہمتا بودہ، و حافظہ نہایت داشت، و بغایت حلیم و متواضع بود۔

کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا، صاحب مقالات الشعراء نے اس کے چند شعر نقل کئے ہیں، جنہیں ہم یہاں نمونۃً نقل کرتے ہیں :-

اگر مرا نرساند فلک بہ آں مہ تاباں
علی ولی خدا شاہِ اولیاء برساند

---

چوں نہ شد حاصل مرا کام دل از ناموس و ننگ
بعد ازیں خواہم زدن بر شیشۂ ناموس و ننگ

(ماخوذ از مقالات الشعراء و حواشی مقالات الشعراء ص ۱۹۵ تا ۱۹۹ و ذخیرۃ الخوانین - جلد اوّل - ص ۶۲)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ له)

له یہ تمام تفصیل مولانا ابوالکلام آزاد کے تذکرے ص ۲۹ تا ۷۵ سے ماخوذ ہے۔

(۳۸)

# حضرت شاہ درگاہی لاہوری

**حالات** حضرت درگاہی لاہوری سلسلۂ قادریہ میں شیخ عبدالرزاق شاہ چراغ لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ لاہور میں شاہ چراغ لاہوری کے ساتھ آئے۔ اور سلسلۂ قادریہ میں خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد انھوں نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں بھی فیض حاصل کیا۔ شاہ درگاہی نہایت متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔

**وفات** شاہ درگاہی نے شاہ عالمگیر کے زمانے میں ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید ایڈمنسٹر جناح ہاسپٹل نے اپنے مضمون لاہور کے صوفیائے کرام میں ان کا مزار ہال روڈ گرجا کے قریب فورومن کالج کے پھاٹک کے متصل بتایا ہے۔

خزینۃ الاصفیا میں چاد پاتیاں والے کے قریب اور سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل ان کا مزار بتایا گیا ہے[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۶۰

(۳۹)

# شاہ دولا گجراتی

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی دولا تھا، آپ کا سلسلۂ نسب، سلطان بہلول لودھی[1] سے جا ملتا ہے، اور سلسلۂ طریقت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ پر منتہی ہوتا ہے۔ شاہ دولا کا سلسلۂ طریقت یہ ہے:۔

شاہ دولا۔ شاہ سید سرمست، شاہ مونگا، شاہ کبیر، شیخ ظہر اللہ، شیخ یوسف، پیر برہان، شیخ صدر الدین، شیخ بدر الدین شیخ اسماعیل قریشی، شاہ صدر الدین عارف، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ۔

---

[1] سلطان بہلول لودھی کا دادا ملک بہرام فیروز شاہ کے عہد میں اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر ملتان چلا آیا، اور ملتان کے حاکم ملک مردان کی ملازمت میں منسلک ہو گیا ملک بہرام کے پانچ لڑکے تھے، ملک شاہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد اور ملک خواجہ، یہ پانچوں بھائی اپنے والد کی وفات کے بعد ملتان میں رہے، ملک شاہ جو سب سے بڑا تھا، اُس نے خضر خاں کی ملازمت اختیار کر لی،

سلسلۂ سہروردیہ کے علاوہ شاہ دولا گجراتی نے مشائخ چشتیہ سے بھی فیوضِ باطنی حاصل کئے تھے۔

---

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ سلہ)

اور خضر خاں و اقبال خاں کی آویزش میں اس نے خضر خاں کی طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ اقبال خاں اُس کے ہاتھ سے مارا گیا، جس کے صلے میں ملک شاہ کو اسلام خاں کا خطاب ملا، اور ترقی کرتے کرتے سرہند کی حکومت اس کے تفویض ہوئی، اُسی زمانے میں سلطان بہلول کا باپ ملک کالا دورالہ کا حاکم مقرر ہوا جو سرہند کے قریب تھا، اور نیازی افغانوں سے ایک لڑائی میں لڑتا ہوا مارا گیا، اُس وقت سلطان بہلول ماں کے پیٹ میں تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں جب کہ اس کی والدہ کی مدتِ وضع حمل قریب تھی، اس پر مکان کی چھت گر پڑی اور وہ مرگئی۔ چونکہ مدت حمل کے آٹھ ماہ گزر چکے تھے اُس کا پیٹ چیر کر سلطان بہلول کو سسکتی ہوئی حالت میں نکالا گیا، ایک ماہ کے بعد اس کو اُس کے چچا اسلام خاں کے پاس سرہند میں لایا گیا اور اسلام خاں نے اس کو نہایت شفقت و محبت سے پرورش کیا، اور اس کا نام بہلول رکھا، افغان اس کو حقارت سے بلو کہتے تھے۔ جب بہلول جوان ہوا تو اسلام خاں نے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کردی، جب سلطان مُبارک شاہ کے زمانے میں جنگِ شیخ علی کابلی میں اسلام خاں مارا گیا تو بہلول اس کے قائم مقام ہوا اور ترقی کرتے کرتے امیرالامرائی کے عہدے پر فائز ہوا، جب سلطان محمد شاہ تخت نشین ہوا، اُس نے بہلول لودھی کے کارہائے نمایاں دیکھ کر اپنے مقربین میں شامل کیا، اور اس کو خانخاناں کے خطاب سے سرفراز فرمایا، اور اپنی فرزندی کا شرف بخشا، لیکن بہلول آخر میں کسی وجہ سے سلطان محمد شاہ سے ناراض ہو کر اُس کے پاس سے چلا گیا، اسلام خاں کا لڑکا قطب خاں جو اپنے آپ کو بہلول کا ہمسر سمجھتا تھا، اور چشمک رکھتا تھا، وہ بہلول سے منحرف ہو کر سلطان محمد شاہ کے پاس آیا، اور سلطان محمد شاہ سے ایک لشکر لے کر حسام خاں عرف حاجی شرقی کی سرداری میں بہلول پر

**غلامی**: شاہ دولا ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے والدین کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا۔ اور بعض قسی القلب انسانوں نے آپ کو ایک ہندو کے ہاتھ فروخت کر دیا، آپ نے اپنے آقا کی خدمت کچھ اس طرح انجام دی کہ اُس نے آپ کی خدمات سے متاثر ہو کر آزاد کر دیا۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵)

حملہ آور ہوا، دونوں میں عظیم جنگ واقع ہوئی، لیکن فتح و کامرانی بہلول لودھی کو حاصل ہوئی اس فتح کے بعد بہلول نے سلطان محمد شاہ کو لکھا کہ اگر حسام خاں کو قتل کر کے وزارت کا عہدہ حمید خاں کے سپرد کیا جائے تو میں فرماں برداری اور اطاعت گزاری کا عہد کرتا ہوں۔ سلطان محمد شاہ نے حسام خاں کو برطرف کر کے حمید خاں کو اپنا وزیر مقرر کیا، اس سے بہلول کو بڑی تقویت پہنچی اور طاقت و قوت حاصل کر کے اس نے بتدریج سرہند، سنام، لاہور، دیپال پور اور حصار فیروزہ اور دوسرے شہروں کو فتح کر لیا۔ اور دہلی کے فتح کرنے کے ارادے سے بڑھا، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، آخر سرہند میں لوٹ کر اُس نے اپنے آپ کو سلطان بہلول لودھی کا خطاب دے کر اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

جب سلطان علاء الدین تخت سلطنت پر بیٹھا، اور اس کی نااہلی کی وجہ سے ملک میں طوائف الملوکی پیدا ہوئی، اور اُس کی حکومت اپنی نااہلی کی وجہ سے صرف دہلی اور بدایون تک رہ گئی تو ۸۵۳ھ میں اُس نے دہلی کو اپنے دو بھائیوں کے سپرد کر کے اپنا دارالسلطنت بدایوں کو بنایا، دہلی میں ان دونوں بھائیوں میں اختلاف شروع ہوا یہاں تک کہ دونوں بھائیوں میں کشت و خون کی نوبت پہنچی، حمید خاں وزیر الممالک بدایوں سے فرار ہو کر دہلی پہنچا، اور دہلی پہنچ کر شہر اور خزانے پر قابض ہو گیا۔ علاء الدین اس کی گوشمالی کے لئے نکلا، حمید خاں یہ خبر سن کر فرار ہو کر بہلول لودھی کے پاس پہنچا، اور بہلول لودھی کو حکومتِ دہلی کی دعوت دی، بہلول لودھی دیپال پور سے آکر دہلی پر قابض ہو گیا۔ اور دہلی پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد اس نے سلطان علاء الدین کو لکھا کہ میں نے دہلی پر

**بیعت** آزاد ہونے کے بعد شاہ دولا سید سرمست سیال کوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے جلیل القدر صوفیا میں تھے، اور ایک عرصے تک اُن کی خدمت میں رَہ کر اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ سید سرمست کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اتفاق سے اُن کے حلقہء ارادت میں ایک اور صاحب بھی تھے جو انھیں کے ہمنام تھے، سید سرمست نے چاہا کہ اُن صاحب کو نعمتِ باطنی سے سرفراز کریں، اپنے حجرے سے آواز دی دولا یہاں آؤ، اتفاق وہ موجود نہ تھے، شاہ دولا نے سُنا تو فوراً اُن کی خدمت میں حاضر ہو گئے، سید سرمست نے اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تم کو نہیں بُلایا تھا، یہ فوراً لوٹ آئے، اور حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد سید سرمست نے پھر آواز دی کہ دولا یہاں آؤ، اُس وقت بھی وہ دولا موجود نہ تھے، یہ پھر حاضر ہو گئے۔ سید سرمست نے ان کو روحانی نعمتوں سے سرفراز کر کے فرمایا کہ جس کو خدائے تعالےٰ سرفراز فرماتا ہے وہی شاہ دولا ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایک عرصے تک شاہ دولا پر جذب و مستی کی کیفیت طاری رہی، آپ کا وقت زیادہ تر ویرانوں اور جنگلوں میں گزرتا تھا، اہلِ حاجت

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱؎)

بدنظمی کی وجہ سے قبضہ کرلیا ہے، لیکن میرا مقصد حکومت نہیں بلکہ یہ ملک آپ کا ہے، سلطان علاءالدین نے اس کو جواب میں لکھا کہ میرے باپ نے تمھیں بیٹا کہا تھا، میں تمھیں اپنے بھائی کے مانند سمجھتا ہوں اور دہلی کی سلطنت تمھیں بخشتا ہوں، میرے لئے تو بدایوں کی حکومت کافی ہے، سلطان علاءالدین کے اس خط کے بعد بہلول لودھی تختِ دہلی پر بیٹھا، سلطان بہلول لودھی نے ۳۹ سال حکومت کی۔ اس کا عہدِ سلطنت ۸۵۵ھ/۱۴۵۰ء تا ۸۹۴ھ/۱۴۸۸ء ہے۔

(سیر المتاخرین جلد اوّل مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ص ۱۳۵—۱۳۶)

آپ کے کشف و کرامات کو دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ کی دعاؤں سے اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں کامیاب ہو کر جاتے۔

**فیاضی و سخاوت** شاہ دولا کی فیاضی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ خزانۂ غیب سے آپ کو ملتا تھا بے حساب غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے، ایک بڑے پیمانے پر آپ نے لنگر جاری کر رکھا تھا، غربا اور فقرا اُس سے کھانا کھاتے۔ آپ کی بارگاہ ان اخراجات کو دیکھ کر اُمرا اور ملوک کی بارگاہ معلوم ہوتی تھی۔

گجرات اور سیال کوٹ وغیرہ میں آپ کے تعمیر کرائے ہوئے بہت سے کنوئیں، سرائے اور پل اب تک موجود ہیں، جنھیں دیکھ کر شاہی عمارتوں کا دھوکا ہوتا ہے۔

**سماع** سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ آپ کی مجلس کبھی سماع سے خالی نہ ہوتی تھی۔

آپ کے حاسدوں اور مخالفوں نے آپ کی مخالفت میں شاہجہاں کے سامنے ایک محضر پیش کیا، لیکن شاہجہاں نے اس پر توجہ نہ دی۔

**استجابتِ دعا** بیحد مستجاب الدعوات تھے، جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا تھا وہ پورا ہو جاتا تھا۔

اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں اولاد کے لئے دعا کا طالب ہو کر آتا تو آپ اُس سے فرماتے اگر تم اپنے بڑے لڑکے کو ہماری نذر کر دوگے، خدائے تعالےٰ تم کو اولاد سے نوازے گا، جو طالبِ دعا اس کو قبول کر لیتا، پہلا لڑکا جو اس کے گھر میں پیدا ہوتا، اس میں چند عجیب باتیں پائی جاتی تھیں؛ ایک تو یہ کہ اس کا سر بہت چھوٹا ہوتا، دوسرے گونگا ہوتا، تیسرے مسلوب الحواس ہوتا تھا، جب یہ لڑکا پیدا ہوتا، اس کے والدین اُس کو آپ کی خدمت میں لاتے، اور آپ اس کو اپنے پاس رکھ لیتے، اس قسم کے سیکڑوں بچے موشِ شاہ دولا کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ اس وقت بھی جب کہ میں یہ کتاب خزینۃ الاصفیاء لکھ رہا ہوں چار بچے جس میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، اسی شکل و شباہت کے آپ کے مزار پر موجود ہیں۔

صاحبِ معارج الولایت

## صاحب معارج الولایت کا بیان

کا بیان ہے کہ میں "حسن ابدال" جاتے ہوئے شاہ دولا کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت شاہ مراقبے میں تھے اور قوال مشائخ چشت کی تعریف میں کچھ گا رہے تھے، جب آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا تو میری طرف متوجہ ہوئے، اور مجھے کچھ مٹھائی عطا فرمائی، میں نے عرض کیا کہ میں اس ظاہری نعمت کا طالب نہیں ہوں مجھے تو باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمائیے۔ ہنستے ہوئے فرمایا تم یہ تو لو، وہ نعمت بھی تم کو ملے گی، پھر مجھے اپنی عنایت سے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

## وفات

شاہ دولا نے ۱۰۷۵ھ میں وفات پائی،

"....... بجنت رسید شہ دولا"

۱۰۷۵ھ

سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

آپ کا مزار مبارک شہر گجرات (پنجاب) میں زیارت گاہِ خلق ہے[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص ۱۰۲ تا ۱۰۴ سے ماخوذ ہے۔

(۴۰)

# حضرت شیخ رکن الدین

**نام و نسب** اسم گرامی رکن الدین، کنیت ابوالفتح تھی، شیخ صدرالدین کے صاحبزادے اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، اُن کی والدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھیں، وہ شیخ بہاءالدین زکریا سے غیر معمولی عقیدت رکھتی تھیں، حافظ قرآن مجید تھیں، تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتی تھیں، روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتی تھیں[1]

**بشارت** خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ایک دفعہ چاند رات کو بی بی راستی سلام کے لئے اپنے خسر شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اُس وقت شیخ رکن الدین پیٹ میں تھے، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور غیر معمولی تکریم سے پیش آئے۔ بی بی راستی خسر کا خلاف معمول طرز عمل دیکھ کر متعجب ہوئیں، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے اُن کے استعجاب کو محسوس کر کے

---

[1] سیر العارفین جلد ۲ ص ۲ و تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۱۔

فرمایا، بی بی یہ تمھاری تعظیم نہیں ہے، بلکہ یہ اُس بچّے کی تعظیم ہے جو تمھارے پیٹ میں ہے، اور جو ہمارے خاندان کا روشن چراغ ہوگا۔[۵۱]

**بچپن** شیخ رُکن الدین کی عمر چار سال کی تھی، ایک روز وہ کھیلتے ہوئے اپنے دادا حضرت شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانی کی چارپائی کے قریب آگئے، اُس وقت شیخ صدر الدین بھی اپنے والد کے پاس مؤدب بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی دستار اُتار کر چارپائی کے پائے پر رکھ دی تھی، شیخ رُکن الدین نے کھیلتے ہوئے وہ دستار اُٹھائی اور اپنے سر پر رکھ لی، شیخ صدر الدین نے انھیں ڈانٹا اور کہا بیٹا! یہ بے ادبی ہے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانی نے فرمایا، صدر الدین اسے دستار پہننے سے مت روکو کہ وہ ہماری دستار کا حق دار ہے، اور ہم یہ دستار اُسے عطا کرتے ہیں، چنانچہ جب اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین مسندِ سجادگی پہ رونق افروز ہوئے تو وہی دستار اُن کے سر پہ رکھی گئی۔[۵۲]

**تعلیم** شیخ رُکن الدین نے علومِ ظاہری کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اور روحانی فیوض اپنے دادا حضرت شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانی سے حاصل کئے، یہ دونوں بزرگ اُن سے بیحد محبت رکھتے تھے اور شیخ رُکن الدین بھی ان دونوں بزرگوں کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ کبھی اُن سے آنکھ اُٹھا کر بات نہ کرتے، اور نہ اُن کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اُن کے اس ادب کو دیکھ کر حضرت شمس الدین تبریزی نے اُن کو "رکن الدین عالم" کا خطاب دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ "رکن عالم" کے نام سے مشہور ہوئے۔ انھیں دونوں سے اُنھوں نے ظاہری و باطنی کمال حاصل کئے۔

---

[۵۱] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۴۷ و ۴۸ [۵۲] بزم صوفیہ۔ ص ۲۶۲ بحوالہ مراۃ الاسرار۔

**علوئے مرتبت** صاحب سیر العارفین نے اُن کے علوئے مرتبت کی تصویر اپنے اشعار میں اس طرح کھینچی ہے:۔

جان معرفت، سُلطان معنی
وجودش آیتے، در شانِ معنی
دلش از طلعتِ اسرار مسرور
ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بے باک
بظاہر در شریعت چست وچالاک
بُریدہ گردنِ شیطان خنّاس
خریدانش زتیغِ پاسِ انفاس
بملک فقر از کشف و کرامات
زدہ بر عرش کوسِ استقامات
کلامش پاک از طامات واز شطح
یگانہ شیخ رُکن الدین ابو الفتح
بملکِ فقر جز نعمت نبودش
جمالی ریزہ چیں خوانِ جودش[1]

**ریاضتیں اور مجاہدے** حضرت شیخ رکن الدین کے خلیفہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا بیان ہے کہ جب شیخ رکن الدین منزل کمال تک پہنچ گئے، تب بھی تہجد کے وقت سے دوپہر تک عبادت وریاضت میں مشغول رہتے۔[2]

---

[1] سیرۃ العارفین جلد ۲ ص ۱

[2] بزم صوفیہ ص ۲۶۳ بحوالہ الدر المنظوم ملفوظات مخدوم اردو ترجمہ ص ۴۴۵۔

**خلافت**

شیخ رکن الدین حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور اپنے والد شیخ صدرالدین کے خلیفہ تھے۔ چھتیس سال کی عمر میں وہ اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے۔ جو کوئی بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنے دامن کو گوہرِ مُراد سے بھر کر جاتا، اِسی لئے لوگ اُن کو "قبلۂ حاجات" کہتے تھے[1]۔

## سلاطین وقت سے تعلقات۔ علاءالدین خلجی

شیخ رکن الدین کو اپنے زمانے میں بڑا عروج ہوا، سلطان علاءالدین خلجی[2] اُن کا بڑا معتقد تھا، وہ اُس کی زندگی میں دو مرتبہ دہلی تشریف لائے، بادشاہ نے اُن کا شاندار استقبال کیا، اُس نے دو لاکھ ٹنکے اُن کے تشریف لانے پر، اور پانچ لاکھ ٹنکے، ان کے رخصت کے وقت پیش کئے، اُنھوں نے وہ رقم لے کر مستحقین اور غربا میں تقسیم کر دی[3]۔

**قطب الدین خلجی**

سلطان علاءالدین خلجی کے بعد ۷۱۶ھ میں اُس کا تیسرا بیٹا شہاب الدین قطب الدین مبارک کے نام سے تختِ سلطنت پر بیٹھا، وہ حضرت خواجہ نظام الدین سلطان المشائخ[4] کے خلاف

---

[1] خزینۃ الاصفیار جلد ۲ ص ۸۴

[2] سلطان علاءالدین خلجی اپنے چچا اور ولی نعمت سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کرا کر رمضان ۶۹۵ھ م ۱۲۹۵ء دہلی میں تختِ سلطنت پر بیٹھا، اس نے ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء میں وفات پائی۔ وہ پہلا فرماں روا تھا جس نے قریب قریب تمام پاکستان اور ہندو دکن میں اپنا خطبہ پڑھوایا۔ (ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت۔ جلد اوّل ص ۲۹۶)

[3] خزینۃ الاصفیار جلد دوم ص۔ ۸۴۔

[4] خواجہ نظام الدین کا اسم گرامی محمد، اور آپ کے والد کا نام نامی احمد، اور آپ کے دادا کا نام علی تھا جو بخارا کے رہنے والے تھے۔ سلطان المشائخ و نظام اولیار آپ کا لقب ہے۔

تھا، اس کی کوشش یہ تھی کہ حضرت خواجہ نظام الدین سلطان المشائخ کے اثر و رسوخ کو کم کیا جائے۔ اور دہلی میں ایک اور بارگاہ قائم کی جائے، چنانچہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؎)

آپ کے دادا علی بخاری اور نانا خواجہ عرب دونوں کے دونوں بخارا سے آکر کچھ دن لاہور میں مقیم ہوئے، پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے۔ بدایوں ہی میں خواجہ صاحب ماہ صفر ۶۳۴ھ / ۱۲۳۸ء میں پیدا ہوئے، جب آپ پانچ سال کے تھے تو والد کا سایہ شفقت سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کی والدہ بی بی زلیخا نے باوجود غربت و افلاس کے آپ کو تعلیم دلائی، ابتدائی تعلیم بدایوں ہی میں ہوئی، یہیں آپ نے مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی، پھر آپ کی والدہ آپ کو تعلیم کے لئے دہلی لائیں، جہاں آپ نے مولانا شمس الدین دامغانی سے مقامات حریری کے چالیس مقامات پڑھے، پھر مولانا کمال الدین زاہد سے حدیث میں مشارق الانوار کی سند لی۔
اُسی زمانے میں جب کہ آپ بدایوں میں مولانا علاء الدین اُصولی سے تعلیم حاصل کر رہے تھے، اور اُس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ ابوبکر قوال ملتان سے آپ کے اُستاد مولانا علاء الدین اصولی کی خدمت میں آیا، اور وہاں کے بزرگوں کا تذکرہ کرنے لگا۔ اُس نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میں شیخ بہاء الدین زکریا کے سامنے گا رہا تھا، جب میں اس پر پہنچا ؎

لقد لسعت حیۃ الھوی کبدی

تو اتفاق سے مجھے دوسرا مصرع یاد نہ آیا، اُنھوں نے فوراً ہی مجھے دوسرا مصرع بتایا، پھر دھان کی عبادت و ریاضت کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اُن کی ریاضت و عبادت حد سے باہر ہے، یہاں تک کہ اُن کی کنیزیں بھی چکی پیستے ہوئے ذکر الٰہی کرتی ہیں، اس طرح کی وہ بہت سی باتیں اُن کے متعلق بیان کرتا رہا۔ پھر اُس نے کہا کہ میں مُلتان سے اجودھن گیا۔ میں نے وہاں ایک ماہتاب ولایت کو دیکھا جنھوں نے اپنی تابانی اور درخشانی سے عالم کو منور کر رکھا ہے۔ ابوبکر کی زبان سے بابا فرید گنج شکر

اس نے اس غرض سے شیخ رکن الدین کو ملتان سے دہلی بلایا۔ لیکن دونوں بزرگ ایک دوسرے سے اس خلوص اور محبت سے ملے، اور اُن میں اتنا

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؁)
کا ذکر سن کر حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے دل میں اُن کی محبت کا چراغ روشن ہوگیا اور یہ کیفیت ہوئی کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے آپ بابا فرید گنج شکر کا ذکر کرتے تھے۔

جب سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلی تشریف لائے تو ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں رہتے تھے، اس کے قریب ہی بابا فرید گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا جن کی صحبت میں حضرت بابا فرید گنج شکر کی ملاقات اور دیدار کا شوق اور بھی بڑھا۔

آخر آپ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو بابا فرید کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوئے، خواجہ محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت بابا فرید کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تو بابا فرید نے مجھے دیکھ کر سب سے پہلے یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اُسی وقت کلاہ چہار ترکی سر سے اُتار کر میرے سر پر رکھ دی، میں نے چاہا کہ میں بابا فرید سے کچھ عرض کروں، لیکن میں خوف و دہشت سے کچھ نہ کہہ سکا، میری دہشت کو مشاہدہ فرما کر آپ نے مجھ سے فرمایا ہر داخل ہونے والے کے لئے دہشت ضروری ہے۔ میں اُسی روز آپ کی بیعت سے مشرف ہوا۔ میں نے بیعت ہونے کے بعد عرض کیا کہ میرے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے کیا میں تعلیم کو چھوڑ کر اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں؟ فرمایا ہم کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتے تم اس کو بھی جاری رکھو، اور وظائف و اوراد کی بھی پابندی کرو۔

سلطان المشائخ ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و

سلوک اور دوستانہ رہا کہ قطب الدین کے سارے منصوبے خاک میں گئے، حضرت خواجہ نظام الدین سلطان للمشائخ نے جب شیخ رکن الدین کے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۵)

تربیت حاصل کرتے رہے آپ نے چھ پارے تجوید سے بابا فرید سے پڑھے، اس کے علاوہ بابا فرید سے عوارف کے چھ ابواب پڑھ کر سند حاصل کی، پھر تعلیم و تربیت اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر نے آپ کو سندِ خلافت سے سرفراز فرمایا اور دہلی جانے کی اجازت دی، سندِ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ دہلی تشریف لائے۔

سیر العارفین میں ہے کہ ابتداً آپ نے غیاث پورے میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانے میں آپ کی خانقاہ میں فقر وفاقے اور نہایت عسرت کے ساتھ بسر ہوتی تھی، اس زمانے میں مولانا برہان الدین غریب اور مولانا کمال الدین یعقوب پٹنی آپ کی خانقاہ میں مصروفِ ریاضت تھے، ایک دفعہ چار روز کا فاقہ ہوگیا، پڑوس کی ایک ضعیفہ خاتون نے یہ حال دیکھ کر کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کی ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اتنے میں ایک درویش گدڑی پوش آیا، اور کچھ کھانے کو مانگا، حضرت محبوب الٰہی الٰہی نے وہ ہنڈیا اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دی، اس نے اس ہنڈیا میں سے کچھ گرم گرم لقمے منھ میں رکھے اور ہنڈیا کو پٹک کر یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

شیخ فرید الدین گنج شکر نعمتِ باطن شیخ نظام الدین اولیا، ارزانی داشت، ومن دیگ فقر ظاہری او بشکستم، حالا سلطان ظاہری وباطنی شدی۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے حضرت محبوب الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی۔

جب سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پورے کے پاس کیلوکھڑی میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اپنا محل بنوایا تو وہاں امراء اور ارکینِ سلطنت کا ہجوم ہوگیا اور حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں لوگوں کا ہجوم رہنے لگا، اس ہجوم کو دیکھ کر آپ

دہلی میں پہنچنے کی خبر سنی تو اُن کے استقبال کے لئے اپنی قیام گاہ سے نکل کر حوضِ علائی تک اُن کو لینے کے گئے، اور وہ پہلے شخص تھے جو دہلی میں سب سے پہلے شیخ رکن الدین سے ملے، جب سلطان قطب الدین نے ان سے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۲۹۶)

گھبرانے لگے اور آپ نے غیاث پورے کی سکونت ترک کرنے کا ارادہ کیا، ابھی آپ اسی خیال میں تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان آیا، اور اُس نے یہ دو شعر پڑھے۔

روزے کہ تو مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دلِ خلقے بربود
در گوشہ نشستن نمی دارد سود

یہ اشعار پڑھ کر اُس نے کہا کہ اول تو آدمی کو مشہور نہ ہونا چاہیئے، اور جب وہ مشہور ہو جائے، پھر اُسے کوشش کرنی چاہیئے کہ کل قیامت کے دن اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ ہو، مخلوق سے کنارہ کر کے حق کے ساتھ مشغول ہو جانا سہل ہے، لیکن مردانگی اور مردوں کا کام یہ ہے کہ انجمن میں بھی ان کی خلوت ہو، اور مخلوقِ خدا کے ہجوم کے باوجود ان کی مشغولیِ حق میں فرق نہ آئے، حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ میں نے اُسی وقت نیت کی کہ اب میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی کے مجاہدات اور ریاضتوں کا یہ عالم تھا کہ۔

جوانی میں تیس سال بڑے سخت مجاہدے کیئے، پھر جوانی کے بعد باقی زندگی اس سے بھی سخت مجاہدوں میں گزاری، تمام عمر صائم الدہر رہے، رات اور دن میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے، اگرچہ

پوچھا کہ شہر والوں میں سب سے پہلے آپ کا استقبال کس نے کیا، فرمایا اُس شخص نے جو شہر میں سب سے بہتر ہے، یہ کہہ کر شیخ رکن الدین نے سلطان قطب الدین کو نا امید کر دیا۔ جس کے لئے اُس نے شیخ رکن الدین کو بلایا تھا۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲)

خانقاہ میں آپ کا قیام کوٹھے پر رہتا تھا، مگر اسّی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اُتر کر نمازِ باجماعت ادا کرتے، روزانہ کا طریقہ یہ تھا کہ فجر، اشراق، اور چاشت کی نمازوں کے بعد آپ جماعت خانے میں مسندِ رشد و ہدایت پر تشریف فرما ہوتے، اُس وقت اکابر علماء اور جلیل القدر صوفیاء کا اجتماع ہوتا اور آپ تصوف اور سلوک کے نہایت اہم نکات بیان فرماتے، پھر شہر کے غربا اور مساکین آتے اور آپ اُن کو نقد، غلہ اور دوسرے تحائف دیتے، آپ کا ارشاد تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غربا میں تقسیم کر دی جائیں، کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے، ظہر کی نماز سے پہلے قیلولہ فرماتے، ظہر کی نماز کے بعد مجلس منعقد ہوتی۔ اِس مجلس میں آپ زیادہ تر علمی مسائل بیان فرماتے، کشاف اور دوسری کتابوں کا درس بھی ہوتا تھا، عصر کی نماز کے بعد آپ کوٹھے پر واپس تشریف لے جاتے، وہاں ایک علمی مجلس ہوتی، اور حاضرین کی تواضع خشک اور تر میووں اور شربتوں سے ہوتی، عشاء کی نماز کے لئے پھر نیچے آتے، اور نماز پڑھ کر پھر کوٹھے پر حجرے میں چلے جاتے، اُس وقت آپ کے مرید اور خلیفہ خاص حضرت امیر خسرو آتے اور کچھ حکایتیں سُناتے جن کو آپ نہایت دلچسپی سے سُنتے، کبھی کبھی عزیزوں اور رشتے داروں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آجاتے، جب امیر خسرو چلے جاتے خادم

شیخ رکن الدین اگرچہ بادشاہ کے مہمان تھے، لیکن اُن کا زیادہ وقت حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی صحبتوں میں بسر ہوتا تھا، اور دونوں ایک دوسرے کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔

---

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۴)

خاص وضو کا پانی لاکر رکھتا، پھر آپ اُٹھ کر دروازہ بند کر دیتے، پھر کیا ہوتا، کسی کو خبر نہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لاکر پیش کرتا، اس میں سے کچھ نوش فرمالیتے، جو بچ جاتی اُسے تقسیم کرنے کا حکم دیتے۔

حضرت محبوب الٰہی نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے فرمارہے ہیں کہ نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، اِس خواب کے بعد سے سفرِ آخرت کے لئے بےچین رہے، وفات سے چالیس دن پہلے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا، جب لوگ کھانے کے لئے اصرار کرتے تو فرماتے جو کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشتاق ہو وہ دنیا کا کھانا کیا کھائے، بیماری کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لئے کہا گیا۔ فرمایا:-

دردمندے عشق را دارو بجز دیدار نیست

وفات کے روز لنگر خانے اور آپ کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں غربا اور مساکین میں تقسیم کردیں تاکہ خدائے تعالےٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، خادم نے کچھ غلہ درویشوں کے لئے رکھ لیا تھا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا اس کو بھی لٹادو اور ہر توشے خانے میں جھاڑو دے دو، چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی گئی، نماز کا وقت آتا تو ایک نماز کئی کئی دفعہ پڑھتے اور فرماتے میرویم، میرویم، میرویم۔

وفات سے کچھ پہلے تبرکاتِ خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو دیں، اور اُن کو خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا، حضرت نصیرالدین چراغ کو بابا فرید کا

سیرالاولیاء میں ہے کہ پہلی ملاقات کے بعد جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جامع مسجد تشریف لائے۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی وہاں موجود تھے، وہ اپنی جگہ سے اُٹھے، اور وسیع صحن طے کر کے شیخ رکن الدین کے پاس آگئے جو اس وقت تک نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے، سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اُن کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئے، جب وہ نماز

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۲۸)

دیا ہوا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح اور لکڑی کا پیالہ دے کر فرمایا تمھیں دہلی میں رہنا چاہیے، اور لوگوں کی جفا برداشت کرنی چاہیے۔ پھر صبح کی نماز پڑھی، طلوعِ آفتاب کے وقت ۱۸ ربیع الاوّل ۷۲۵ھ کو آپ نے وصال فرمایا، مزار مبارک دہلی میں ہے، روضۂ مبارک کی عمارت سلطان محمد تغلق کی بنوائی ہوئی ہے۔

چونکہ آپ نے ساری عمر تجرد میں گزاری اِس لئے کوئی اولاد نہیں تھی، آپ کے مشہور خلفاء میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت شیخ قطب الدین منور ہانسوی، حضرت امیر خسرو، حضرت شیخ حسام الدین ملتانی، حضرت شیخ برہان الدین غریب، حضرت شیخ حسام الدین سوختہ، حضرت شیخ حسن دہلوی، حضرت شیخ منتخب الدین خلدآبادی اور حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی مشہور ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کے چار مجموعے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) فوائد الفواد۔ اس مجموعے کے مرتب خواجہ حسن سنجری ہیں یہ ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

(۲) افضل الفوائد۔ اس مجموعے کے جامع حضرت امیر خسرو ہیں۔

(۳) راحت المحبین۔ اس مجموعے میں آپ کے ایک نامعلوم مرید نے ۷۸۹ھ سے ۷۶۹ھ تک کے ملفوظات درج کیے ہیں۔

(۴) سیرالاولیاء۔ سید مبارک امیر خورد کی تالیف ہے جو حضرت خواجہ

نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے اُٹھ کر بڑی گرمجوشی سے معانقہ کیا، پھر شیخ رکن الدین حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ آئے جہاں حضرت سلطان المشائخ پہلے سے بیٹھے ہوتے تھے، اور جب دونوں مسجد سے روانہ ہو کر اپنی پالکی کے پاس پہنچے تو دونوں ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ اپنی پالکی میں سوار ہوں، حضرت محبوب الٰہی کے اصرار پر شیخ رکن الدین پہلے اپنی پالکی میں سوار ہوئے۔

اُسی زمانے میں جب کہ شیخ رکن الدین دہلی میں شاہی مہمان تھے، وہ حضرت محبوب الٰہی کی ملاقات کے لئے اُن کی خانقاہ میں تشریف لائے، اتفاق سے شیخ رکن الدین کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، پالکی سے باہر آنا چاہا لیکن، حضرت محبوب الٰہی نے روک دیا، اور وہیں پالکی کے پاس حضرت محبوب الٰہی اور دوسرے لوگ بیٹھ گئے اس موقع پر شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل[1] کو بعض علمی باتوں کے پوچھنے کا خیال دل

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید تھے، یہ کتاب اگرچہ حضرات چشتیہ کے حالات میں ہے لیکن اس کے آخر میں حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات بھی ہیں، امیر خورد نے اس کتاب کو ۸۰۰ھ میں مرتب کیا تھا۔

(یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل، سفینۃ الاولیاء، سیر الاولیاء، سیر العارفین بزم صوفیا سے ماخوذ ہیں۔)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱) [1] اخبار الاخیار ص ۶۵۔ سیر الاولیاء ص ۱۳۵۔۱۳۶

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا بسلسلہ ۱)

[1] شیخ عماد الدین اسماعیل شیخ ابو الفتح رکن الدین کے چھوٹے بھائی تھے، یہ ملتان میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد شیخ صدر الدین اور اپنے بڑے بھائی شیخ ابو الفتح رکن الدین سے

میں آیا، اور اُنھوں نے ان دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ میں کیا مصلحت تھی، شیخ رکن الدین نے فرمایا غالباً اس میں حکمت یہ تھی کہ بعض کمالات ودرجات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت پر منحصر تھی، اور اُس کا عملی ظہور اصحابِ صفہ[1] کی صحبت پر موقوف تھا، حضرت محبوبِ الٰہی

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)
تعلیم وتربیت حاصل کی، فقہ اور اصول فقہ کی طرف شیخ عماد الدین اسماعیل نے غیر معمولی توجہ کی، یہاں تک کہ فتوی اور تدریس میں طالبین کا مقصد بنے، شیخ ابو الفتح رکن الدین نے وفات پائی، تو اُن کی جگہ مسند سجادگی پر شیخ عماد الدین متمکن ہوئے۔ پھر خلافت ان کی اولاد میں چلی، شیخ عماد الدین اسماعیل کے بعد اُن کے صاحبزادے۔ صدر الدین حلیم اُن کے قائم مقام ہوئے۔ شیخ عماد الدین اسماعیل کے سنہ وفات کا پتہ نہیں چلتا، صاحبِ گلزار ابرار کے اس مصرع سے کہ "عماد الدین عمادِ قصر دیں بود" سے خیال ہوتا ہے کہ اُن کا سنہ وفات (۷۹۵ھ) ہے۔ نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۱۳ و ۱۴)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا بسلسلہ ۱)
[1] صُفّہ سائبان کو کہتے ہیں، یہ ایک سائبان تھا جو مسجدِ نبوی کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا، صحابہؓ میں سے اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت و زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کرتے تو اس حلقے سے نکل جاتے، اُن میں سے کچھ دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتے، یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور رات کو اُسی چبوترے (صُفّہ) پر پڑے رہتے، حضرت ابوہریرہؓ بھی اِنھیں لوگوں میں سے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہوسکیں۔

نے فرمایا کہ میرے خیال میں ہجرتِ مدینہ میں یہ حکمت تھی کہ جو اصحابِ مدینہ جو اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے مکّہ معظمہ تک حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مستفیض ہو کر ظاہری اور باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں، اس گفتگو کے بعد کھانا منگوایا گیا، اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حضرت محبوب الٰہی کے خادم خاص اقبال نے آپ کی طرف سے بیش قیمت کپڑا اور سو اشرفیاں ایک باریک کپڑے میں سے جھلک رہی تھیں۔ شیخ رکن الدین کی خدمت میں پیش کیں، شیخ رکن الدین نے حضرت محبوب الٰہی کو مخاطب ہو کر فرمایا اُستُر ذھبک یعنی (اپنا سونا چھپائیے) حضرت محبوب الٰہی نے فوراً جواب دیا اُستُر ذھبک وذھابک ومذھبک۔ یعنی (اپنے سونے کو جانے کو اور جانے کی جگہ کو چھپائیے)۔ شیخ رکن الدین نے اس نذرانے کے قبول کرنے میں تامل کیا، حضرت

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱ ؎)

چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی، اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے، اور چھت میں لگا دیتے، کھجوریں ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اُٹھا کر کھا لیتے، کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے، اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ اکثر نماز میں شریک ہوتے، لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقے کا کھانا آتا تو مسلّم اُن کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو اُن کو بُلاتے اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہو کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو مہاجر اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جاتا اور کھانا کھلاتا۔ (سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی حصہ اوّل ص ۱۹۲/۱۹۳ طبع ششم)۔

محبوب الٰہی نے وہ نذرانہ اُن کے بھائی شیخ عمادالدین اسماعیل کے حوالے کردیا۔

## شیخ رکن الدین اور حضرت سُلطان المشائخ کے باہمی تعلقات

حضرت شیخ رکن الدین اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی میں جو محبت و خلوص تھا، اُس کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ شیخ رکن الدین سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اتفاق سے یہ زمانہ عشرۂ ذالحجہ کا تھا۔ جب شیخ رکن الدین حضرت محبوب الٰہی سے ملے تو فرمایا یہ زمانہ حج کا ہے، جو حج کے لئے کوشش کرتا ہے اُسے حج کا ثواب ملتا ہے، میں حج کی سعادت حاصل نہ کرسکا، میں نے کوشش کی کہ میں آپ کی زیارت کروں، یہ سُن کر حضرت محبوب الٰہی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے[1]

صاحب سیرالاولیاء کا بیان ہے کہ جب شیخ رکن الدین پالکی میں بیٹھ کر حضرت محبوب الٰہی کی ملاقات کے لئے تشریف لے جانے لگے تو میرے والد پالکی میں شیخ رکن الدین کے لئے کھانا رکھنے لگے، اُنھوں نے دیکھا کہ پالکی میں ہر طرف کاغذ بکھرے ہوئے ہیں، میرے والد نے اُن کاغذات کو ایک طرف جمع کرکے کھانا رکھنے کے لئے جگہ نکالنی چاہی، شیخ رکن الدین نے حضرت محبوب الٰہی کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا، آپ کو معلوم ہے یہ کاغذات کیسے ہیں؟ پھر خود ہی فرمانے لگے یہ حاجت مندوں کی عرضیاں ہیں، جو وہ مجھے اس لئے دیتے ہیں کہ میں انھیں بادشاہ تک پہنچاؤں، لیکن اُنھیں کیا معلوم کہ میں آج کس بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں[2]

---

[1] یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار ص ۶۵ و ۶۶ اور سیرالاولیاء ص ۱۴۰ سے ماخوذ ہے۔

[2] سیرالاولیاء ص ۱۲۳

## آخری ملاقات

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق[1] تختِ سلطنت پر بیٹھا، اُس سے بھی شیخ رکن الدین کے تعلقات اچھے رہے، اور وہ اُس کے یہاں آکر مہمان ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضرت محبوب الٰہی مرض الموت میں مبتلا تھے، شیخ رکن الدین اُن کی مزاج پُرسی کے لئے آئے، اُس وقت حضرت محبوب الٰہی عالم تحیّر میں تھے، مریدین پریشان تھے کہ اس عالم تحیّر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہوگی، لیکن ایک دم حضرت محبوب الٰہی کا تحیّر جاتا رہا، شیخ رکن الدین کو دیکھ کر تعظیماً چارپائی سے اُترنا چاہتے تھے، مگر شدتِ ضعف کی وجہ سے نیچے نہ اُتر سکے، شیخ رکن الدین کو چارپائی پر بیٹھنے کے لئے کہا، لیکن شیخ رکن الدین تعظیماً چارپائی پر نہ بیٹھے، اُن کے لئے کرسی لائی گئی، وہ اُس پر بیٹھے، شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ انبیاء کو زندگی اور موت کا اختیار دیا جاتا ہے، اور جو اولیاء انبیاءؑ کے جانشین ہوتے ہیں اُنھیں بھی اختیار ملتا ہے، کاش آپ کی زندگی کچھ اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچا سکتے۔ یہ سُن کر حضرت محبوب الٰہی اشکبار ہوگئے، اور فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، شیخ رکن الدین نے یہ سُنا تو رونے لگے، یہاں تک کہ حاضرین مجلس پر گریہ طاری ہوگیا۔

اس ملاقات کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے وفات پائی، آپ کے جنازے کی نماز شیخ رکن الدین نے پڑھائی، وہ اس سعادت پر ہمیشہ فخر کرتے تھے[2]

---

[1] سلطان محمد تغلق اوائل ۷۲۵ھ میں تختِ سلطنت پر بیٹھا، اُس نے یکم ماہ محرم ۷۵۲ھ کو وفات پائی (تاریخ معصومی ص ۴۹،۴۸)

[2] سیر الاولیاء ص ۱۴۱

**کشف** شیخ رکن الدین کی قوتِ کشفی بے حد بڑھی ہوئی تھی، وہ نورِ باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دل کے حالات معلوم کر لیتے تھے، اسی لئے اُن کو ابوالفتح بھی کہتے تھے۔ مجمع الاخیار[1] میں ہے کہ ایک روز سلطان غیاث الدین[2] تغلق نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے پوچھا کہ تم نے شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت دیکھی ہے، اُنھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز لوگ شیخ رکن الدین کی قدم بوسی کے لئے جمع تھے، اس مجمع کو دیکھ کر میرے دل میں گزرا کہ شاید شیخ کے پاس کوئی تسخیر کا عمل ہے، ورنہ میں بھی عالم ہوں میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں کل شیخ کے پاس جاؤں گا، اور اُن سے پوچھوں گا کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیا حکمت ہے؟ رات کو جب میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ رکن الدین مجھ کو حلوا کھلا رہے تھے، صبح کو جب میں اُٹھا تو اُس کی شیرینی میری زبان پر تھی، میں نے خیال کیا اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے، جب صبح کو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا آیئے میں تمھارا منتظر ہی تھا، پھر فرمایا جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابتِ جسم اور جنابتِ دل، جنابتِ جسم تو عورتوں سے مقاربت کی وجہ سے ہوتی ہے، مگر دل کی جنابت ناہموار لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم کی جنابت سے پاکی پانی سے حاصل ہوتی ہے، لیکن دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور

---

[1] مجمع الاخیار کا تذکرہ اخبار الاخیار ص ۶۳ پر ملتا ہے۔

[2] غازی ملک تغلق ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء کو غیاث الدین کے لقب سے خسرو خاں کے بعد تختِ سلطنت پر بیٹھا، اور ربیع الاول ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء کو چھت کے نیچے دب کر وفات پائی (تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۳۰۱ و ۳۰۷)

ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ پانی کی بھی تین صفتیں ضروری ہیں تاکہ وہ پاک کرنے والا اور نجاست کا دور کرنے والا ہو، اور وہ تین صفتیں رنگ، مزہ اور بُو ہے، لہٰذا شریعت نے کلّی کو اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے کہ کُلّی سے مزہ معلوم ہوتا ہے، اور ناک میں پانی ڈالنے سے اُس کی بُو معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان متمثل نہیں ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں شیطان نمودار نہیں ہوتا کہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مولانا ظہیر الدین تم تو لی علوم سے تو مالا مال ہو، لیکن حالی علوم سے خالی ہو، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ میں شیخ رکن الدین کی زبان سے یہ باتیں سن کر پسینے پسینے ہو گیا[1]

سلطان غیاث الدین تغلق سے شیخ رکن الدین کے تعلقات خاص تھے، جب وہ فتح دکن سے دہلی واپس ہوا تو شیخ رکن الدین بھی اُس کے استقبال کے لئے گئے، اُس کے لڑکے سلطان محمود نے دہلی سے دو کوس کے فاصلے پر ایک نیا محل تعمیر کرایا تھا، سلطان غیاث الدین نے اس محل میں قیام کیا، شیخ رکن الدین بھی بادشاہ کے ساتھ اُسی محل میں مقیم تھے، رات کو شیخ رکن الدین اور دوسرے لوگ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک نورِ باطن سے شیخ رکن الدین نے محسوس کیا کہ جس کمرے میں وہ کھانا کھا رہے ہیں اُس کی چھت گرنے والی ہے، اُنھوں نے اچانک سلطان غیاث الدین سے فرمایا کہ اس محل کی عمارت نئی ہے، مصلحت یہ ہے کہ فوراً ہی اس جگہ سے باہر چلئے ایسا نہ ہو کہ یہ چھت گر پڑے، یہ کہہ کر

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۴ و ۶۵۔

شیخ رکن الدین اُٹھے، اور کمرے سے باہر نکل گئے، مگر غیاث الدین نے نکلنے میں دیر کی، اتنے میں کمرے کی چھت گر پڑی، اور سلطان اور اُس کے بعض اُمرا اُس چھت کے نیچے دب کر مر گئے۔

## وفات

شیخ رکن الدین نے حضرت محبوب الٰہی کے دس سال بعد وفات پائی، وفات سے تین مہینے پہلے اُنھوں نے لوگوں سے ملنا جلنا، اور بات چیت کرنا چھوڑ دیا تھا، صرف نماز باجماعت کے لئے حجرے سے نکلتے تھے۔ ۱۶ رجب ۷۳۵ھ کو عصر کے بعد اپنے مُرید مولانا ظہیر الدین[1] محمد کو حجرے میں بُلا کر کہا، ہماری تجہیز و تکفین کا سامان تیار رکھو، اُسی روز نماز مغرب کے بعد، صلوٰۃ الاوّابین پڑھ رہے تھے کہ عین سجدے کی حالت میں وصال فرمایا۔ شیخ رکن الدین کے اولاد نہ تھی، اس لئے ان کی وفات کے بعد اُن کے بھائی محمد اسماعیل سجادۂ مشیخت پر رونق افروز ہوئے[2]

مزار مبارک ملتان میں اپنے دادا اور اپنے والد کے مزار کے متصل واقع ہے۔

---

[1] ظہیر الدین بن تاج الدین حسینی واسطی، ظفر آبادی مشہور شعراء میں تھے، ایک زمانے تک اپنے عہد کے بادشاہوں کی ملازمت میں منسلک رہے، پھر سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور فیوض باطنی حاصل کئے، اُن کا دیوان بھی ہے، اور تصوف پر اُن کی ایک کتاب رموز المعانی ہے، اُنھوں نے دہلی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۶۷)

[2] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۵۰ و تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۱۔

**وصایا** تذکروں میں شیخ ابوالفتح رکن الدین کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، مگر اخبار الاخیار میں مجمع الاخبار سے، شیخ رکن الدین کے کچھ وصایا، اور ملفوظات کا اقتباس ملتا ہے، جن میں سے بعض وصایا اور ملفوظات ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں، اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں:۔

"اے عزیز! آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت، اُن میں سے صفت قابلِ توجہ ہے، اِس لئے کہ اللہ صورتوں کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے۔ اگر کسی کا دل اوصافِ ذمیمہ سے پُر ہے تو اُس کا شمار چوپایوں میں ہے، اوصافِ ذمیمہ کو دور کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیۂ نفس اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ بندہ خدائے عزوجل سے استعانت نہ کرے، وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی وان ربی لغفور رحیم۔ جب تک کہ اس کا فضل و رحمت دستگیری نہ کرے تزکیہ حاصل نہیں ہوتا، ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا، اور اللہ کے فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندے کو اس کے عیوب کے لئے چشم بینا عطا فرماتا ہے، اور عظمتِ الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اُس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے اور دنیا میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت اُس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اُس کے قلب پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو اُس سے بہیمانہ اوصاف جس میں اہلِ دنیا گرفتار ہیں اُن سے

نفرت ہو جاتی ہے، اور اس میں اوصافِ ملکیہ رونما ہوتے ہیں، چنانچہ اس میں بجائے ظلم و غضب، کبر و بخل اور حرص کے عفو و حلم و تواضع، سخاوت اور ایثار کا ظہور ہوتا ہے، مگر یہ خوبیاں عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں، طالبانِ حق کے اوصاف اِس سے بھی بلند تر ہیں تخلقوا باخلاق اللہ اُن کے لئے مسلّم ہے، ہر آدمی کی فہم وہاں تک نہیں پہنچتی ہے۔

عہدیست مرا کہ نگیرم بجز تو دوست
شرطیست مرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک اور موقع پر ایک مرید کو لکھا کہ :-

"ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی کی، حاضرین نے تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین بدی تو کسی کے لئے آپ سے نہیں ہو سکتی لیکن نیکی کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے، فرمایا، من عمل صالحاً فلنفسہٖ ومن اساء فعلیھا یعنی جس نے اچھے کام کئے اپنے نفس کے لئے کئے اور جس نے بُرے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ بھی نیکی اور بدی مجھ سے صادر ہوئی درحقیقت وہ میرے ہی لئے ہے نہ کہ دوسروں کے لئے۔"

اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے۔

صلاح ایں کس صلاح اوبس ست

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :-

"اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً و فعلاً

باز رکھنا چاہیے، اور لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، لایعنی مجلس سے وہ مجلس مراد ہے جو بندے کو خدا سے برگشتہ کرکے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، اور بطّالوں کی صحبت سے بھی پرہیز ضروری ہے۔ بطّال وہ لوگ ہیں جو طالبِ حق نہیں ہیں[1]

## فضائل و مناقب

ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب فیروز شاہی میں شیخ ابو الفتح رکن الدین کے مناقب و محامد کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

ہمچناں در تمامی عصر علائی شیخ رکن الدین کہ شیخ بن شیخ بن شیخ بود، بر سجادۂ شیخ صدر الدین و شیخ بہاء الدین در ملتان مستقیم بود، وکدام شرف و بزرگی وجلالت و منقبت از آں بہتر و از آں بالاتر بود کہ پدر او صدر الدین و جدِّ او شیخ بہاء الدین زکریا باشد، وہم در عہدِ علائی، شیخ رکن الدین دادِ طریقت مشائخ می داد، وحق تکمیل مریداں می گذاشت، وسجادۂ جد و پدر را منور می داشت وتمامی اہالئِ دریائے سندھ از ملتان واُچ وفرودتر ومرلبہ بآستانۂ متبرکِ شیخ رکن الدین قدس اللہ سرہ العزیز تشبث بتعلق نمودہ بودند، وچندیں علماء از شہر و دیارِ ہند مریدانِ خدمت او شدہ، ودر کشف وکرامت شیخ رکن الدین کسے را شبھے وشکے نماندہ بود، ومآثر خاندان بزرگوار او از وصف بیرون است، وشیخ بہاء الدین زکریا را درمیان سالکان و

---

[1] یہ تمام ملفوظات و وصایا اخبار الاخیار ص ۶۳ و ۶۴ سے ماخوذ ہیں۔

خدا طلبان" باز پسید - گفتندے اعنی ہر کہ خود را بجناح او
بندد، بخدا رسد، و شیخ الاسلام صدرالدین باوصافِ کمال و
تکمیل سخاوت در غایت افراط داشت، و با چندان مال کہ خدمت
اورا از میراثِ پدر رسید، از وفورِ اعطا آں بزرگ را بیشترِ ایام
در قرض گذشتے[۱]

**خلفاء** شیخ ابو الفتح رکن الدین کے خلفاء میں، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، شیخ وجیہ الدین سیاح سنامی[۲]

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی

[۲] شیخ وجیہ الدین عثمان سیّاح سنامی کے والد کا نام قاضی حمید الدین منہاج تھا، شیخ وجیہ الدین ملازمت کے لیے شام سے دہلی آئے، اور اہلِ دفاتر کے پاس دوڑ دھوپ کر کے منشیوں میں ملازم ہو گئے، ایک روز وہ دریا کے کنارے سے گزرے۔ دیکھا کہ شیخ رکن الدین نماز پڑھ رہے ہیں۔ شیخ رکن الدین کو دیکھ کر شیخ وجیہ الدین نے اپنے قلب میں اُن کی غیر معمولی عقیدت و محبت محسوس کی، فوراً ہی شیخ رکن الدین کے پاس آئے۔ شیخ رکن الدین جب نماز سے فارغ ہوئے تو فوراً ہی اُن کے قدموں میں گر گئے، اور اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، ملازمت اور تمام کاروبار کو چھوڑ کر وہ اپنے شیخ کے ساتھ دہلی سے ملتان آئے، اور مجاہدوں، اور ریاضتوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا، شیخ وجیہ الدین پر تفرید و تجرید کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ سوائے تہبند کے مطلقاً دنیاوی اسباب وسامان اپنے پاس نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ لوٹا اور عصا جو عموماً درویشوں کے پاس رہتا ہے، وہ اس سے بھی بے نیاز تھے، خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد وہ ایک طویل عرصے تک سیاحت میں مصروف رہے،

اور شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی ہنکاری مشہور ہیں۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۳)

یہاں تک کہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس حاضر ہوئے، اور اس سیاحت کے زمانے میں بہت سے شیوخ کی صحبت سے مستفیض ہوئے؛ دہلی میں وہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت محبوب الٰہی اُن کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ اپنے پاس بٹھاتے تھے، غالباً اُنھوں نے سلسلۂ چشتیہ میں فیض حضرت محبوب الٰہی سے حاصل کیا تھا۔

جب سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خاں کے قتل کے بعد تخت دہلی پر بیٹھا، تو اُس نے سماع و سرود کو بالکل روک دیا، اور حکم دیا کہ کوئی مطرب اور قوال کسی صوفی کے سامنے نہ گائے ورنہ اُس کی زبان گُدّی سے کھینچ لی جائے گی، اس شاہی حکم کے بعد سماع کی محفلیں سرد ہو گئیں، کسی قوال کی یہ مجال نہ تھی کہ نغمے کے لئے زبان کھول سکے، اتفاقاً امیر حسن قوال جو بہت ہی خوش گلو تھا، شیخ وجیہ الدین سیّاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ وجیہ الدین نے اُس سے التجا کی کہ وہ اُن کے کان میں آہستہ آہستہ کوئی شعر پڑھے، امیر حسن نے دروازہ بند کر کے آہستہ آہستہ گانا شروع کیا۔ جب اس شعر پر پہنچا۔ ؏

• زاہد ز دیں برآمد و ملا ز اعتقاد،

تو اس شعر کو سن کر شیخ وجیہ الدین پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی، بے اختیار اُٹھے اور دروازہ کھول دیا، سماع کی آواز سن کر ہزاروں صوفی سماع سننے کے لئے جمع ہو گئے، اور اُن کے وجد سے ایک شور برپا ہو گیا، دہلی سے تغلق آباد تک جو تقریباً ایک فرسنگ ہے، اہلِ حال جمع تھے، جب یہ خبر غیاث الدین تغلق کے کان میں پہنچی تو اُس نے حکم دیا کہ سلطان قطب الدین کے قتل کے بعد جو خزانے کا روپیہ خسرو خاں نمک حرام نے صوفیوں پر تقسیم

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۵)

تقسیم کیا ہے وہ حساب لایا جائے تاکہ میں دیکھوں کہ شیخ وجیہہ الدین سیاح کو کتنے لاکھ کی نذر پیش ہوئی ہے۔ چنانچہ خسرو خاں کے زمانے کا حساب لایا گیا، لیکن دیکھنے پر معلوم ہوا کہ شیخ وجیہہ الدین نے کوئی نذر قبول نہیں کی، بلکہ جب اُن کو نذر پیش کی گئی اُنھوں نے واپس کر دی، یہ معلوم کر کے سلطان غیاث الدین اُن سے خوش ہوگیا اور اُن کو طلب کیا، اور تین روز تک اپنا مہمان رکھا اور قوالوں کو بھی کافی انعام دیا، اور سماع کی ممانعت کے بارے میں جو حکم اُس نے دیا تھا، وہ منسوخ کر دیا۔

شیخ وجیہہ الدین نے ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔

(ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء۔ جلد ۲ ص ۵۴ و ۵۵۔)

(۴۱)

# سیّد راجو قتّال بخاری

**نام ونسب** اسم گرامی، صدر الدین تھا، لیکن مشہور راجو قتّال کے لقب سے تھے، والد کا اسم گرامی سید احمد کبیر تھا، اور سیّد جلال الدین بخاری مخدوم جہانیانؒ جہاں گشت آپ کے حقیقی بھائی تھے[1]، چونکہ آپ نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے تھے اس لئے آپ کو قتّال یعنی قتّالِ نفس کہتے تھے۔

**بیعت وخلافت** سید راجو قتّال نے ابتداءً اپنے والد سید احمد کبیر سے بیعت کی اور خلافت حاصل کی، پھر اپنے بھائی سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں گشت سے مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، اور حضرت مخدوم جہانیاں کے وصال کے بعد آپ نے سجادۂ مشیخت کو رونق بخشی[2]۔

**استغراق** ریاضتوں اور مجاہدوں کی کثرت کی وجہ سے آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، اخبار الاخیار میں

---

[1] خزینۃ الاصفیار جلد دوم ص ۶۶ [2] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص ۶۶

ہے:-

پیوستہ در عالم استغراق بود، وباخلق انبساط واختلاط نہ کردے۔[1]

## جلالی شان

خزینۃ الاصفیاء اور سیر العارفین آپ کی جلالی کیفیت کے کئی واقعات ملتے ہیں، جن سے آپ کی جلالی کیفیت کے ساتھ تبلیغ اسلامی کے شدید جذبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ جس زمانے میں کہ حضرت مخدوم جہانیاں مرض الموت میں تھے تو اُچ کا ہندو تحصیلدار نواہون نامی حضرت مخدوم کی عیادت کے لئے آیا، اور دوران گفتگو میں کہنے لگا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک حضرت مخدوم کو صحت عطا فرمائے۔ کہ حضرت مخدوم ختم الاولیاء ہیں جس طرح کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم الانبیاء ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے جب یہ بات سنی تو سید راجو قتال سے مخاطب ہو کر فرمایا، سُنتے ہو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے، پھر فرمایا کہ اس نے اِس وقت صریحاً توحید باری تعالیٰ، اور حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ہے، اور شریعت کے احکام کے مطابق یہ مسلمان ہے، اگر اب یہ مرتد ہوگا تو واجب القتل قرار پائے گا، سید راجو نے کہا میں واقف ہوا، نواہون مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ تھا، وہ راتوں رات اُچ سے بھاگ کر دہلی پہنچا، اور فیروز تغلق بادشاہِ دہلی سے تمام کیفیت بیان کی، بادشاہ نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ مسلمان ہونے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوا، اِدھر سید راجو قتال حضرت مخدوم جہانیاں کے وصال کے بعد اُن کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے، جب فیروز تغلق نے آپ کے آنے کی خبر سُنی تو اُس نے دہلی کے علماء کو جمع کر کے اُن سے

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۱۵۴

مشورہ کیا کہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے کہ سید راجو قتال بھی ناراض نہ ہوں اور نو اہوں پر بھی کسی قسم کی زبردستی نہ ہو، حاضرین میں سے قاضی عبدالمقتدرؒ

---

لہ قاضی عبدالمقتدر، قاضی رکن الدین شریحی کندی کی اولاد میں تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

قاضی عبدالمقتدر بن محمود بن سلیمان شریحی الکندی بن قاضی۔

منہاج الدین بن قاضی رکن الدین تھانیسری ثم الدہلوی۔

قاضی عبدالمقتدر تھانیسر میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت دہلی میں حاصل کی، علوم ظاہری کی تعلیم شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودی سے حاصل کی، اور کشاف و بزدوی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے پڑھیں، اُس زمانے میں کہ قاضی عبدالمقتدر دہلی میں دوسرے علماء سے تعلیم پا رہے تھے، وہ اکثر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور اُن سے علمی مباحث کرتے، شیخ نصیر الدین اُن کو ان علمی مباحث کی وجہ سے بہت عزیز رکھتے تھے، اور اُن کو تحصیل علم کی طرف رغبت دلاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ قاضی عبدالمقتدر نے حضرت شیخ نصیر الدینؒ چراغِ دہلی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور درس و تدریس مشغول ہو گئے، قاضی عبدالمقتدر کے مشہور تلامذہ میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی اور ابو الفتح ہیں۔

کہتے ہیں کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو کہیں سے کچھ روپیہ مل گیا تھا، اُن کا خیال تھا کہ وہ اس روپئے کو کسی جگہ دفن کر دیں وہ اسی خیال میں قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں حاضر ہوئے، قاضی عبدالمقتدر نے اُن پر نظر ڈالتے ہی فرمایا کہ تم روپیہ دفن کرنے کی فکر میں ہو علم کے حصول میں کہاں مشغول رہ سکتے ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک طالب علم آتا ہے کہ اس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور اس کے استخوان بھی علم ہیں، اس طالب علم سے اُن کی مراد قاضی

کے لڑکے شیخ محمد نے جو ایک ذہین اور طباع نوجوان تھا، فیروز تغلق سے کہا کہ جب سید راجو قتال تشریف لائیں تو آپ اُن سے کہیے کیا آپ نواہون کا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ کہیں گے ہاں، اس کے بعد اُن کے لئے نواہون کو مسلمان کہنا مشکل ہو جائے گا۔ سلطان فیروز کو شیخ محمد کی یہ بات پسند آئی، چنانچہ جب سید راجو قتال تشریف لائے تو سلطان فیروز نے اُن سے یہی سوال کیا، لیکن سید راجو قتال نے فرمایا میں تو نواہون مسلمان کے تصفیے کے لیے آیا ہوں کہ جس نے میرے سامنے اور دوسرے گواہوں کے سامنے اسلام کا اقرار کیا ہے، اُس پر شیخ محمد پسر قاضی عبدالمقتدر نے کہا کہ اُس نے دل سے اسلام کا اقرار نہیں کیا۔ اس لئے شرعی حیثیت سے اُس کا اسلام ثابت نہیں، سید راجو قتال نے غصّے سے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳۱۸)

شہاب الدین ہوتے تھے، صاحب الاخیار نے قاضی عبدالمقتدر کے فضائل و مناقب ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔

خلیفہ شیخ نصیرالدین محمود ست، دانشمند فیاض بود، و درویش کامل، اُستادِ قاضی شہاب الدین است، و بغایت فصیح و بلیغ بود، و قصائد و غزل دارد، بزبان عربی قصیدۂ او کہ در معارضہ لامیۃ العجم گفتہ است، دلالت دارد بر کمالِ فصاحت، او دائم درس می گفت و با فائدۂ علم مشغول بود۔

قاضی عبدالمقتدر نے ۲۶ محرم ۷۹۱ھ کو اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی، اُن کا اور اُن کے والد کا مزار خواجہ قطب الدین اوشی کی درگاہ کے متصل حوض شمسی کے جانب خانقاہ شیخ عبدالصمد میں واقع ہے۔ (ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۱۵۰، ۱۵۱ و نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۷۸، ۷۹)

شیخ محمد کی طرف دیکھا، وہ اُسی وقت پیٹ کے درد سے تڑپنے لگا، اور تھوڑی دیر کے بعد مر گیا، سلطان فیروز نے یہ دیکھا تو فوراً نواہون کو سید راجو قتّال کے حوالے کر دیا، سلطان نے اور آپ نے ہر چند اس کو مسلمان ہونے کے لئے کہا مگر وہ نہ مانا، آخر ارتداد کے الزام میں اُس کی گردن ماری گئی[1]

**اشاعتِ اسلام** آبِ کوثر میں ہے کہ حضرت سید راجو قتّال نے اُچ میں اشاعت اسلام کے فرائض انجام دیئے، اور گجرات کے صاحبِ ہمت بزرگوں کی تربیت کی، جنھیں آپ نے علوم باطنی سے مالا مال کر کے گجرات کے قدیمی دار الخلافہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجا۔[2]

**وفات** حضرت سید راجو قتّال نے ۱۶ ر جمادی الآخر ۸۲۷ھ میں مبارک شاہ کے عہد میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک اُچ میں ہے۔[3]

**فضائل** حضرت مخدوم جہانیاں اکثر سید راجو قتّال کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے خلق کے ساتھ مشغول رکھا، اور شیخ راجو کو اپنے ساتھ۔[4]

**خلفاء** تحفۃ الکرام میں ہے کہ آپ سے ایک بڑی جماعت روحانی استفادہ کر کے منزلِ کمال کو پہنچی، ان میں سے عارف نامی سندھ کے بلوچ بھی تھے جو اسم بامسمّیٰ تھے، اور سید علی کبیر بن سید حامد قتّال بھی آپ ہی کی اولاد سے ہیں جو فوائد البخاری کے مُصنّف ہیں۔[5]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۶-۶۷-۶۸ سے ماخوذ ہے۔

[2] آبِ کوثر مؤلفہ شیخ محمد اکرام ص ۳۲۱۔

[3] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۸

[4] اخبار الاخیار ص ۱۵۴

[5] تحفۃ الکرام جلد ۳- ص ۱۲۲۔

(۴۲)

# شاہ رضا قادری لاہوری

**حالات** شاہ رضا قادری کو پنجاب کے صوفیائے کرام میں خاص عظمت و شہرت حاصل ہے، وہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی نہایت بلند مرتبہ رکھتے تھے، اور سلوک و معرفت کے بھی اعلیٰ منازل پر فائز تھے، صاحبِ فتویٰ تھے، استجابتِ دعا کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ زبان سے فرماتے وہ اُسی طرح ہوتا، صاحبِ کشف و کرامات تھے، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء اُن کے محامد و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ متاخرین صوفیاء میں شاہ رضا قادری جن ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بہرہ ور تھے، وہ لاہور اور پنجاب میں دوسروں کا حصہ نہ بن سکیں۔

**بیعت** شاہ رضا نے سلسلۂ قادریہ شطاریہ میں شیخ محمد فاضل قادری لاہوری سے بیعت ہو کر عرفان و تصوف کے منازل طے کیے، اُن کا شجرۂ طریقت جو شیخ محمد غوث گوالیری[1] سے جا ملتا ہے یہ ہے:-

شاہ محمد رضا قادری، شیخ محمد فاضل لاہوری، شیخ الہ داد

---

[1] شیخ محمد غوث گوالیری شیخ فرید الدین عطار کی نسل سے تھے، شیخ ظہور حاجی حمید حضور

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳ له)

گوالیاری نے شیخ محمد غوث گوالیاری اور اُن کے بھائی کو اپنی فرزندی میں لیا، اور ان دونوں کو سلوک و معرفت کی مکمل تعلیم دی، پھر مزید فیضان کے لئے انھیں کوہ چنار کے جنگلات میں چھوڑ دیا، ———— ان جنگلات میں آپ نے تیرہ برس تک بڑی ریاضتیں کیں۔ اور درختوں کے پتّے کھا کر یادِ الٰہی میں مصروف رہے، مغلوں کے ہندوستان پر حملے کے بعد شیخ محمد غوث نے شروع ہی میں مغل فرماں رواؤں سے خوشگوار روابط قائم کر لئے تھے، منتخب التواریخ میں ہے کہ ہمایوں، شیخ محمد غوث اور اُن کے بھائی سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا، اس قسم کی عقیدت اُسے دوسرے بزرگوں سے کم تھی، اس نے طریقہٗ دعوتِ اسماء انہیں دو بزرگوں سے حاصل کیا تھا۔

جب بابر نے قلعۂ گوالیار فتح کرنے کے لئے فوجیں بھیجیں، اُس زمانے میں شیخ محمد غوث قلعے میں تھے، شیخ محمد غوث نے ان حملہ آوروں کو ایک ترکیب بتائی جس سے قلعہ آسانی سے فتح ہوگیا، شیخ ہی کے مشورے کی بنا پر مغل سرداروں نے تاتار خاں والیِ قلعۂ گوالیار سے قلعے میں رات گزارنے کی اجازت مانگی، اُس نے اجازت دے دی، اور بے فکر ہو کر سو گیا، صبح کو جب بیدار ہوا تو دیکھا بہت سے مغل سپاہی خدمتگار بن کر قلعے میں داخل ہو چکے ہیں، قلعے کے دربان بھی شیخ محمد غوث کے مرید تھے، انھیں بھی اپنے پیر کا حکم پہنچ چکا تھا کہ وہ مغلوں کے قلعے میں داخل ہونے پر تعارض نہ کریں۔ تاتار خاں نے مجبور ہو کر مغلوں کی اطاعت قبول کر لی اور قلعہ اُن کے حوالے کر دیا، بابر اور ہمایوں سے شیخ محمد غوث کے تعلقات بہت خوشگوار رہے۔ لیکن جب ۱۵۳۹ء میں شیر شاہ سُوری نے ہندوستان کی حکومت پر قبضہ جمایا تو وہ شیخ محمد غوث کے درپئے آزار ہوا۔ شیخ نے اس کی مخالفت کا اندازہ کر لیا، اور وہ اپنے اہل و عیال اور مریدوں کے ساتھ گجرات ہجرت کر گئے۔ وہ تقریباً اٹھارہ سال گجرات کے علاقے میں رہے، اُن کا کچھ زمانہ جانپانیر میں، کچھ وقت

وجیہہ الدین گجراتی، محمد غوث گوالیری۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

بھڑوچ میں اور کچھ زمانہ احمد آباد میں گزرا، اور وہاں بھی انھوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی، لیکن شیخ علی متقی نے شیخ محمد غوث کی بعض تصانیف کی بنا پر اُن کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا، اُس عہد کے بادشاہ سلطان محمود گجراتی نے اس فتوے کے متعلق ایک دوسرے عالم شیخ وجیہہ الدین سے پوچھا، لیکن وہ شیخ محمد غوث سے اِس درجہ متاثر ہوئے کہ انھوں نے شیخ محمد غوث سے بیعت کرلی۔ اور شیخ علی متقی کے فتوے کو پھاڑ کر پھینک دیا، اس طرح شیخ کا اثر اور بھی بڑھ گیا، اور بہت سے لوگ اُن کے مرید ہوگئے، جب ۱۵۵۵ء میں ہمایوں ہندوستان پر دوبارہ قابض ہوا تو شیخ محمد غوث نے دوبارہ آگرے کا رُخ کیا، لیکن اُن کے پہنچنے تک ہمایوں وفات پا چکا تھا، اور اکبر اُس کا جانشین تھا، اور اس کی کم سنی کی وجہ سے تمام ملکی امور کا انتظام بیرم خاں کے سپرد تھا، اس وقت اکبر کے صدر الصدور شیخ گدائی تھے، شیخ گدائی شیخ محمد غوث کے خلاف تھے۔ اُنھوں نے بیرم خاں کو باور کرایا کہ شیخ محمد غوث نے اپنے رسالے "معراجیہ" میں خود معراج کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے آپ کو پیغمبروں پر فضیلت دی ہے۔ اُن سے دریافت کیا جائے کہ یہ کہاں تک جائز ہے، شیخ گدائی کے اِس کہنے پر مشائخ و علماء کا جلسہ ہوا، اور اُس جلسے میں اِس رسالے پر بحث ہوئی اور شیخ پر اعتراض کیے گئے، آخر شیخ افسردہ ہو کر گوالیار چلے گئے، اکبر کے عہد میں گو اُن کی قدر دانی اُن کے شایان شان نہ ہوئی، لیکن پھر بھی ان تعلقات کے مدِ نظر جو مغل فرماں رواؤں سے اُن کے چلے آرہے تھے اُن کے لیے بیش بہا جاگیر مقرر ہوئی، ماثر الامراء میں ہے کہ۔

جناب عرش آشیانی نے اُن کا ایک کرور رقم وظیفہ مقرر کیا تھا۔

ذخیرۃ الخوانین میں شیخ فرید بھکری کا بیان ہے کہ شیخ کو نولاکھ روپے کی جاگیر ملی تھی اور چالیس ہاتھی اُن کی فوج میں چلتے تھے۔

**وفات** شاہ محمد رضا ۱۲ رجمادی الاوّل ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء کو واصل باللہ ہوئے[۱]۔
آپ کا مزار تحصیل لاہور کے قریب ہٹی بازار میں واقع ہے[۲]۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

شیخ نے اکبر کے ان عطایا سے گوالیار میں ایک خانقاہ بنوائی، جہاں ہر وقت سماع و سرود کی محفلیں گرم رہتی تھیں، شیخ خود بھی معرفت کے گیت کہلواتے اور گواتے تھے۔

شیخ محمد غوث گوالیاری نے اسّی سال کی عمر میں ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء میں وفات پائی، اور گوالیار میں اپنے عالیشان روضے میں مدفون ہوئے۔

شیخ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ اُن کو سماع و سرود اور وجد سے غیر معمولی شغف تھا، اور خود اُنھوں نے موسیقی میں بعض کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، ہندوستان کا سب سے بڑا موسیقار تان سین اُنھیں کے روضے کے احاطے میں مدفون ہے۔

شیخ کی تصانیف میں رسالۂ معراجیہ، جواہر خمسہ، کلیدِ مخازن، کنز الوحدت، ضمائر و بصائر اور بحر الحیٰوۃ مشہور ہیں۔

شیخ محمد غوث گوالیاری کی وجہ سے سلسلۂ شطاریہ کو غیر معمولی فروغ اور ترقی ہوئی۔ اس سلسلے کے متاخر بزرگوں میں شیخ غوث کے مرید شاہ وجیہ الدین احمد آبادی اور اُن کے شاگرد شیخ صبغۃ اللہ بھڑوچی نے اس سلسلے کی اشاعت میں غیر معمولی جد و جہد کی، اسی سلسلے میں مشہور تذکرہ نگار غوثی مانڈوی صاحب گلزارِ ابرار داخل تھا۔

(ماخوذ از رود کوثر۔ مؤلفہ شیخ محمد اکرام۔ ص ۲۶ تا ص ۴۱)

(فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ہذا۔)

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۸۹ سے ماخوذ ہے۔

[۲] لاہور کے صوفیائے کرام مضمون۔ لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب ایڈمنسٹریٹر جناح ہاسپٹل۔

(۳۲۴)

# شیخ رحمت شوریانی

**حالات** شیخ رحمت شوریانی حضرت پیر کبار کی اولاد سے تھے، اور حضرت پیر کبار ہی سے روحانی تربیت حاصل کی تھی۔

معارج الولایت میں ہے کہ وہ تمام حیوانات اور پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے، اور اکثر اوقات اُن سے باتیں کرتے تھے۔

وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے پر غیب سے ایک آدمی ظاہر ہوگا اُسی کو امام بنانا اور میری نعش کو قصور لے جاکر میرے خاندانی قبرستان میں دفن کرنا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے ذیل کے قطعہ میں اُن کی تاریخ وفات نکالی۔

چونکہ رحمت ابر رحمت بحر رحم
از جہاں در رحمتِ حق شد نہاں
سالِ وصلش "پیر رحمت اقدس ست"
۱۰۲۵
"مقتدای عشق" ہم آمد عیاں
۱۰۲۵ھ

---

لہ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۴۵۶ سے ماخوذ ہے۔

(۴۴)

# سُلطان سخی سرور

**نام ونسب** حضرت داتا گنج بخش ہجویری کے بعد پنجاب میں جس بزرگ نے سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل کی وہ سلطان سخی سرور ہیں، آپ کا اسم گرامی سید احمد تھا، چونکہ لوگ آپ کے پاس حصول مراد کے لئے آتے اور کوئی نامراد نہ جاتا تھا، اس لئے آپ سلطان سخی سرور، لکھ داتا اور لکھی خاں کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سید احمد بن سید زین العابدین بن سید عمر بن سید عبد اللطیف بن سید بہاء الدین بن سید غیاث الدین بن بہاء الدین بن سید صلاح الدین بن سید زین العابدین بن سید عیسیٰ بن سید صلح بن سید عبد الغنی بن سید جلیل بن خیر الدین بن سید ضیاء الدین بن سید داؤد بن سید عبد الجلیل رومی۔ بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق۔ بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی۔ بن سید الکونین امام حسین بن امام

علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ [1]

سب سے پہلے سلطان سخی سرور کے والد ماجد سید زین العابدین نے عرب سے تشریف لاکر مضافاتِ ملتان کے ایک قصبہ کرسی کوٹ میں سکونت اختیار کی، اور اسی موضع کے مقدم پیرا نامی کی صاحبزادی عائشہ سے عقد کیا جو قوم کھوکھر سے تھے۔

**ولادت** موضع کرسی کوٹ میں ہی سلطان سخی سرور کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

**تعلیم** سلطان سخی سرور نے علومِ ظاہری کی تکمیل مولوی محمد اسحاق لاہوری سے کی اور تصوف میں آپ اپنے والد کے علاوہ حضرت غوث اعظم اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے بھی مستفیض ہوئے۔ اور شاہ مودود[3] چشتی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

**ذریعۂ معیشت** خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آپ اپنی معیشت کے لئے بکریاں چراتے تھے، اور کاشتکاری کی طرف رغبت رکھتے تھے[4]۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴۵ و ۲۴۶ [2] ایضاً

[3] خواجہ مودود کا لقب قطب الدین تھا۔ آپ کے والد کا نام خواجہ یوسف تھا، خواجہ مودود کی ولادت ۴۳۰ھ میں ہوئی۔ سات سال کی عمر میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور سولہ سال کی عمر میں علومِ رسمیہ کی تکمیل کی۔ اپنے والد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ انتیس سال کی عمر میں اپنے والد کی وفات کے بعد سجادۂ مشیخت پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد و تلقین میں مشغول ہو گئے، ماہ رجب ۵۲۷ھ میں خواجہ مودود نے وصال فرمایا آپ کا مزار مبارک چشت میں واقع ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اول و سفینۃ الاولیاء)

[4] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۲۴۶

**سودھرا میں قیام** بغداد سے واپسی کے بعد، لاہور سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر شمال مغرب کی جانب موضع سودھرہ میں جو وزیر آباد کے قریب ہے رہنے لگے۔ اور اسی موضع میں آپ ارشاد و تلقین میں مصروف ہوئے۔ چندہی دن میں شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے آکر اس شمعِ معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے تھے، اور کوئی ناکام واپس نہ جاتا تھا۔ اسی لئے آپ سلطان سخی سرور اور لکھ داتا کے لقب سے مشہور ہوئے۔

**دھونکل میں قیام** پھر آپ چند سال دھونکل[1] میں مقیم رہے۔ اور کئی سال تک دھونکل میں ارشاد و تلقین فرماتے رہے۔ پھر آپ پر وطن کی محبت غالب آئی، اور ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں کھری کوٹ میں جسے اب شاہ کوٹ کہتے ہیں واپس تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

**ازدواج** شاہ کوٹ میں جب آپ کا قیام تھا تو ملتان کے حاکم کنبوہ خاں نے اپنی لڑکی کا عقد آپ سے کردیا، یہ امر آپ کے حاسدوں کے لئے اور بھی ناگوار خاطر ہوا۔ خود آپ کے خالہ زاد بھائی محض حسد کی وجہ سے آپ کے دشمن ہوگئے، حضرت سلطان سخی سرور نے اُن کی دشمنی محسوس کرکے

---

[1] دھونکل میں حضرت سلطان سخی سرور کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اساڑھ کی پہلی جمعرات کو آپ کا عرس نہایت شاندار طریقے پر منایا جاتا ہے، اس میں بے شمار سلطانی جمع ہوتے ہیں جو پیر بھائی بھی کہلاتے ہیں، زائرین کے یہ قافلے دھونکل جاتے ہوئے دریائے راوی کے اُس طرف مقبرہ شہنشاہ جہانگیر میں ٹھہرتے ہیں، اور یہاں بڑا میلہ لگتا ہے، یہ میلہ دو تین روز تک رہتا ہے جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ (ماخوذ از فٹ نوٹ رود کوثر مؤلفہ شیخ محمد اکرام ص ۹۲)

شاہ کوٹ سے نکل کر ایک پہاڑ کے دامن میں اپنے بھائی سید عبدالغنی اور اپنے بیوی بچے کو ساتھ لے کر قیام فرمایا۔

**شہادت** چنانچہ حاسدوں نے وہاں پہنچ کر آپ کو، آپ کے بھائی سید عبدالغنی، اور آپ کے صاحبزادے سید سراج الدین اور آپ کی اہلیہ کو شہید کر دیا، یہ المناک واقعہ ۵۷۷ھ ۱۱۸۱ء میں پیش آیا، مفتی غلام سرور نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا۔

سید سرور سخی احمد
بود سلطانِ عالم و والی
جست سرور چو سال تاریخش
ہاتفش گفت "سرور عالی"[1]

۵۷۷ھ

**تبلیغی جدوجہد** افسوس ہے کہ حضرت سلطان سخی سرور کے تفصیلی حالات سے ہمارے قدیم تذکرے بالکل معریٰ نظر آتے ہیں کہ جن سے اُن کی تبلیغی جدوجہد کو پیش کیا جا سکتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، اور آج آٹھ صدیاں گزرنے کے بعد بھی پنجاب میں اُن کا اثر کافی پایا جاتا ہے، پنجاب کے صوفیائے کرام میں شاید ہی کوئی ایسا بزرگ ہوگا جو ہندوؤں کے قلوب پر اتنا اثر رکھتا ہو۔

**ہندو سلطانیوں کی عقیدت مندی** آج بھی پنجاب میں اُن کے ہندو معتقد "سلطانی"، خصوصاً ضلع جالندھر میں تمام زراعت پیشہ ہندو جاٹ جو سکھ نہیں ہو گئے

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴۵ تا ۲۴۹ و آب کوثر ص ۹۱ تا ص ۹۲ سے ماخوذ ہے۔

سلطانی ہیں، ضلع جالندھر کے سرکاری گزیٹر میں ہے کہ

ضلع جالندھر کی ہندو آبادی دو حصّوں میں تقسیم ہو سکتی ہے، گرد کے سکھ یعنی سکھ اور سلطانی جو ایک مسلمان پیر جسے سلطان سخی سرور یا لکھ داتا بھی کہتے ہیں پیرو ہیں، زراعت پیشہ ہندوؤں میں سلطانیوں کی اکثریت ہے، اور اُن میں کئی چمار بھی ہیں، اگر وہ گوشت کھاتے ہیں تو صرف حلال کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں، وہ سکھوں کے خلاف حقّہ کثرت سے پیتے ہیں، اور سر کے بال جس طرح چاہے رکھتے ہیں، اُن کے دیہات میں گاؤں سے باہر سلطان کی زیارتیں ہوتی ہیں، آٹھ یا دس فٹ کے قریب اونچی، چوڑی اور لمبی جن کے اوپر ایک گنبد ہوتا ہے۔ اور چار کونوں پر چھوٹے چھوٹے مینار ہوتے ہیں، ہر جمعرات کو یہ زیارت صاف کی جاتی ہے اور رات کو چراغ جلائے جاتے ہیں، جمعرات کو اس زیارت کا نگہبان جو مسلمان اور بھرائی قوم کا فرد ہوتا ہے، گاؤں گاؤں ڈھول بجا کر نیاز اکٹھی کرتا ہے۔

ضلع لدھیانہ کے گزیٹر میں بھی تقریباً اسی مفہوم کا اندراج ہے، تحقیقی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ سلطان سخی سرور سے ہندوؤں کی یہ عقیدت مندی کب سے شروع ہوئی، لیکن قیاس یہ ہے کہ گذشتہ چار سو سال سے پنجاب کے جاٹ یہ عقیدے رکھتے ہیں، اور پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں یہ عقیدے مغربی پنجاب سے مشرقی پنجاب کی طرف پھیلتے چلے گئے، اور ان عقاید کے ماننے والوں کی تعداد اس قدر بڑھی کہ سکھوں کے پیشوا گورو گوبند سنگھ نے جن جاٹوں کو سکھ بنایا تھا وہ بھی سلطانی جاٹ تھے۔

## سلطانیوں کی رسمیں

سلطانیوں کی سب سے بڑی رسم یہ ہے کہ ماہ فروری کے درمیان یہ پابندی سے سلطان سخی سرور کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، ہر گاؤں

سے بھرائی اپنے اپنے گاؤں کے قافلے لے کر ڈیرہ غازی خاں روانہ ہوتے ہیں، سکھوں کے دور حکومت میں دیوان ساون مل نے جو اُن کے زمانے میں ملتان کا گورنر تھا اُن ہندوؤں کو جو سلطان سخی سرور کی زیارت کے لئے جاتے تھے روکنے کے لئے فی کس سو روپئے جرمانہ کیا، لیکن وہ جانے سے اس پر بھی نہ رُکے۔ جالندھر گزیٹیر مرتب ہونے کے وقت تک سلطانی ہندو اپنے اس عقیدے پر بڑی پختگی سے جمے ہوئے تھے[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل آب کوثر مولفہ شیخ محمد اکرام ص ۹۲ تا ۹۴ سے ماخوذ ہے۔

(۴۵)

# سیّد احمد توختہ لاہوری

**نام و نسب** سید احمد نام، توختہ لقب تھا، آپ سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔
شجرۂ نسب یہ ہے۔

سید احمد توختہ ترمذی بن سید علی ترمذی بن سید حسین مدنی بن سید شاہ ناصر مدنی بن سید موسیٰ بن سید علی بن علی اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؓ۔

**توختہ کی وجہ تسمیہ** آپ کے نام ساتھ توختہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات آپ کے پیر نے آپ کو اپنے حجرے میں سے آواز دی، جب یہ پہنچے تو آپ کے پیر کے حجرے کا دروازہ بند تھا آپ نے ادب کی وجہ سے، اور محض اس خیال سے کہ آپ کے پیر کے آرام میں خلل نہ واقع ہو دروازہ نہیں کھٹکھٹایا، بلکہ آپ تمام رات دروازے کے سامنے کھڑے رہے، جب صبح کو آپ کے شیخ نے دروازہ کھولا تو آپ کو دروازے کے پاس کھڑا ہوا دیکھ خوش ہو کر آپ کو توختہ کا لقب دیا، توختہ ترکی زبان میں کھڑے

ہونے والے کو کہتے ہیں، اور اُس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ہر وقت کا حاضر باش ہو۔

**حالات** سید احمد توختہ لاہوری ہند و پاکستان کے عظیم المرتبت اور قدیم شیوخ میں ہیں، ابتدائً ترمذ میں سکونت رکھتے تھے، پھر اشارۂ غیبی کی بنا پر ترکِ وطن کر کے عازم ہندوستان ہوئے، آپ کے ساتھ آپ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں، ان میں ایک کا نام بی بی حاج اور دوسری کا نام بی بی تاج تھا، جب آپ کیچ و مکران پہنچے تو آپ نے اپنی بڑی صاحبزادی بی بی حاج کا عقد شاہزادہ بہاء الدین محمد بن قطب الدین محمد بادشاہ کیچ و مکران سے کر دیا جو شیخ ابوالحسن ہنکاری قریشی کی اولاد میں سے تھے۔

**لاہور میں تشریف آوری** پھر آپ لاہور تشریف لائے، اور محلہ چہل بی بی میں سکونت اختیار کر کے ہنگامہ ارشاد و تلقین بپا کیا، اس دریائے معرفت سے ہزاروں تشنگانِ معرفت نے سیرابی حاصل کی۔

**سید شاہ زید کی لاہور میں آمد** حضرت سید احمد توختہ کی تشریف آوری کچھ دن بعد آپ کے بھتیجے سید شاہ زید بھی لاہور پہنچے، آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی بی بی تاج کا عقد اُن سے کر دیا، اور اُنھیں ارشاد و تبلیغ کے لئے ہندوستان روانہ کیا، اِسی سفر میں سید شاہ زید نے بمقام سوانہ برہمن کا فردن کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

**وفات** حضرت سید احمد توختہ نے ۶۰۲ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مبارک محلہ چہل بی بی جواب طویلۂ غلام محی الدین قریشی کے نام سے مشہور ہے واقع ہے۔

قدیم تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات "مرشد پنجاب"

سے نکالا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ وفات کہا:۔

رفت در جنت چو زیں دارِ فنا
سید احمد شہِ برنا و پیر
پیر ہادی میر عالی جاہ گفت
۶۰۲ھ
عقل سالِ انتقالِ آں امیر
ماہتاب اہلِ دیں احمدؔ بخواں
۶۰۲ھ
ہم بگو "سید ولی میر کبیر"[1]
۶۰۲ھ

---

[1] سید احمد توختہ کے تمام حالات اور یہ قطعہ تاریخ وفات خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۵۱ و ۲۵۲ سے ماخوذ ہے۔

(۴۶)

# اخوند سعید شوریانی

**حالات** اخوند سعید شوریانی قدس سرہٗ ثانی ابوالحسن خرقانیؒ کہلاتے تھے، اگرچہ یہ کسی کے باقاعدہ مرید نہ تھے، لیکن روحانی تربیت پیر کبار سے حاصل کی تھی، احکامِ شریعت کی پابندی بڑی سختی

---

ؒ حضرت ابوالحسن خرقانی کا اصل نام علی اور آپ کے والد کا اسمِ گرامی جعفر تھا، آپ کا وطن قزوین کے قریب موضع خرقان تھا، تصوف و طریقت میں آپ کا انتساب شیخ بایزید بسطامی سے ہے، اور راہِ سلوک میں بھی آپ کو روحانی فیض حضرت بایزید بسطامی سے حاصل ہوا، اگرچہ شیخ بایزید بسطامی کی وفات کے بعد آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

شیخ ابوالحسن خرقانی نے منگل کی رات میں ۴۲۵ھ میں وفات پائی۔

صاحبِ نفحات الانس نے آپ کے متعدد مقولے نقل کئے ہیں جو اپنے اندر پند و موعظت اثر و تاثیر کا ایک خزانہ لئے ہوئے ہیں، ہم اُن میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں:-

فرمایا ایسے شخص کی صحبت میں ہرگز نہ بیٹھو کہ تم کہو خدا اور وہ کچھ اور کہے۔

ایک روز اپنے دوستوں سے فرمایا کہ کون سی چیز سب سے بہتر ہے، دوستوں نے

ے کرتے تھے، شاہ وگدا اُن کی نظر میں برابر تھے، اغنیا اور مالداروں کی صحبت سے متنفر تھے، فقرا سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور اُن سے نہایت مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے، صاحبِ کشف وکرامات تھے۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے اُن کی متعدد کرامتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔

اخوند سعید شوریانی نے قصور میں ۱۰۲۰ھ / ۱۶۰۹ء میں وفات پائی۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ لہ)

کہا آپ ہی ارشاد فرمائیے، فرمایا وہ ولی جس کے دل میں ہر وقت خدا کی یاد ہو، کسی نے پوچھا کہ صدق کیا ہے؟ فرمایا، صدق یہ ہے کہ آدمی وہ بات کہے جو اُس کے دل میں ہو، پھر اُس نے پوچھا، کہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا جو کچھ خالصۃً للہ کرتے ہو، وہ اخلاص ہے، اور جو کچھ دنیا کے لئے کرتے ہو وہ ریا ہے، فرمایا کہ وارثِ رسولؐ وہ ہے جو اپنے کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتا ہے، فرمایا کہ علماء اور عابد دنیا میں بہت ہیں، تمہیں اُن میں سے ہونا چاہیئے کہ جو دن کو رات اللہ کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں۔ اور رات کو دن حق کی منشاء کے مطابق کرتے ہیں، فرمایا، روشن ترین دل وہ ہے کہ جس میں دنیا نہ ہو، اور بہترین کام وہ ہے کہ جس میں مخلوق کا اندیشہ نہ ہو، اور حلال ترین روزی وہ ہے جسے تم اپنی محنت سے حاصل کرو، اور بہترین ساتھی وہ ہے جس کی زندگی حق تعالےٰ کے احکام کے مطابق ہو۔

(نفحات الانس مطبوعہ نول کشور ص ۵۷۲ تا ۵۷۶ و ترجمہ سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۶)

(۴۷)

# شیخ سعدی لاہوری

**حالات** شیخ سعدی بلخاری مجددی لاہوری، حضرت سید آدم بنوری[1] کے مرید اور جلیل القدر خلفا میں تھے، وہ بچپن ہی سے حضرت شیخ آدم بنوری کی خدمت میں رہے، اور انھیں سے تعلیم تربیت حاصل کی۔

---

[1] شیخ آدم کے والد کا اسم گرامی اسماعیل تھا، وہ بنور کے رہنے والے تھے جو مضافاتِ سرہند کا ایک قصبہ ہے، شیخ آدم کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

آدم بن اسماعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی کاظمی بنوری۔

سید آدم بنوری پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے، ترکِ ملازمت کر کے ملتان میں حاجی خضر رو غانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمتِ باطنی حاصل کی، پھر حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، خلاصۃ المعارف میں ہے کہ انھوں نے شیخ محمد طاہر لاہوری سے بھی ان فیوض باطنی کو حاصل کیا تھا جو ان کو شیخ اسکندر سے حضرت کمال الدین کیتھلی کے ذریعے سے پہنچے تھے۔

روضۃ السلام میں شرف الدین مجددی کشمیری نے خود شیخ سعدی کے حوالے سے ان کے حالات کی تفصیل اس طرح قلم بند کی ہے کہ شیخ سعدی

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵)

سید آدم ابتداءً اُمّی تھے پھر اُنھوں نے ایک جذبے کے تحت قرآن مجید حفظ کیا اور علومِ ظاہری کی بھی تعلیم حاصل کی۔

مشہور ہے کہ سید آدم بنوری کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ تھی، جن میں تقریباً ایک سو آپ کے خلفاء تھے جنھوں نے ظاہری علوم اور سلوک کی تکمیل کر کے آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، جہاں آپ جاتے ہزارہا پٹھان آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔

تذکرۂ آدمیہ میں ہے کہ سید آدم بنوری ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار مشائخ، سادات اور پٹھان تھے، اُس وقت شاہجہاں لاہور میں تھا، آپ کے معاندین نے شاہجہاں کو یہ خبر پہنچائی کہ سید آدم بنوری کے ساتھ اتنی جمعیت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیں۔ شاہجہاں نے اپنے وزیر نواب سعد اللہ خاں کو تحقیقِ حال کے لئے بھیجا، آپ اُس کے ساتھ نہایت بے توجہی سے پیش آئے، اور بہت دیر تک اُس سے بات نہ کی، پھر اُس کو انہماکِ دنیوی کو ترک کر دینے کی نصیحت فرمائی۔ نواب سعد اللہ خاں نے واپس جا کر ساری کیفیت شاہجہاں سے بیان فرمائی، اور معاندین کے اندیشوں کی تصدیق کر دی، پھر شاہجہاں کو مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ سید آدم کو کسی بہانے سے یہاں سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا جائے۔ شاہجہاں نے سید آدم سے کہلا بھیجا کہ وہ حج کو چلے جائیں، چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں اور گھر والوں کے ساتھ حج کے لئے چلے گئے، اور حج کے بعد مدینۂ طیبہ میں مقیم ہو گئے، لیکن ہندوستان سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ کے باطنی فیوض اور برکات کے سلسلے ہندوستان میں آپ کے خلفاء کی وجہ سے جاری رہے۔

سید آدم بنوری نے ۲۳ شوال ۱۰۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے روضۂ مبارک کے قریب مدفون ہوئے۔ سید آدم کے رسائل میں خلاصۃ المعارف اور رسالۂ نکات الاسرار مشہور ہیں۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۶۳۰ تا ص ۶۳۵ و نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱-۲)

فرماتے تھے کہ میری عمر تقریباً آٹھ سال کی ہوگی کہ ایک روز میں اپنے گاؤں کے باہر ایک کنوئیں پر وضو کر رہا تھا کہ اتفاقاً سید آدم بنوری کے خلیفہ حاجی سعد اللہ وزیر آبادی بنور جاتے ہوئے اُدھر سے گزرے مجھے احتیاط سے وضو کرتے دیکھ کر اُنھوں نے خوش ہوکر فرمایا کہ اس عمر میں یہ لڑکا کس احتیاط سے وضو کر رہا ہے پھر کچھ دیر میری طرف متوجہ رہے، اور روانہ ہوگئے میں نے اُن کے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ اور ان کا کیا نام ہے؟ اُن کے ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ ان کا نام حاجی سعد اللہ ہے اور وہ بنور اپنے پیر کی خدمت میں جا رہے ہیں، یہ سُن کر مجھ میں بھی دفعتہً سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہونے کا جذبہ پیدا ہوا، اور میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، لیکن میں نے یہ احتیاط برتی کہ میں اُن کے ساتھیوں کی نظر میں نہ آؤں، میں نے بے خور و خواب اُن سے علٰحدہ رہ کر یہ راستہ طے کیا؛ جب وہ بنور پہنچے، اور حضرت سید آدم بنوری کی زیارت سے مشرف ہوئے تو میں بھی اُن کے ساتھیوں کے ساتھ حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہوا، سید آدم بنوری نے حاجی سعد اللہ سے اُن کے ہر ایک ساتھی کے متعلق دریافت کیا، جب میری باری آئی تو حاجی سعد اللہ نے فرمایا کہ یہ لڑکا بھی ہمارے ساتھ آیا ہے اور اس کے حالات عجیب و غریب ہیں۔ سید آدم نے فرمایا، یہ نہ کہو کہ یہ لڑکا تمھارے ساتھ آیا ہے، بلکہ یہ کہو کہ ہم اِس لڑکے کے ساتھ آئے ہیں، یہ لڑکا تو ازل ہی سے سعادت مند ہے، پھر میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا، میاں صاحبزادے تمھارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا سعدی، فرمایا جہاں کہیں بھی رہو اور جہاں کہیں بھی جاؤ تم سعدی ہو، تم دنیا میں بھی سعدی ہو اور آخرت میں بھی سعدی ہو، پھر مجھ پر بے حد شفقت فرمائی، اور مجھے اپنی بیوی کے پاس لے کر گئے اور اُن سے فرمایا کہ دیکھو آج یہ چھوٹا سا بچہ جو بہت سی خوبیوں کا مالک ہے، ہمارے پاس آیا ہے۔

**بیعت** شیخ سعدی نے سید آدم بنوری سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر خرقۂ حاصل کی۔

**لاہور میں تشریف آوری** حضرت سید آدم بنوری کی وفات کے بعد، شیخ سعدی لاہور تشریف لائے، اور مسندِ ارشاد کو زینت بخشی۔ اُن کی وجہ سے لاہور میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کو غیر معمولی فروغ ہوا، جن طالبان حق نے اُن سے سلوک و معرفت کے منازل طے کئے اُن کی تعداد بے شمار ہے، خود فرمایا کرتے تھے کہ:-

مریدان مانند ستارہ ہائے آسمان از حیطۂ شمار خارج اند۔

صاحبِ روضۃ اسلام کا بیان ہے کہ بچپن ہی سے شیخ سعدی کی پیشانی سے آثار ولایت تاباں و ہویدا تھے، مستجاب الدعوات تھے، جو فرماتے تھے، وہ خدا کے فضل و کرم سے ہو جاتا تھا، دفعِ آسیب میں آپ کو کمال تھا۔

**وفات** شیخ سعدی ۳ ربیع الثانی ۱۱۸۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، اور لاہور کے محلہ عزیز فرنگ میں مدفون ہوئے۔

**اولاد** شیخ سعدی کے چار صاحب زادے تھے، خواجہ محمد سلیم، خواجہ محمد غنی، خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد عارف، یہ چاروں صاحبزادے علم و عمل، زہد و ورع میں اپنے والد کے جانشین تھے۔

**خلفاء** شیخ سعدی کے خلفاء میں خواجہ محمد سلیم، خواجہ محمد غنی، حاجی محمد اسماعیل مشہور ہیں[1]

حاجی محمد اسماعیل غوری شیخ سعدی کے عظیم المرتبت خلفاء اور خدامِ خاص میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے مولانا یار محمد گل بہاری سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا، جو سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے، حاجی محمد اسماعیل

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۶۴۷ تا ۶۵۳ و تحقیقات چشتی ص ۱۸۴۔

پہلے پشاور میں مقیم تھے، اور وہاں حصولِ معیشت کے لئے تجارت کرتے تھے پھر ایک طویل عرصے تک مختلف ممالک کی سیاحت کرتے رہے اور حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے، دورانِ سیاحت میں اُنھوں نے سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے مختلف شیوخ سے اکتسابِ روحانی کیا، پھر لاہور میں شیخ سعدی لاہوری کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

حاجی اسماعیل غوری نے ایک سو پندرہ سال کی عمر میں پشاور میں وفات پائی، اُن کا مزار مبارک پشاور میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ حاجی اسماعیل کے خلفاء میں حافظ عبدالغفور پشاوری مشہور ہیں [1]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۶۵۳

(۴۸)

# شیخ سکندر شاہ

**نام و نسب** اسمِ گرامی شیخ سکندر، آپ کے والد کا نام شیخ کرم شاہ[1] تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے شیخ عبدالجلیل لاہوری سے جا ملتا ہے۔

---

[1] شیخ کرم شاہ خاندانِ سہروردیہ کے مشہور مشائخ میں تھے، اُنھوں نے اپنے والد شیخ ابوالفتح کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، جب پنجاب میں سکھوں نے خروج کیا، اور ملک میں فتنۂ عظیم برپا ہوا خصوصاً لاہور میں انھوں نے بے حد گڑبڑ پیدا کی، اور شہر اُن کے مظالم سے ویران ہونے لگا تو وہ (۱۰۹۶ھ) میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ لاہور سے ہجرت فرما کر لکھنؤ پہنچے اور وہاں چند روز اپنی والدہ کے دادا شیخ نورالحسن قریشی، عقیلی، ہاشمی کے پاس مقیم رہے، جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو راستے میں شاہجہاں پور میں اُن کو قزاقوں نے شہید کر دیا، اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کا واقعۂ شہادت (۱۲۰۰ھ) کے اواخر میں پیش آیا۔ شیخ کرم شاہ کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) شیخ سکندر شاہ (۲) شیخ مرلو علی قریشی۔ (۳) شیخ قلندر شاہ قریشی۔ (خزینۃ الاصفیا ر جلد ۲ ص ۱۱۶)۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

شیخ سکندر شاہ بن شیخ کرم شاہ بن شیخ ابو الفتح بن شیخ ابوالحسن ثانی بن شیخ فخرالدین بن شیخ ابوالفتح بن برخوردار بن شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالجلیل قطب عالم لاہوری قدس سرہم العزیز۔

**بیعت** شیخ سکندر شاہ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد شیخ کرم شاہ سے بیعت تھے، شجاعت و سخاوت، زہد و ورع میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، فقر و فنا میں صاحبِ حال و قال بزرگ تھے۔

**شاعری** شاعری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے، صاحبِ خزینۃ الاصفیاؔ نے اُن کے دو اشعار نقل کئے ہیں۔ جنھیں ہم یہاں تبرکاً درج کرتے ہیں :- ؎

بتارِ موئے مژگانِ دوختم ایں چشمِ حیراں را
رفو از رشتۂ جاں کردہ ام چاکِ گریباں را

---

خیالِ روئے تو با من چناں ہم آغوش است
کہ کارِ ہر دو جہاں از دلم فراموش است

اُردو میں بھی شعر فرماتے تھے اور امدادؔ تخلص کرتے تھے، نمونۂ کلام یہ ہے :- ؎

بادہ و جام و ساقی و گل و مُل
ہے نہیں ہائے اک وہ غیرتِ گل
شب میں احوال اُس کا کہہ نہ سکا
شیشہ ہر چند کہہ رہا قلقل
زلفِ مشکیں کو دیکھ کر اُس کی
کٹ گیا آج طرّۂ سنبل

جس گل اندام کے لئے میں نے
کھلے اپنے بدن پہ لاکھوں گُل
سو اشارہ میں اُس کے خون مرا
لے گیا اُس کا زنگئی کا گُل
دیکھ کر اُس پری کو ہوش و حواس
آہ پرواز کر گئے بالکل
فیض شاہِ مراد سے امداد
ہم نے باندھے ہیں یہ سخن کے پُل[1]

**وفات** شیخ سکندر شاہ نے ۱۲۱۴ھ میں لاہور میں وفات پائی آپ کا مزار پُر انوار لاہور میں قطب عالم حضرت شیخ عبد الجلیل کے مزار کے قریب واقع ہے[2]

---

[1] پنجاب میں اُردو۔ ص ۳۸۶

[2] خزینۃ الاصفیا۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۵-۱۱۶

(۴۹)

# شاہ سردار قادری

**حالات** شاہ سردار حضرت مصاحب خاںؒ کے مریدوں، اور خلفاء میں تھے، ان کا شمار سلسلۂ قادریہ کے نامور شیوخ میں ہوتا ہے، علوم ظاہری و باطنی، فقہ، حدیث، تفسیر میں یگانۂ روزگار تھے۔

**درس وتدریس** اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد وہ لاہور سے چھ کوس کے فاصلے پر موضع بابک وال میں مقیم ہو کر درس وتدریس وارشاد وتلقین میں مصروف ہو گئے۔

**وفات** شاہ سردار نے ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار پُرانوار موضع بابک وال میں زیارت گاہِ خاص وعام ہے[2]۔

---

[1] مصاحب خاں قادری، شاہ میر کے مرید وخلیفہ تھے۔

[2] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۱۰

**خلفاء** شاہ سردار کے خلفاء میں شیخ مصاحب خاں خورد لاہوری کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے، وہ شاہ سردار کی وفات کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ ارشاد و تلقین کے ساتھ ساتھ اُن کے وقت کا بڑا حصّہ درس و تدریس میں بھی گزرتا تھا، تقریباً پانچ سو حفاظ اُن کی درس گاہ سے فارغ الحفظ ہوکر نکلے[1]

شیخ مصاحب خورد نے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی، اور موضع بابک وال میں مدفون ہوئے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۱۱۔

(۵۰)

# شاہ شمس الدین قادری لاہوری

**حالات** شاہ شمس الدین قادری لاہوری، شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں جو شیخ داؤد شیر گرہی کے مرید و خلیفہ تھے۔

شاہ شمس الدین اپنے وقت کے جلیل القدر عالم باعمل اور عارف کامل تھے، علمِ شریعت و طریقت میں یگانہ روزگار تھے، سماع اور کشف و کرامت سے احتراز کرتے تھے لاہور میں آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ طالبانِ رشد و ہدایت کا ہجوم آپ کی خانقاہ میں لگا رہتا، اور آپ کا تمام وقت یادِ الٰہی اور رشد و ہدایت میں گزرتا۔

**جہانگیر کی عقیدت** شہنشاہ جہانگیر بھی آپ کے معتقدین میں تھا، اُس کی عقیدت کی انتہا یہ تھی کہ کبھی وہ شاہ شمس الدین کے حکم سے سرتابی نہ کرتا تھا، آپ ہر عاجز و بے وسیلہ اور ضرورت مندوں کے لئے اُس کے پاس سفارشی خط تحریر فرماتے، اور جہانگیر آپ کی تمام سفارشوں کو قبول کرتا، اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرتا تھا۔

**وفات** شاہ شمس الدین ۱۱ رجب ۱۰۲۱ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار پُرانوار لاہور میں مرجع خاص و عام ہے۔

روضہ مبارک پر جو قطعہ تاریخ وفات کندہ ہے وہ یہ ہے:-

جو شمس الملل زین جہاں رخت بست
بیاراست ایزد برائش بہشت
بجستم ز پیرِ خرد سالِ او
بگفت از سرِ لطف "جایش بہشت"[1]
۱۰۲۱ھ

[1] خزینۃ الاصفیا رجلد اول ص ۴۰۸ سے یہ تمام حالات ماخوذ ہیں۔

(۵۱)

# مُلّا شاہ محمد بدخشی[1]

**نام وطن** آپ کا اسم گرامی شاہ محمد، اور والد کا نام مُلّا عبدی تھا، آپ موضع ارکسا (علاقہ روستاق بدخشاں) میں پیدا ہوئے، خود مُلّا شاہ محمد بدخشی نے اپنے ایک شعر میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سالکِ من از ملکہا ملکِ بدخشاں آمدہ
از بلاد از روستاق اُفتدے از ارکسا

آپ کے والد ملا عبدی سے جوار کسا کے قاضی تھے، کسی نے اُن کے وطن کے متعلق پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ سب ولایتوں میں بڑی ولایت بدخشاں ہے، جس میں سب سے بڑا علاقہ روستاق ہے اس علاقے میں سب سے بڑا گاؤں ارکسا ہے، اس میں سب سے سادہ لوح میرے والد بزرگوار ہیں۔ اور

---

[1] ملا شاہ محمد بدخشی اگرچہ بدخشاں کے رہنے والے تھے، لیکن چونکہ اُنھوں نے لاہور میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے اس لئے ہم نے اُن کا تذکرہ صوفیائے پنجاب میں کیا ہے۔

ہیں اُن کا سب سے زیادہ سادہ لوح فرزند ہوں۔[1]

**بیعت** آپ ۱۰۲۳ھ میں لاہور آکر سلسلۂ قادریہ میں حضرت میاں میر کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، میاں میر کی خدمت میں حاضری کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آپ نے دارا شکوہ سے فرمایا کہ جب میں پہلے پہل اپنے وطن سے آیا تو تین سال تک کشمیر میں مقیم رہا۔ پھر میرے قلب میں طلبِ الٰہی کا ذوق پیدا ہوا، اور میں کشمیر سے ہندوستان بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا، جب میں لاہور سے آگرے کے ارادے سے روانہ ہوا تو راستے میں ایک شخص نے مجھ سے میاں میر کی بزرگی اور اُن کی عظمت کا ذکر کیا اُن کے تذکرے سے میرے قلب نے ایک تازگی محسوس کی، اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اُسی وقت لاہور واپس لوٹ جاؤں، جب میں واپس ہونے لگا تو اُس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیوں واپس لوٹ رہے ہو، میں نے کہا کہ میرے اس سفر کا جو مقصد ہے وہ لاہور میں حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے لاہور واپس جا رہا ہوں، اس نے کہا کہ آگرے میں بھی ایک درویش کامل ہیں اُن سے بھی ملو، میں آگرے آیا، جب میں آگرے میں اُن بزرگ سے ملا تو اُن میں وہ چیز نہ پاکر جس کا میں طالب تھا، لاہور واپس لوٹ آیا اور میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے اُن میں وہ تمام صفات پائیں جن کا میں متلاشی تھا، میں اُن کی خدمت میں تین سال تک متواتر حاضر ہوتا رہا، لیکن اُنھوں نے کبھی میری طرف توجہ نہ فرمائی، تین سال کے بعد اُنھوں نے ایک روز مجھ سے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو، میں نے کہا مسجد میں، فرمایا کہ مسجد میں نہ رہو، میں نے اُن کے ارشاد کے مسجد میں رہنا ترک کر دیا، پھر پوچھا کیا کھاتے

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) ص ۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-

ہو، میں نے کہا بازار کی روٹی، فرمایا بازار کی روٹی کھانا چھوڑ دو، باوجود اس کے کہ مجھے کہیں سے خوراک مہیا ہونے کی اُمید نہ تھی، میں نے بازار کی روٹی کھانا چھوڑ دی، اور فاقے سے رہنے لگا۔ پھر اُنھوں نے میرے حال پر شفقت فرمائی اور مجھے ارشاد و تلقین سے بہرہ ور فرمایا۔[1]

**ریاضتیں اور مجاہدے** دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں آپ کی جن ریاضتوں اور مجاہدوں کا تذکرہ کیا ہے اُن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، اُس نے لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں سے سُنا ہے کہ آپ سات سال تک عشاء کی نماز کے بعد سے صبح تک حبسِ نفس کے ساتھ ذکرِ خفی کرتے تھے، اُس کا یہ بھی بیان ہے کہ تیس سال تک آپ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوئے۔[2]

**خلافت** اپنے پیر کی وفات سے چند سال پہلے آپ خلافت سے سرفراز فرمائے گئے، خود آپ کا بیان ہے کہ میرے مرشد نے اپنی وفات سے چند سال پیشتر مجھ سے اشارتاً کچھ فرمایا، جسے میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا، ایک رات لاہور میں فجر ہونے سے پیشتر مجھے دولتِ سعادت نصیب ہوئی، اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہی وہ مقام اور مرتبہ ہے، جس کی خواہش مجھے سالہا سال سے تھی، مجھے اِس کا اندازہ بھی ہوا کہ گذشتہ احوال اور ذوق اس کے مقابلے میں سب ہیچ ہیں۔[3]

**کشمیر میں توطن** تقریباً تیس سال تک آپ میاں میر کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۲۵ [2] ایضاً ص ۱۱۹ - ۱۲۰
[3] ایضاً ص ۱۲۴۔

پھر لاہور کی گرمی کی شدت کی وجہ سے مجبور ہو کر آپ نے کشمیر کو اپنا وطن بنایا، جہاں دارا شکوہ اور جہاں آرا نے آپ کے لئے دامنِ کوہ میں ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرادی تھی، جب تک آپ کے پیر حیات رہے، آپ التزاماً موسمِ سرما میں کشمیر سے لاہور اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے، صرف آخر عمر میں چند سال لاہور نہیں آئے[1]

**مقبولیت** کشمیر اور اُس کے نواح میں آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی، جو بھی آپ سے ملتا آپ سے بے حد متاثر ہوتا، آپ پر فلسفۂ وحدت الوجود کا اثر غالب تھا۔

**دارا شکوہ کی بیعت** سنہ ۱۰۵۰ھ / ۱۶۳۹ء میں دارا شکوہ اور اُس کی بہن جہاں آرا آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور دارا شکوہ جس عقیدت و خلوص سے آپ کا مرید ہوا آپ اُس کے ذوق شوق کو دیکھ کر بے حد خوش تھے، ایک دفعہ اپنے ایک مرید ملا مسکین سے فرمایا کہ ہم نے بہت سے لوگوں کو مشغول کیا، اور ہمیں امید تھی کہ وہ ہمارے طریقے کو رائج کریں گے لیکن اُن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی بات پر اٹک کر رہ گیا، مگر اِس جوان (دارا شکوہ) سے امید ہے کہ ہمارے طریقے کو فروغ دے گا کہ اس نے ہماری منشاء کے مطابق ہمارے طریقے پر عمل کیا ہے، اور ہماری باتوں پر دھیان دیا ہے[2]۔

دارا شکوہ نے ملا محمد بدخشی کے ان روحانی فیوض و برکات کو، اور اُن بزرگانہ شفقتوں اور عنایتوں کو جو بحیثیت ایک مرید کے اُس کے شاملِ حال تھیں بیان کرتے ہوئے لکھا کہ جن دنوں میں کشمیر میں آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا تو آپ نے کمالِ عنایت سے میری تربیت فرمائی، اور مجھے مشغول

---

[1] سکینۃ الاصفیاء (ترجمہ اُردو) ص ۱۱۹

[2] ایضاً " ( " ) ص ۱۳۹

فرمایا، یہاں تک کہ مجھے تھوڑی ہی مدت میں وہ حاصل ہو گیا جو میں چاہتا تھا، آپ جس قدر عنایت میرے حال پر فرماتے تھے، وہ بیس بیس تیس تیس سال کے پرانے مریدوں کو بھی حاصل نہ تھی[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دارا شکوہ کو تلقین وارشاد کی بھی اجازت دی تھی، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے کہ ایک روز آپ نے مجھے طالبوں کی ہدایت و ارشاد کرنے کی اجازت کے بارے میں سختی سے ارشاد فرمایا، لیکن میں نے پاسِ ادب کی وجہ سے قبول نہ کیا کہ شاید مجھ سے یہ اہم فرض ادا نہ ہو سکے، لیکن جب آپ نے بہت اصرار فرمایا تو میں نے اسے قبول کر لیا[2]

## ولی رام کائستھ کی عقیدت

ولی رام نامی ایک کائستھ جو مغلیہ حکومت میں ایک امیر تھا وہ دارا شکوہ اور ملا محمد بدخشی سے اس قدر متاثر ہوا کہ سب کچھ تج کر ملا بدخشی سے بیعت ہوا، ولی رام کے بعض اشعار تذکروں میں ملتے ہیں، جن میں وحدت الوجود کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے :- ؎

ما نہ آنِ خودیم ، آنِ توائیم
بے نشانے تو، ما نشان توائیم
ایں نشانہا نشانِ ذاتِ تواند
مظہرِ جلوۂ صفاتِ تواند
ذاتِ تو در صفاتِ تو پیدا
صفتِ عین ذات، اے مولیٰ
ماہمہ ہیچ ، ہرچہ است توئی
اے منزّہ نہ فہم و وہمِ دوئی

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۴ [2] ایضاً ، ص ۱۳۵

ما ہمہ موج بحرِ ذاتِ توایم
مظہرِ مجمل صفاتِ توایم[1]

## شاعری

ملا شاہ محمد بدخشی خود بھی بہت بلند پایہ شاعر تھے، دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں آپ کے مجموعۂ کلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مجموعہ حقائق و معارف سے پُر ہے، اس مجموعے میں ایک دیوان، بہت سی رباعیاں، مکتوبات، مثنویات، اور شرح رباعیات شامل ہیں، غزلوں میں آپ اپنا تخلص شاہ فرماتے ہیں[2]، دارا شکوہ نے آپ کی چند غزلیں بھی نقل کی ہیں جو آپ کے علوئے فکر، نزاکتِ تخیّل اور مسلکِ وحدت الوجود کی آئینہ دار ہیں ہم اُس سے آپ کے بعض اشعار ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

### رُباعی

از شش جہتم روئے نمودی آخر
از ہر طرفے، دلم ربودی آخر
بیرون و درون جلوہ گری می دیدم
بر تحقیق آمدم تو بودی آخر

نہ چراغیست دریں خانۂ ویرانۂ ما
روشن از آتشِ عشقِ تو شدہ خانۂ ما
آرے ایں راست کہ مرغیم و لے سیمرغیم
دامِ ما تا چہ بود، تا چہ بود دانۂ ما

---

[1] رود کوثر ص ۳۸۳

[2] سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۵۲

در پئے خانۂ جانانۂ ما شد ہمہ عمر
بودۂ خانۂ ما خانۂ جانانۂ ما
نکند تا بہ ابد یاری ہشیاری ہیچ
گر بسہو آنکہ رسد بر درِ میخانۂ ما
مدعی در پئے افسونِ گرفتاری خلق
آتش بنبہ گوشش شود افسانۂ ما
رہِ دیوانگیش شاہ نز دپے بہ غلط
کیست دیوانۂ ما عاقل و فرزانۂ ما[1]

## عُلماء کی باز پُرس

ملا بدخشی بعض مرتبہ غلبۂ حال کی وجہ سے بعض ایسے اشعار کہہ جاتے جو شرعی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض ٹھہرتے، ایک دفعہ انھوں نے ایک اسی قسم کا شعر کہا، اس پر کشمیر کے علماء نے اُن کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا، اور شاہجہاں سے گزارش کی کہ اُن پر حدِ شرعی جاری کرے، شاہجہاں نے علماء کے ارشاد کے مطابق ظفر خاں گورنر کشمیر کو لکھا کہ اُن پر حد جاری کرے، مگر دارا شکوہ نے سفارش کی کہ حد جاری کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ دوسرے بزرگوں خصوصاً میاں میر سے پوچھنا چاہئے، شاہجہاں نے میاں میر سے دریافت کیا، میاں میر نے فرمایا غلبۂ حال کی وجہ سے ملا بدخشی سے یہ باتیں سرزد ہوتی ہیں جو کسی طرح مناسب نہیں، لیکن اُسے اس وجہ سے قتل نہ کرنا چاہئے، شاہ جہاں نے میاں میر کے مشورے پر عمل کیا، اور خاموش رہا، چند دن کے بعد جب سنہ ۱۶۳۹ء میں شاہجہاں کشمیر آیا تو اُس نے بعض تصوف کے مسائل پر مُلّا شاہ بدخشی سے گفتگو کی،

---

[1] سکینتہ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۵۳-۱۵۴

صاحبِ بادشاہ نامہ اس ملاقات کا تذکرہ تفصیل سے کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

یکم جمادی الثانی ۱۰۵۰ھ کو ملا شاہ بدخشی جو میاں میر قادری کے خلیفہ ہیں، اور کشمیر میں گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کرتے ہیں، بادشاہ درویش نواز (شاہجہاں) کی طلب پر تشریف لائے، اور اس ملاقات میں بہت سے نکاتِ بلند کے متعلق گفتگو ہوئی، بادشاہ نے ان کو نہایت تلطف و مہربانی سے رخصت کیا۔

**اورنگ زیب کی طلبی** ۱۰۶۸ھ میں جب اورنگ زیب صاحبِ تخت و تاج ہوا تو علماء نے پھر ایک مرتبہ مُلّا بدخشی کے خلاف آواز بلند کی، علماء کے احتجاج پر اورنگ زیب نے اُن کو طلب کیا، لیکن کشمیر کے گورنر نے لکھا کہ مُلّا بدخشی خرابیِ صحت کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں، اور اسی زمانے میں ملا شاہ بدخشی کے وہ اشعار جو آپ نے اورنگ زیب کی تخت نشینی کی مبارکباد کے متعلق لکھے تھے وہ اورنگ زیب تک پہنچائے گئے، جو یہ تھے۔

صبحِ دل من چو گلِ خورشید شگفت
کآمد حق و غبارِ باطل را رُفت
تاریخِ جلوس شاہِ حق آگہ را
ظل الحق گفت الحق ایں را حق گفت

۱۰۶۹ھ

اِس کے بعد اورنگ زیب نے اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، اور حکم دیا کہ ملا بدخشی اب بجائے کشمیر کے لاہور میں قیام کریں۔

**لاہور میں قیام** اس حکم کے بعد آپ نے لاہور میں اقامت فرمائی، لیکن لاہور کی زندگی میں وہ بالکل گوشۂ تنہائی

اختیار کیئے رہے، اُس زمانے میں سوائے اپنے چند مخلص مریدوں کے کسی سے نہ ملتے تھے[1]

**وفات** آپ کو لاہور میں ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ بخار میں مُبتلا ہوئے، اور بقول صاحب مفتاح التواریخ ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی، اور احاطۂ میاں میر میں مدفون ہوئے۔

خان بہادر عبداللطیف نے تاریخ لاہور میں ایک جگہ اُن کا سنہ وفات ۱۰۷۲ھ اور ایک جگہ ۱۰۷۱ھ درج کیا ہے، صاحب مخبر الواصلین نے جو اُن کی تاریخ وفات لکھی ہے اس سے ۱۰۶۹ھ مستخرج ہوتا ہے[2]

**خلفاء و مریدین** ملا شاہ بدخشی کے حسب ذیل خلفاء و مریدین کا تذکرہ سکینۃ الاولیاء میں ملتا ہے۔

(۱) مُلا محمد سعید (۲) مُلا مسکین (۳) مُلا محمد امین کشمیری

(۴) مُلا عبدالنبی (۵) حاجی عبداللہ[3]

ان کے مختصر حالات بھی دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں دیئے ہیں۔

---

[1] یہ تمام تفصیل رود کوثر مولفہ شیخ محمد اکرام صاحب ص ۳۸۵ و ۳۸۶ سے ماخوذ ہے۔

[2] فٹ نوٹ مقالات الشعرا ص ۵۰۳ و ۵۰۴

[3] سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۷

(۵۲)

# خواجہ شمس الدین سیالوی

**حالات** خواجہ شمس الدین سیالوی، حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، اُن کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ کو سیال میں ہوئی، جب کہ پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی، خواجہ سیالوی کے والد محترم کا نام محمد یار تھا، اُنھوں نے خواجہ سیالوی کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی سات سال کی عمر میں خواجہ صاحب نے قرآن مجید ختم کیا، پھر اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع میکی ڈھوک علاقہ پنڈی گھیب میں جا کر وہاں کے مدرسے میں نام حق اور کریما پڑھی؛ پھر مکھڈ حاضر ہوئے اور مولوی علی محمد صاحب سے جو اُس دور کے مشہور عالم تھے تعلیم شروع کی، مولوی علی محمد صاحب اُن کے علمی انہماک اور خلوص کو دیکھ کر اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے، اکثر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، اور علمی مسائل پر گفتگو فرماتے۔

**کابل کا سفر** اُسی زمانے میں میاں محمد امین جو ایک مشہور تاجر تھے اور درویشوں کے بے حد معتقد تھے تجارت کے سلسلے میں کابل جانے لگے، اُنھوں نے اس سفر میں محض برکت کے لئے

مولوی علی محمد سے اجازت لے کر خواجہ سیالوی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، خواجہ سیالوی کابل پہنچے، تو وہاں کے ایک جید عالم حافظ دراز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی پہلے ہدایہ مکمل پڑھی، پھر اُن سے حدیث کی سند حاصل کی پھر مکھڈ واپس آئے، اور مولوی علی محمد صاحب کی خدمت میں رہنے لگے۔

## شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضری

اُس زمانے میں مولوی علی محمد خود بھی مرشد کامل کی تلاش میں تھے، ایک دفعہ کسی نے اُن سے شاہ محمد سلیمان تونسوی کی تعریف کی، وہ اُس شخص سے آپ کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ خواجہ شمس الدین سیالوی کو اپنے ہمراہ لے کر شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت خواجہ شمس الدین کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

## بیعت

شاہ محمد سلیمان تونسوی نے اُستاد اور شاگرد دونوں کو بیعت کر لیا، شاہ محمد سلیمان کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کے بعد دونوں اُستاد و شاگرد مکھڈ آئے۔

## مدرسی

مولوی علی محمد لاولد تھے، وہ خواجہ شمس الدین سیالوی کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے، اُنھوں نے اپنی ساری جمع پونجی خواجہ سیالوی کے سپرد کر دی، اور ان کو اپنے مدرسے میں اپنی جگہ قائم مقام مدرس مقرر کیا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی کے والد نے اُن کو لکھا کہ وہ وطن آ کر شادی کریں، لیکن وہ مکھڈ چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے، آخر مجبور ہو کر اُن کے والد نے شاہ محمد سلیمان تونسوی کو لکھا، آپ نے مولوی علی محمد کو لکھا کہ وہ خواجہ سیالوی کو اُن کے والد کے پاس بھیج دیں، ساتھ ہی

خواجہ شمس الدین کو بھی تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہو کر شادی کریں۔

**شادی** چنانچہ اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں خواجہ شمس الدین سیالوی اپنے وطن پہنچے، اور چونتیس سال کی عمر میں اپنے چچا میاں احمد یار کی صاحبزادی سے شادی کی۔

**وطن میں قیام** پھر خواجہ شمس الدین سیالوی اپنے وطن میں مقیم ہو گئے، اور وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اُن کا بڑا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔

**شیخ کی عقیدت اور خدمت** اُن کا اپنے شیخ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ سال میں کئی دفعہ تونسہ شریف جاتے، اپنے شیخ کے ساتھ تقریباً چودہ مرتبہ مہار کا سفر کیا، سفر میں اپنے شیخ کا سامان اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر سواری کے آگے آگے چلتے تھے۔

**خلافت** شاہ محمد سلیمان تونسوی نے خواجہ شمس الدین سیالوی کو جب کہ اُن کی عمر چھتیس سال کی تھی، خلافت سے سرفراز فرمایا، اور ہدایت فرمائی کہ لوگوں سے بیعت لینے کا اہتمام کرنا، اشغال میں مشغول ہو کر بیعت لینے کو نظر انداز نہ کرنا۔

**پہلے مرید** خواجہ شمس الدین سیالوی نے سب سے پہلے اپنے والدین کو پھر حسب ذیل بزرگوں کو مرید کیا۔

(۱) میاں چھٹہ کسب دار۔

(۲) شیخ عبدالجلیل قریشی۔

(۳) عبداللہ دین دار

(۴) میاں فضل احمد قریشی۔

**لنگر** خواجہ شمس الدین سیالوی کی خانقاہ میں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ زائروں اور مسافروں کے علاوہ شہر کے غربا اور مساکین کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔

**اتباعِ شریعت** خواجہ سیالوی حُسنِ اخلاق کا ایک پیکر تھے، اتباعِ شریعت پر خاص طور پر زور دیتے تھے نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، سماع اور مزامیر سے پرہیز کرتے تھے۔

**وفات**۔ خواجہ شمس الدین سیالوی نے ۲۱ رصفر ۱۳۰۰ھ کو وفات پائی[1]

---

[1] خواجہ شمس الدین سیالوی کے یہ حالات تاریخ مشائخ چشت ص ۷۰۲ تا ۷۰۵ سے ماخوذ ہیں۔

(۵۳)

# حضرت شیخ صدرالدین عارف

**نام ونسب** آپ کا اسم گرامی صدرالدین، آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ بہاءالدین زکریا مُلتانی ہے، آپ کا سلسلۂ نسب ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد سے جا ملتا ہے، شیخ صدرالدین نے اپنے والد ماجد شیخ بہاءالدین زکریا مُلتانی سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی، اور اپنے زمانے کے جلیل القدر شیوخ میں شمار ہوتے تھے۔

**مناقب ومحامد** کنزالرموز میں آپ کے والد کے ایک مرید امیر حسینی نے آپ کے عظمت مرتبے کو منظوم کرتے ہوئے لکھا ہے

آں بلند آوازۂ عالم پناہ
سرورِ دیں افتخار صدر گاہ
صدرِ دین و دولت آں مقبولِ حق
نہ فلک از خوانِ جودش یک طبق
آبِ حیواں قطرۂ بحرِ دلش
چو خضر علمِ لدنی حاصلش

معتبر چوں قولِ او افعالِ او
ہم بیانِ او گواہِ حالِ او
مقتدائے دیں قبول خاص و عام
دولتش گفتہ تو ئی خیرالانام
ملکِ معنی جملہ در فرمان او
ہم بکسب وہم بمیراث آنِ او[1]

صاحب تاریخ فرشتہ نے آپ کے اوصاف وکمال کو ان اشعار میں منظوم کیا ہے۔

آں گہر معدنِ حق الیقیں
تازہ ز آب کرمش باغِ دیں
دادہ ز پاکی بملائک صلہ
خرقۂ وحدت بخلا و ملا
لجۂ مواج دلِ پاکِ او
عقل فرو ماندہ در ادراکِ او
صدر نشیں گشت بعرشِ بریں
گشتہ خطابش از خدا صدرِ دیں

**وجہ تسمیہ** آپ عام طور سے لوگوں میں شیخ صدرالدین عارف کے نام سے مشہور تھے۔ اس لقب سے مشہور ہونے کی یہ وجہ تھی کہ جب آپ تلاوت قرآن مجید کرتے یا کلام مجید ختم فرماتے تو معرفت و حکمت کے نئے نئے اسرار و رموز آپ پر آشکارا ہوتے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے[2]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۱
[2] بزم صوفیہ ص ۱۰۶ بحوالہ تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۸۔

وبرا عارف از آں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کردے،
سمت فکرت بیشتر راندے، ووقتیکہ بتلاوت مشغول بودے۔
اورا فوح فوح معانی روئے نمودے[1]

**سجادگی** ۱۲۶۴ھ میں جب آپ اپنے والد کی وفات کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے تو آپ کو اپنے والد کے ترکے میں سات لاکھ ٹنکے نقد ملے، لیکن آپ نے یہ سب رقم غربا اور فقراء میں تقسیم کر دی، کسی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کے والد محترم اپنے خزانے میں اس قدر رقم جمع رکھتے تھے، اور اسے آہستہ آہستہ خرچ کرنا پسند کرتے تھے، مگر آپ نے ایک ہی روز میں یہ تمام دولت خرچ کر دی، شیخ صدرالدین نے اُس کو مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ میرے والد محترم دنیا پر غالب تھے، اس لئے اُن کو اتنی دولت جمع ہونے پر بھی علائق دنیا سے کوئی خطرہ نہ تھا، لیکن میں اس بلند مرتبے پر فائز نہیں ہوں اس لئے ڈرتا ہوں ہوں کہ دنیا کی دلفریبیوں میں مُبتلا نہ ہو جاؤں، اس لئے میں نے یہ دولت اپنے سے جُدا کر دی تاکہ قطعی طور پر یکسو ہو کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤں۔

اِس سخاوت دنیا سے غنی کے باوصف، آپ کے پاس دولت کی اس قدر فراوانی تھی کہ شیخ رکن الدین فردوسی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ دہلی سے مُلتان گیا، میں وہاں شیخ صدرالدین سے بھی ملنے گیا، میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس بہت سے علماء اور فقراء موجود تھے، تھوڑی دیر میں کھانے کا وقت آگیا، اس پُر تکلف دستر خوان کو دیکھ کر شاہی دستر خوان کا گمان ہوتا تھا، میں اگرچہ ایام بیض کے روزے رکھ رہا تھا،

---

[1] بزم صوفیہ ص ۱۰۶ بحوالہ تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۴۰۸

مگر تبرکاً کھانے میں شریک ہوگیا، شیخ صدرالدین نے مجھے اپنے قریب بٹھایا میں نے اپنے میزبان کے اصرار پر روزہ تو افطار کر دیا، مگر میں اس کشمکش میں تھا کہ صرف چکھنے پر اکتفا کردوں یا کچھ کھا بھی لوں، شیخ صدرالدین نے کشفی طور پر میری اس کشمکش کو محسوس کر لیا، اور میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ جو شخص باطنی حرارت سے کھانے کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکے اُس کے لئے کم کھانے کی پابندی ضروری نہیں ہے[1]

## ایک بے سروپا روایت

شیخ صدرالدین کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ جب سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کے روکنے کے لئے ملتان بھیجا، اس کے ساتھ اُس کی بیوی بھی تھی، یہ شہزادی بہت نیک، باحیا، اور خوبصورت تھی، لیکن شہزادے محمد سلطان کی شراب خوری سے بہت پریشان رہتی تھی، ملتان پہنچنے کے بعد ایک دن شہزادے سلطان محمد نے اپنی بیوی کو شراب کے نشے میں طلاق دے دی، جب نشہ اُترا تو اُسے اپنی غلطی محسوس ہوئی اور اُس نے علماء کو جمع کر کے فتویٰ پوچھا، علماء نے جواب دیا کہ طلاق واقع ہو چکی ہے، اور شہزادی اب اُس وقت تک اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی جب تک کہ وہ حلالہ نہ کرے، شہزادے محمد سلطان کو یہ بات پسند نہ آئی، اور غصے میں اُٹھ کر اپنے محل میں چلا گیا، اور تنہائی میں قاضی امیرالدین خوارزمی کو بلا کر کہا کہ میں شہزادی کی مفارقت کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا، قاضی امیرالدین خوارزمی نے مشورہ دیا کہ شیخ صدرالدین عارف نہایت نیک اور باخدا بزرگ ہیں، اگر اُن سے شہزادی کا نکاح کر کے طلاق دلوا دی جائے تو یہ مناسب ہوگا، چنانچہ صدرالدین عارف

---

[1] بزم صوفیہ بحوالہ تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۱

سے شہزادی کا نکاح کر دیا گیا، جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے شیخ صدرالدین عارف کے پاؤں پر گر کر کہا اگر آپ مجھے اس ظالم اور فاسق کے حوالے کریں گے تو میں قیامت کے روز آپ کا دامن پکڑ لوں گی، شیخ صدرالدین عارف نے شہزادی کی یہ بات سن کر شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادے کو جب یہ خبر ملی تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا، اور اس نے فوج کو حکم دیا کہ کل شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے۔ شیخ صدرالدین عارف کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور اپنی رائے پر جمے رہے۔ اسی زمانے میں مغلوں نے حملہ کیا، اور شہزادے کو شکست ہوئی، یہاں تک کہ شہزادہ محمد سلطان ان کے ہاتھوں شہید ہوا۔

یہ روایت جسے فرشتے نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے شیخ صدرالدین عارف کی کرامات کے ضمن میں بیان کی جاتی ہے لیکن خود فرشتے نے اپنی تاریخ میں سلطان محمد غیاث الدین بلبن کے ضمن میں شہزادہ محمد سلطان کے جو محامد و اوصاف بیان کئے ہیں خود اس کے بیان سے روایت کی تردید ہوتی ہے، تاریخ فرشتہ میں ہے:۔

> بلبن کے لڑکوں میں سب سے بہتر اور اچھا محمد سلطان خان شہید تھا یہ سلطان غیاث الدین کا محبوب ترین فرزند تھا، بہترین اوصاف اور عمدہ اخلاق جو ایک شہزادے میں ہونے چاہئیں وہ سب اس میں موجود تھے، یہ شہزادہ اپنے فضل، دانش اور ہنر میں بے نظیر تھا اس کی مجلس کی زینت بڑے بڑے فاضل اور شاعر تھے، جنھیں وہ اپنی عنایتوں اور مہربانیوں سے مالا مال کرتا تھا، اس کی سخاوت و فیاضی سے زمانہ باغ و بہار بنا ہوا تھا، امیر خسرو[1] اور خواجہ حسن جیسے

---

[1] امیر خسرو کا نام ابوالحسن یمین الدین اور تخلص خسرو تھا، ۶۵۱ھ میں وہ قصبہ پٹیالی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد امیر سیف الدین محمود ترکستان سے ہندوستان آئے۔

بزرگ ملتان میں اس کے مصاحب تھے، وہ دوسرے درباریوں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؎)

پندرہ سال کی عمر میں امیر خسرو نے علوم رسمیہ کی تکمیل کی اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، سلطان المشائخ اُن پر نہایت شفقت فرماتے تھے، اور تمام مریدوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، ابتداءً وہ سلطان بلبن کے ایک امیر کشلو خاں کے پاس جو تاریخ میں ملک چھجو کے نام سے مشہور ہے ملازم ہوئے، پھر سلطان بلبن کا بیٹا بغرا خاں اُن کو اپنے ساتھ بنگال لے گیا، بغرا خاں اور اس کے میر منشی شمس الدین دبیر نے اُن کو بنگال میں روکنا چاہا مگر وہ نہ رکے اور واپس چلے آئے، ۱۲۸۱ء میں وہ بلبن کے دوسرے بیٹے خان شہید کے ملازموں میں داخل ہوئے اور اس کے ساتھ ملتان تشریف لے گئے، ۱۲۸۵ء میں جب سلطان خاں شہید مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوا تو پٹیالی آئے اور اپنی والدہ کی زیارت سے مشرف ہو کر دہلی پہنچے اور بلبن کے دربار میں خان شہید کا وہ پُر درد مرثیہ پڑھا کر سارے درباریوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بلبن اس قدر رویا کہ اُسے بخار آگیا، اسی بخار اور صدمے سے اُس نے تیسرے دن وفات پائی، بلبن کی وفات کے بعد اُس کا پوتا کیقباد تخت پر بیٹھا تو اس کا وزیر ملک نظام الدین امیر خسرو کے خلاف تھا، لیکن کیقباد اُن کا بحد معترف تھا، اُس نے امیر خسرو سے خواہش ظاہر کی کہ اُس کی اور اُس کے والد بغرا خاں کی ملاقات کو نظم کریں، چنانچہ ۱۲۸۹ء میں اُنھوں نے قرآن السعدین تصنیف فرمائی، ایک سال بعد کیقباد نے وفات پائی، اور اُس کی جگہ سلطان جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا، جلال الدین خلجی خود بھی شاعر اور سخن فہم تھا، اُس نے معقول تنخواہ پر امیر خسرو کو اپنا مصاحب مقرر کیا، اور مصحف داری اور امارت کا عہدہ اُن کے تفویض ہوا، اُسی وقت سے میر خسرو "امیر" کہلائے، امیر خسرو نے جلال الدین خلجی کی تاج پوشی، اور اُس کے حالات کو "مفتاح الفتوح" میں منظوم کیا ہے، جلال الدین کے بعد جب علاء الدین تخت نشین ہوا، تو امیر خسرو نے اس کے حالات

اور اُن کی نظم و نثر سے لطف حاصل کرتا تھا، وہ اِس قدر مہذب

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱؎)
کو "خزائن الفتوح" میں نظم کیا "خمسۂ نظامی" کے جواب میں امیر خسرو نے جو پانچ مثنویاں لکھی ہیں وہ سب علاء الدین کے نام معنون ہیں، علاء الدین کے بعد اُس کا بیٹا قطب الدین تخت نشین ہوا، وہ امیر خسرو کا تمام گذشتہ فرماں رواؤں سے زیادہ قدر دان تھا، جب امیر خسرو نے مثنوی "نہ سپہر" اُس کے نام سے معنون کی تو اس نے ہاتھی کے برابر تول کر روپئے دیئے قطب الدین کے بعد اس کا غلام خسرو خاں تخت پر بیٹھا، مگر وہ صرف چار ماہ حکومت کر سکا، اور اس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق تخت پر بیٹھا، وہ بھی امیر خسرو کا نہایت قدر داں تھا، امیر خسرو نے "تغلق نامہ" میں سلطان غیاث الدین تغلق، اور خسرو خاں کی کشمکش کا حال بیان کیا ہے۔

جب امیر خسرو کے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے وصال فرمایا، اُس وقت امیر خسرو، سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ لکھنوتی (بنگال) میں تھے، وہیں اُن کو حضرت خواجہ نظام الدین کی وفات کی خبر معلوم ہوئی، وہ فوراً ہی گریہ کناں دہلی پہنچے اور اپنے شیخ کے مزار پر حاضر ہوئے، اور روتے ہوئے کہا سبحان اللہ آفتاب زمین کے نیچے ہے، اور خسرو زندہ زمین کے اوپر، اب شیخ کے بعد ہماری زندگی بھی کچھ زیادہ نہیں، چنانچہ اسی رنج و غم میں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی وفات کے چھ ماہ بعد ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء میں امیر خسرو نے وفات پائی، اور حضرت خواجہ نظام الدین کے پائنتی دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کو جو امیر خسرو کے حال پر شفقت تھی اس کا اندازہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے ان ملفوظات سے ہوتا ہے جنھیں امیر خسرو نے جمع کیا تھا، ان ملفوظات میں ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اُن سے فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہوں، لیکن تم سے تنگ نہیں ہوں۔

تھا، اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھتا تب بھی زانو نہ بدلتا تھا، تبسم کے وقت صرف حقا کا لفظ اس کی زبان سے نکلتا تھا، شراب کی مجلس اور بدمستی میں بھی کوئی نامناسب لفظ اس کی زبان سے نہ نکلتا تھا، اس کی مجلسوں میں شاہنامہ، دیوان خاقانی انوری خمسۂ نظامی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے، جس زمانے میں سلطان محمد ملتان میں تھا، شیخ عثمان مروندی[1] جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے ملتان تشریف لائے، وہ اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و توقیر سے پیش آیا، اُن کی خدمت میں نذر و تحائف پیش کیے، اور اُن سے اصرار کیا کہ وہ ملتان میں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ[1])

ایک دفعہ امیر خسرو نے عرض کیا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ قیامت کے دن مجھے فرشتے خسرو کے نام سے یاد کریں، کیونکہ یہ نام متکبروں کا ہے، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ قیامت میں تمہارا نام محمد کاسہ لیس ہوگا، فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ مجھے "ترک اللہ" کہہ کر پکارتے تھے، حضرت محبوب الٰہی نے ایک رباعی بھی امیر خسرو کے متعلق ارشاد فرمائی تھی، جسے ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں:-

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خواست
ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

(ماخوذ از آبِ کوثر ص ۱۹۷ تا ۲۰۲۔ اخبار الاخیار ص ۱۰۰۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۴۰)

(بسلسلۂ صفحہ ہذا[1])

[1] شیخ عثمان مروندی کا لقب لعل شہباز تھا، یہ لقب آپ کو آپ کے مرشد نے دیا تھا، شیخ

قیام فرمائیں، اور آن کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے، اور

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ سلسلہ نمبر ۱)

عثمان کے والد کا نام سید کبیر تھا، آپ حضرت امام جعفر صادق کی اولاد میں تھے، شیخ عثمان مروندی ۱۱۷۷ء ۵۷۳ھ میں مروند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ اور ایک سال کی مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد انوار الٰہی سے اپنے قلب کو منور بنا کر بابا ابراہیم سے خلافت حاصل کی، بہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی حاضر رہے۔ اس کے بعد روحانی کسب کمال کے لئے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں سیاحت کرتے رہے، اور مختلف اولیاء و صوفیائے کرام کی صحبت بزرگ صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ جن میں حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور حضرت مخدوم جہانیان جلال الدین بخاری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، شیخ صدر الدین عارف سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ اسی زمانے میں آپ ملتان تشریف لائے۔ خان شہید کی بڑی آرزو تھی کہ آپ ملتان میں قیام فرمائیں، اور اس نے آپ کے لئے ایک خانقاہ بھی بنوانا شروع کی تھی۔ لیکن آپ نے ہندوستان میں قیام پسند نہیں فرمایا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے، حضرت بوعلی قلندر کی خدمت میں پہنچے: انھوں نے فرمایا کہ ہند میں تین سو قلندر موجود ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ جائیں۔ آن کے مشورے کے مطابق آپ نے سندھ پہنچ کر سیوستان میں قیام فرمایا آپ تقریباً چھ سال تک سیوستان میں رشد و ہدایت میں مصروف رہے، آخر میں آپ پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی اور قلندریہ مشرب اختیار کر لیا۔ آپ کے قلندروں کو لال شہباز یہ کہتے ہیں۔ برٹن نے "ہسٹری اف سندھ" میں لکھا ہے کہ آپ بڑے عالم اور لسانیات اور صرف و نحو میں ماہر تھے۔ چنانچہ برٹن کے زمانے (۱۸۵۲ء) میں صرف و نحو کی جو کتابیں رائج تھیں مثلاً میزان الصرف اور صرف صغیر کے متعلق قسم دوم وہ حضرت لال شہباز قلندر سے منسوب کی جاتی ہیں، آپ کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، عثمان تخلص فرماتے تھے، میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے اپنے مشہور تذکرے مقالات الشعراء میں آپ کی ایک غزل نقل کی ہے جو آج بھی اہل نظر کے

خانقاہ کے مصارف کے لئے گاؤں وقف کیے جائیں۔ مگر شیخ عثمان مروندی نے اسے قبول نہ کیا، اور ملتان سے روانہ ہو گئے، ایک روز

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳)

لے سر، یہ تسکین دل وجاں ہے۔ فرماتے ہیں۔

نعشقِ دوست ہر ساعت درونِ نار می رقصم
گہے بر خاک می غلطم، گہے بر خار می رقصم
بیا اے مطربِ مجلس سماعِ ذوق را در دہ
کہ من از شادیِ وصلش قلندر وار می رقصم
شدم بدنام در عشقش بیا اے پارسا اکنوں
نمی ترسم ز رسوائی بہر بازار می رقصم
مرا خلقے ہمی گوید گدا چندیں چہ می رقصی
بدن دارم ہمہ اسرار ازاں اسرار می رقصم
منم عثمان مروندی کہ یارِ خواجہ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بردار می رقصم

مخدوم شہباز قلندر نے ۱۲۷۴ء مطابق ۲ شعبان ۶۷۳ھ کو وفات پائی، اور سیوستان میں آج بھی آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

فیروز شاہ تغلق کی حکومت کے زمانہ میں ملک رکن الدین عرف اختیار الدین والیِ سیوستان نے آپ کا روضۂ مبارک تعمیر کرایا، اس کے بعد ۹۹۳ھ میں ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ میرزا جانی بیگ ترخان نے آپ کے روضے کی توسیع و ترمیم کرائی، پھر ۱۰۰۹ھ میں میرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے میرزا غازی بیگ نے اپنی صوبیداری کے زمانے میں اس میں دوبارہ ترمیم کرائی۔

(ماخوذ از تذکرۂ صوفیائے سندھ مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی، ص ۱۹۹ تا ۲۰۵)

شیخ عثمان، شیخ بہاؤ الدین زکریا مُلتانی کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف خاں شہید کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے، مجلس میں کچھ عربی اشعار پڑھے جا رہے تھے کسی شعر کو سُن کر ان بزرگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ رقص کرنے لگے، خان شہید اُن کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا اور زار زار روتا رہا۔

**ملفوظات** شیخ صدر الدین کے ملفوظات: آن کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے "کنز الرموز" کے نام سے جمع کئے تھے، یہ ملفوظات پند و موعظت، اسرار و معارف، اثر و تاثیر کے لحاظ سے ایک بیش بہا خزینہ ہیں، ہم اخبار الاخیار سے ان ملفوظات میں سے چند ارشادات یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں۔ اپنے مریدوں کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جو اس قلعے میں داخل ہوگیا، وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا، اور اس قلعے میں آنے کے تین طریقے ہیں، ظاہر، باطن اور حقیقت۔

ظاہر یہ ہے کہ بندہ خوف اور امید سوائے خدا کے کسی سے نہ رکھے، اگر تمام لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے فکر مند نہ ہو، اور اگر تمام لوگ اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو، کیونکہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی نفع نقصان اور اور خیر و شر اس کو نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ قران مجید میں ہے

وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ وان یردک بخیر فلاراد لفضلہ۔

باطن یہ ہے کہ آدمی کو اس کا یقین ہو کہ موت سے پہلے اس دنیائے فانی میں جو کچھ اُس کو پیش آتا ہے وہ آنی و فانی

ہے، اور خدائے تعالیٰ کو علم اُس کے ذاتی مرنے پر حاصل ہو چکا ہے،
کل من علیہا فان، اُس کی ہستی و نیستی قابلِ التفات نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے قلب میں نہ جنّت کی آرزو ہو، نہ دوزخ کا خوف ہو، صرف اللہ ہی اللہ ہو جب انسان کے دل میں یہ سچائی جاگزیں ہو جاتی ہے تو بہشت اُس کے پیچھے پیچھے آتی ہے، اور دوزخ اس سے بھاگتی ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ پہلا قدم اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہے، اور پھر اُس ایمان پر ثابت قدم ہوتا ہے۔ اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک کہ بغیر کسی شک وشبہ کے رغبت محبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ خدائے تعالےٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ اور تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے، اسماء صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اوہام و افہام کے ادراک سے بالاتر ہے، حدوث، عوارض اور اجسام کی علامتوں سے منزہ ہے، تمام عالم اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے، اُس کی ذات و صفات میں چون و چرا کرنا جائز نہیں، نہ وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے، تمام پیغمبر اُسی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور اُس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں، اگر نہ آئیں تب بھی انھیں ماننا چاہیئے تاکہ اعتقاد کی درستی حاصل ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا، اُس کی کُنہ اور کیفیت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی، اگر خدائے تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز

ہے۔ اور صحتِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو خوشی محسوس ہو، اگر اس سے بُرائی سرزد ہو تو اس کو وہ بُرائی بُری معلوم ہو، اور ایمان کے استقامت کی علامت یہ ہے کہ بندے کو از روئے ذوق وحال کے اللہ اور اس کا رسول اس کو محبوب ہوں بجائے علم کے۔

ایک اور موقع پر اپنے مریدوں کو وصیت فرمائی کہ

کوئی سانس بغیر ذکر کے باہر نہ نکلنا چاہیئے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی بغیر ذکر کے سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، اور ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیثِ نفس سے گریز کرنا چاہیئے، جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو وسوسہ اور حدیثِ نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے اور دل میں نورِ ذکر آتا جائے گا، اور قلب میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی، پھر ذکر مذکور کے مشاہدے کے ساتھ ہوگا، اور دل نورِ یقین سے منور ہو جائے گا، اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے:- ؏

ایں کار دولت ست کنوں تا کرا رسد

ایک موقع پر مریدوں سے یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً کے ضمن میں فرمایا۔

خدائے تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو سعید بندہ لکھ دیتا ہے، اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کے موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے، اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی طرف ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش ہو جاتی ہے، لیکن دل خاموش نہیں ہوتا، یہی ذکر کثیر ہے، اور بندہ اس ذکر تک اس وقت تک نہیں پہنچتا

جب تک کہ وہ نفاقِ خفی سے بری نہ ہو، جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اُمت کے اکثر منافق اُس کے قاری ہیں۔ اس نفاق سے مُراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلقِ باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے۔ باطن کا تعلق صرف خدا سے ہونا چاہئے، پس جب بندے کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے، اور وہ بُرے وساوس اور اخلاق سے پاک وصاف ہوکر تفرید باطن سے آراستہ ہوتا ہے تو توقع کی جاتی ہے کہ اُس کے باطن میں نور کا ذکر متجلی ہوجائے اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اُس سے دور ہوجائیں اور اُس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہوجاتے، یہاں تک کہ اُس کا ذکر مشاہدہ مذکور متجلی کردے، اور یہ بلند مرتبہ اور عطیہ عظمیٰ ہے کہ جس کے حصول کے لئے اُمت کے اصحاب کی ہمت اور ارباب بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں، اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے [1]

**رشد و ہدایات** سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ شیخ صدرالدین اٹھارہ سال تک ملتان میں اپنے والد کی خانقاہ میں رشد و ہدایت اور مریدوں کی اصلاح و تربیت میں مصروف رہے [2]

**وفات** شیخ صدرالدین کا سنہ وفات سفینۃ الاولیاء میں ۲۳ ذالحجہ ۶۸۴ھ مذکور ہے [3]، صاحب مراۃ الاسرار کا بیان ہے کہ

---

[1] شیخ صدرالدین کے یہ تمام ملفوظات اخبارالاخیار ص ۶۲ و ۶۳ سے ماخوذ ہیں۔
[2] سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۶
[3] سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شیخ صدرالدین محمد۔

وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھتر سال کی تھی، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا سنہ وفات ۶۶۶ھ بتایا ہے۔[1]

قبر شریف ملتان میں اپنے والد حضرت بہاء الدین زکریا کے پہلو میں ہے۔

**خلفاء:** حضرت شیخ صدر الدین کے جلیل القدر خلفاء میں شیخ جمال خنداں شیخ حسام الدین ملتانی[2]، مولانا علاء الدین خجندی[3]۔ شیخ احمد بن محمد قندھاری معروف بہ شیخ احمد معشوق[4] اور شیخ صلاح الدین درویش[5]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۶

[2] شیخ حسام الدین ملتانی حضرت حضرت شیخ صدر الدین علاف کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، قاضی جمال کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ مشہور ہے کہ وہ ایک روز حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے مزار کی زیارت کے لئے گئے، اُن کے دل میں خیال گزرا کہ اگر شیخ صدر الدین ایک گز زمین میری قبر کے لئے اس روضۂ معلّٰی میں عطا فرمائیں تو میرے لئے کتنی بڑی خوش نصیبی ہوگی۔ شیخ صدر الدین نے نورِ باطن سے اُن کے اس خیال کو معلوم کر لیا، اور شیخ حسام الدین سے فرمایا کہ مجھے یہاں تمھارے مزار کے لئے جگہ دینے میں تامل نہیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمھارے مقبرے کے لئے نواحِ بدایوں میں جگہ تجویز فرمائی ہے، تمھاری قبر وہیں ہوگی، چنانچہ جب وہ اپنے مرشد کے حکم سے بدایوں تشریف لائے تو آخر وقت تک وہیں رہے۔ شیخ حسام الدین نے ۶۸۶ھ میں بدایوں میں وفات پائی

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۲)

[3] مولانا علاء الدین خجندی حضرت شیخ صدر الدین کے جلیل القدر خلفاء تھے، وہ چودہ سال تک شیخ صدر الدین کی خدمت میں رہے، اُن کو شیخ صدر الدین محبوب اللہ کہا کرتے تھے۔

(بزمِ صوفیہ ص ۱۱۴)

[4] شیخ احمد بن محمد قندھاری شیخ صدر الدین کے اکابر خلفاء میں تھے، قندھار کے رہنے والے تھے، اُن کے والد محمد قندھار میں تجارت کرتے تھے، یہ خود بھی تجارت کرتے تھے، گو چہ تصوف میں آنے سے پہلے دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے، اور شراب کے

مشہور رہیں۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳)

اس قدر عادی تھے کہ ایک لمحہ بھی بغیر بادہ و ساغر کے بسر نہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ شیخ احمد تجارت کے سلسلے میں ملتان آئے، اور بازار میں ایک دوکان لے کر اپنا کاروبار شروع کیا، اتفاق سے اُدھر سے شیخ صدرالدین گذرے، آپ کی نظر اُن پر پڑی جب آپ اپنی خانقاہ میں پہنچے تو آپ نے شیخ احمد کو اپنے خادم کے ذریعہ بلوایا، جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گرمی کا موسم تھا، شیخ صدرالدین کے لئے شربت لایا گیا، شیخ صدرالدین نے اس میں سے تھوڑا سا شربت پی کر شیخ احمد کو دیا۔ شیخ احمد نے اُسے پیا، شربت کا پینا ہی تھا کہ اُن پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اُسی وقت تجارت کا سارا سامان فقراء اور مساکین میں تقسیم کر کے شیخ صدرالدین کی بیعت سے مشرف ہوئے اور آپنے مرشد کی خانقاہ میں عزلت نشیں ہو گئے، تجرید و تفرید کا اُن پر اس قدر غلبہ تھا کہ سات سال ایک کرتے اور تہبند میں گذارے اور اپنے شیخ سے تربیت پاتے رہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۴۴ و ۴۵)

اُن کے معشوق کے خطاب کی وجہ فوائد الفواد میں یہ ملتی ہے کہ ایک روز خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اُن کے متعلق فرمایا کہ۔

> ایک رات چلّے کے جاڑے میں وہ (شیخ احمد) آدھی رات کو باہر آئے، اور پاس ہی بہتے ہوئے پانی میں جا کر کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے الٰہی میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا جب تک کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا ہوں، اُن کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمھاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ میں صرف اس بات پر اکتفا نہیں کر سکتا، آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمھاری عنایت کے وجہ سے بہت سے لوگ بہشت میں جائیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں؟

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؁۴)

آواز آئی ہم نے حکم کر دیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں اور تم ہمارے معشوق ہو، یہ سن کر شیخ احمد پانی سے نکل کر شہر کی طرف گئے، راستے میں جو شخص اُن سے ملتا وہ السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق کہتا۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد زار و قطار رونے لگے۔ کسی نے اُسی مجلس میں کہا کہ سُنا جاتا ہے کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے، فرمایا ہاں جب اُن سے کہا جاتا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتے کہ نماز پڑھوں گا مگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھوں گا، اس پر کہا جاتا کہ بغیر فاتحہ کے نماز درست نہ ہوگی، جب اُن سے اس پر اصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورۂ فاتحہ پڑھوں گا ایاك نعبد وایاك نستعین نہ پڑھوں گا، پھر اُن سے کہا جاتا کہ اس کے بغیر سورۂ فاتحہ درست نہ ہوگی، اور نہ نماز صحیح ہوگی، اس بحث و تمحیص کے بعد وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، جب ایاك نعبد وایاك نستعین پر پہنچتے تو اُن کے ہر بُن مو سے خون جاری ہو جاتا، اور نماز توڑ دیتے، اور حاضرین سے فرماتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے (فوائد الفواد ص ۲۵۰ و ۲۵۸) یہ واقعہ تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۲۶۵ و ۲۶۴ پر بھی مذکور ہے)

شیخ احمد نے ؁۵۲۳ھ میں وفات پائی (خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۲۶۴)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؁۵)

؁۵ شیخ صلاح الدین درویش، شیخ صدر الدین کے مرید و خلیفہ اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ہمسایہ و معاصر تھے، سلطان محمد بن تغلق شاہ سے جو ایذائیں اور تکالیف مشائخ کو پہنچتی تھیں، شیخ نصیر الدین اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق انھیں برداشت کرتے تھے، لیکن شیخ صلاح الدین بادشاہ سے سختی سے پیش آتے تھے، وہ ملتان سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵)

دہلی آکر مقیم ہوئے اور انھوں نے دہلی ہی میں وفات پائی۔ اُن کا مقبرہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مقبرے کے قریب واقع ہے۔ ان کا عرس ۲۲ صفر کو ہوتا ہے۔ شیخ سالار الدین کی ایک مناجات لوگوں میں شیخ صلاح کے نام سے مشہور ہے۔ اس مناجات کے چند فقرے شیخ عبدالحق محدث نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں بھی نقل کئے ہیں۔

(یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار۔ ص ۶۶ سے ماخوذ ہے)

(۵۴)

# سیّد عزیز الدّین مکّی لاہوری

**حالات** سید عزیز الدین مکّی سادات عظام اور اولیائے کبار میں تھے۔ تحفۃ الواصلین میں ہے کہ اُن کے بزرگوں کا وطن بغداد تھا، اور اُن کا سلسلۂ طریقت چند واسطوں سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی[1] سے

---

[1] سید الطائفہ: شیخ جنید بغدادی کی کنیت ابوالقاسم، لقب سید الطائفہ و طاؤس العلماء، قواریری اور زجاج تھا، زجاج آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد آبگینہ فروش تھے، اور نہاوند کے رہنے والے تھے، حضرت جنید بغداد میں پیدا ہوئے، اور حضرت سفیان ثوری کے مذہب کے پیرو تھے اور حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے، اور انھیں سے بیعت کی تھی، حضرت جنید کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے وہ ایک عرصے تک حارث محاسبی محمد قصاب کی صحبت میں بھی رہے۔ ابوالحسن نوری، شبلی اور خراز وغیرہ جیسے اکابر صوفیا اپنے سلسلوں کو حضرت جنید کی طرف نسبت کرکے درست کرتے ہیں حضرت جنید سے نسبت رکھنے والوں کو جنیدیہ کہتے ہیں اور آپ کا قول طریقت میں حجّت اور دلیل سمجھا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی نے شنبہ کے دن ۲۷ رجب ۲۹۷ھ کو وفات پائی، آپ کا مزار مبارک بغداد میں زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ (ماخوذ از سفینۃ الاولیا، تذکرہ حضرت جنید بغدادی)

جا ملتا ہے، وہ پہلے بغداد سے مکۂ معظمہ آئے اور تقریباً بارہ سال وہاں قیام کیا، اور پیر مکی کے لقب سے مشہور ہوئے، پھر وہ ہندوستان تشریف لائے، اور ۵۷۵ھ میں جب کہ سلطان شہاب الدین غوری نے لاہور کا محاصرہ کر رکھا تھا لاہور پہنچے۔ اُس وقت لاہور میں غزنویوں کی حکومت تھی، لاہور کے غزنوی حاکم خسرو ملک بن ظہیر الدولہ نے آپ سے دعا کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے چھ سال تک یہ ملک تمہارے پاس امانت ہے، اس کے بعد اس ملک پر غوری قابض ہوں گے، چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری ناکام ہو کر واپس چلا گیا، پھر وہ ۵۸۰ھ میں براہ سیالکوٹ لاہور پر حملہ آور ہوا، پہلے اُس نے سیالکوٹ میں قلعہ تعمیر کرایا، اور پھر لاہور کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ لاہور کو فتح کر لیا[1]

---

[1] ہرات کے مشرقی کوہستان میں غور ایک وسیع خطہ کا نام ہے۔ محمود غزنوی نے اس کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنا لیا تھا۔ غور کے باشندوں نے دوسری صدی ہجری میں اسلام قبول کر لیا تھا، یہاں سب افغانی قومیں آباد تھیں، محمود غزنوی نے غور کی صوبہ داری پر وہیں کے ایک شریف شخص کو مامور کیا تھا، پھر اسی خاندان میں غور کی صوبہ داری چلتی رہی، اتفاقاً سلطان بہرام غزنوی اور غور کے حاکم قطب الدین غوری میں کچھ ناچاقی پیدا ہو گئی اور نوبت جنگ تک پہنچی، اس لڑائی میں قطب الدین غوری مارا گیا، قطب الدین غوری کے بھائی سیف الدین نے اپنے بھائی کے انتقام میں غزنی پر فوج کشی کر کے بہرام کو غزنی سے نکال دیا اور خود تخت غزنی پر قابض ہو گیا، بہرام نے اطرافِ غزنی سے فوجیں جمع کر کے غزنی پر حملہ کیا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کر دیا، سیف الدین غوری کے بھائی علاء الدین غوری کو جب معلوم ہوا تو وہ اپنے دونوں بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے غزنی پر حملہ آور ہوا، اُس نے بھائیوں کے انتقام میں غزنی میں قتل عام کیا، سلاطینِ غزنی کے مقبروں کو

حضرت پیر مکی لاہور میں تقریباً چھتیس سال درس و تدریس، ارشاد و تلقین میں مصروف رہے، اور بہت سے طالبانِ معرفت نے آپ سے حق کی راہ پائی۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

مسمار کیا، اور مکانوں کو آگ لگا دی، جس کی وجہ سے وہ علاء الدین جہاں سوز کے لقب سے تاریخ میں مشہور ہوا، وہ غزنی فتح کر کے اپنے دار الحکومت فیروز کوہ چلا گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین ثانی غور کے تخت پر بیٹھا، سیف الدین ثانی کے بعد ۵۵۲ھ میں علاء الدین غوری تخت پر بیٹھا، اس کا بھائی شہاب الدین غوری بھی اس کی سلطنت و حکومت میں شریک تھا، اور دونوں مل کر بڑے اتفاق و محبت سے حکومت کرتے تھے۔ شہاب الدین غوری اپنے بھائی غیاث الدین کو مثل اپنے آقا کے سمجھتا تھا، خراسان کا اکثر ملک فتح کرنے کے بعد غوریوں نے ہندوستان کی طرف توجہ کی، اس وقت پنجاب میں بہرام غزنوی کی اولاد حکمراں تھی، چنانچہ شہاب الدین غوری نے اُن سے پنجاب کا ملک چھیننا ضروری سمجھا، اور شہاب الدین غوری نے ۵۸۲ھ میں خسرو ملک غزنوی کو لاہور سے گرفتار کر کے غیاث الدین غوری کے پاس غور کی طرف بھیج دیا، اور خود لاہور پر قابض ہو گیا۔

۵۹۹ھ میں غیاث الدین غوری کی وفات کے بعد شہاب الدین غوری فیروز کوہ میں غور کے تخت پر بیٹھا، ہندوستان میں اُس کی طرف سے اس کا غلام قطب الدین ایبک فرماں روا تھا، وہ اپنی بادشاہت کے بعد صرف ایک مرتبہ ہندوستان آیا، یہاں سے وہ غور کی طرف جا رہا تھا کہ ۶۰۲ھ میں فدائیوں یا گکھڑوں کے ہاتھ سے اپنے خیمے میں رات کے وقت دھوکے سے شہید کیا گیا۔

(تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۷۹ مؤلفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

سلطان شہاب الدین غوری کے قاتل کے سلسلے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ درحقیقت لفظ "ملاحدہ" تھا۔ طبقات ناصری نے خواہ مخواہ فدائی کا نقطہ بڑھا

**وفات** حضرت پیر مکی نے ۶۱۲ھ میں وفات پائی، اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے اس قطعہ میں آپ کا مادۂ تاریخِ وفات نکالا ہے۔

زدنیا چو شد در بہشتِ معلیٰ
شہِ دین و شیخ زمن پیرِ مکی
ز صالش بگو "آفتاب حسین"
۶۱۲ھ
بخواں نیز "پیرِ حسن پیرِ مکی"
۶۱۲ھ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؎)

دریا ہے۔ جس سے بعض لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا کہ قاتل کرامتی تھا۔ قاتل کھوکھر تھا نہ کہ گکھر! ملاحظہ ہو مضمون "مقتلِ غوری" بابت جنوری ۱۹۵۶ء مطبوعہ ماہنامہ برہان۔ دہلی۔ مصنفہ لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید۔ قتل کا مقام ڈھیک تھا جو آج دریائے جہلم کے ذرا اوپر واقع ہے۔

(۵۵)

# شیخ علاء الدین اجودھنی

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی علاء الدین ، والد کا نام شیخ بدرالدین سلیمان تھا، آپ شیخ شیوخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر کے پوتے تھے ،آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔

**بچپن** ہمیں شیخ علاء الدین کے بچپن کے کچھ حالات سیرالاولیاء میں ملتے ہیں۔ صاحبِ سیرالاولیاء کے والد سید محمد مبارک کرمانی کا بیان ہے کہ میں اور شیخ علاء الدین رضاعی (دودھ شریک) بھائی تھے ، آپ نے میری والدہ کا دودھ پیا تھا۔[1]

**تعلیم** پھر اُن کا بیان ہے کہ میں اور حضرت بابا فرید کے چھوٹے صاحبزادے خواجہ یعقوب ، اور آپ کے پوتے شیخ علاء الدین اور کچھ دوسرے لڑکے جب کے مولانا بدرالدین

---

[1] سیرالاولیاء ص ۱۹۲

اسحاق اجودھن (پاک پٹن) کی جامع مسجد میں مقیم تھے، اُن سے قرآن مجید پڑھتے تھے[1]

## حضرت بابا فرید کی شفقتیں

سید مبارک کرمانی کا بیان ہے کہ بچپن کے زمانے میں ایک دن میں اور شیخ علاء الدین حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس وقت آپ چارپائی بیٹھے پان کھا رہے تھے، ہم دونوں چارپائی کی پٹی پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت بابا فرید نے پیار سے اپنے منھ سے کچھ پان نکال کر میرے اور شیخ علاء الدین کے منھ میں رکھا، پھر آپ چارپائی سے وضو کے لئے اُٹھے اور کرسی پر بیٹھ گئے، عیسیٰ نامی ایک درویش جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا اُس نے جانماز درست کر کے بچھائی اور آپ کو وضو کرانے لگا، آپ وضو میں مشغول تھے کہ شیخ علاء الدین کھیلتے ہوئے جانماز پر جا بیٹھے، عیسیٰ درویش نے دیکھا تو دانتوں میں انگلی دبا کر اشارے سے اُن کو روکا، اُتنے میں حضرت بابا فرید نے پہلے عیسیٰ کی طرف اور پھر شیخ علاء الدین کی طرف دیکھا، اور مسکرا کر فرمایا عیسیٰ! انہیں بیٹھنے دو اور مت روکو، چنانچہ آپ کی دعا سے دو قرن کے بعد شیخ علاء الدین آپ کے سجادے پر اس طرح بیٹھے کہ سوائے نماز جمعہ کے سجادے سے ہلتے نہ تھے خواہ اُن کے پاس بادشاہ وقت ہی کیوں نہ آتے[2]

## سجادگی

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ علاء الدین سولہ سال کی عمر میں اپنے والد کی جگہ حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر کے سجادے پر متمکن ہوئے، اور چون سال تک اُس سجادے پر متمکن رہ کر مسند ہدایت، ارشاد و تلقین فرماتے رہے، آپ کی زندگی ہی میں آپ کی

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۸۳ [2] ایضاً ص ۱۹۴

ولایت، عظمت اور کرامت کا شہرہ عالم میں پھیل گیا، اجودھن، دیپالپور اور جبالی کے لوگ جو کشمیر کی طرف ہے آپ سے بیحد عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔[1]

**طریقۂ بیعت** جب کوئی شخص بیعت ہونے کے لئے آتا تو اُسے حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فرید روضہ مبارک پر بھجواتے، اور کہتے کہ اسے بابا صاحب کی پائینتی لے جاکر کلاہ پہنا دو۔[2]

**عبادت و ریاضت** صائم الدہر تھے، کسی نے آپ کو سوائے سوائے عیدین اور ایام تشریق کے دن میں کھاتے نہیں دیکھا، خود روزے سے رہتے تھے، لیکن درویشوں کے لئے دو وقت دستر خوان بچھتا، جس سے عام و خاص بہرہ ور ہوتے تھے۔[3]

**سخاوت و فیاضی** سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اپنے زاویہ سے حضرت بابا فرید کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے آتے تو راستے میں فقراء و مساکین دورویہ صفیں باندھ کر کھڑے رہتے، آپ ہر ایک کو کچھ نقد دیتے جاتے، اگر کوئی فقیر ایک دفعہ لے کر پھر آگے جاکر کھڑا ہو جاتا، اور لوگ کہتے کہ یہ پہلے لے چکا ہے تو آپ اُسے پہلے کی بہ نسبت دوگنا دیتے، اپنے خادموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے، آپ کے خادموں کو ستانے یا نقصان پہنچانے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔[4]

**طہارت و پاکیزگی** طہارت و پاکیزگی آپ کا امتیازی وصف تھا، ایک دفعہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین دہلی سے ملتان جاتے ہوئے، حضرت بابا فرید

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۹۳ — [2] ایضاً ص ۱۹۴

[3] ؍؍ ؍؍ ص ۱۹۴ — [4] ایضاً ص ۱۹۵

کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے پاک پٹن آئے، جب فاتحہ و زیارت سے فارغ ہوکر روضۂ مبارک سے باہر نکلے تو شیخ علاءالدین سے مصافحہ کرکے بغل گیر ہوئے، اور فرمایا کہ خدائے تعالٰے نے آپ کو وہ استقامت بخشی ہے کہ کوئی آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا، میرا آپ سے جُدا ہونے کو ہرگز جی نہیں چاہتا، لیکن چند متعلقین کی محبت آپ سے جُدا کر رہی ہے، یہ کہہ کر آپ سے رخصت ہوئے۔

اُن کے چلے جانے کے بعد شیخ علاءالدین اپنے گھر واپس ہوئے، اور اُسی وقت غسل کرکے دوسرے کپڑے پہنے، لوگوں نے یہ بات شیخ رُکن الدین تک پہنچاکر اُن سے کہا کہ یہ سوائے تکبر کے کہاں کی بزرگی ہے کہ آپ جیسے پاک اور پاک نژاد سے اُنھوں نے معانقہ کرکے یہ عمل کیا، شیخ رُکن الدین نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ تم شیخ علاءالدین کی قدر کیا جان سکتے ہو، وہ وہ بزرگ ہیں کہ جنھیں یہ بات زیب دیتی ہے، کیونکہ ہم سے دنیا کی بُو آتی ہے، اور وہ اس سے مبرّا ہیں، وہ دنیا سے دور رہ کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔[۱]

**مظلوموں کی حمایت** مظلوموں کے بیحد حامی تھے، اگر کوئی شخص ظالموں کے ہاتھ سے تنگ آکر روضۂ مبارک کے جماعت خانے میں پناہ لیتا تو آپ کے رُعب سے بادشاہ وقت تک کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اس مظلوم کو وہاں سے لے جائے۔[۲]

**وفات** شیخ علاءالدین اپنی وفات کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر کے روضۂ مبارک میں مدفون ہوئے، اور سلطان محمد تغلق نے جو آپ کا مرید و معتقد تھا آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا۔[۳]

---

[۱] سیرالاولیاء ص ۱۹۵-۱۹۶ [۲] سیرالاولیاء ص ۱۹۶

[۳] ؍؍ ص ۱۹۶

**اولاد** شیخ علاء الدین کے دو صاحبزادے تھے شیخ معزالدین اور شیخ علم الدین۔ شیخ معزالدین نے مولانا وجیہہ الدین[1] پائلی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے سجادے پر بیٹھے، لیکن کچھ دن کے بعد سلطان بن محمد بن تغلق نے اُن کو دہلی بُلا

---

[1] مولانا وجیہہ الدین پائلی، بہت بڑے عالم متبحر، اُستادِ یگانہ اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید تھے اور ان سے کمال عقیدت رکھتے تھے، ایک دفعہ وہ سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے، جب کھانا کھا کر اُٹھے تو آپ کے جوتے کوئی اُٹھا کرلے جا چکا تھا، سلطان المشائخ کو جب معلوم ہوا تو اپنے جوتے مولانا وجیہہ الدین پائلی کے لئے بھجوائے، آپ نے اُن جوتوں کو پہننے کے بجائے چوم کر اپنی دستار میں رکھ لیا، اور ننگے پاؤں روانہ ہوئے لوگوں نے کہا سلطان المشائخ نے یہ جوتے تو آپ کے پہننے کے لئے بھیجے ہیں۔ آپ نے جواب دیا نہیں یہ تو میرے سر کا تاج ہیں جو سلطان المشائخ نے مجھے عطا فرمایا ہے، میری کیا مجال ہے کہ میں ان کو پاؤں میں پہنوں، یہ خبر سلطان المشائخ کو پہنچی تو فرمایا مولانا وجیہہ الدین سے کہو کہ وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک کی زیارت کرکے جائیں۔ چنانچہ مولانا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوئے، جب فاتحہ و زیارت سے فارغ ہو کر روضۂ مبارک سے نکلے تو دروازے پر آپ کو اپنے جوتے ملے، مولانا وجیہہ الدین اپنی وفات کے بعد حوض شمسی کے کنارے حظیرۂ قاضی کمال الدین صدر جہاں اور قتلغ خاں میں بالائی جانب مدفون ہوئے کہ یہ دونوں آپ کے شاگرد تھے۔
(سیر الاولیاء۔ باب پنجم ص ۲۹۶، ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ و اخبار الاخیار ص ۹۹)

بھیجا، اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا، پھر انھیں کسی معزز عہدے پر گجرات بھجوا دیا، وہیں وہ ظالموں اور باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے[1]

شیخ علم الدین کی بھی سلطان محمد بن تغلق نہایت توقیر و تعظیم کرتا تھا، سیر الاولیاء میں ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے اُن کو ہندو پاکستان کا شیخ الاسلام بنا دیا تھا، لاکھوں انسانوں کو آپ کے سپرد کیا تھا، اُس زمانے کے مشائخ اُن کے مطیع و فرماں بردار تھے، وہ دین و دنیا میں نہایت مکرم و معظم تھے، جب اُنھوں نے وفات پائی تو اپنے والد کے روضے میں دفن کیے گئے[2]

شیخ معز الدین کے صاحبزادے افضل الدین فضیل تھے جو اپنی صورت و سیرت میں اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر تھے اور جو اپنے والد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے[3]

شیخ علم الدین کے صاحبزادے شیخ مظہر الدین تھے جو اپنے والد کے بعد شیخ الاسلامی پر مامور ہوئے[4]

## فضائل و مناقب

میر خورد نے شیخ علاء الدین کے محامد و مناقب، زہد و ریاضت اور اُن کے علوئے مرتبت کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> آں افضلِ مشائخ طریقت، آں اکرمِ اولیاءِ حقیقت کہ در علوئے درجات و رفعتِ مقامات و شدت مجاہدات و ذوقِ مشاہدات در عصرِ خویش مثل نداشت، و در بذل و

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۹۶   [2] ایضاً ص ۱۹۷   [3] ایضاً ص ۱۹۷
[4] ایضاً ص ۱۹۷۔

ایثار بے نظیر بود، و در مبالغت طہارت ظاہر و باطن درمیانِ مشائخ وقت بے مثل بود۔[1]

برنی نے اپنی مشہور کتاب تاریخ فیروز شاہی میں اس عظیم المرتبت شیخ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

در تفسیر نوشتہ اند کہ بعضے ملائکہ مقدس بمحض عبادت خدائے جل و علا مجبول اند، واز آفرینش جز تعبّد ہیچ مشغولی ندارند۔ شیخ علاء الدین نیز ہم از آں قبیل آفریدہ شدہ بود۔[2]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۹۳

[2] تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۳۴۷۔

(۵۶)

# شیخ علاء الدین مُلتانی

**حالات** شیخ علاء الدین مُلتانی، سلسلہ سہروردیہ کے شیوخ اور حضرت شیخ صدر الدین عارف کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں، نہایت عابد وزاہد، متقی اور علوم ظاہری اور باطنی کے عالم تھے۔ اور اپنے پیر کے نزدیک نہایت بلند مقام رکھتے تھے، شیخ صدر الدین عارف نے اُن کو محبوب اللہ کا خطاب دیا تھا، حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری سے بھی اُن کے بے حد مراسم اور تعلقات تھے۔

**وفات** شیخ علاء الدین نے ۷۴۰ھ میں وفات پائی، مفتی غلام سرور نے اس قطعے میں اُن کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

گشت روشن چو در بہشت بریں
مثل مہر مبیں علاء الدین
لفظِ "نصرت" بخواں بتاریخش
نیز شاہِ کبیر علاء الدین[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۵۷ سے ماخوذ ہے۔

(۵۷)

# قطب عالم شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوری

**حالات** شیخ عبدالجلیل سہروردیہ سلسلے کے عظیم المرتبت شیوخ میں ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب چار واسطوں سے سلطان التارکین حمید الدین ابو الغیث بادشاہ کیچ و مکران سے جا ملتا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

شیخ عبدالجلیل بن ابو الفتح بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ شہاب الدین بن شیخ نور الدین بن سلطان التارکین حمید الدین حاکم۔

**بیعت** علومِ رسمیہ کی تکمیل کے بعد شیخ عبدالجلیل نے اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی اور مختلف ممالک کے دوسرے شیوخ سے بھی استفاضہ کیا، پھر اپنے وطن سے لاہور تشریف لائے، ہندوستان کے سفر میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ بابا فرید گنج شکرؒ آن سے فرماتے ہیں کہ اے شیخ! تمھارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم پہلے ہمارے ۔ وضے پر آکر اپنا حصّہ حاصل کرو جو ہمارے پاس ہے ، اور اس کے بعد لاہور جاؤ،

چنانچہ آپ اجودھن حاضر ہوئے اور بابا فرید گنج شکر کے مزار پر چلہ کھینچا اور سلسلۂ چشتیہ کے فیوض و برکات سے بہرور ہوئے۔

**لاہور میں تشریف آوری** اس کے بعد آپ لاہور تشریف لائے اور لاہور کے متصل ایک گاؤں کوٹ گوجر میں قیام فرمایا، اب اس گاؤں کا نام و نشان باقی نہیں۔ پھر آپ اسی گاؤں میں پند و موعظت وارشاد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ اور طالبانِ حق آپ کے پاس کثرت سے جمع ہونے لگے۔

**دلائل الخیرات کی خواندگی** شیخ عبدالجلیل دلائل الخیرات کثرت سے پڑھتے، معمول تھا کہ آپ ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اور ایک مرتبہ شام کو پابندی سے دلائل الخیرات ختم کرتے، جس مرید پر آپ کی توجہ خاص ہوتی اس کو بھی ارشاد فرماتے کہ وہ دلائل الخیرات پڑھنے کی پابندی کرے۔

**وفات** تذکرہ عبدالجلیل میں ہے کہ یکم رجب ۹۰۲ھ کو شیخ عبدالجلیل اپنے مریدوں کی مجلس میں رونق افروز تھے، اور آپ کے خلفاء میں سے شیخ یونس، شیخ جلال، شیخ مولا نجار، شیخ میٹھا سیاہ پوش، شیخ موسیٰ آہنگر، مُلا قرن شیخ زین العابدین اور دوسرے خلفاء موجود تھے۔ اچانک آپ سربسجدہ ہو گئے، اور سجدہ ہی میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔

سلطان سکندر لودھی جو اس وقت لاہور میں تھا، اس نے جب آپ کی وفات خبر سُنی تو خود غسل و کفن اور نماز جنازے میں شریک ہوا، نماز جنازہ کے بعد آپ کو خانقاہ میں لاہور کے باہر دفن کیا گیا، مزار پر انوار آج بھی زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔

**تاریخ وفات** شیخ ابوبکر نے جو آپ کے بھائی اور خلیفہ بھی،

اور انھوں نے آپ کی سوانح تذکرہ عبدالجلیل کے نام سے مرتب کی ہے، اُنھوں نے آپ کی تاریخ وفات لفظ "شیخ" سے نکالی، مفتی غلام سرور نے مادۂ تاریخ اس شعر میں نکالا ہے۔

دگر از دل بسر در سال وصلش
ندا آمد کہ مہتاب جہاں تاب[1]
۹۰۲ھ

لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید ایڈمنسٹریٹر جناح ہسپتال کراچی نے اپنے مضمون لاہور کے صوفیائے کرام میں آپ کے مزار اور خانقاہ کا محل وقوع اس راستے پر بتایا ہے جو قلعہ گوجر سنگھ سے شمال کی جانب اکبری دروازے کو جاتا ہے، اُن کا بیان ہے کہ خانقاہ کے دروازے پر یہ رُباعی کندہ ہے۔

مکانِ خانقاہِ قطبِ عالم
چو از تعمیرِ نو زینت پذیرفت
بتاریخش بنایش ہاتفِ غیب
بنائے از غلام محی الدین گفت

**خلفاء:** آپ کے خلفاء میں شیخ علم الدین چھنی وال، شیخ موسیٰ آہنگر اور شیخ ابوبکر وغیرہ مشہور ہیں۔

شیخ موسیٰ آہنگر سہروردی لاہوری شیخ عبدالجلیل کے نامور مرید اور خلیفہ ہیں، انھوں نے ابتداءً ملتان میں شیخ شہراللہ بن یوسف سجّادہ نشین روضۂ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی سے بیعت کی تھی، ان کی وفات کے بعد وہ شیخ عبدالجلیل کے مرید ہوئے، تذکرہ عبدالجلیل میں ہے کہ شیخ شہراللہ نے اپنی وفات کے وقت

---

[1] دلائل الخیرات درود شریف کے بارے میں سید ابوعبداللہ سلیمان جزولی کی تالیف ہے۔

شیخ موسیٰ آہنگر سے فرمایا تھا کہ وہ شیخ عبد الجلیل کے مرید ہو کر سلوک کی تکمیل کریں۔ چنانچہ وہ شیخ عبد الجلیل کے مرید ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ شیخ موسیٰ آہنگر نے ۹۲۵ھ میں ابراہیم لودھی کی حکومت کے زمانے میں وفات پائی، آپ کا مزار مبارک لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۸۱ و ۸۲۔

(۵۸)

# سیّد عبدالقادر گیلانی لاہوری

**حالات** سید عبدالقادر گیلانی درویش روشن ضمیر اور صاحبِ تصرف ظاہری و باطنی تھے۔ اپنے والد سید جمال الدین سے بیعت کی، اور اپنے وطن بغداد سے لاہور تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی چند ہی روز میں اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مرجعِ خاص و عام ہو گئے۔

سید عبدالقادر گیلانی نے ۱۸ ربیع الاوّل ۹۴۲ھ میں وفات پائی، اِس شعر سے اُن کا مادۂ تاریخ وفات نکلتا ہے۔

کردِ رحلت چوں زدارِ بے ثبات
سال وصلش "عبدِ قادر ثانی" ست
۹۴۲ھ

**اولاد** آپ کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے، جن کے نام یہ ہیں سید حاجی، سید سلطان اکبر اور سید غیاث الدین مشہور بہ دولت شاہ۔[۱]

---

[۱] یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۲۲ سے ماخوذ ہیں۔

(۵۹)

# سیّد عثمان معروف شاہ جھولہ بخاری

**حالات** عثمان نام تھا۔ لیکن مشہور شاہ جھولہ کے لقب سے تھے، شاہ جھولہ اُچ سے لاہور تشریف لائے اور یہیں مقیم ہوگئے، لاہور کے بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ حُسنِ قبول کی یہ کیفیت تھی کہ عوام و خواص، شریف و وضیع آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ جھولہ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں جلال بخاری سے جا ملتا ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سید عثمان بن سید محمود اُچیؒ، بن سید بہاء الدین، بن سید حامد، بن سید محمد شاہ، بن سید رکن الدین المخاطب ابو الفتح بخاری اُچی بن سید حامد بخاری الملقب بذی نوبہار صاحب دستار، بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں۔

اس سلسلۂ نسب میں جن بزرگوں کے نام آتے ہیں، اِن میں سے ہر ایک سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد سے مرید تھا، شاہ جھولہ بھی سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد سید محمود اُچی کے مرید تھے اور اُنھوں نے اپنے والد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔

**شاہ جھولہ کی وجہ تسمیہ** تذکروں میں ہے کہ جب سید عثمان اُچ سے لاہور تشریف لا رہے تھے۔ تو اونٹ کو تیز چلاتے ہوئے اُن کا بازو حرکت کر رہا تھا، اُنھوں نے اپنے بازو کی حرکت کو دیکھ کر کہا کہ شاید اسے جھولہ ہو گیا ہے، جھولہ پنجابی زبان میں رعشے کو کہتے ہیں، چنانچہ اُسی روز سے اُن کے بازو میں رعشہ پیدا ہو گیا، جو آخر وقت تک رہا۔ اِسی وجہ سے وہ شاہ جھولہ کے لقب سے مشہور ہوئے، اُن کا لقب شیخ حسینی اور پنج پیر بھی ہے۔

**وفات** شاہ جھولہ نے سکندر لودھیؒ[1] کے عہد میں ۱۸ ربیع الاول ۹۱۲ھ کو وفات پائی، اُن کا مزار پُر انوار اندرون قلعہ لاہور بمقام تہہ خانہ واقع ہے، جو قلعہ اکبری کی تعمیر سے قبل شہر لاہور کی اندرون آبادی میں تھا۔[2]

**اولاد** سید عثمان جھولہ کے صاحبزادے سید شاہ محمد تھے، جو اپنے والد کی وفات کے بعد اُچ سے پنجاب پہنچے، اور اُنھوں نے اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، سید شاہ محمد نے ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۱۱ھ کو وفات پائی، سید شاہ محمد کا مزار موضع ہلکہ ضلع لاہور میں ہے۔ سید شاہ محمد کے پانچ صاحبزادے تھے ایک سید عماد الملک، دوسرے سید بہاء الدین جھولن شاہ جو گھوڑے شاہ کے لقب سے مشہور تھے، تیسرے شاہ عالم، چوتھے بھاون، پانچویں شاہ نورنگ۔[3]

سید عماد الملک لاہور کے عظیم المرتبت مشائخ و سادات میں شمار

---

[1] عہد سکندر لودھی (۸۹۴ھ - ۹۲۳ھ) صولت شیر شاہی ص ۱۰ [2] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۷۹ سے ماخوذ ہے۔ [3] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۹۰۔

ہوتے تھے، سید عمادی الملک نے ۱۰۳۹ھ میں وفات پائی، ابتداءً اُن کا مزار سید جھولن شاہ گھوڑا شاہ بخاری کے مزار کے متصل تھا لیکن جب جیج سنگھ نے اُن کے روضۂ مبارک کو تعصب کی بنا پر مسمار کرایا تو اُن کی نعش کو وہاں سے منتقل کر کے حضرت شاہ بلاول قادری کے مزار کے متصل ایک چبوترے پر دفن کیا گیا۔[1]

دوسرے صاحبزادے سید جھولن شاہ جو گھوڑی شاہ کے لقب سے مشہور تھے۔ صاحبِ کشف و کرامات تھے، بچپن ہی سے ان کی دلچسپی گھوڑوں سے زیادہ تھی، اُن کی اس دلچسپی کو دیکھ کر اہلِ حاجت اُن کے پاس مٹی کے گھوڑے لاتے تھے، ابھی ان کی عمر دس برس کی بھی نہ ہوئی تھی کہ اُن کی ولایت و کرامت کی شہرت دور دور پہنچی، سید جھولن شاہ نے دس سال کی عمر میں وفات پائی اُن کا مزار پرانوار لاہور کے مشہور ترین مزاروں میں ہے۔

صاحب تحقیقاتِ چشتی نے سید جھولن شاہ کا نام شاہ محمد حفیظ تحریر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے عقیدت رکھتے تھے، اور محسن شاہ کی خدمت میں رہتے تھے جو جان محمد چشتی لاہوری کے مرید تھے، صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔[2]

شاہ محمود نورنگ جھولہ بخاری بھی فقر و تفرید و تجرید میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، تمام عمر اہلِ دنیا سے بے نیاز رہ کر ارشاد و تلقین میں مصروف رہے، مستجاب الدعوات تھے، خصوصًا ان کی دعا بیماروں اور مریضوں کے حق میں اکسیر اعظم کا حکم رکھتی تھی۔

شاہ نورنگ نے ۱۰۵۳ھ میں وفات پائی، ان کا مزار پرانوار لاہور کے نواح میں موضع محمود دوتلی میں جو اُن کے نام سے مشہور ہے واقع ہے۔[3]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۹۴ [2] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۸۹-۹۰
[3] ″ ″ ″ ص ۱۰۱

(۶۰)

# شیخ علم الدین چونی وال

**حالات** شیخ علم الدین چونی وال سلسلۂ سہروردیہ میں قطب عالم شیخ عبد الجلیل چوہڑ کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، ان کو ان کی دلی عقیدت شیخ عبد الجلیل کی خدمت میں کھینچ کر لائی، اور شیخ کی خدمت رہنے لگے، ایک روز شیخ عبد الجلیل راستے سے گزر رہے تھے۔ اتفاقاً ناپاک مٹی شیخ کی چادر کو لگ گئی، شیخ علم الدین نے شیخ کی چادر لے کر نہایت عقیدت سے پاک کر کے شیخ کی خدمت میں پیش کی، شیخ عبد الجلیل نے خوش ہو کر فرمایا کہ علم الدین تم نے نجاست ظاہری سے ہمارے کپڑے کو پاک کیا ہے، ہم نے نجاستِ باطنی سے تمھارے دل کو پاک کیا، اسی وقت شیخ علم الدین کا دل نورِ معرفت سے منور ہو گیا، اور ولایت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے۔ چونکہ انھوں نے یہ دولت لازوال شیخ کے کپڑے کے دھونے کی وجہ سے پائی تھی، اس لئے وہ ہمیشہ شیخ کے کپڑے دھونے میں مصروف رہتے، آخر وہ لوگوں میں شیخ علم الدین گازر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

**چنڈیالہ میں قیام** شیخ علم الدین خرقۂ خلافت حاصل کر کے چنڈیالہ میں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

**وفات** ۹۱۶ھ میں شیخ علم الدین نے وفات پائی اُن کا روضۂ مبارک قصبہ چونی وال سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے، عُرس کے زمانے میں سب سے زیادہ دھوبی اُن کے مزارِ مبارک پر جمع ہوتے ہیں[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا رجلد دوم ص ۸۱ و ۸۲ سے ماخوذ ہے۔
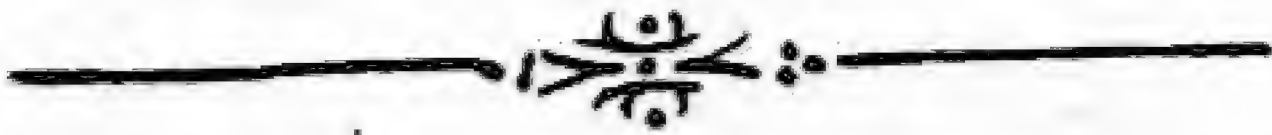
(۶۱)

# مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی

**حالات** مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی ۸۶۲ھ میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد مخدوم محمد گیلانی کی وفات کے بعد ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء میں مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ وہ اپنی ولایت میں حضرت غوث اعظم کے حقیقی وارث تھے اور اپنے کمالات میں حضرت غوث اعظم کے تابع تھے اس لئے آپ عبدالقادر ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے[1]

خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ جب مخدوم محمد گیلانی کی وفات ہوئی تو اگرچہ سجادگی کا حق مخدوم شیخ عبدالقادر کا تھا، لیکن اُن کے بھائی جو دربار شاہی سے وابستہ تھے، اُنھوں نے چاہا کہ اپنے رسوخ و اقتدار سے کام لے کر وہ سجادگی بھی اپنے لئے حاصل کریں۔ جب مخدوم شیخ عبدالقادر کو یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے جاگیر و املاک کے تمام فرامین و کاغذات بادشاہ کے پاس بھجوا دیئے۔ اور کہلا دیا کہ جو ان جاگیروں اور املاک کے طالب ہیں یہ ان کو دے دیجئے اور خود متوکلانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۰۳

**استغنا:** ایک دفعہ بادشاہ نے اُن سے اپنے دربار میں آنے کی التجا کی، اور اپنے گذشتہ قصور کی تلافی کرنی چاہی، لیکن اُنھوں نے جواب میں لکھ بھیجا۔

بہ ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست
ہر آنچہ بر سر ما می رود مبارک باد
کسے کہ خلعتِ سلطانِ عشق پوشیدست
بحُلّہ ہائے بہشتی کجا شود دل شاد[1]

اخبار الاخیار میں ہے کہ مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی عنفوان شباب میں نہایت عیش و طرب کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عیش و نشاط کا یہ عالم تھا کہ جہاں آپ جاتے آلاتِ موسیقی سے لدے ہوئے اونٹ آپ کے ساتھ جاتے تھے، لیکن جب آپ کی زندگی میں انقلاب آیا، اور آپ سجادۂ مشیخت پر رونق افروز ہوئے تو دل دنیا سے متنفر ہو کر زہد و ورع کی طرف اس طرح مائل ہوا کہ ان سب باتوں سے نفرت ہوگئی، سماع سے بالکل پرہیز فرمانے لگے، اور اپنے مریدین اور طالبین کو بھی سماع سے سختی سے منع فرماتے تھے[2]

آپ میں اِس اِنقلاب کا باعث صاحب اخبار الاخیار نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ اُچ کے بیابان میں آپ شکار کھیل رہے تھے، اتفاقاً ایک تیتر نے نہایت دردناک آواز میں نالہ و فریاد شروع کی، اتفاق سے ایک درویش اس بیابان میں گھوم رہا تھا، اس نے اس تیتر کی آواز سُن کر کہا، سبحان اللہ ایک دن دیکھی آئے گا کہ جب یہ نوجوان

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۲۰

[2] اخبار الاخیار ص ۲۰۳

خدا کی محبت میں اسی طرح نالہ و فریاد کرے گا، درویش کی زبان سے یہ بات سُن کر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور دل دنیا سے متنفر ہو کر زہد و تقویٰ کی طرف مائل ہو گیا، اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آخر میں صرف ذاتِ الٰہی کا دھیان رہنے لگا۔[1]

## رشد و ہدایت

اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کی نگاہِ کیمیا اثر میں یہ تاثیر بخشی تھی کہ جس پر نظر ڈال دیتے اُس کی کایا کلپ ہو جاتی، گنہگار ہوتا تو تائب ہو جاتا، کافر ہوتا تو مسلمان ہو جاتا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے مناقب و فضائل میں رقم طراز ہیں کہ:۔

> شیخ عبدالقادر ثانی صاحبِ کراماتِ ظاہرہ و احوالِ باہرہ مقاماتِ علیہ و مناقبِ جلیہ موصوف بود بکمالاتِ ظاہر و باطن برہانے ساطع و نورے لامع و حالے بکمال و کمالے فوق الوہم والخیال، بسیارے از عصاۃ و کفار بمشاہدۂ جمال و معائنہ کمالش بسعادت توبہ نصوح می رسیدند، و بشرفِ ایمان مشرف می شدند۔[2]

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء آپ کی مدح سرائی اِن الفاظ میں کرتے ہیں۔

> واز اشہر ترین کرامت و خوارق وے آں بود کہ ہر شخصے کہ از کفار یا احدے از فساق و فجار بنظرِ فیض اثر وے می گذشت مشرف باسلام و تائب بتوبہ نصوح می گشت۔[3]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۰۳ [2] ایضاً ص ۲۰۳

[3] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۲۰۔

## سماع سے احتراز

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ایک روز ایک خوش گلو قوّال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے گانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا کہ مجھے سماع کی حاجت نہیں۔ لیکن میں تمھاری صفائیِ قلب چاہتا ہوں، جاؤ اور توبہ کرکے، رباب کو توڑ کر اور سر منڈوا کر اور درویشوں کی صورت اختیار کرکے میرے پاس آؤ، لیکن قوّال کی قسمت میں یہ سعادت نہ تھی، اتفاق سے اس وقت آپ کی خدمت میں لنگاہ قوم کا ایک حاکم بیٹھا ہوا تھا، وہ اُٹھا اور سر منڈوا کر اور درویشانہ وضع اختیار کرکے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُسی وقت آپ کی نگاہِ فیض اثر سے صاحبِ کشف وکرامت ہوا[1]

## عبادات

اخبار الاخیار میں ہے کہ ابتداء میں آپ اس قدر عبادات و اوراد و اعمال میں مشغول رہتے تھے کہ تمام تمام دن آپ کو کسی سے بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی، اور آخر میں آپ پر استغراق کا اس درجہ غلبہ تھا کہ فرائض سنن اور نوافل کے ادا کرنے کے بعد سوائے مراقبے کے آپ کو کوئی دوسرا کام نہ تھا، فجر کی نماز کے ادا کرنے کے بعد اشراق تک آپ دریائے مراقبے میں مستغرق رہتے، اشراق کی نماز ادا فرمانے کے بعد چاشت کی نماز تک یہی کیفیت رہتی، اس طرح پانچوں نمازوں کے درمیان یہی عالم تھا، صرف تھوڑی دیر کے لئے اس بوریئے پر جو مسجد میں پڑا رہتا قیلولہ فرماتے، اکثر اوقات آپ خود ہی اذاں، اقامت اور امامت فرماتے تھے[2]

## وفات

مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی نے اکھتر سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں وفات پائی آپ کا مزار اُچ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۰۴ و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۲۰ [2] اخبار الاخیار ص ۲۰۴

**اولاد** مخدوم عبدالقادر ثانی کے دو صاحبزادے تھے بڑے صاحبزادے کا نام شیخ عبدالرزاق تھا، یہ اپنے والد کی وفات کے وقت اُچ میں موجود نہ تھے، اور کسی ضرورت سے ناگور گئے ہوئے تھے، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی کی وفات سے کچھ دن پہلے ایک روز اُنھوں نے ناگور میں فرمایا کہ آج مجھے مخدوم نے آواز دے کر یاد فرمایا ہے، خدا ہی جانے کیا بات ہے، یہ کہہ کر وہ فوراً ہی اُچ روانہ ہو گئے، لیکن مخدوم عبدالقادر کی وفات کے بعد اُچ پہنچے، اور اپنے والد کی وصیت کے مطابق خرقۂ خلافت و سجادگی سے سرفراز کیے گئے۔

شیخ عبدالرزاق نے ۵ جمادی الاخریٰ ۹۴۲ھ کو وفات پائی۔

مخدوم عبدالقادر ثانی کے چھوٹے صاحبزادے سید زین العابدین تھے، انھوں نے والد کی زندگی ہی میں وفات پائی[1]

---

[1] اولاد کے متعلق تمام تفصیل اخبار الاخیار ص ۲۰۵ و ۲۰۶ سے ماخوذ ہے۔

(۶۲)

# شاہ عنایت قادری شطاری

**حالات** شاہ عنایت قادری، حضرت شاہ رضا قادری شطاری[1] لاہوری کے خلفاء میں تھے، وہ ایک طویل عرصہ تک

---

[1] شُطّار ش کے ضمہ اور طا کی تشدید کے ساتھ شاطر کی جمع ہے جو مشتق ہے شطور سے جس کے معنی ہیں شوخی، شوخی کرنا، بے باکی اختیار کرنا، شطار کے معنی ہیں دلیر اور وہ بے باک جو اپنی جان کو شعلۂ آتش عشق میں بے دھڑک ڈال دیں۔ یا شمع محبت پر پروانہ وار جل جائیں۔ بیت ؎

در سوز نارِ عشق چو عیاری رویم
سرزیر پا نہادہ چو شطّاری رویم

اصلاحِ تصوف میں شطّارہ سالکین کی ہر وہ جماعت کہلاتی ہے کہ جن کی سیر بطریقِ جذبے کے ہو، چونکہ شیخ سراج الدین عبداللہ شطاری کے طریقے میں سالک کو ایسے اعمال میں مشغول کیا جاتا ہے کہ جس کی بنا پر وہ فی الفور جذبۂ الٰہی کے مورث ہوتا ہے اس لئے ان کے طریقے کو شطاریہ کے نام سے شہرت ہوئی۔ کشف اللغات میں ہے کہ شطاران کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سالک ان کے

حضرت شاہ رضا قادری کی خدمت میں ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف رہے، اور علوم باطنیہ کی تکمیل کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

**قصور میں ماموری** شاہ رضا نے اُن کو خلافت عطا کرنے کے بعد ارشاد و ہدایت کے لئے قصور میں مامور فرمایا، چنانچہ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق وہ قصور پہنچے، اور ارشاد و تلقین میں مصروف ہوگئے، تھوڑے ہی دن میں شاہ عنایت قصور میں اِس قدر مقبول ہوئے کہ سیکڑوں لوگ اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، آخر عمر میں کسی وجہ سے حسین خاں افغاں حاکم سے ناراض ہو کر لاہور واپس تشریف لے آئے، پھر وفات تک لاہور ہی ہی میں مقیم رہے۔

**وفات** شاہ عنایت قادری ۱۱۴۱ھ ہجری میں وفات پائی[1]

**خلفاء** اُن کے خلفاء میں پنجابی زبان کے عظیم المرتبت شاعر اور درویش بلھے شاہ مشہور ہیں۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ[1])

طریقے میں طرفۃ العین میں حق تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ (ماخوذ از ینابیع الحیوۃ الابدیہ قلمی باب اوّل فصل دوم۔ مملوکہ سندھی ادبی بورڈ۔)

(فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ہذا[1])

خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۵۸ - ۱۵۹ -

(۶۳)

# سیّد غیاث الدّین گیلانی لاہوری

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی سید غیاث الدین تھا، آپ کے والد کا نام سید عبد القادر تھا، سید غیاث الدین لوگوں میں دولت شاہ کے لقب سے بھی مشہور تھے، آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے جا ملتا ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سید غیاث الدین دولت شاہ بن سید عبد القادر ثانی بن سید جمال الدین بن سید جلال الدین بن سید یوسف بن سلطان رشید بن سید ادہم بن سید محمود بن سید اسماعیل بن سید داؤد بن تاج الاقطاب سید فتح نصر بن قطب الآفاق سید عبد الرزاق بن غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی۔

**سلسلہ طریقت** اگرچہ سید غیاث الدین نے سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا لیکن انھوں نے دوسرے سلسلوں میں بھی فیض باطنی حاصل کیا تھا، اسی لئے لوگ ان کو پیرِ سلاسل عظام

کہتے تھے۔

**موضع بڑہی دولت آباد کی آبادی** — لاہور کے باہر موضع بڑہی دولت آباد انھیں کا آباد کرایا ہوا ہے۔

**وفات** سید غیاث الدین نے ۸۹ سال کی عمر میں یکم رمضان ۹۹۰ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار لاہور سے باہر اپنے والد کے مزار کے متصل واقع ہے

**اولاد** سید غیاث الدین کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے سید کرام الدین مشہور بہ شاہ بھاگنا مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے، شاہ بھاگنا نے ۵۵ سال کی عمر میں ۵ جمادی الثانی ۹۹۳ھ کو وفات پائی[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ۳۳۵/۳۳۶ سے ماخوذ ہے۔

(۶۴)

# خواجہ غلام فرید

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی غلام فرید، آپ کے کا نام نامی خواجہ خدا بخش تھا، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے، اس لحاظ سے آپ نسباً فاروقی ہیں، مناقب فریدی اور مؤلف گو ہر شب چراغ کے بیان کے مطابق، اس خاندان کے پہلے شخص جو سندھ میں تشریف لائے وہ مالک بن یحییٰ تھے، اُن کی اولاد میں شیخ حسین تھے جو ٹھٹے میں مقیم ہوئے اُن کے صاحبزادے مخدوم محمد زکریا جہانگیر کے عہدِ حکومت میں منگلوٹ علاقہ ملتان میں آکر آباد ہوئے، اور تین پشتوں تک وہیں مقیم رہے، خواجہ غلام فرید کے پردادا مخدوم محمد شریف نے جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر بزرگ تھے مقام یارا والی میں سکونت اختیار کی، وہاں کے اکثر لوگ اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے، جب مٹھن خاں بلوچ رئیس یارا والی آپ سے بیعت ہوا تو ایک روز آپ اُس مقام سے گزرے جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے، آپ کو یہ مقام بہت پسند آیا، اور آپ نے مٹھن خاں

بلوچ سے کہا کہ یہاں ایک شہر آباد کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہاں اُس نے آپ کے ارشاد کے مطابق ایک شہر آباد کیا جو کوٹ مٹھن کے نام سے موسوم ہوا، اور خود مخدوم شریف بھی وہیں آباد ہو گئے، مخدوم محمد شریف کے دو صاحبزادے تھے ایک خواجہ نور محمد اور دوسرے خواجہ محمد عاقل، خواجہ محمد عاقل نے اسی کوٹ مٹھن میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی اور کوٹ مٹھن ہی میں محو استراحت ہیں، خواجہ محمد عاقل کے بعد اُن کے صاحبزادے میاں احمد علی مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے، ان کے دو صاحبزادے تھے (۱) میاں خدا بخش اور (۲) خواجہ تاج محمود، میاں احمد علی کی وفات کے بعد میاں خدا بخش جو خواجہ غلام فرید کے والد ماجد ہیں مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے وہ ابتداً کوٹ مٹھن میں رہے، پھر چاچڑاں میں سکونت اختیار کرلی۔

**ولادت** چاچڑاں ہی میں ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۶۱ھ میں خواجہ غلام فرید کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ کا تاریخی نام خورشید عالم ہے۔

**تعلیم** ابھی آپ کی عمر آٹھ ہی سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا، اُس وقت آپ قرآن مجید حفظ کر چکے تھے، والد کی وفات کے بعد خواجہ غلام فرید کی تعلیم و تربیت آپ کے بڑے بھائی مولانا غلام فخر الدین نے فرمائی۔

**بیعت** علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے بڑے بھائی مولانا غلام فرید الدین کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی جو علوم ظاہری میں بھی آپ کے اُستاد تھے چنانچہ آپ نے اپنے متعدد اشعار میں اُن سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

فخر الدین مٹھل دے شوقوں
دم دم نکلم ودو

یک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

چشماں فخر الدین مٹھل دیاں
تن من کیتا چور
گھول گھتاں میں فخر جہاں تو
جنّت حور قصور

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

حسن پرستی گھات اساڈی
رازِ حقائق بات اساڈی
رمزِ حقیقی جھات اساڈی
فخر جہاں اے ہاریت سکھائی

## درس و تدریس

علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے پیر کے سامنے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے غیر معمولی تبحر علمی اور قابلیت کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی حافظے سے بھی نوازا تھا، مقابس المجالس میں ہے کہ ایک مرتبہ اپنے حافظے کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

بعد ازاں خواجہ ابقا اللہ تعالیٰ فرمودند کہ در ابتدائے ایں سوداطلبانِ ایں راہ را مانند کلام سیفل کہ تصنیف لطف علی شاعر است دیگر ہیچ کلام [illegible]ق در نظر نمی آید، پس من در ابتدائے حال یک یک جزو از سیفل در دو گھنٹہ یادمی کردم۔

## اتباعِ شریعت

خواجہ فرید اتباعِ شریعت اور حسنِ اخلاق کا پیکر تھے، وہ رسوم غیر شرعیہ جو اُس زمانے

میں رواج پارہی تھیں، اُن کو دیکھ کر آپ کا دل بے حد کڑھتا تھا، ایک مجلس میں رسوم غیر شرعیہ کے بڑھتے ہوئے رواج کو دیکھ کر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے فرمایا۔

بعد ازیں سخن در مذمت رسوماتے کہ غیر مشروعہ اند و مستعمل ہر خاص و عام اُفتاد حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ فرمودند کہ در ہر دیار و امصار رسومِ شوم غیر شرعیہ چناں شائع و منتشر گشتہ اند کہ قلع قمع آں دشوار و متعسر گردیدا ست بلکہ از دائرۂ امکان گزشتہ بحدِ امتناع رسیدہ است[1]

## شاعری

شاعری کے اعتبار سے بھی خواجہ فرید کا مرتبہ بہت بلند ہے، وہ اُردو فارسی اور مُلتانی کے صاحبِ دیوان ہیں، خصوصاً مُلتانی زبان کی شاعری میں تو اُن کی نظیر نہیں ملتی، ملتانی شاعری کو اُنھوں نے نئی روایات بخشیں، اُن کے کلام میں تصوف و عرفان کے ساتھ لذت، کیفیت، سادگی، دل نشینی اور اثر آفرینی کا وہ حسین امتزاج ہے کہ آج بھی اہل نظر اُن کے کلام کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ ہم اُن کے مُلتانی اور اُردو کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں:۔

بِن عاشق اہلِ وفادے
بِن شائق ذوقِ لقادے
بِن صاحب صدق وصفادے
اِتھ آوے کون گذر کر

---

[1] مقدمہ دیوان فرید بحوالہ ارشادات فریدی۔

عشق ہے نکھڑے دل دی شادی
عشق ہے رہبر مرشد ہادی
عشق ہے ساڈا پیر
جیں گل راز سمجھایا

---

دل نوں لٹیا عشق مریلے
پھر دی شہر دے جنگل بیلے
ستاں فرید کرے رب میلے
تانگھ ارام دنچایا ہے[۱]

اُردو شاعری میں بھی اُن کے ہاں از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اُن کی غزل کے چند شعر یہ ہیں۔

بت کے ہر راز کو میں راز خدا کا سمجھا
اس کے دشنام کو اعجاز مسیحا سمجھا
میں نے کعبہ کو بھی بُت خانے کا نقشا سمجھا
اپنے لبیک کو ناقوس کلیسا سمجھا
میں نے ہر قطرے کو دریا سے زیادہ سمجھا
ذرے کے نور کو خورشید سے بالا سمجھا
مے پرستی میں مرے دل کی ترقی دیکھو
خم گردوں کو اک ادنیٰ سا پیالہ سمجھا
عشق بازی میں مرا مرتبہ ایسا ہے فرید
قیس بھی مجھ کو گرو، آپ کو چیلا سمجھا[۲]

---

[۱] مقدمہ دیوان فرید مطبوعہ عزیز المطابع
[۲] رسالہ ماہ نو۔ ماہ مئی ۱۹۵۱ء۔

**وفات** خواجہ صاحب بہ عارضہ ذبل بیمار ہوئے، مولوی رکن الدین کا بیان ہے کہ:-

"بوقت سحر شب چہار شنبہ ۶ ربیع الثانی مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء کو پلنگ پر سوئے ہوئے تھے دایاں ہاتھ سینے پر تھا کمال استغراق کی حالت تھی، اور شغلِ اسم ذات میں مصروف تھے، ضربات پے درپے جاری تھیں، اسی حالت میں احساس تنفس کا احساس کر کے حاضرین اور رکن الدین روتا رہا"

صبح کے وقت دلاور خاں خادم خاص نے دوا پینے کے لئے عرض کیا، آپ نے دوا پی، اشراق کے وقت برکت علی ربابی نے کچھ شعر پڑھنے کی اجازت چاہی آپ نے انکار فرما دیا، ضعف کمال تھا، جو جلد جلد بڑھنے لگا، حتی کہ دوپہر کے وقت مایوسی کے آثار پیدا ہوئے اور مغرب کے وقت رحلت فرمائی۔[1]

"گوہر شب چراغ" میں ہے کہ مرضِ وفات میں اکثر اوقات یہ اشعار آپ کے وردِ زبان رہتے تھے۔

گزرا ڈیکھا ہنسن کھِلن دا

آیا وقت فرید چلن دا

---

[1] مقدمہ دیوان فرید۔

او کھا پینڈا دوست ملن دا

جان لبوں پہ آندی ہے

مولوی عزیز الدین کے اِس شعر میں آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے:۔

سالِ ترحیل او عزیز بگفت

جا شوی کہ مرطاب ثراہ

۱۳ ھ ۱ ۹

(۶۵)

# پیر سید غلام حیدر علی شاہ

**ولادت ونسب** پیر سید غلام حیدر شاہ ۳ر صفر ۱۲۵۴ھ مطابق ۲۶ر اپریل ۱۸۳۸ء کو جلال پور[1] میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا اسم گرامی سید جمعہ شاہ تھا، جو نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے: آپ کی والدہ محترمہ کا نام سجادہ بیگم تھا، جو پنجاب کے موضع کھیوہ ضلع گجرات (پنجاب) کے مشہور بزرگ سید غلام شاہ کی صاحبزادی تھیں، آپ کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے جا ملتا ہے۔

**تعلیم وتربیت** آپ کی ابتدائی تربیت آپ کی والدہ نے فرمائی، جو نہایت عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں، سید غلام حیدر علی شاہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ حضرت بابا فرید گنج شکر کی والدہ کی طرح تھیں، جنھوں نے

---

[1] دریائے جہلم سے پار ہونے کے بعد ایک کوہستانی سلسلہ ہے، یہیں پہاڑوں کے دامن میں جلال پور واقع ہے۔

بچپن ہی سے اپنے صاحبزادے کو نماز و روزے کا پابند بنا دیا تھا۔ اپنی والدہ کی تربیت کی وجہ سے جیٹھ اور اساڑھ کے سخت گرمی کے مہینوں میں بھی روزے پابندی سے رکھتے تھے، آپ نے قرآن مجید کی تعلیم میاں خان محمد اعظم پوری سے شروع کی، جس کی تکمیل آپ کے چچا سید امام شاہ نے کرائی، پھر اردو اور فارسی کی درسی کتابیں میاں عبداللہ چکوڑوی سے پڑھیں، اس کے بعد آپ موضع نین ڈال[1] میں قاضی محمد کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مفتی غلام محی الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے فقہ کی مشہور کتاب کنزالدقائق پڑھی، پھر خواجہ شمس الدین سیالوی سے مرقع اور کشکول کی تعلیم حاصل کی۔

**والد کی وصیتیں** پیر حیدر علی شاہ عمر ابھی سترہ سال ہی کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا، وفات سے پہلے انھوں نے اپنے ہونہار فرزند کو وصیت فرمائی کہ کسی کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دینا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا اور اقربا اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آنا۔

**بیعت** آپ شیخ کامل کی تلاش میں ہرن پور پہنچے، اور وہاں کے ایک بزرگ سید غلام شاہ صاحب سے بیعت کی استدعا کی وہ آپ کو اپنے ساتھ لے کر حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواجہ سیالوی نے جب آپ کو دیکھا تو کھڑے ہوگئے، مزاج پرسی کے بعد بڑے شفقت سے بٹھایا،

---

[1] موضع نین ڈال، جلال پور سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔

اور ۷ رجب ۱۲۷۰ھ کو اپنے حلقۂ بیعت میں داخل کیا۔

**خلافت** بیعت ہونے کے بعد پیر حیدر شاہ کا معمول تھا کہ ہر آٹھویں روز پیر کے دن آپ اپنے شیخ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے، جب چھٹی مرتبہ پیر حیدر شاہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ کے شیخ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور بیعت لینے کی اجازت دی۔

**شیخ کا ادب** پیر حیدر شاہ اپنے شیخ کا نہایت ادب و احترام فرماتے تھے، انتہا یہ تھی کہ آپ کو اپنے شیخ کے سامنے بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

**شیخ کی شفقت** حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی بھی اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے، جب آپ سیال آتے، تو حضرت خواجہ سیالوی خود اُن کے استقبال کے لئے کچھ دور جاتے، ایک دن پیر حیدر شاہ نے شیخ عبدالجلیل خادم کے ذریعہ سے کہلایا کہ حضور میری اس قدر تعظیم و تکریم فرماتے ہیں جس سے میں شرمندہ ہوتا ہوں، اس کے علاوہ یہ بے ادبی بھی ہے کہ آپ میری تعظیم کے لئے تشریف لائیں، خواجہ سیالوی نے فرمایا، میاں: ہم اپنی مرضی کے مختار ہیں، تم اس معاملے میں چُپ رہو۔

ایک دفعہ پیر حیدر شاہ بیمار ہوئے، جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ سُن کر بے قرار ہو گئے، روتے جاتے تھے اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کرتے جاتے تھے۔

یا ارحم الراحمین میری ساری عمر دی ایہا کٹھی پوتھی

ہے، اسے برباد نہ کرنا۔

(میری ساری عمر کی کمائی ہے اسے برباد نہ کرنا)

**اخلاق** سید پیر حیدر شاہ مجسمۂ اخلاق تھے، انتہائی رقیق القلب اور نرم دل تھے، اگر کبھی کسی سے خفا ہوتے تو نہایت برہمی میں بھی صرف اس قدر فرماتے، نیک بختا تو نے یہ کیا کیا، پھر اُسے آزردہ نہ ہونے دیتے، فرمایا کرتے تھے۔ ؎

مباش درپئے آزار ہرچہ خواہی کن
کہ درطریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

اپنے مخالفین کے لئے بھی کوئی بُرا لفظ مُنہ سے نہ نکالتے؛ ایک شخص مرزا خاں آپ کا سخت مخالف تھا، جب اُس کی شرارتیں حد سے بڑھیں، تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ دعا کرو کہ خدائے تعالیٰ اُس پر رحم کرے، اور وہ کسی اچھے مشغلے میں لگ جائے تاکہ اُسے ہماری مخالفت کی فرصت نہ ملے۔

**اتباعِ شریعت** بے حد متبع شریعت تھے، اُن کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ فقہا کی طرح محتاط اور شریعت پر عامل تھے۔

**وفات** پیر سید غلام حیدر علی شاہ نے ۶ر جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو وفات پائی، علّامہ اقبال علیہ الرحمہ نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی:۔

ہر کہ بر خاکِ مزار پیر حیدر شاہ رفت
تربتِ او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او بگو مغفور گفت
۱۳۲۶ھ

**اولاد** سید پیر حیدر شاہ کے چار صاحبزادے تھے، سب سے بڑے صاحبزادے کا نام سید بدیع الزماں تھا، جو خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت تھے، انھوں نے ۲۱ سال کی عمر میں، ۷ رشعبان ۱۲۹۵ھ کو وفات پائی، دوسرے صاحبزادے کا نام سید مظہر علی شاہ تھا، یہ بھی حضرت خواجہ سیالوی سے بیعت تھے، اپنے والد کی وفات کے بعد یہی مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے، سید مظفر علی شاہ نے ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو وفات پائی، تیسرے صاحبزادے قائم الدین شاہ تھے، جو خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مرید تھے، انھوں نے ۲۱ رجب ۱۳۱۶ھ ۲۱ سال کی عمر میں رحلت فرمائی، چوتھے صاحبزادے رسول شاہ تھے جو ایام رضاعت ہی میں وفات پاگئے [۱]

---

[۱] پیر سید حیدر علی شاہ کے یہ تمام حالات تاریخ مشائخ چشت، ص ۷۰۸، تا ۷۱۱ سے ماخوذ ہیں۔

(۶۶)

# حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

**نام و لقب** اسم گرامی مسعود، لقب فرید الدین تھا مگر مشہور، گنج شکر کے لقب سے تھے، سیر الاقطاب میں ہے کہ آپ کا نام مسعود تھا، لیکن پچانوے سال کی عمر میں قدوۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطّار نے کسی تقریب میں اپنا نام آپ کو عنایت فرمایا تھا[1]، "گنج شکر" کی وجہ تسمیہ صاحب سیر العارفین نے یہ لکھی ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر جب اپنے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے تربیت حاصل کر رہے تھے تو ایک دفعہ آپ نے سات دن تک متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار کے وقت اپنے حجرے سے خواجہ بختیار کاکی کے پاس جا رہے تھے، برسات کا موسم تھا، پاؤں میں کھڑاؤں تھے کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا، اور آپ زمین پر گر پڑے، گرنے کی وجہ سے کچھ کیچڑ منھ میں چلا گیا، اور خدا کی قدرت سے وہ کیچڑ شکر ہو گیا۔ جب آپ اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے یہ واقعہ سن کر فرمایا آج مٹی تمھارے منھ میں شکر بن گئی، یہ اس وجہ سے ہے کہ خدا نے

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۶۲

تعالےٰ تمہارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا، تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اِس نعمت کی قدر جانو، اور مخلوقِ خدا کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آؤ، اس واقعہ کے بعد سے آپ "گنج شکر" کے لقب سے مشہور ہو گئے[1]

سیر الاقطاب میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر نے متواتر روزے رکھے۔ ایک دن افطار میں کھانے کو کوئی چیز نہ ملی، رات کا ایک حصہ گزر اتھا کہ ضعف اور بھوک کا اس قدر غلبہ ہوا کہ بیقرار ہو کر کچھ سنگ ریزے منھ میں ڈال لئے، یہ سنگ ریزے خدا کی قدرت سے مُنھ میں شکر ہو گئے۔ جب دوسرے دن آپ نے یہ واقعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بیان کیا تو اُنھوں نے فرمایا، فرید! تم نے خوب کیا کہ اُن سے افطار کیا، وہ شکر عالمِ غیب سے عطا کی گئی تھی، اور جو چیز غیب سے عطا ہوتی ہے وہ پاک اور بے عیب ہوتی ہے، جاؤ تم بھی مخلوقِ خدا میں مثل شکر کے ہو گے، اُسی دن سے آپ "گنج شکر" کہلائے[2]

خزینۃ الاصفیاء میں تذکرۃ العاشقین سے منقول ہے کہ ایک تاجر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی لے جا رہا تھا، جب وہ اجودھن (پاک پٹن) پہنچا، حضرت بابا فرید نے اس سے پوچھا کہ تم نے اونٹوں پر کیا لاد رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ نمک ہے، فرمایا اچھا ہے نمک ہی ہو جائے گا، جب وہ اپنی منزل پر پہنچا تو اونٹوں پر بجائے شکر کے نمک پا کر سخت گھبرایا، اُسی وقت واپس لوٹا، اور حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جھوٹ بولنے کی معافی چاہی، حضرت بابا فرید نے کہا، میاں اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی، چنانچہ وہ نمک شکر

---

[1] سیر العارفین [2] سیر الاقطاب ص ۱۶۵

میں تبدیل ہوگیا، چنانچہ خانخاناں بیرم خاں نے اس واقعہ کو ایک شعر میں نظم کیا ہے، وہ شعر یہ ہے :

کانِ نمک، جہان شکر، شیخ بحر و بر
آن کو شکر نمک کند و انہ نمک شکر[۱]

اس سلسلے میں خزینۃ الاصفیا میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ فریدالدین جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت اور مجاہدہ کر رہے تھے تو ایک دن آپ کو بہت پیاس معلوم ہوئی، آپ اسی عالم میں ایک ایسے کنویں پر پہنچے کہ جس پر ڈول اور رسی نہ تھی، مایوسی کے عالم میں کنویں پر کھڑے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں جنگل کے دو ہرن کنویں کے پاس آئے، اُن کے آنے سے کنویں کا پانی فوارے مارنے لگا، اور اُبل کر کنویں کے کنارے تک آگیا، دونوں ہرنوں نے پانی پیا، بابا فرید نے چاہا کہ وہ بھی پانی پئیں۔ کہ پانی کنویں کی تلی میں اُتر گیا، حضرت بابا فرید کی حیرت اور بھی بڑھی، اور آپ نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہا، الٰہی! تو نے ہرنوں کو پانی پلوایا، اور ایک بندے کو محروم رکھا؟ آواز آئی کہ تم نے ڈول اور رسّی پر بھروسہ کیا، اور ان جانوروں نے مجھ پر اعتماد کیا، اس لئے تم محروم رہے اور وہ پانی سے سیراب ہوئے، یہ سُن کر بابا فرید سخت نادم ہوئے، اور اسی کنویں کے قریب نفس کشی کے لئے چالیس روز تک چلۂ معکوس کیا اور اس مدت میں پانی بالکل نہ پیا، جب یہ چلہ پورا ہوا تو چلہ ختم ہونے کے بعد آپ نے افطار کے ارادے سے وہیں سے ایک مٹھی مٹی اُٹھا کر منہ میں ڈال لی، جو منہ میں پڑتے ہی شکر ہوگئی، غیب سے آواز آئی کہ اے فرید! ہم نے تیرے چلّے کو قبول کر لیا، اور تجھے برگزیدہ اور شیریں سخنوں کے گروہ میں گنج شکر بنایا[۲]۔

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۹۲ [۲] ایضاً جلد اوّل ص ۱۹۳

**نسب نامہ اور جائے پیدائش** آپ کے والد ماجد جمال الدین سلیمان سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں چنگیزی حملے کی وجہ سے ہجرت کر کے کابل سے لاہور پہنچے، اور کچھ دن قصور میں رہے، پھر بادشاہ کے حکم سے ملتان گئے، اور وہیں انھوں نے ملا وجیہ الدین کی صاحبزادی قرسم خاتون سے شادی کی، پھر ملتان کے نزدیک قصبہ کھوتوال میں مقیم ہو گئے، اسی مقام پر ۵۸۴ھ ہجری میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے فرخ شاہ بادشاہ کابل سے اور سترہ واسطوں سے سلطان ابراہیم[1] بن ادہم سے اور بیس واسطوں سے حضرت عمر بن خطاب سے جا ملتا ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے۔

---

[1] سلطان ابراہیم کی کنیت ابو اسحاق اور اُن کے والد کا نام ادہم بن سلیمان بن منصور بلخی تھا، اُن کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب سے جا ملتا ہے، اُن کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبد اللہ بن خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ۔

سلطان ابراہیم نے خرقۂ فقر خواجہ فضیل بن عیاض سے حاصل کیا تھا، اور ان کے علاوہ خواجہ عمران بن موسیٰ بن زید راعی اور شیخ منصور سلمی اور حضرت خواجہ اویس قرنی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، اُن کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا یہ عالم تھا کہ چار پانچ فاقوں کے بعد افطار کرتے تھے، اور ترکاری بغیر نمک کے اُبال کر کھاتے تھے، بہت کم سوتے تھے، برہنہ پا پھرتے تھے، اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور ہمیشہ غربا اور فقرا کے ساتھ بیٹھتے تھے، اور روپیہ پیسہ کسی سے قبول نہ کرتے تھے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی صحبت میں اکثر رہتے تھے، امام اعظم ان کو سیدنا وسندنا ابراہیم کہہ کر خطاب فرماتے تھے، لوگ حضرت امام اعظم سے پوچھتے

شیخ فریدالدین گنج شکر بن جمال الدین سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد مشہور بفرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیر الدین بن محمود المعروف بہ ریسمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

کہ آپ انھیں سیدنا کہتے ہیں، انھوں نے سیادت کہاں سے پائی؟ حضرت امام اعظم فرمانے لگے کہ یہ ہمیشہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، اور ہم دوسرے کاموں میں بھی لگے رہتے ہیں، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی ان کو "مفاتیح العلوم" (علوم کی کنجیاں) کہتے تھے۔

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے آن کی ترک سلطنت کا واقعہ لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ابتدا میں وہ بلخ کے بادشاہ تھے، جوانی میں تائب ہوئے۔ ایک رات تخت پر سو رہے تھے کہ نصف شب کے قریب چھت ہلنے لگی، آپ نے آواز دی کہ کون ہے؟ آواز آئی کہ میرا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کرتا ہوں، آپ نے کہا کہ اونٹ چھت پر کیسے آسکتا ہے، آواز آئی کہ اے غافل! تو خدا کو اطلس کے کپڑے پہن کر سونے کے تخت پر تلاش کرتا ہے، یہ تو چھت پر اونٹ تلاش کرنے سے بھی زیادہ عجیب بات ہے، یہ بات سن کر سلطان ابراہیم کے دل پر ایک ہیبت طاری ہو گئی، اور ایک فکر میں مبتلا ہو گئے، سیر الاقطاب میں ہے کہ اس گفتگو نے آن کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ اُسی وقت ترکِ سلطنت کر کے صحرا کی راہ لی، راستے میں اُن کو ایک چرواہا ملا، اپنا شاہی لباس اس کو دے کر اس کے کپڑے خود پہن لیے۔ وہاں سے نیشاپور آئے اور ایک غار میں سکونت اختیار فرمائی جمعرات کے روز غار سے باہر نکلتے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا سر پر رکھ کر لاتے اور فروخت کرتے، اُس کی قیمت جو کچھ ملتی نصف اپنے لئے رکھتے اور نصف فقراء میں تقسیم کر دیتے، جمعہ کے روز نمازِ جمعہ کے لئے مسجد میں حاضر ہوتے، اور پھر غار میں چلے جاتے، پھر کچھ دن کے بعد وہ مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور خواجہ فضیل بن عیاض کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

بن واعظ الاکبری ابو الفتح بن اسحاق بن قطب العالمین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبد اللہ بن امیر المومنین فاروق الاعظم عمر بن الخطاب رضؓ۔[1]

**تعلیم**

حضرت بابا فرید گنج شکر نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبے کھوتوال کے ایک مکتب میں پائی، اور بہت کم عرصے میں علوم دینیہ کے حصول میں غیر معمولی ترقی کی، پھر مزید علم حاصل کرنے کے لئے ملتان تشریف لے گئے، اور وہاں مولانا منہاج الدینؒ[2] کی مسجد میں قیام فرمایا، اور اُن سے فقہ کی مشہور کتاب "نافع" پڑھی، اُسی زمانے میں خواجہ بختیار کاکی[3] مُلتان تشریف لائے۔[4]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ)

سلطان ابراہیم ادہم نے سیر الاقطاب کی روایت کے مطابق ۲۶ جمادی الثانی ۲۸۰ھ میں ایک سو دو سال کی عمر میں وفات پائی، اُن کی تاریخ وفات "امام اصفیا" سے نکلتی ہے۔ سلطان ابراہیم کے عظیم المرتبت خلفاء میں خواجہ حذیفہ مرعشی اور خواجہ شقیق بلخی مشہور ہیں۔ آپ کا مزار شام میں ہے (ماخوذ از سیر الاقطاب ص ۴۵ و خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۴۱ تا ۱۴۹)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا) [1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۲۹۳۔

[2] مولانا منہاج الدین ترمذی ثم الملتانی مشہور علماء میں تھے، فقہ اور اصولِ فقہ میں غیر معمولی تجربہ رکھتے تھے، وہ ملتان میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے (نزہۃ الخواطر جلد ۱ ص ۲۳۴)

[3] حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ترکستان کے ایک قصبے اوش ماوراء النہر میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا اسم گرامی سید کمال الدین تھا، آپ کا سلسلۂ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے۔ آپ ڈیڑھ سال ہی کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا ابو حفص سے حاصل کی، اور

**بیعت** ایک سعد خواجہ بختیار کاکی اُس مسجد میں تشریف لے گئے جس میں حضرت بابا شیخ فرید کا قیام تھا، اُن کی نظر بابا فرید پر پڑی۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ کا)
ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہنے لگے، جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اوش تشریف لائے تو آپ نے اُن سے بیعت کی، اور سترہ سال کی عمر میں اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، دلیل العارفین میں ہے کہ آپ اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین کے ساتھ خراسان سے ہندوستان تشریف لائے، پھر آپ کو حضرت خواجہ اجمیری نے دہلی جانے کا حکم دیا۔ آپ ملتان ہوتے ہوئے دہلی پہنچے، سلطان شمس الدین التمش نے جو اُس وقت دہلی کا بادشاہ تھا، آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا، وہ چاہتا تھا کہ آپ اندرون شہر قیام فرمائیں، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین نے شہر سے باہر کیلوکھری میں سکونت اختیار فرمائی، سلطان شمس الدین التمش ہفتہ میں دو بار بڑی پابندی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، اور آپ کے فیوض برکات سے مستفیض ہوتا تھا پھر کچھ دن کے بعد آپ سلطان التمش کے اصرار پر شہر میں منتقل ہو گئے، اور ملک اعز الدین کی مسجد کے قریب قیام فرمایا، اُسی زمانے میں شیخ بدر الدین غزنوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور شرف بیعت اور خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے اُسی زمانے میں دہلی کے شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی نے وفات پائی، سلطان التمش نے شیخ الاسلامی پر آپ کا تقرر کرنا چاہا لیکن حضرت خواجہ قطب الدین نے انکار کر دیا، آپ کے انکار پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ (سیر العارفین ص ۲۱)

جب دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی تو دہلی کے عوام و خواص پروانہ وار آپ کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے لگے، آپ پر عموماً استغراق اور محویت کی کیفیت طاری رہتی۔ اخبار الاخیار میں ہے۔

و نہایت استغراق داشت و دریاد مولیٰ، چوں کسے بزیارت آمدے

پوچھا کہ صاحبزادے کون سی کتاب پڑھتے ہو، اُنھوں نے جواب دیا "نافع" فرمایا کہ انشاء اللہ نافع تمہارے لئے نافع ہوگی، حضرت بابا فرید کے قلب پر اس بات

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳)

زمانے بایستے تا بخود باز آمدے، آنگاہ با آیندہ مشغول شدے، اگر از حال خود یا حال آیندہ چیزے بگفتندے، بعدہٗ گفتے مرا معذور دارید باز بحق مشغول شدے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۵)

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ایک چھوٹا لڑکا وفات پا گیا جب لوگ اس کو دفنا کر واپس ہوئے تو آپ کی بیوی نے رونا شروع کیا، رونے کی آواز سُن کر آپ دیر تک افسوس فرماتے رہے، شیخ بدر الدین غزنوی نے پوچھا یہ تاسف کیسا ہے؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ میں نے اس بچے کی حیات کے لئے کیوں دعا نہ کی اگر میں اس کی زندگی کے لئے دعا کرتا تو وہ بچ جاتا، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حاضرین سے فرمایا، سبحان اللہ! دیکھو حضرت قطب عالم کا یادِ دوست میں استغراق کس درجہ تھا کہ بچے کی حیات و موت کے متعلق بھی خیال نہ آیا۔ (سیر الاولیاء ص ۴۹)

اوپر گذر چکا ہے کہ شیخ الاسلامی کے عہدے پر آپ کے انکار کر دینے کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ کا تقرر ہوا، شیخ نجم الدین صغریٰ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید، اور حضرت خواجہ معین اجمیری کے دوست تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کو جو شہرت اور حسنِ قبول عوام و خواص میں حاصل تھا اُسے دیکھ کر شیخ نجم الدین صغریٰ ایک قسم کا رشک و حسد رکھتے تھے، جب حضرت خواجہ قطب الدین نے دہلی سے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں خط لکھا، اور اشتیاقِ قدمبوسی کی آرزو ظاہر کر کے اجمیر میں حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہ اجمیری خود اُن کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے، آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر دہلی کے علماء و مشائخ اور عوام و خواص آپ کی

کا اس قدر اثر ہوا کہ اسی وقت حضرت قطب الدین کے دستِ حق پرست پر بیعت کی،

خیر المجالس میں ہے کہ بیعت کے وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے حضرت بابا فرید گنج شکر کو مخاطب کرکے یہ رباعی پڑھی -

مقبولِ تو جز مقبلِ جاوید نہ شد
وز لطفِ تو ہیچ بندہ نومید نہ شد
لطفت بہ کدام بندہ پیوست دمے
کاں ذرّہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳ھ)
زیارت کے لیے پروانہ وار ٹوٹ پڑے، مگر شیخ نجم الدین صغریٰ اس وقت بھی ملنے کے لئے نہ آئے، حضرت خواجہ اجمیری نے ان کے نہ آنے کو محسوس کیا، دوسرے یا تیسرے روز خود حضرت خواجہ اجمیری ان کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ اپنے گھر کے صحن میں چبوترہ بنوا رہے تھے، حضرت خواجہ اجمیری جب ان کے گھر پہنچے تو وہ اس تپاک سے پیش نہ آئے جیسا کہ انھیں پیش آنا چاہئے تھا! حضرت خواجہ اجمیری نے ان کی سرد مہری کو دیکھ کر ان سے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامی نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ہے، شیخ نجم الدین صغریٰ نے جواب دیا کہ میں تو آپ کا ویسا ہی مخلص و معتقد ہوں، لیکن آپ نے شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑا ہے جو میری شیخ الاسلامی کو ذرّے کی برابر نہیں سمجھتا، آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا" اچھا پریشان نہ ہو، میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لئے جاتا ہوں، جب آپ گھر لوٹے تو آپ نے خواجہ قطب الدین سے فرمایا کہ بابا بختیار تم ایک بار خلق میں اس طرح مشہور ہو گئے ہو کہ لوگوں نے تمھاری شکایت کرنا شروع کر دی ہے، تم یہاں سے چلو اور اجمیر میں بیٹھ جاؤ، میں تمھارے سامنے کھڑا رہوں گا، خواجہ قطب الدین

## ملتان سے رخصت ہوتے وقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی نصیحت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب ملتان سے دہلی روانہ ہونے لگے تو حضرت بابا فرید نے بھی آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا، خواجہ قطب الدین نے فرمایا، بابا فرید جاؤ اور ابھی ملتان ہی میں رہ کر علم حاصل کرو، اس کے بعد میرے پاس دہلی آؤ، حضرت بابا فرید نے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ص)

نے عرض کیا، میں اس موقع کی تلاش میں ہوں کہ حضور کے سامنے خدمت کے لئے دست بستہ کھڑا رہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ میں بیٹھوں اور حضور کھڑے رہیں، پھر آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، جیسے ہی یہ خبر دہلی میں مشہور ہوئی، دہلی کے لوگ آپ کی جدائی کے خطرے سے بیتاب ہو گئے، میر خورد نے سیر الاولیاء میں لوگوں کی اس وقت کی بے چینی و بے قراری کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

اس مرتبہ شیخ قطب الدین حضرت خواجہ معین الدین کے ساتھ اجمیر روانہ ہوئے، اس خبر سے تمام شہر میں تہلکہ مچ گیا، تمام اہلِ شہر سلطان شمس الدین کے ساتھ اُن کے پیچھے روانہ ہوئے، جہاں شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے لوگ اُس جگہ کی خاک کو تبرکاً اُٹھا لیتے تھے، اور نہایت بیقراری و زاری کرتے تھے، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے جب لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا بابا بختیار تم یہیں رہو کیونکہ لوگ تمہارے جانے سے سخت مضطرب اور بیقرار ہیں، میں ہرگز اسے پسند نہیں کرتا کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں، جاؤ میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا ہے، پھر سلطان شمس الدین نے حضرت

اس ارشاد کی تعمیل کی، اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد پانچ سال تک ملتان میں تحصیل علم میں مصروف رہے، اس کے بعد

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳؎)

خواجہ معین الدین کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اور شیخ قطب الدین کے ہمراہ نہایت خوش خوش شہر کی طرف روانہ ہوا، اور خواجہ معین الدین اجمیری کی طرف روانہ ہوئے۔ (سیر الاولیاء ص ۵۴ و ۵۵)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ سیر الاولیاء میں ہے کہ:۔

شیخ قطب الدین بختیار کی عبادت الٰہی کی مشغولیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سونا بالکل ترک کردیا تھا، یہاں تک کہ کبھی بستر نہ بچھاتے تھے، ابتدائی زمانے میں تو جب نیند کا بہت غلبہ ہوتا تو کچھ دیر سو بھی رہتے تھے، مگر آخر عمر میں بالکل نہ سوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے، (سیر الاولیاء ص ۷۶)

یادِ الٰہی میں استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ فوائد السالکین میں ہے کہ:۔

یاد الٰہی میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کے لئے آتا تو بہت دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبے میں رہتے نماز کے وقت آنکھ کھولتے، اور غسل فرماکر تجدید وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے، آخر عمر میں کلام مجید حفظ کیا تھا، ہر روز دو مرتبہ کلام مجید ختم کرتے تھے۔
(فوائد السالکین مجلس پنجم)

حضرت خواجہ اجمیری کی وفات سے کچھ دن پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ کی زیارت کے لئے اجمیر تشریف لے گئے، اس موقع پر حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کو خلافت اور سجادۂ خواجگان عطا کیا۔

غزنی، بغداد، سیوستان، بدخشاں اور قندھار وغیرہ میں علومِ ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؎ )

صاحب اخبارالاخیار نے بحوالۂ دلیل العارفین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زبانی اِس ملاقات کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:۔

جمعرات کے دن میں نے جامع مسجد اجمیر میں آپ کی پابوسی کی دولت حاصل کی، اس موقع پر بہت سے درویش، عزیز اور آپ کے مرید حاضر تھے اتفاق سے اس مجلس میں ملک الموت کا تذکرہ چلا، فرمایا، دنیا موت کے مقابلے میں ایک دانے کے برابر قیمت نہیں رکھتی۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ موت تو ایک پل ہے، جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے، پھر فرمایا کہ عارفین آفتاب کی طرح ہیں، جو تمام عالم کو روشن بنائے ہوئے ہیں، اور اُن کے نور سے تمام عالم روشن ہے، پھر فرمایا اے درویشو! ہمیں اس جگہ اس لئے لایا گیا ہے کہ ہمارا مدفن یہ جگہ ہوگی، اور ہم چند روز میں اس دنیا سے سفر کریں گے، پھر آپ نے اپنے کاتب شیخ علی سنجری سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں ہم نے اُن کو خلافت و سجادہ عطا کیا ہے، دہلی اُن کا مقام ہوگا، جب یہ تحریر مکمل ہوگئی تو وہ تحریر آپ نے مجھے عطا فرمائی، اور فرمایا قریب آؤ، میں آپ کے پاس گیا، آپ نے دستار اور ٹوپی میرے سر پر رکھی، اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا عصا میرے ہاتھ میں دیا، اور مجھے خرقہ پہنایا، مصحف و مصلیٰ اور نعلین مجھے بخشے، اور فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ امانت تھی جو خواجگانِ چشت سے ہم کو ملی تھی، ہم نے تم کو سونپی، تم اس کا ویسا ہی حق ادا کرو، جیسا ہمارے خواجگان ادا کرتے رہے، تاکہ

## اولیاء سے ملاقاتیں

اس سیاحت میں جن اولیاء و صوفیاء کرام سے حضرت بابا فرید کی ملاقاتیں ہوئیں، ہم ان میں سے بعض ملاقاتوں کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ لسلسلہ ۳)

کل قیامت کے دن ہم اپنے خواجگان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں، میں قدم بوس ہوا اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف روئے مبارک اٹھا کر فرمایا، جاؤ ہم نے تمھیں خدا کے سپرد کیا، اور تم کو منزل پر پہنچا دیا، رخصت کرتے ہوئے فرمایا، چار چیزیں نفس کا گوہر ہیں اوّل یہ کہ فقیری میں بھی تونگر دکھائی دو، دوسرے یہ کہ بھوک میں بھی اپنے آپ کو سیر ظاہر کرو، تیسرے یہ کہ غم واندوہ میں بھی شادماں رہو، چوتھے یہ کہ دشمنوں سے بھی دوستی کا برتاؤ کرو، پھر فرمایا کہ جہاں کہیں بھی جاؤ کسی کو آزار نہ پہنچاؤ اور جہاں کہیں رہو بے نفس ہو کر رہو۔

میں اس ملاقات کے بعد دہلی آیا اور وہیں رہنے لگا، ابھی چالیس روز نہ گزرے تھے کہ ایک آنے والے نے خبر دی کہ تمھارے روانہ ہونے کے بعد خواجہ بزرگ صرف بیس روز حیات رہے، اور پھر رحمتِ حق میں پیوست ہو گئے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۶)

حضرت خواجہ بختیار کاکی کو سماع سے بہت رغبت تھی، آپ نے سماع ہی میں وصال فرمایا۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ علی سجزی کے مکان میں محفل سماع برپا تھی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اس محفل میں موجود تھے، قوالوں نے شیخ احمد جام کی غزل شروع کی، جب یہ شعر گایا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

۴۳۵


## شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ سلہ)

تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی اور تڑپنے لگے، مدہوشی اور تحیّر کے عالم میں آپ کو آپ کے ساتھی گھر تک لائے، یہ حالت چار شبانہ روز رہی، نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے لیکن نماز ادا فرما کر پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی، آخر اسی حالت پانچویں رات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء کو واصل الی اللہ ہوئے میر حسن نے اسی بحر و قافیہ و ردیف میں ایک غزل کہی جس میں حضرت خواجہ قطب الدین کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

جاں بریں یک بیت داد است آں بزرگ
آرے ایں گوہر زکانے دیگر ست
کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

(اخبار الاخیار ص ۲۵ و ۲۶)

سیر العارفین میں ہے کہ وفات کے وقت سر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا، اور دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کے آغوش میں۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا جنازہ تیار ہوا، سلطان التمش، اکثر فقراء، خلفا، مشائخ، خوانین اور عوام کا ہجوم تھا، مولانا ابو سعید نے کہا کہ ہمارے حضرت نے وصیت فرمائی ہے کہ ان کے جنازے کی نماز ایسا شخص پڑھائے کہ جو زنا کا مرتکب نہ ہوا ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور نماز باجماعت میں اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی ہو، سلطان شمس الدین التمش بہت دیر تک خاموش کھڑا ہوا اپنے دائیں اور بائیں دیکھتا رہا، لیکن جب کوئی شخص آگے نہ بڑھا تو اس نے مجبوراً اپنے آپ کو امامت کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا، کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی میرے حال سے واقف ہو لیکن

تو میں نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی زیارت کی اور اُن سے کئی روز تک

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

چونکہ ہمارے مرشد کی وصیت ہے، اور میں اس کے مطابق ہوں اس لئے میں نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

وصال سے کچھ دن پہلے عید کے دن عید کی نماز پڑھ کر سواری میں واپس آرہے تھے ایک جگہ ٹھہر گئے، اور کچھ سوچتے رہے، لوگوں نے پوچھا حضرت کس فکر میں ہیں، فرمایا مجھے اس زمین سے عشق کی بو آتی ہے، اُسی وقت اُس زمین کے مالک کو بلوایا، اور اُس کی قیمت ادا کرکے اس زمین کو خریدا، اسی زمین پر آپ کا روضۂ مبارک واقع ہے۔ (سیر الاقطاب ص ۱۵۹، ۱۶۰)

صاحب سیر الاقطاب نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلفاء کی تعداد ۲۲ بتائی ہے، آپ کے خلفاء کے نام یہ ہیں:-

شیخ فرید[۱] الدین شکر گنج، شیخ بدر[۲] الدین غزنوی، شیخ برہان[۳] الدین بلخی، شیخ ضیاء[۴] الدین رومی، سلطان شمس[۵] الدین التمش، شیخ بابا[۶] بحری بحر دریا، مولانا فخر الدین[۷] حلوائی، شیخ محمد[۸] خواجہ[۹] پیر، شیخ سعد[۱۰] الدین خلیفہ، شیخ محمود[۱۱] بہاری، مولانا محمد[۱۲] جاجرمی، سلطان[۱۳] نصیر الدین غازی، قاضی حمید[۱۴] الدین ناگوری، مولانا برہان[۱۵] الدین حلوائی، شیخ محمد[۱۶] سماچی، شیخ حسین[۱۷]، شیخ نیر[۱۸] روز، شیخ بدر[۱۹] الدین موی تاب، شاہ[۲۰] خضر قلندر، شیخ نجم[۲۱] الدین قلندر، شیخ احمد[۲۲] مینی۔

(سیر الاقطاب ص ۱۵۹)

حضرت خواجہ قطب الدین کی تصانیف میں اُن کا دیوان ہے جو نولکشور سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، دوسرے آپ کے ملفوظات ہیں جو بابا فرید گنج شکر نے فوائد السالکین کے نام سے جمع کئے تھے جو مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئے تھے۔ (بزم صوفیہ ص ۵۹)

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

(۱) سیر الاقطاب ص ۱۶۴

فیضِ صحبت حاصل کرتا رہا، کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ اُن کی خانقاہ میں دس بارہ ہزار سے کم فتوحات آتی ہوں، لیکن وہ اُسی روز خدا کی راہ میں خرچ فرما دیتے تھے، اور ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہ رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پائی بھی رکھوں تو مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ مالدار کہیں گے[۱]

حضرت بابا فرید گنج شکر کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بے حد عقیدت تھی فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی محفل میں شیخ شہاب الدین کی مشہور تصنیف عوارف کا تذکرہ چلا، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ حضرت بابا فرید عوارف کو بڑی عمدگی سے پڑھاتے تھے، میں نے عوارف کے پانچ باب حضرت بابا فرید سے پڑھے تھے پھر فرمایا کہ حضرت بابا صاحب جو مطالب بیان فرماتے تھے وہ کسی دوسرے سے سننے میں نہیں آئے، اُن کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو کیا اچھا ہوتا، آپ کے گھر میں فرزند تولد ہوا تو اُس کا نام بھی شہاب الدین رکھا[۲]

## خواجہ اجل سجزی سے ملاقات

فرمایا کہ بغداد کے نواح میں میری ملاقات خواجہ اجل سجزی سے ہوئی، میں نے اُنھیں سلام کیا، اُنھوں نے سلام کا جواب کر مصافحہ کیا، اور فرمایا:۔ ؎

"بیا شکرِ عالم نیک آمدی بنشیں"

میں وہیں بیٹھ گیا، آپ میرے ساتھ نہایت لطف و شفقت سے پیش آتے تھے میں کئی روز تک آپ کا مہمان رہا، میں نے دورانِ قیام میں دیکھا کہ آپ

---

[۱] راحت القلوب ص ۳۔

[۲] فوائد الفواد ص ۷۵ ذکر عوارف شیخ شہاب الدین ۔

کسی آنے والے کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے، اگر کچھ موجود نہ ہوتا تو کھجور ہی دیتے، جب میں آپ سے رخصت ہونے لگا تو دعا دیتے ہوئے فرمایا، خدا تمہارے رزق میں برکت دے، میں نے وہاں کے لوگوں سے سُنا کہ آپ اس قدر مستجاب الدعوات ہیں کہ جو زبان سے فرماتے ہیں وہی ہوتا ہے[1]

## شیخ سیف الدین باخرزی سے ملاقات

فرمایا کہ جب میں بخارا میں حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک آدمی اُن کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ میں مال رکھتا ہوں، لیکن کئی سال سے اُس میں مجھے نقصان ہو رہا ہے، اور میں خود بھی بیمار ہو جاتا ہوں، جو مزید نقصان کا باعث ہوتا ہے حضرت شیخ سیف الدین نے اُس سے فرمایا بات یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو اُسے سمجھ لینا چاہئے کہ دل میں کھوٹ ہے، اُسے نقصان اس لئے ہوتا ہے کہ اُس کا ایمان درست ہو جائے[2]

## امام حدادی سے ملاقات

غزنی کے نواح کی سیاحت کے ضمن میں فرمایا کہ کسی شہر کی مسجد میں رمضان کے مہینے میں میں نے امام حدادی سے بھی ملاقات کی اور اُن کی خدمت میں ایک عرصے تک رہا، وہاں ایک اور نہایت عظیم المرتبت بزرگ رہتے تھے اُنھوں نے مجھے نصیحت فرمائی کہ سلوک کی راہ میں محنت اور جفاکشی بہت ضروری، جب تک کہ مجاہدات اور ریاضت شاقہ نہ کروگے اعلیٰ مقام حاصل نہ کر سکو گے، کیونکہ اہلِ صُفّہ نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اصل چیز مجاہدہ ہے[3]

---

[1] بزم صوفیہ بحوالہ راحت القلوب ص ۵    [2] ایضاً ص ۵

[3] بزم صوفیہ بحوالہ راحت القلوب

## سیوستان کے دو بزرگوں سے ملاقاتیں

فرمایا کہ سیوستان میں میری ملاقات شیخ اوحدالدین کرمانی سے ہوئی، اُنھوں نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا کہ مشائخ کی جو خدمت کی ہے وہ تمھارے لئے باعثِ سعادت اور میرے پاس بھی تمھارا آنا باعثِ سعادت ہے[۱]

سیوستان کے ایک اور بزرگ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اُن کو دیکھا کھڑے ہوئے اللہ کا ذکر فرمارہے ہیں، میں اُن کے پاس ٹھہرا رہا، ایک روز اُن کو ہوش آیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جن کو سعادتِ ابدی کی توفیق عطا کرتا ہے، اُن کے لئے ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے، پھر فرمایا کہ قضائے حاجت کے علاوہ تمام وقت ذکر کرنا چاہیئے۔

## دہلی میں حاضری

اس طویل سیاحت کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر اپنے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اُن کے ٹھہرنے کے لئے اپنی اقامت گاہ کے قریب ایک جگہ منتخب کی، جہاں وہ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہوگئے[۲]

## خلافت سے سرفرازی

اُسی زمانے میں جب کہ بابا فرید گنج شکر دہلی میں ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف تھے، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری دہلی تشریف لائے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنے خلفاء کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے سامنے پیش کیا، آپ نے اُن میں سے ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق نعمتِ باطنی سے سرفراز فرمایا، آخر میں سلطان العارفین، خواجہ معین الدین اجمیری نے

---

[۱] بزم صوفیہ بحوالہ راحت القلوب ص ۳۸ [۲] سیر الاقطاب ص ۱۶۴

پوچھا کہ بابا قطب الدین اب تمہارے مریدوں میں سے کوئی باقی تو نہیں رہا؟ خواجہ قطب الدین نے عرض کیا کہ مسعود نامی ایک درویش چلّے میں بیٹھا ہوا ہے اور اُس کی یہ حالت و کیفیت ہے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے فرمایا چلو تاکہ میں اُس کو دیکھوں، پھر دونوں بزرگ اُس حجرے میں تشریف لائے جہاں حضرت بابا فرید ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف تھے، حجرے کے دروازے کو کھولا، لیکن بابا فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے نہ کھڑے ہو سکے اپنی اس مجبوری کی وجہ سے اُن کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے، اور قدمبوسی کی سعادت حاصل کی، حضرت خواجہ معین الدین نے اُن کو دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ اے قطب الدین اس بیچارے کو کب تک مجاہدوں کی آنچ پر جلاؤ گے، آؤ ہم اور تم جو کچھ اسے دینا ہے عطا کر دیں۔ یہ کہہ کر اُن کا داہنا بازو حضرت خواجہ معین الدین نے اور بایاں بازو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے پکڑ کر اُٹھایا۔ پھر حضرت خواجہ اجمیری نے آسمان کی طرف منھ اُٹھا کر فرمایا اے جل جلالۂ! فرید کو قبول کر اور اکمل ترین درویشوں کے مرتبے پر پہنچا، غیب سے آواز آئی ہم نے فرید کو قبول کیا، فرید فرید ہے، اور وحید عصر ہے۔ پھر حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کو اپنا خلعت خاص مرحمت فرمایا، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنی دستار اور لوازمۂ خلافت عطا فرمائے، اِس محفل میں قاضی حمید الدین ناگوری[1]، مولانا علاء الدین کرمانی، سیّد

---

[1] آپ کا نام محمد تھا مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے۔ شہاب الدین غوری کے کے زمانے میں اُن کے والد عطا اللہ محمود التجاری بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور دہلی ہی میں اُن کے والد نے وفات پائی، اُن کی والد کی وفات کے بعد حضرت قاضی حمید الدین کو ناگور کی قضاءت تفویض ہوئی، اور اِس عہدے پر تین سال تک رہے، پھر اُن پر جذبۂ درویشی غالب آیا، اور بغداد حاضر ہو کر سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت کا شرف حاصل کیا، اور ایک سال تک اُن کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، اور خلافت سے سرفراز ہوئے، اسی زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اجمیر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

میں تھے، وہیں قاضی حمید ناگوری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں گہرے دوستانہ مراسم پیدا ہوئے جو آخر وقت تک قائم رہے، پھر وہ اپنے پیر سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور تین سال تک وہاں مقیم رہے، وہاں سے مکۂ معظمہ حاضر ہوئے جہاں دو سال تک ہر قسم کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، پھر دہلی آئے، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے پاس قیام کیا، اور وفات کے بعد اُن کے پہلو میں دفن ہوئے، اسی وجہ سے مشائخ عظام نے ان کو مشائخ خاندان چشت میں شمار کیا ہے (خزینۃ الاصفیا، ص ۳۰۹ و ۳۱۰) رمضان کے مہینے میں تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے، تو عین سجدے کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ لطائف اشرفی میں ان کا سنہ وفات ۶۴۱ھ درج ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۸۵)

سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اگرچہ قاضی حمید الدین کے شاگرد تھے، لیکن اُنھوں نے خواجہ بختیار کاکی سے خرقۂ خلافت لیا تھا، سیر الاقطاب کی اصل عبارت یہ ہے:

> نقل ست کہ در آں ہنگام عمر حضرت خواجہ (قطب الدین) ہفت دہ سال بود، و کمالات بلا عدو نہایت باوجود آنکہ حضرت قاضی، (حمید الدین ناگوری) نسبت اوستادی باآں حضرت داشت، اما در ادب و خدمت گاری چنداں کوشید کہ مردمان حیران می شدند و اکثر می گفت کہ خواجہ قطب الدین قطب المشائخ ہست، و ہزار مرتبہ از حمید الدین بزرگ و بہتر، چنانکہ حمید الدین برابری یک مویش نمی تواں کرد، آخر الامر حضرت قاضی (حمید الدین ناگوری) از آں حضرت نعمت و خلافت نیز یافتہ، ہرچند کہ از پیر ایشاں یافتہ بود
>
> (سیر الاقطاب ص ۱۵۰)

ترک، خواجہ محمود موئنہ دوز اور دوسرے مشائخ حاضر تھے، ایک شاعر

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ؎)

قاضی حمید الدین ناگوری سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، صاحب الاخبار الاخیار نے اُن کی سماع سے غیر معمولی دلچسپی اور شغف کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ :-

بہ سماع ہیچ کس در زماں از ایں مقدار توغل در سماع
نداشت کہ او داشت علمائے عصر بر سر او محضر ساختہ بودند

(اخبار الاخیار ص ۳۷)

سماع میں اُن کے غلو کی وجہ سے اگرچہ علمائے اُن کے خلاف فتوی دیا تھا لیکن اُنھوں نے اس کی پروا نہ کی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بھی اُن کے ساتھ محفلِ سماع میں شریک ہوتے تھے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی محفل میں سماع کے متعلق گفتگو چلی تو فرمایا کہ دہلی میں سماع کا سکہ قاضی حمید الدین ناگوری نے بٹھایا، جب قاضی منہاج الدین قاضی ہوئے تو چونکہ وہ بھی صاحبِ سماع تھے سماع کی بنیادیں اور گہری ہو گئیں۔ (فوائد الفواد۔ ص ۲۳۹۔ ذکر سماع)

سیر الاولیاء میں ہے کہ قاضی حمید الدین کے پاس ناگور میں ایک بیگہ زمین تھی، جس کو کاشت کرکے وہ اپنا گزارہ کرتے تھے، پہلے آدھے بیگھ کو ہموار کرکے اُس میں کچھ بوتے، جب اس کو مکمل کر لیتے تو پھر دوسرے آدھے بیگھ کو ہموار کرکے اس میں کچھ بوتے، اس کی پیداوار سے جو کچھ حاصل ہوتا تو اُسے اپنے کھانے پینے اور کپڑوں پر صرف کرتے، گھر سے ایک چادر بندھی رہتی تھی، دوسری چادر جسم پر پڑی رہتی تھی۔ ایک دفعہ حاکم ناگور کو آپ کی حالت کی خبر ہوئی، اُسی وقت کچھ نقد آپ کی خدمت میں بھجوایا، اور کہلا بھیجا کہ اگر شیخ قبول کریں تو میں کچھ زمین، اور اس کے لئے تخم نذر کردوں

نے فی البدیہہ اس موقع پر حضرت بابا فرید کی مدح میں یہ شعر کہا ہے :۔

بخششِ کو میں از شیخین بہ گرفتہ فرید
بادشاہی یافتہ از بادشاہانِ جہاں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

تاکہ کچھ فراغت سے بسر ہو، آپ نے فرمایا، ہمارے خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی، ایک بیگھہ زمین میری ملک ہے جو میرے لئے کافی ہے۔

کسی نے قاضی حمید کی درویشی کا حال بادشاہِ وقت سے بیان کیا، بادشاہ نے اسی وقت پانچسو ٹنکے اور ایک گاؤں کا فرمان آپ کے نام حاکم ناگور کے پاس روانہ کیا، اور لکھا کہ وہ خود قاضی حمید الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عجز و زاری سے عرض کرے کہ وہ اس کو قبول فرمائیں، حاکم ناگور آپ کی خدمت میں یہ فرمان اور پانچسو ٹنکے لے کر حاضر ہوا، آپ نے کچھ نہ کہا اور فوراً گھر میں تشریف لے گئے، اُس وقت آپ کی بیوی اس حال میں تھی کہ ناداری کی وجہ سے سر پر دوپٹہ نہ تھا اور پیراہن کا دامن سر پر ڈالے ہوئے تھیں۔ آپ نے بیوی کو آزمانے کے لئے کہا کہ بادشاہ نے ہمارے لئے پانچ سو ٹنکے اور ایک گاؤں کا فرمان بھیجا ہے، کہو تو ہم اُس کو قبول کرلیں، بیوی نے کہا اے خواجہ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے سالہا سال کے فقر کو باطل کرلو، تم مطمئن رہو، میں نے دو سیر سوت کاتا ہے۔ جس سے آپ کے کپڑے اور میرا دوپٹہ تیار ہو جائے گا۔ قاضی حمید اپنی بیوی کی یہ بات بہت خوش ہوئے، اور باہر آکر حاکمِ ناگور سے کہا کہ جو کچھ تم لے کر آئے مجھے اس کی ضرورت نہیں اس لئے قبول نہیں کرسکتا۔

(سیر الاولیاء نکتہ اول ص ۱۵۷)

علم و فضل کے اعتبار سے بھی قاضی حمید الدین کا پایہ بہت بلند تھا۔ وہ علمِ حدیث کو علم تصوف پر زیادہ ترجیح دیتے تھے، ایک مرید نے جب علم تصوف کے سیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو اُس سے فرمایا۔

سیر العارفین میں ہے کہ بار ہا حضرت خواجۂ بزرگ معین الدین اجمیری

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ سلہ)

| | |
|---|---|
| مرا ایں جا مشغولی ست کہ خلقِ ناگور دریں وقت از من علم احادیث می شنوند، مرا فرصت نیست کہ دریں میاں ترا علمِ تصوف بیاموزم۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۹ بحوالہ سرور الصدور قلمی ص ۷۲) | مجھے یہاں مشغولیت ہے کہ اس زمانے میں ناگور کی مخلوق مجھ سے علمِ حدیث سنتی ہے، مجھے فرصت نہیں کہ اس دوران میں تمھیں علمِ تصوف سکھاؤں۔ |

اپنے مریدوں اور معتقدوں کو علم فرائض کے سیکھنے کی طرف توجہ دلاتے تھے:-

فرمودند اگر فرائض بحث کنند نیکو باشد کہ اول علمے کہ مقصود شود علمِ فرائض باشد، و پیغمبر صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فرمودہ ست کہ تعلّموا الفرائض و علموہ (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۸ بحوالہ سرور الصدور ص ۲۹)

صاحبِ تصانیف تھے، اخبار الاخیار میں ہے کہ:-

قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است بزبانِ عشق و ولولہ سخن می کند "طوالع شموس" از تصانیف مشہور اوست۔

(اخبار الاخیار ص ۳۷)

طوالع شموس کے علاوہ، ان کی ایک اور کتاب "اصول الطریقہ" اہلِ علم اور صوفیہ میں بے حد مقبول تھی، عربی، فارسی اور ہندی پر عبور رکھتے تھے، اور عموماً ہندی میں گفتگو کرتے تھے، اس کے علاوہ ان کے مکتوبات بھی ہیں، جس کا ہر خط

نے اپنے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۱)

لے جان من سے شروع ہوتا ہے (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۰)

سید صباح الدین نے بزم صوفیہ میں قاضی صاحب کی دو اور کتابیں لوائح اور راحت الارواح کا بھی تذکرہ کیا ہے (بزم صوفیہ ص ۸۰)

قاضی حمید الدین ناگوری نے ۶۴۳ھ / ۱۲۴۶ء میں وفات پائی، ان کے صاحبزادے شیخ عبد العزیز علی کا انتقال چونکہ ان کے سامنے ہی ہو گیا تھا، اس لئے ان کے پوتے شیخ فرید الدین ان کی جگہ مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۰)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)

سید نور الدین مبارک غزنوی، شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ، اور دہلی کے مقتدا اور شیخ الاسلام تھے، سلطان شمس الدین کے زمانے میں وہ میر دہلی کہلاتے تھے، شیخ نصیر الدین محمود کا بیان ہے کہ شیخ محمد اجل شیرازی ایک بزرگ تھے، سید مبارک غزنوی نے نعمتِ باطنی ان سے حاصل کی تھی، سید نور الدین مبارک غزنوی نے ۶۳۲ھ میں وفات پائی، ان کا مقبرہ حوض شمسی کے شرقی جانب ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۸ و ۲۹)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

شیخ نظام الدین ابو المؤید، سلطان شمس الدین کے عہد میں تھے، اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ہمعصر تھے، شیخ نظام الدین محبوب الٰہی نے بھی ان کو دیکھا تھا، میر حسن صاحبِ فوائد الفواد نے ایک دن حضرت نظام الدین محبوب الٰہی سے پوچھا کہ کبھی آپ بھی شیخ نظام الدین ابو المؤید کی مجلسِ وعظ میں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا ہاں، لیکن میں اس وقت بچہ تھا، مطالب کو نہ سمجھتا تھا، ایک روز میں ان کی مجلس وعظ میں گیا، میں نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر انھوں نے جوتے اتار کر اپنے ہاتھ میں لے لئے، پھر مسجد میں آئے اور دو رکعت نہایت اطمینان سے پڑھیں، پھر منبر پر آئے، قاسم نامی ایک شخص نے قرآن مجید کی چند آیتیں

| بابا بختیار! شہبازے | بابا بختیار! تم نے ایک |
| --- | --- |
| عظیم بقید آوردہ اید کہ جنتـ | عظیم شہباز کو مقید کیا |

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵)

بیٹھیں، پھر شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے وعظ کہنا شروع کیا، ابھی صرف اس قدر ہی کہہ پائے تھے کہ میں نے اپنے بابا کے خط میں لکھا دیکھا کہ تمام مجمع اس قدر متاثر ہوا کہ ہر ایک رونے لگا، پھر اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔

برعشق تو و بہ تو نظر خواہم کرد

جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

اُن کا یہ شعر پڑھنا ہی تھا کہ لوگ بے قرار ہو کر چلانے لگے۔ پھر فرمایا کہ اے مسلمانوں کیا کروں مجھے اس رباعی کا دوسرا شعر یاد نہیں آتا، یہ بات اُنھوں نے کچھ ایسے انداز میں کہی کہ مجمع اور بھی بے قرار ہو گیا، اس وقت قاسم نے اس رباعی کا دوسرا شعر پڑھا۔

پُر درد و بے بخاک در خواہم کرد

بے عشق سری زگور بر خواہم کرد

(اخبار الاخیار ص ۴۶)

ابتداءً شیخ نظام الدین ابوالمؤید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی تھے، لیکن جب وہ دہلی میں آئے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی صحبت میں رہنے لگے، اور اُن سے بہت سے روحانی فوائد حاصل کئے، اور اُن کا شمار پیرانِ چشت میں ہونے لگا، شیخ نظام الدین ابوالمؤید کو شمس العارفین بھی کہتے ہیں، شیخ جمال گرلوی جن کا مقبرہ کول میں ہے وہ نظام الدین ابوالمؤید کی اولاد سے ہیں۔

شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ۶۷۳ھ میں وفات پائی۔

(خزینۃ الاصفیا، جلد اول۔ ص ۳۰۸)

بسدرة المنتہیٰ آشیانہ نگیرد، ہے کہ جو سدرۃ المنتہیٰ کے سوا
وایں فرید شمیست کہ غافلوۂ آشیانہ نہ بنائے گا، اور یہ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلۂ ۵)

خواجہ محمود مونیہ دوز، قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید اور خلیفہ میں سے تھے، اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مصاحبوں اور ان کے معتقدوں میں سے تھے، خواجہ قطب الدین کی بہت کم ایسی مجلسیں ہوتی تھیں کہ جس میں وہ حاضر نہ ہوں، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ملفوظات میں ان کا ذکر بے حد آتا ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۵۰ و خزینۃ الاصفیار جلد اوّل ص ۲۸۴ و ۲۸۵)

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت بدر الدین محمود مونیہ دوز، نجندی جو خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی نور اللہ مرقدہٗ کے جوار میں آسودہ ہیں، وہ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، اور اکثر شیخ المشائخ خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی مصاحبت میں رہتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی سے منقول ہے کہ جب کسی کا غلام بھاگ جاتا تو وہ شیخ محمود مونیہ دوز کے پاس آتا، اور صورت حال بیان کرتا، آپ تھوڑے سے تامل کے بعد فرماتے جاؤ تمھارا غلام فلاں وقت تک آجائے گا، جب تمھارا غلام واپس آجائے تو مجھے اطلاع دینا تاکہ یہ بوجھ میرے دل سے اتر جائے، چنانچہ لوگ غلام مل جانے کے بعد فوراً آپ کو اطلاع دیتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص کا غلام بھاگ گیا، اس نے آپ سے عرض کیا، فرمایا فلاں وقت تک تمھارا غلام مل جائے گا، جب تمھارا غلام مل جائے تو مجھے اطلاع دینا، خدا کے حکم سے اس کا غلام مل گیا، لیکن اس نے آپ کو اطلاع نہ دی، دو تین روز کے بعد پھر وہ غلام بھاگ گیا، یہ شخص پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا غلام پھر بھاگ گیا ہے، فرمایا جب وہ پہلی مرتبہ واپس آیا تھا تو تم نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی اس لئے اب تمھارا غلام نہیں ملے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

صاحب سیر العارفین شیخ جمالی نے لکھا ہے کہ جب میں خواجہ محمود مونیہ دوز کے

| درویشاں منور سازد[۱] | فرید ودشمع ہے کہ جو درویشوں کے خانوادے کو منور کرے گا۔ |
| --- | --- |

## ہانسی کو روانگی

خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے اپنے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے سفر کی اجازت چاہی، حضرت خواجہ بختیار کاکی نے پُرنم آنکھوں سے انھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ تم میری موت کے وقت میرے پاس نہ ہو گے، اس لئے کہ تقدیر الٰہی یہی ہے، لیکن میری وفات کے دو تین روز کے بعد تم پہنچو گے: پھر فاتحہ پڑھ کر حضرت بابا فرید کو رخصت کیا، اور فرمایا کہ میں تمھاری امانت قاضی حمید الدین کے حوالے کر دوں گا، جب تم آؤ اپنی امانت اُن سے حاصل کر لینا، حضرت بابا فرید اپنے پیر سے رخصت ہو کر ہانسی پہنچے، اور وہیں سکونت اختیار فرمائی[۲]

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت بابا فرید ہانسی پہنچنے کے بعد مجاہدے اور مشغولی ظاہر و باطن میں مشغول ہو گئے، اپنے آپ کو لوگوں سے مستور رکھتے تھے اور آپ کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی آپ کے حال سے مطلع ہو[۳]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۴)
مزار پُر انوار پر زیارت کے لئے حاضر ہوا تو اُس وقت اُن کے سجادے اُن کے صاحبزادے شیخ بایزید تھے۔ (سیر العارفین ص ۱۵)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵) سیر الاولیاء ص ۶۱۔

(فٹ صفحہ ہذا) ۱؎ سیر العارفین۔ ص ۲۲

۲؎ سیر الاقطاب ص ۱۶۷ ۳؎ سیر الاولیاء ص ۶۲

## حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات

سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت بابا فرید ایک عرصے تک ہانسی میں مقیم رہے، جس روز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے وفات پائی اسی رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الدین آپ کو بلا رہے ہیں، صبح کو آپ روانہ ہوئے اور تیسرے روز دہلی پہنچے، اپنے شیخ کے مزار مبارک کی زیارت کی، قاضی حمید الدین ناگوری نے خرقہ اور دوسری امانتیں جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اُن کو اس لئے دی تھیں کہ وہ آپ کے حوالے کریں، حضرت بابا فرید کو دیں [1]

## ہانسی میں تشریف آوری

لوگوں نے دہلی میں قیام کے لئے بے حد اصرار کیا، مگر آپ چوتھے روز بنماز فجر کے بعد ہانسی روانہ ہو گئے، لوگوں کے اصرار پر فرمایا حضرت خواجہ کی عنایت مجھ پر جو کچھ ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں گا میرے شاملِ حال رہے گی [2]

سیر الاولیاء میں ہے کہ جس رات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے وفات پائی، حضرت بابا فرید گنج شکر ہانسی میں تھے، اُسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بلا رہے ہیں، صبح ہوتے ہی آپ دہلی روانہ ہوئے، چوتھے روز دہلی پہنچے، قاضی حمید الدین ناگوری نے وہ خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین نے اُن کے حوالے کیا تھا، آپ کو دیا، آپ نے دوگانہ ادا کر کے اس خرقے کو پہنا، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے گھر میں تشریف لا کر

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۶۷

[2] ایضاً ص ۱۶۷

اُن کی مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ سرہنگا نامی ایک شخص ہانسی سے آیا، اُس نے دو تین مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کی مگر دربان نے جانے نہ دیا، ایک روز حضرت بابا فرید گھر سے باہر نکلے تو سرہنگا جو اِس موقع کی تاک میں تھا، دوڑ کر آپ کے قدموں پر گر پڑا، اور رو کر کہنے لگا، جب تک آپ ہانسی میں تھے میرے لیئے آپ کا دیکھنا آسان تھا، اب آپ کا دیکھنا مشکل ہو گیا ہے حضرت بابا فرید نے سرہنگ کے اس کہنے پر محسوس کیا کہ اگر وہ دار السلطنت میں مقیم رہے تو عوام سے ربط کمزور ہو جائے گا، آپ نے اُسی وقت لوگوں سے فرمایا کہ میں ہانسی جاؤں گا، لوگوں نے کہا کہ شیخ نے آپ کو یہ مقام دیا ہے، آپ کیوں دوسری جگہ جاتے ہیں؛ فرمایا کہ میرے پیر نے جو نعمت عطا فرمائی ہے شہر میں بھی دی اور جنگل و بیابان میں بھی وہی ہے، چنانچہ آپ ہانسی روانہ ہو گئے [1]

## اجودھن میں قیام

لیکن جب ہانسی میں آپ کی شہرت ہوئی اور لوگوں کا ہجوم بڑھا تو آپ ہانسی سے منتقل ہو کر اجودھن (پاک پٹن) تشریف لائے، اور آخر عمر تک وہیں ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ جب آپ اجودھن (پاک پٹن) آئے تو آپ نے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو اپنے وطن کھوتوال بھیجا تاکہ وہ آپ کی والدہ کو وہاں سے لے آئیں۔ شیخ نجیب الدین والدہ کو لے کر واپس ہو رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ پانی کی ضرورت ہوئی، وہ والدہ کو ایک درخت کے نیچے بٹھا کر پانی کی تلاش میں گئے، جب

---

[1] سیر الاولیار ص ۷۳، باب اوّل۔

لوٹ کر آئے تو والدہ کو وہاں نہ پاکر بے حد حیران و پریشان ہوئے، ہر جگہ تلاش کیا، لیکن کہیں پتہ نہ چلا، مجبوراً تھک کر حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ کھانا پکا کر صدقہ کرو، پھر کچھ مدت کے بعد شیخ نجیب الدین کا اُس طرف گذر ہوا، جب وہ اُس درخت کے قریب پہنچے تو اُنھیں خیال ہوا کہ مجھے اس درخت کے آس پاس دیکھنا چاہئے، شاید میری والدہ کا کوئی نشان مل جائے، چنانچہ وہ اس درخت کے قرب و جوار میں، اسی تلاش و جستجو میں پھرنے لگے، اُنھیں چند ہڈیاں وہاں پڑی ہوئی ملیں، شیخ نجیب الدین نے اُس آدمی سے جو اُن کے ساتھ تھا کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہڈیاں میری والدہ کی ہیں، اُنھیں شیر یا کسی درندے نے ہلاک کیا ہے، پھر اُنھوں نے وہ ہڈیاں ایک تھیلی میں جمع کیں، اور حضرت بابا فرید کی خدمت میں لائے [1]

سیر العارفین میں ہے کہ جب بابا فرید ہانسی سے اجودھن (پاک پٹن) پہنچے جو دیپال پور کے قریب ہے تو وہاں کے لوگ بہت کج طبع، وحشت مزاج اور بد اعتقاد تھے، کوئی بھی آپ کی طرف متوجہ نہ ہوا، حضرت بابا فرید نے اس بستی کے لوگوں کی بے توجہی دیکھ کر فرمایا یہ جگہ خوب ہے یہاں سکون کے ساتھ میں خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہوں گا، اس قصبے کے باہر درختوں کا ایک جھنڈ تھا، آپ اُن اُن درختوں کے درمیان ایک بڑے درخت کے نیچے کملی ڈال کر بیٹھ گئے، اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے [2]۔

---

[1] فوائد الفواد۔ ذکر بزرگی۔ والدۂ بزرگوار شیخ کبیر ص ۱۲۲ - ۱۲۳

[2] سیر العارفین ص ۳۲۔

## اجودھن میں شہرت

آہستہ آہستہ اجودھن (پاک پٹن) میں آپ کی عبادت و ریاضت کی شہرت پھیلی، اور لوگوں کا ہجوم ہونے لگا، پھر آپ کے رشد و ہدایت کے اثرات سے نہ صرف پنجاب متاثر ہوا بلکہ شمالی ہند تک آپ نے سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات کو عام کیا، دور دور سے لوگ طلب حق میں آپ کے آستانے پر حاضر ہوتے، اور رشد و ہدایت سے فیض یاب ہو کر جاتے۔

## حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی غائبانہ عقیدت

دہلی میں آپ کے تقدس و ولایت کی شہرت اس قدر عام ہوئی کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ میری عمر بارہ سال کی تھی، اور میں تعلیم پاتا تھا کہ ابو بکر قوال ملتان کی طرف سے سیاحت کر کے میرے اُستاد کے پاس آیا، اور اُس نے وہاں کے بزرگوں کے متعلق واقعات بیان کرنا شروع کیے، اُس نے بتایا کہ میں نے شیخ بہاء الدین زکریا کے سامنے سماع شروع کیا، جب میں نے یہ شعر پڑھے ؎

قد لسعت حیۃ الھوی کبدی
فلا طبیب لھا ولا راقی

تو مجھے اس کے دو مصرعے یاد نہ رہے، شیخ نے فوراً ہی وہ مصرعے مجھے بتائے ؎

الا الحبیب الذی قد شغفت
بہ فعندہ رقیتی و تریاقی

اس کے بعد ابو بکر قوال نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اُن کی عبادت و ریاضت اس قدر بڑھی ہوئی

ہے کہ اُن کی کنیزیں بھی چکّی پیستے ہوئے ذکرِ الٰہی کرتی ہیں، پھر وہ بہت دیر تک اُن کے فضائل و مناقب بیان کرتا رہا، اس کے بعد اُس نے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن (پاک پٹن) آیا، میں نے وہاں شاہِ ولایت (بابا فرید) کو دیکھا کہ اُن کے رشد و ہدایت سے ایک عالم فیض یاب ہو رہا ہے، حضرت بابا فرید کے فضائل و مناقب سُن کر میرے قلب میں آپ کی محبت اور عقیدت کی یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ میں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ شیخ فرید الدین کے نام کا وظیفہ پڑھتا تھا، پھر میری محبت اس قدر بڑھی کہ میرے تمام ملنے والے اور دوست و احباب اِس سے واقف ہو گئے، انتہا یہ تھی کہ جب وہ مجھ سے کچھ پوچھتے اور چاہتے کہ مجھے قسم دیں تو میں (بے اختیار) شیخ فرید الدین کے نام کی قسم کھاتا تھا[1]

## ناگور کی ایک عورت کی عقیدت

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین نے بیان فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری کے نواسے شیخ شرف الدین کو خیال پیدا ہوا کہ وہ حضرت بابا فرید کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوں۔ جب وہ اس ارادے سے ناگور سے روانہ ہونے لگے تو اُن کی ایک کنیز نے اُن کو ایک دستار دیتے ہوئے کہا جب آپ حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوں تو میری طرف سے یہ اُن کی خدمت میں پیش کرنا، چنانچہ جب شیخ شرف الدین حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے تو اُنھوں نے عرض کیا کہ میرے گھر میں ایک کنیز ہے جس نے زمین پر

---

[1] فوائد الفواد

سر رکھ کر یہ تحفہ آپ کے لئے دیا تھا، یہ کہہ کر انھوں نے وہ دستار آپ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت بابا فرید نے اُس تحفے کو قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا اُسے آزادی دے، شیخ شرف الدین جب آپ کی مجلس سے اُٹھے تو اُن کے دل میں خیال گزرا کہ جب شیخ نے اُس کنیز کی آزادی کے لئے دعا فرمائی ہے تو وہ یقیناً آزاد ہو گی، لیکن چونکہ کنیز قیمتی ہے، کیوں نہ اُسے فروخت کر دیا جائے، تاکہ اگر وہ آزاد ہو تو اُس کے پاس سے آزاد ہو جو آئندہ اس کو خریدے گا، پھر اُن کے دل میں خیال آیا کہ اگر کنیز دوسرے کی ملکیت ہو کر آزاد ہوئی تو ظاہر ہے کہ اُس کا ثواب بھی اُس کے مالک کو ملے گا، میں خود ہی کیوں نہ اُس کو آزاد کروں، اس نیت کے بعد وہ حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ حضور میں نے اُس کنیز کو آزاد کیا[1]

## سلطان ناصر الدین محمود اور اُس کے لشکر کی عقیدت

ایک دفعہ جب سلطان ناصر الدین محمود[2] اور اُس کا لشکر اجودھن (پاک پٹن) سے گزرا تو حضرت

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۸۸ - ۱۸۹

[2] علاء الدین مسعود کے معزول کر دینے کے بعد امرائے ترک نے تخت شاہی کے لئے سلطان التمش کے چھوٹے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کا انتخاب کیا، سلطان ناصر الدین محمود ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء میں تخت نشین ہوا، اُس نے چند سال حکومت کر کے یہ کہہ کر غیاث الدین بلبن کو اپنا نائب منتخب کیا، کہ تم ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے کل سب سے بڑے بادشاہ کے حضور میں شرمندگی اٹھانی پڑے، سلطان ناصر الدین محمود نے ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء میں وفات پائی۔

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۱۶۹ - ۱۶۷)

خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے:-

درآنچہ سلطان ناصرالدین
جانب اُچ و ملتان رواں شد
درمیان اجودھن رفت، جملہ
لشکر روئے بزیارت شیخ نہادند
تاآں مقام کہ بود از انبوہے
حیران شد، آنگاہ آستین شیخ از بالائے جانب
کوچہ بیاویختند خلق می آمد و می بوسید و می
رفت تاہم پارہ پارہ شد، آنگاہ در مسجد
آمدہ و مریدان را گفت شما گرد بر گرد من
باشید تا خلق درون نیایند، ہم از
دور سلام کنند، و باز گردند،
مریدان ہمچناں کردند، تا یکے
فراشے پیرے بیامد و از
مریدان کہ گرد بہ گرد ایستادہ
بودند بگذشت، در پائے شیخ
افتاد، و پائے مبارک بگرفت
و بکشید تا ببوسد، شیخ را دشوار
آمد، آں فراش گفت، شیخ
المشائخ حضرت شیخ فرید الدین
تنگ می آئی۔ شکرِ نعمتِ
خدائے تعالیٰ بہ ازیں بگذار، چوں
آں فراش ایں سخن بگفت، شیخ

جس زمانے میں سلطان ناصرالدین
اُچ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا
تو اجودھن (پاک پٹن) پہنچ کر سارا
لشکر شیخ کی زیارت کے لئے روانہ
ہوا، شیخ اس انبوہِ کثیر کو دیکھ کر
حیران ہو گئے، اُس وقت شیخ کی آستین
کوٹھے سے گلی کی طرف لٹکائی گئی، لوگ
آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے
یہاں تک کہ وہ آستین ٹکڑے ٹکڑے
ہو گئی اُس وقت آپ مسجد میں آئے
اور مریدوں سے کہا کہ تم مجھے اپنے
حلقے میں لے لو تاکہ کوئی شخص اُس
حلقے کے اندر نہ آسکے، اور دور ہی
سے سلام کرکے واپس لوٹ جائیں،
مریدوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک
کہ ایک بوڑھا فراش آیا، اور حلقے کو توڑ کر
شیخ کے پاؤں میں گرا اور آپ کے
پاؤں کو کھینچا تاکہ بوسہ دے، شیخ کو
یہ بات پسند نہ آئی فراش نے کہا
شیخ المشائخ حضرت شیخ فرید الدین
آپ کیوں تنگ آتے ہیں، خدائے تعالیٰ
کی نعمتوں کا اس سے بھی اچھا شکر ادا

نعرۂ نبرد، آنگاہ فراش را بنواخت و بسیار معذرت کرد[1]

کرد، آپ نے فراش کی یہ بات سُن کر نعرہ مارا، اُسی وقت فراش کے حال پر نوازش فرمائی اور بہت معذرت کی۔

سلطان ناصرالدین محمود نے اُس موقع پر جب کہ وہ اجودھن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا آپ سے ملاقات کے بعد اپنے نائب السلطنت الغ خاں[2] کو ایک کثیر رقم اور چار گاؤں کا فرمان دے کر بھیجا کہ وہ حضرت بابا فرید کی خدمت میں پیش کرے، الغ خاں نے حاضر ہو کر یہ چیزیں آپ کے سامنے رکھیں، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ الغ خاں نے عرض کیا بادشاہ نے یہ زر نقد درویشوں کے لئے اور چار گاؤں کا فرمان آپ کے لئے بھیجا ہے، آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، نقدی تو درویشوں کے لئے ہے جسے میں اُن پر خرچ کر دوں گا، رہا میرے لئے چار گاؤں کا فرمان اسے لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں، اس کے طالب اور بہت ہیں[3]

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۵ - ۱۴۶ ذکر متحیران کہ بحق مشغول باشند۔

[2] الغ خاں سلطان غیاث الدین بلبن کا خطاب تھا، سلطان غیاث الدین بلبن ایک ترک امیر زادہ تھا، چنگیزی حملے میں کوئی مغل سپاہی اُس کو پکڑ لے گیا، اور ایک غلام کی حیثیت سے بغداد میں فروخت ہوا، جسے ایک بزرگ جمال الدین بصری نے خریدا، اور اُس کی تربیت کی، پھر دہلی میں بکنے آیا، جہاں ولایت زاد ترکوں کی بڑی مانگ تھی، شروع میں وہ ایک معمولی سپاہی بلکہ بہشتی اور فراش کا کام کرتا رہا، آہستہ آہستہ میر شکار اور ترکان چہل گانی کے زمرے میں داخل ہوا، آخر سلطان ناصرالدین محمود نے اُسے اپنا نائب السلطنت بنایا، پھر ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء میں سلطان ناصرالدین محمود کے لاولد فوت ہونے پر بغیر کسی مزاحمت کے بادشاہ ہو گیا۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۵ء تک حکومت کی۔ (ماخوذ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۱۹۶ و ص ۲۰۵)

[3] فوائد الفواد ص ۹۹ ۔

راحت القلوب میں ہے کہ ایک دفعہ اجودھن (پاک پٹن) کے حاکم نے کچھ گاؤں اور کچھ نقد رقم آپ کو نذر کرنا چاہی، فرمایا، اگر یہ رقم اور گاؤں میں لے لوں تو لوگ مجھے درویش نہ کہیں گے، مالدار کہلاؤں گا، اور درویش دیہہ دار میرا لقب ہو جائے گا، پھر یہ منھ درویشوں کے دکھانے کے قابل نہ رہے گا، اور میں ان میں کھڑا نہ ہو سکوں گا۔[۱]

## شہرت و مقبولیت

حضرت بابا فرید کی شہرت و مقبولیت کی یہ کیفیت تھی کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے ایک مجلس میں آپ کی مقبولیت و شہرت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں ہر قسم کے درویش اور غیر درویش پہنچتے تھے۔[۲]

ہر وقت طالبانِ حق اس شمع معرفت کے گرد جمع رہتے؛ آپ کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا تھا۔[۳]

سیر الاقطاب میں ہے کہ جب بابا فرید شہرت سے بچنے اور اژدحامِ خلق سے محفوظ رہنے کے لئے اجودھن (پاک پٹن) تشریف لائے تو یہ ویرانہ آپ کو بے حد پسند آیا، اور خوش ہوئے کہ اطمینان سے یہاں عبادت الٰہی ہو سکے گی، لیکن چند دن نہ گزرے تھے کہ وہاں کے بڑے بڑے لوگ آپ کے معتقد اور مرید ہو گئے، اور یہاں بھی معتقدین کا ہجوم بے پناہ ہونے لگا، پھر آپ کو خیال ہوا کہ اجودھن (پاک پٹن) سے بھی کسی دوسری جگہ چلا جائے۔ اسی فکر میں تھے کہ ایک روز ہاتفِ غیبی نے آواز دی، اے شیخ! تنگ مت ہو، اور لوگوں کی جفا کاری کو برداشت کر، اس کے بعد سے پھر آپ نے کسی کو آنے سے نہیں روکا، اور ہجوم سے ملول نہیں ہوئے۔[۴]

---

[۱] بزم صوفیہ بحوالہ راحت القلوب مجلس یازدہم — [۲] فوائد الفواد ص ۵

[۳] سیر الاولیاء ص ۶۴ — [۴] سیر الاقطاب ص ۱۶۷

## ریاضتیں اور مجاہدے

راہ سلوک میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کئے، مختلف تذکرہ نگاروں نے اُن ریاضتوں اور مجاہدوں کی تفصیلات بیان کی ہیں جنھیں ہم یہاں اجمالاً درج کرتے ہیں۔

راحت القلوب میں خود آپ کا بیان ہے کہ وہ بیس سال تک (اکثر اوقات) عالم تفکر میں کھڑے رہتے، اُن کے پاؤں ورم کر آتے تھے، اُن سے خون بہتا تھا[1]

سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا فرید بیمار ہوئے، اُس بیماری کے عالم میں عصا کا سہارا لے کر چلنا چاہا، تھوڑی دور چلے تھے کہ چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، اور عصا کو پھینک دیا، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ نے عصا پھینک دیا، فرمایا کہ عصا کا سہارا لیا تھا تو مجھ پر عتاب ہوا کہ تم ہمارے سوا غیر کا سہارا لیتے ہو[2]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے مولانا بدر الدین کے تذکرے کے ضمن میں فرمایا کہ شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین کا کام ہی کچھ اور تھا، آپ نے خلقت کو ترک کر رکھا تھا اور جنگل و بیابان میں رہتے تھے، یعنی اجودھن (پاک پٹن) میں رہ کر درویشانہ روٹی اور جنگل کے پھل پھول جیسا کہ پیلو اور اس کے مانند دوسری چیزوں پر گزارہ کرتے، حالانکہ اُس وقت بھی آپ کے پاس لوگوں کی آمد و رفت کی انتہا نہ تھی، آپ کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا، کھانا اور دوسری نعمتیں خدا کے فضل سے موجود رہتیں، تمام آنے جانے والے اُن کھانوں اور نعمتوں

---

[1] بزم صوفیہ بحوالہ راحت القلوب ص ۲۹ [2] سیر الاولیاء ص ۸۱

سے اپنا حصّہ حاصل کرتے، کوئی آنے والا ایسا نہ تھا کہ جسے کچھ نہ کچھ عنایت نہ ہوتا ہو، ہر نیا اور پرانا ملاقاتی آپ کی نظر میں برابر تھا، اور آپ دونوں کے ساتھ یکساں مہربانی سے پیش آتے تھے[1]

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی عارضہ لاحق ہوتا یا فصد لیتے تب بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے[2]

اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ اکثر شربت سے روزہ افطار فرماتے، ایک پیالہ شربت کا ہوتا تھا جس میں تھوڑا سا منقّہ بھی ڈالتے تھے، کبھی اس میں سے نصف کبھی دو حصّے دوسروں کو تقسیم فرما کر ایک حصّہ خود استعمال فرماتے، اُس میں سے بھی اگر کوئی چاہتا تو اُسے عطا فرما دیتے، پھر گھی میں چپڑی ہوئی دو روٹیاں لائی جاتیں، آپ اس میں سے کچھ کھاتے، بقیہ حاضرین میں تقسیم کر دیتے۔ اس کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا جس پر ہر قسم کے کھانے ہوتے، لوگ ان کھانوں کو کھاتے لیکن آپ اُس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے، پھر دوسرے روز افطار کے وقت حسب معمول کھاتے، رات کو اُسی کمبل پر سو رہتے کہ جس پر آپ دن میں بیٹھتے تھے، یہ کمبل اس قدر چھوٹا تھا کہ سوتے وقت پاؤں باہر نکلے رہتے[3]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین کا بیان ہے کہ ایک رات آرام کرتے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک سادہ اور جنگلی سی چار پائی آپ کے لئے لائی گئی، اُس پر وہی کمبل کا ٹکڑا بچھایا گیا جس پر آپ دن میں بیٹھا کرتے تھے، یہ کمبل کا ٹکڑا اتنا چھوٹا تھا کہ چار پائی پر پورا نہ آتا تھا، پائینتی کی طرف جگہ خالی رہ جاتی تھی، ایک عصا آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین

---

[1] سیر الاولیاء ص ۶۴     [2] سیر العارفین ص ۸۴

[3] اخبار الاخیار ص ۵۲

بختیار کاکی نے عطا فرمایا تھا، وہ لایا جاتا، اور سرہانے رکھ دیا جاتا، آپ اُس پر تکیہ لگا کر آرام کرتے اور اُسے چومتے[۱]

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ شیخ العالم فرید الدین قدس سرہٗ عموماً زنبیل کی روٹی کھاتے، البتہ افطار کے وقت دو روٹیاں گھی کی ہوتیں، جب آپ کے گھر میں دو مرتبہ زنبیل پھرتی تو دن کے وقت اکثر یاروں کو زنبیل کا کھانا ملتا، اگر بچ رہتا تو رات کے وقت دسترخوان پر رکھا جاتا۔[۲]

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی بھی آپ کے ساتھ تراویح کی نماز میں شریک رہتے[۳]

تاریخ مشائخ چشت میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے آپ کی ریاضتوں اور مجاہدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

> بابا فرید نے عبادت و ریاضت میں جو کوششیں کی تھیں وہ اُنھیں کا حصہ تھا، چلہ معکوس مسلسل روزوں اور کریلے اور پیلو کی غذا نے اُن کے جسم کو لاغر اور ناتواں بنا دیا تھا، آخر عمر میں ایک مرتبہ فرمانے لگے چالیس برس تک جو کچھ خدائے تعالیٰ نے فرمایا، بندۂ مسعود نے وہی کیا، اب چند سال سے جو کچھ مسعود کے دل میں خطرہ ہوتا ہے یا اُسے مانگتا ہے وہی پاتا ہے[۴]

**سماع** سماع سے غیر معمولی ذوق رکھتے تھے، ایک روز آپ کے سامنے سماع کی اباحت اور حرمت پر گفتگو ہوئی، فرمایا سبحان اللہ کوئی

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۶۵ [۲] سیر الاولیاء ص ۶۶
[۳] بزم صوفیہ ص ۱۳۲ بحوالہ راحت القلوب ص ۲۹ [۴] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۲

جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہیں[1]۔

مگر سماع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا، سماع اُنھیں لوگوں کے لئے جائز ہے، جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں اُن کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے اُن کے کان میں کچھ کہیں تب بھی اُن کو خبر نہ ہو[2]۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت بابا فرید اِس شعر پر اکثر وجد فرماتے ؎

نظامی! ایں چہ اسرارست کز خاطر عیاں کردی
کسے سرّ ش نمی داند زباں درکش زباں درکش

جب ہوش میں آتے تو بار بار اس مصرع کی تکرار فرماتے۔ ع:۔

کسے سرّ ش نمی داند زباں درکش زباں درکش[3]

## خشیتِ الٰہی

تمام خوبیوں کا سرچشمہ خشیتِ الٰہی ہے۔ حضرت بابا فرید کی خشیتِ الٰہی سے یہ کیفیت کہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ حضرت بابا فرید جس جگہ بھی بیٹھے ہوتے بار بار سجدہ کرتے، ایک دفعہ آپ حجرے میں تھے میری نظر آپ پر پڑی، میں نے دیکھا کہ آپ اُٹھتے ہیں اور سجدے میں جاکر یہ مصرع پڑھتے ہیں ؎ :

از بہرِ تو میرم از برائے تو زیم[4]

خشیتِ الٰہی سے مریدوں کی مجلسوں میں بار بار روتے، اور بعض دفعہ دھاڑیں مار کر روتے تھے، اِس شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کر کے روتے اور بے ہوش ہو جاتے: ؎

---

[1] بزم صوفیہ۔ ص ۱۶۲ بحوالہ خیر المجالس اُردو ترجمہ ص ۱۳۷-۱۳۸ [2] بزم صوفیہ ص ۱۲۳ بحوالہ راحت القلوب ص ۱۲۔ [3] سیر العارفین ص ۵۳ [4] سیر العارفین ص ۵۴۔

در کوئے عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز[1]

**عشقِ رسول** رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کی کیفیت یہ تھی کہ جب کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آجاتا تو زار و قطار رونے لگتے، ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا ذکر فرمایا، جب بیان کر چکے تو ایک آہ کھینچی، نعرہ مارا، اور روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا، جن کے لئے تمام عالم پیدا کیا گیا، جب انھیں کو دنیا سے اٹھا لیا گیا تو پھر دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے، جو زندگی کی خواہش کریں، ہم اپنے آپ کو جانے والوں ہی میں شمار کریں، غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھا دیں اور زادِ راہ کی فکر میں لگے رہیں۔[2]

**حِلم** بے حد حلیم الطبع تھے، فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ پانچ درویش حضرت بابا فرید کی خدمت میں آئے، یہ درویش نہایت درشت مزاج اور سخت تھے، ان درویشوں نے نہایت کرخت اور ناگوار لہجے میں کہا کہ ہم اتنی جگہ گئے لیکن ہمیں آج تک کوئی درویش نہ ملا یہ کہہ کر وہ اٹھے، حضرت بابا فرید نے ان سے فرمایا بیٹھو تاکہ میں تم کو درویش دکھاؤں، لیکن وہ نہایت ناگواری کے ساتھ روانہ ہونے لگے، آپ نے فرمایا خیر اگر تم جاتے ہی ہو تو بیابان کی راہ مت جاؤ، کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو، لیکن وہ نہ مانے اور بیابان کی راہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے ان کے پیچھے آدمی کو دوڑایا تاکہ وہ دیکھے کہ وہ درویش کس راستے

---

[1] بزم صوفیہ ص ۱۳۲-۱۳۳ بحوالہ راحت القلوب

[2] بزم صوفیہ ص ۱۰۱ بحوالہ راحت القلوب ص ۶۸

سے جا رہے ہیں، وہ آدمی خبر لایا کہ درویش بیابان کی راہ سے روانہ ہو چکے ہیں، حضرت بابا فرید نے یہ سُنا تو اس طرح رونے لگے جیسے کوئی ماتم کرتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم چلی، اُن میں سے چار درویش اس بادِ سموم سے ہلاک ہو گئے، صرف ایک باقی بچا جس نے ایک کنویں کے پاس پہنچ کر اس قدر پانی پیا کہ ہلاک ہو گیا[1]

## تواضع و انکسار

اس مرتبۂ عالی پر فائز ہونے کے باوجود آپ اِس قدر متواضع اور منکسر المزاج تھے کہ ایک دفعہ پاؤں میں تکلیف ہونے کی وجہ سے اپنے مریدوں کی مجلس میں چارپائی پر بیٹھ گئے، لیکن مریدوں سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

حیات شمامی باید و حیاتِ ما متعلق شماست

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ اُس وقت مجھے یہ شعر یاد آیا، اور میں نے فوراً ہی پڑھا:-

جانِ جہانیاں توئی دشمنِ جاں بود کسے
اے ہمہ دشمنانِ تو دشمنِ جانِ خویشتن

حضرت بابا فرید نے فوراً اس قصیدے کا مطلع پڑھا:-

دوش صبوحی بردِ بلبلِ مست در چمن
از خوشیِ صبو حیش گل بدرید پیرہن[2]

## اہلِ دولت سے بے نیازی

استغناء اور بے نیازی آپ کا امتیازی وصف تھا، اربابِ حکومت اور اہلِ دولت سے نہ صرف خود بے نیاز رہتے، بلکہ

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۵۱
[2] فوائد الفواد ص ۲۵۱

دوسروں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے۔

سیر العارفین میں ہے کہ شیخ بدرالدین غزنوی[1] حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے، اُن کے لئے دہلی میں مَلک نظام الدین خریطہ دار نے ایک خانقاہ بنوائی تھی جس میں وہ رہتے تھے، مَلک نظام الدین نے اِس خانقاہ میں شیخ بدرالدین غزنوی کے لئے ہر قسم کی آسائش و آرام کا سامان مہیا کیا تھا، اور شیخ کی ہر طرح

---

[1] شیخ بدرالدین غزنوی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلفاء میں تھے، اُس دور کے مشائخ اُن کی بزرگی کے معترف تھے، وہ وعظ کہتے تھے، اُن کے وعظ میں اثر و تاثیر کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ اُن کے دل کش طرزِ بیان پر رشک کرتے تھے، زیادہ تر اُن کے مواعظ میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا تھا، شیخ بدرالدین غزنوی غزنین سے لاہور آئے۔ پھر لاہور سے دہلی آئے، خود اُن کا بیان ہے کہ میں غزنین سے اولاً لاہور آیا، اُس زمانے میں لاہور بہت آباد تھا، میں کچھ دن وہاں رہا، پھر میں نے وہاں سے سفر کا ارادہ کیا تھا کبھی مجھے خیال ہوتا تھا کہ غزنین جاؤں، اور کبھی ارادہ ہوتا تھا کہ دہلی روانہ ہوں لیکن میری طبیعت کا میلان زیادہ تر غزنین کی طرف تھا کیونکہ میرے والدین اور میرے دوست و احباب، عزیز و اقارب سب وہیں تھے، صرف میرا داماد دہلی میں تھا میں نے قرآن مجید سے فال لی۔ میرے غزنین کے ارادے پر عذاب کی آیت نکلی، اور دہلی کے ارادے پر رحمت کی آیت نکلی۔ میں اِس فال کی بنا پر دہلی آیا، اور اپنے داماد کو تلاش کرنے لگا، جو دہلی میں ملازم تھا، اسی تلاش و جستجو میں سلطان کے سرائے میں گیا، میں نے دیکھا کہ میرا داماد ایک تھیلی ہاتھ میں لئے جس میں روپے تھے سرائے سے باہر نکل رہا ہے، جب اُس نے مجھے دیکھا دوڑ کر بغل گیر ہوا، اور بہت خوش ہوا اور اُس نے وہ روپئے مجھے بتائے، پھر چند دن کے بعد غزنین سے خبر آئی کہ مغلوں نے غزنین کو تباہ کیا، اور میرے تمام اعزہ و اقربا کو شہید کر دیا۔ (سیر الاولیاء ص ۱۶۷)

خدمت کرتا تھا، ایک زمانہ ایسا آیا کہ ملک نظام الدین خریطہ دار غبن کے الزام میں گرفتار ہوا جس کی وجہ سے شیخ بدر الدین کی راحت و آرام میں خلل واقع ہوا،

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سے)

اسی زمانے میں شیخ بدر الدین غزنوی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے۔

شیخ بدر الدین سماع سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے، جب بوڑھے ہو گئے تو انھیں سماع میں رقص کرتے ہوئے دیکھ کسی نے کہا کہ شیخ بوڑھے ہونے پر بھی کیسا رقص کرتے ہیں، انھوں نے جواب میں فرمایا کہ شیخ رقص نہیں کرتا بلکہ عشق رقص کرتا ہے۔

آخر عمر میں یہ کیفیت تھی کہ پیری کی وجہ سے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے تھے، لیکن جب سماع سنتے تو اس طرح رقص کرتے جس طرح دس سال کا بچہ رقص کرتا ہے سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ میں نے شیخ بدر الدین غزنوی سے سنا کہ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ اکثر یہ دو شعر پڑھتے ؎

سودائے تو اندر دلِ دیوانۂ ماست
ہر جا کہ حدیثِ تست افسانۂ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت آں خویشِ من ست
خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانہ ماست

(اخبار الاخیار ص ۵۱)

سیر الاولیا میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ہمیشہ آخر رجب میں شیخ بدر الدین غزنوی درازیِ عمر کے لئے ایک نماز پڑھا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ میں نے نظام الدین پسر شیخ ضیاء الدین پانی پتی سے سنا کہ جس سال شیخ بدر الدین غزنوی نے وفات پائی، اُس سال اُنھوں نے وہ نماز نہیں پڑھی، لوگوں نے پوچھا کہ اِس سال آپ نے وہ نماز جو درازیِ عمر کے

اُنھوں نے حضرت بابا فرید کو لکھا کہ :-

فریدالدین ملّت یارِ زیرک
کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم گر جمع داری
بمدحش کردمے گوہر فشانی

ان اشعار کے بعد آپ کو لکھا کہ شاہی عہدہ داروں میں سے ایک شخص نے میرے لئے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اور اُس میں درویشوں اور فقرا کی راحت و آرام کا پورا خیال رکھا گیا تھا، لیکن اب وہ غبن کے الزام میں گرفتار ہے، اور اس کی وجہ سے میں پریشان ہوں، آپ سے مُلتمس ہوں کہ آپ اُس کے لئے دُعا فرمائیں، تاکہ وہ اس مصیبت سے نجات پائے اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے والسلام -

حضرت بابا فرید نے اُن کو جواب میں لکھا :-

عزیزالوجود کا رقعہ ملا، اُس کے مطالعے سے خوشی ہوئی، جو کچھ اس میں لکھا تھا، میں اُس سے واقف ہوا، جو کوئی اپنے پیروں کی روش پر نہ چلے گا، ضرور اس کو یہ بات پیش آئے گی کہ اُس کا دل سکون حاصل نہ کرسکے گا، ہمارے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحۂ گذشتہ ۱؎)

لئے آپ پابندی سے پڑھتے تھے کیوں نہیں پڑھی؟ شیخ بدرالدین نے جواب دیا کہ اب میری عمر سے کچھ باقی ہی نہیں رہا، چنانچہ اُسی سال اُنھوں نے رحلت پائی۔

(سیرالاولیاء ص ۱۶۶)

شیخ بدرالدین غزنوی کا مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے پائنتی ہے۔ (اخبارالاخیار ص ۵۱ و سیرالاولیاء ص ۱۶۶)

پیروں میں کون تھا کہ جس نے اپنے لئے خانقاہ بنوائی ہو، اور وہ اس میں بیٹھا ہو، خواجہ قطب الدین اور اُن کے پیر حضرت خواجہ معین الدین اُن کی روش تو یہ نہیں تھی کہ وہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر اس میں دوکان داری کریں، اُن کا طریقہ تو گمنامی بے نشانی اور نابودی رہا ہے[1]

الغ خاں جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے لقب سے تختِ سلطنت پر بیٹھا، اُس نے اُس زمانے میں جب کہ وہ سلطان ناصر الدین محمود کا نائب السلطنت تھا، آپ سے درخواست کی کہ سلطان ناصر الدین محمود کے کوئی اولاد نرینہ نہیں، اس لئے دعا فرمائیے کہ تخت سلطنت میرے نصیب میں ہو، آپ نے اُس کے جواب میں یہ رُباعی پڑھی :

فریدونِ فرخ فرشتہ نہ بود
ز عود و ز عنبر سرشتہ نہ بود
ز داد و دہش یافت آں نیکوئی
تو داد و دہش کن فریدوں توئی

الغ خاں نے جیسے ہی آپ سے یہ رُباعی سُنی اپنی دستار میں بطور یادداشت گرہ باندھی اور زمیں بوس ہو کر خوش خوش واپس ہوا، کچھ دن نہ گزرے تھے کہ وہ بادشاہ ہوا[2]۔ جب بلبن بادشاہ ہوا تو ایک شخص نے اُس کے پاس آپ سے سفارش کرانی چاہی، آپ نے اُس کو جو سفارشی خط لکھا، ہم اسے بجنسہ یہاں درج کرتے ہیں، یہ خط آپ کے استغنا، شانِ بے نیازی، سفارش میں احتیاط اور فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار ہے، حضرت بابا فرید نے اس کو تحریر فرمایا :-

---

[1] سیر العارفین ص ۵۱ [2] سیر الاولیاء ص ۸۰

رفعتُ قضیتہ الی اللہ۔ ثمّ الیک فان اعطیتہ شیئًا فالمعطی ھواللہ وانت المشکور، وان لم تعطہ شیئًا فالمانع ھواللہ وانت المعذور[1]

میں اس شخص کا معاملہ پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے اور پھر تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تم اس کو کچھ دو گے تو حقیقت میں عطا کرنے والا اللہ ہوگا، اور تم مشکور ہوگے، اور اگر نہ دوگے تب بھی روکنے والا اللہ ہے، اور تم معذور ہوگے۔

**فقر** راحت و آرام کے اسباب ہونے کے باوجود آپ نے ساری عمر فقیرانہ شان اور درویشانہ بے نیازی کے ساتھ گزاری۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ ایک دفعہ آپ کا کُرتہ پُرانا ہوگیا، ایک شخص نے نیا کُرتہ پیش کیا، آپ نے اُس کُرتے کو پہن لیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ نیا کُرتہ اُتار کر شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیا، اور فرمایا جو ذوق مجھے اِس پُرانے کُرتے میں حاصل تھا وہ میں اس نئے کُرتے میں نہیں پاتا[2]۔

حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ جب میں آپ سے بیعت ہوا، اُس وقت آپ کے گھر میں نہایت تنگی تھی، اکثر خانقاہ کے درویشوں اور آپ کے متعلقین اور فرزندوں کو ہفتے میں دو تین روز فاقے کرنے پڑتے، لیکن اس فقر و فاقے کے باوجود

---

[1] سیر الاولیاء ص ۷۲ [2] اخبار الاخیار ص ۵۲

کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آپ کی صحبتوں کی برکت سے دور ہونا چاہتا ہو، خانقاہ کے درویشوں کے لئے مولانا بدرالدین اسحاق جنگل سے لکڑیاں لاتے، اور شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل سے ویلہ لاتے کہ جس کا پھل درخت کریرے حاصل ہوتا ہے، اور اکثر لوگ اُسے ہرکے میں ڈال کر اچار بناتے ہیں، مولانا حسام الدین کابلی مطبخ کے لئے پانی لاتے اور دیگیں دھوتے، میں اس دیلے کو ان دیگوں میں پکاتا تھا، اور اُسے پیالوں میں اور کچکول میں ڈال کر حضرت بابا فرید کے اور حاضرین مجلس کے لئے لاتا اور اُن کے سامنے رکھتا تھا، اس کھانے کو کبھی نمک میسر ہوتا، اور کبھی نہ ہوتا، ایک دفعہ دو تین روز تک نمک میسر نہ آیا جو اس کھانے میں ڈالا جا سکے، پاس ہی ایک بنئے کی دوکان تھی، جس سے اگر کبھی نقد ہوتا تو سامان خرید لیا جاتا تھا، میں اس بنئے کے پاس گیا اور اس سے ایک درم کا نمک قرض لے کر اس اُبلے ہوئے دیلے میں ڈالا، اور معمول کے مطابق میں نے اُس دیلے کو آپ کے سامنے رکھا، میرے اور مولانا جمال الدین قدس سرہ اور مولانا بدرالدین اسحاق کے متعلق ارشاد تھا کہ وہ آپ کے ساتھ ایک پیالے میں کھائیں، جب حضرت بابا فرید نے اُس میں سے لقمہ اُٹھایا تو فرمایا! آج ہاتھ اس قدر بھاری معلوم ہوتا ہے کہ میں مُنھ تک نہیں لے جا سکتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانا مشتبہ ہے، یہ کہہ کر آپ نے پھر اُس لقمے کو پیالے میں ڈال دیا، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ آپ کے اس ارشاد سے میں کانپ اُٹھا، اور میں نے کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کیا حضور! لکڑی، دیلہ اور مطبخ کا پانی شیخ جمال، مولانا بدرالدین اسحاق اور مولانا حسام الدین لاتے ہیں اور یہ غلام نہایت اہتمام اور خیال سے دیلے کو اُبالتا ہے، اور پھر آپ کی خدمت میں لاتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس چیز نے اس کھانے کو مشتبہ بنا دیا ہے؟ آپ نے فرمایا آج تم نے اس دیلے میں جو نمک ڈالا ہے وہ کہاں

سے لاتے تھے، میں نے عرض کیا کہ یہ نمک اُدھار لے کر آیا تھا۔ پھر میں نے آپ سے اُس قرض کی کیفیت بیان کی، آپ نے میری ساری بات سُن کر فرمایا، درویش کا فاقے سے مرجانا لذتِ نفس کے لئے قرض لینے سے کہیں بہتر ہے، کیوں کہ قرض اور توکل میں بُعد المشرقین ہے، یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ قرض ادا نہ ہو اور موت آجائے۔ پھر فرمایا کہ یہ دیلے کے بھرے ہوئے پیالے درویشوں کے سامنے سے اُٹھاؤ، اور دوسرے لے کر آؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، لیکن میں سمجھ گیا کہ اس کلام سے آپ کا روئے سخن خاص میری جانب ہے کیونکہ میری عادت تھی کہ جب بھی مجھے ضرورت ہوتی میں بے دریغ قرض لے لیتا تھا۔[1]

سیر الاولیا میں حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین آخر عمر میں تنگ روزی ہو گئے تھے، خصوصاً اُس زمانے میں جب کہ آپ کی رحلت کا زمانہ قریب تھا، یہاں تک کہ ماہِ رمضان میں میں وہیں تھا، افطار کے وقت اس قدر تھوڑا کھانا آتا تھا کہ حاضرین کو کافی نہ ہوتا تھا، اُن دنوں میں نے پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھایا۔[2]

ایک دفعہ حضرت بابا فرید نے اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین کے ارشاد پر طی کا روزہ رکھا، تین دن تک کچھ نہ کھایا، تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، اُس کو رزق غیب سمجھ کر آپ نے کھالیا، ابھی کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک کوّا درخت پر بیٹھا ہوا مردار کی آنتیں کھا رہا ہے، یہ دیکھ کر آپ کو امتلا کی کیفیت پیدا ہوئی، اور وہ سارا کھانا قے ہو کر باہر نکل گیا، آپ نے یہ

---

[1] سیر العارفین ص ۶۱-۶۲ [2] سیر الاولیاء ص ۶۶

واقعہ اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین سے بیان کیا، آپ کے شیخ نے فرمایا مسعود! تین روز کے بعد تم نے جس کھانے سے افطار کیا وہ ایک شرابی کا تھا، خدا کی عنایت سے تمہارے معدے نے اس مشتبہ کھانے کو قبول نہیں کیا۔[1]

اخبار الاخیار میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے، فرمایا مسعود بندہ کیا کرے اگر تقدیر الٰہی یہی ہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔[2]

## خلوت وجلوت کی یکسانیت

ظاہر و باطن اور خلوت وجلوت کی ہم آہنگی انسانی کردار میں بہت بڑی خوبی ہے، بابا فرید کے خلیفۂ خاص شیخ بدرالدین اسحاق جو آپ کی خلوت و جلوت میں ساتھ رہتے تھے، اُن کا بیان ہے کہ:۔

من خادم محرم بودم و
ہرچہ بودے با من گفتے،
و ہر کارے مرا برراہ کردے
در خلا و ملا یک سخن بودے
ہیچ وقت مرا در خلا سخن
گفت دکا سے نہ فرمود کہ در ملا
عین آں نہ گفت، و ایں از
عجائب روزگار ست[3]

میں آپ کا خاص خادم تھا، جو کچھ کام ہوتا آپ مجھ سے کہتے تھے، خلوت وجلوت میں ایک ہی بات کہتے، کسی وقت بھی مجھ سے علیحدگی میں ایسی بات نہیں کہی جو ظاہر میں نہ کہہ سکتے ہوں یعنی ظاہر و باطن میں ایک رو رکھتے تھے، یہ بات عجائب روزگار میں سے ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۶۷ [2] اخبار الاخیار ص ۵۳

[3] فوائد الفواد ص ۲۷ و سیر الاولیاء ص ۶۵

**علم و فضل** علومِ رسمیہ و شرعیہ میں بھی آپ آفتابِ علم تھے، تعلیم تعلّم سے آپ کو خاص دلچسپی تھی، اُس ارتباط و عقیدت کی بنا پر جو آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی سے تھا، آپ اُن کی مشہور کتاب "عوارف" کا درس دیتے تھے، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ عوارف کا درس آپ اس دلکش انداز میں دیتے تھے کہ سُننے والے اُس کی دلچسپیوں اِس قدر محو ہوتے تھے کہ ہوش و حواس جاتے رہتے تھے، میں نے بھی اِس کتاب کے پانچ باب آپ سے پڑھے ہیں، پھر اِس درس کی لذتِ بیان کی کیفیت اور اپنے تاثر کو حضرت محبوب الٰہی نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

از لذتِ بیانِ ایشاں مرا حالتے پیدا شدے کہ اگر
درآں حالت کسے بہ میرد دولتے حاصل نمودہ باشد۔

اُسی زمانے میں جب کہ حضرت محبوب الٰہی آپ سے عوارف کا درس لے رہے تھے، حضرت بابا فرید کے ہاں ایک صاحبزادے پیدا ہوئے، آپ نے اُن کا نام عوارف کے مصنّف شیخ شہاب الدین کے نام پر شہاب الدین رکھا۔[1]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی روایت ہے کہ ایک عالم ضیاء الدین نامی منارہ تلے درس دیتے تھے، اُن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت تک مجھے فقہ، نحو اور دوسرے علوم سے واقفیت نہ تھی، میں صرف اخلاقی علم ہی جانتا تھا، مجھے خیال آیا کہ اگر آپ نے مجھ سے اور دوسرے علوم کی نسبت کچھ پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا، میں اسی خیال میں غلطاں و پیچاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ

---

[1] سیر العارفین ص ۵۲

گیا، آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "تنقیح مناط" کا کیا مطلب ہے؟
میں نے خوش ہو کر اس کا مطلب بیان کیا، پھر میں نے آپ سے عرض کیا کہ
میں آپ سے کلام مجید پڑھنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا پڑھ لیا کرو، چنانچہ
میں جمعہ کے دن یا کسی اور دن جب فرصت ہوتی کلام مجید کا کچھ حصہ ضرور پڑھ
لیتا، اس طرح میں نے چھ پارے آپ سے ختم کیئے، جس روز میں نے آپ سے
پڑھنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا الحمد پڑھو، جب میں "ولا الضالین" پر
پہنچا تو فرمایا ضاد کو اس طرح پڑھو، جس طرح میں پڑھتا ہوں، میں نے
ہرچند کوشش کی لیکن میں ضاد کو اس صحیح طریقے پر نہ ادا کر سکا جس طرح
آپ ادا فرماتے تھے، سلطان المشائخ نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے
بعد فرمایا سبحان اللہ کس قدر فصاحت و بلاغت تھی، جس طرح آپ ضاد
پڑھتے تھے کوئی نہ پڑھ سکتا تھا۔

حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مجھے اور مولانا بدرالدین اسحاق
کو ایک بات میں شبہ پیدا ہو گیا، ہم دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے،
اور مودب کھڑے ہو گئے، آپ نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ ہم نے عرض
کیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ شرع میں لفظ زرک ہے یا سرک، آپ
نے مثال دے کر ارشاد فرمایا واستر سرک من زرک یعنی اپنا بھید
گریبان سے بھی چھپاؤ۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ صابر فقیر، شاکر غنی سے افضل ہے،
کیوں کہ شاکر غنی سے مزید نعمت کا وعدہ ہے، جیسا کہ قرآن مجید
کی آیت لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر کرو گے تو
نعمت زیادہ کروں گا) سے ظاہر ہے، لیکن فقیر صابر کو معیت کی
خوش خبری دی گئی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان اللہ مع الصابرین
(بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے) پھر فرمایا کہ ظاہر ہے کہ ان

دونوں مرتبوں میں بڑا فرق ہے[1]

شیخ بدرالدین اسحاق جو اپنے زمانے کے ممتاز ترین علماء میں تھے اور تمام علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے، انھیں بعض علمی اشکال ایسے تھے جو دہلی کے علماء سے حل نہ ہوسکے، انھوں نے اپنے علمی اشکال حل کرنے کے لئے بہت سی کتابوں کے ساتھ بخارا کا ارادہ کیا، جب وہ اجودھن پہنچے، اس وقت حضرت بابا فرید کے تبحر علمی اور شہرت کے آفتاب سے عالم منور ہوچکا تھا، شیخ بدرالدین اسحاق کے ایک دوست نے انھیں اس پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اشکالات حل کریں، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ انھوں نے آپ کو ایک ایسا بادشاہ پایا جس کی تقریر دل پسند اور دل کشا تھی؛ اور جس کی تقریر کو سن کر دل فریفتہ ہوتا تھا، الغرض مولانا بدرالدین کو جو اشکالات پیش تھے؛ انھیں شیخ شیوخ عالم حضرت بابا فرید نے علمی بحثوں اور تقریر وحکایات سے اس طرح حل کردیا کہ مولانا بدرالدین اسحاق حیران رہ گئے، اور وہ یہ سوچنے لگے کہ ان بزرگ کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں ہے صرف ایک چادر اوڑھے ہیں بلاشبہ ان کا علم کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے، میں جس مقصد کے لئے بخارا جارہا تھا؛ اس سے سو گونہ زیادہ مجھے یہیں حاصل ہوگیا، پھر انھوں نے بخارا جانے کا ارادہ ملتوی کردیا، اور آپ کی خدمت میں رہنے لگے، اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر خلافت اور آپ کی دامادی کے شرف سے مفتخر ہوئے[2]

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمۂ عشق
پیش تو رخت بیفگندم و سر بہ نہادم

---

[1] یہ تینوں واقعات سیرالاولیاء ص ۷۰ تا ۷۱ سے ماخوذ ہیں۔ [2] سیرالاولیاء ص ۱۷۰

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے آپ سے ابوشکور سالمی کی تمہید المہتدی پڑھی تھی جس کی درس و تدریس کی سند بھی حضرت بابا فرید نے اُن کو عطا فرمائی تھی۔ اس سند میں لکھا تھا کہ:-

وبعد فان الشروع فی الاصول یوسع دعاء الشهود ویبصر لمن یکرع منها مخارق الورد علی ان الطریق مخوف والعقبة لدود ونعم الکتاب فی هذا الفن تمهید المهتدی ابی شکور برد الله مضجعه

وقد قرأ عندی الولد الرشید الامام التقی العالم الرضی نظام الملة والدین محمد بن احمد زین الائمة والعلماء مفخر الاجلة والاتقیاء اعانه الله علی ابتغاء مرضاته واناله منتهی رحمته واعلی درجاته سبقاً بعد سبق من اوله الی آخره قراءة تدبر وایقان وتیقظ واتقان مستجمع

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ علم اصول حدیث کا شروع کرنا حاضرین کی دعا کو وسیع کرتا ہے، اور ایسے شخص کو بینا کرتا ہے جو اس علم اصول بالکل ملی جلی ہوئی جگہوں کو پانی دیتا ہے، یہ راہ دراصل خوفناک اور مشکل ہے۔ اس فن میں سب سے عمدہ کتاب تمہید المہتدی ابوشکور کی ہے (اللہ تعالیٰ اس کی خوابگاہ کو ٹھنڈا کرے) یہ کتاب مجھ سے فرزند رشید امام، پاک رائے، دانا و برگزیدہ محمد بن احمد نے سبقاً سبقاً پڑھی جو ائمہ اور علماء کی زینت، متقیوں اور بزرگوں کے لئے باعثِ فخر ہے، اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رضامندی کی جستجو نصیب کرے، اور اُس پر اپنی رحمت

رعايته سمع و درايته
جنان و كما حصل الوقوف
على حسن استعداده
كذالك وفورتهياءه
اجزته ان يدرس
فيه للمتعلمين بشرط
المجانبة عن التصحيف
والغلط والتحريف و
بذل الجد والاجتهاد
فى التصحيح والتنقيح
عن الزلل وعلته
المعول والله العالم
وكان ذلك يوم الاربعاء
من الشهر المبارك
رمضان عظمه الله
بركته بالاشارة
العالية ادام الله
علاها عن الخلل
حماها۔
تحررت هذه
الاسطر بعون الله
على يد اضعف الفقير
الى الله الغنى اسحاق

انتہا درجے پر کرے۔
اور اُس نے شروع
سے آخر تک بغیر کسی شک و
شبہ ہشیاری سے اس کا مطالعہ
کیا، کانوں سے غور سے سُنا
اور دل سے اچھی طرح معلوم
کیا، مجھے اِس کتاب کے
پڑھانے سے معلوم ہوا کہ وہ
صاحبِ استعداد، آراستہ و
پیراستہ اور شائستہ و مہذب
ہے، میں اُسے اِس بات کی
اجازت دیتا ہوں کہ وہ یہ
کتاب طالب علموں کو پڑھائے
بشرطیکہ پڑھانے میں غلطی سے
بچے، اور لکھنے اور بات کے
پھرانے میں بھول چوک نہ جائے،
اور اِس بات میں پوری قوت
خرچ کرے اور نسخے کو درست
کرنے اور غلطیوں سے پاک کرنے
میں پوری قوت خرچ کرے،
اللہ تعالیٰ بات کی لغزش سے
بچانے والا ہے اور دینی کاموں
میں تباہی اور بیماری سے

بن علی بن اسحاق الدھلوی بمشافہتہ حامداً ومصلیاً فاجزت لہ ایضا بان یروی عنی جمیع ما استفادہ وحوی وسمع ذالک منی ودعی والسلام علی من اتبع الھوی (الیٰ آخرہ)[1]

محفوظ رکھنے والا ہے۔

یہ سطریں اللہ کی توفیق کی بنا پر اضعف الفقیر اسحاق بن علی بن اسحاق دہلوی نے بُدھ کے روز ماہ رمضان المبارک۔ میں خدا اس کی برکتوں کو بڑا کرے جناب شیخ شیوخ عالم (بابا فرید) کے اشارے سے اُن کے سامنے لکھیں اس حال میں کہ حمد و صلوٰۃ آپ کی وردِ زبان تھا، نیز میں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ نظام الملت والدین ان باتوں کی روایت کرے جن کا مجھ سے استفادہ کیا ہے، اور انھیں مجھ سے سُنا ہے، اور جمع کیا ہے اور محفوظ رکھا ہے، جو راہِ راست کی پیروی کرے اُس پر سلام ہو۔

## مریدوں کی تعلیم و تربیت

مریدوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے تھے، اور

[1] سیر الاولیاء ص ۱۱۷-۱۱۸

اُن کی زندگی کے جو گوشے اصلاح طلب ہوتے اُن کو خصوصیت سے اُس کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کو جب رخصت کیا تو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

خصماں را بہر چہ کہ دانی خوشنود گردانی، واز کسے کہ قرض گرفتہ باشی باد ادِ آں سعی نمائی حق تبارک وتعالیٰ آسان گرداند[1]

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آپ کا ایک مرید شہاب الدین نامی لاہور سے آیا، اور اُس نے پچاس دینار پیش کرتے ہوئے کہا کہ لاہور کے حاکم نے یہ پچاس دینار مجھے دیئے تھے، کہ اُس کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کردوں، حضرت بابا فریدؒ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا شہاب الدین! تم نے بہت ہی منصفانہ تقسیم کی ہے کہ آدھے دینار خود رکھ لئے اور آدھے ہمیں پیش کئے ہیں، شہاب الدین یہ سُن کر بہت شرمندہ ہوا، اور فوراً ہی پچاس دینار جو اُس نے رکھ لئے تھے پیش کئے، اور آپ کے قدموں پر سر رکھ کر معافی کا خواستگار ہوا، آپ نے اُس سے ارشاد فرمایا کہ تم از سرِ نو بیعت کرو کہ اس فعل سے تمھاری توبہ میں فرق آچکا ہے، چنانچہ اُس نے از سرِ نو بیعت کی، پھر چند روز کے مجاہدوں کے بعد آپ نے اُس کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر سمرقند کی طرف روانہ فرمایا[2]

**تعلیمات** آپ کے ملفوظات کا مجموعہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے راحت القلوب

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۴۷ و سیر الاولیاء ص ۶۵

[2] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۹۸ بحوالہ راحت القلوب۔

کے نام سے جمع کیا تھا، ان ملفوظات سے آپ کی تعلیمات کا پتہ چلتا ہے، ہم اُن میں سے چند چیزیں یہاں نقل کرتے ہیں۔

درویش کے متعلق ارشاد فرمایا کہ چار باتیں اختیار کرے (۱) اپنی آنکھوں کو بند کرلے کہ خدا کے بندوں کے عیب نہ دیکھ سکے (۲) کانوں کو بہرا کرلے کہ جو باتیں سننے کے قابل نہ ہوں اُنھیں نہ سُن سکے زبان کو گونگی کرلے کہ جو باتیں کہنے کے قابل نہ ہوں وہ نہ کہہ سکے۔ (۳) پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے تو نہ جاسکے، اگر یہ باتیں اُس کو حاصل ہیں تو وہ درویش ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

(۴) جس درویش کے دل میں ذرّہ بھر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردودِ طریقت ہے۔

درویشوں کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اُن کی گردن پر ننگی تلوار بھی رکھ دے تب بھی وہ اس سے خوش رہے، اور اُس کے لئے بددعا نہ کرے۔

حضرت بابا فرید نے سلوک کی اصل بُنیاد دِل کی صلاحیت کو قرار دیا ہے، فرمایا حکمت کا مرکز وہ دل ہوسکتا ہے جس دِل میں دُنیا کی حرص رشک اور حسد نہ ہو، اور جاہ و مرتبے کا خواہش مند نہ ہو۔[1]

فرمایا کہ میں نے چار چیزوں کے متعلق سات سو پیروں سے سوال کیا، سب نے متفقہ طور پر ایک ہی جواب دیا (۱) لوگوں میں سب سے عقل مند وہ ہے جس نے دنیا کو ترک کیا (۲) سب سے بزرگ وہ شخص ہے جو کسی شے سے نہ بدلا (۳) سب سے غنی وہ ہے جو قانع ہے (۴) سب

---

[1] بزم صوفیہ بحوالہ راحت القلوب ص ۳۳

سے محتاج وہ ہے جس نے قناعت کو ترک کر دیا۔

صوفی کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، صوفی تمام چیزوں کو صاف کرتا ہے لیکن کوئی چیز اُسے میلا نہیں کر سکتی۔

فرمایا اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرو کہ جیسے کہ تم ہو، ورنہ جیسے تم ہوگے ویسا ہی تم کو دکھلایا جائے گا۔

فرمایا کہ فقیر جب نئے کپڑے پہنے تو خیال کرے کہ کفن پہنتا ہوں فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جو دوسروں کے عیبوں کو چھوڑ کر اپنے عیبوں کے دیکھنے میں مشغول ہے۔

فرمایا انسانوں میں سب سے زیادہ رذیل وہ ہے جو کھانے اور پہننے کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہے۔

فرمایا اگر تم بزرگی کے رتبے کے خواہشمند ہو تو بادشاہوں کی طرف توجہ نہ کرو، فرمایا کہ دانا نما نادان سے ڈرو، جو سچائی جھوٹ کے مشابہ ہے وہ اختیار نہ کرو، مال و متاع اور مرتبے کی خاطر غم نہ کرو، نفس کو اپنے مرتبے کے لئے خوار نہ کرو، دل کو شیطان کا کھیل نہ بناؤ، لوگوں کا احسان اپنے اوپر سمجھو لیکن کسی پر اپنا احسان نہ جتاؤ، جب تم دولت مندوں کے پاس بیٹھو تو دین کو نہ بھلاؤ، عزت اور حشمت انصاف میں جانو، دولت مندی کے وقت ہمت کو بلند رکھو، جو درویش دولت مندی کا متوقع ہے اُسے لالچی سمجھو، اس کوشش میں لگے رہو کہ تم مرنے کے بعد زندۂ جاوید ہو، اگر ساری دنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو تکبر کیا کرو۔[1]

## اتباعِ شریعت

حضرت بابا فرید خود بھی بہت بڑے متبعِ شریعت تھے، اور روحانی ترقی کے لئے

---

[1] حضرت بابا فرید کے یہ ملفوظات سیر الاولیاء ص ۷۶، ۷۷ سے ماخوذ ہیں۔

احکامِ شرع کی پابندی کو نہایت ضروری سمجھتے تھے، آپ کی کیفیت یہ تھی کہ اگر کبھی عالمِ استغراق و مدہوشی میں ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور ہر وقت نماز ادا فرماتے نماز باجماعت کی بڑی شدت سے پابندی کرتے، اور اپنے مریدوں کو نصیحت فرماتے، اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت سے نماز ادا کرنی چاہیئے۔ نماز کے متعلق ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں جو دینی و دنیوی نعمت پیدا کی ہے وہ دراصل نماز ہے[۱]

روزے کی برکت کے لئے تمام عمر روزے رکھے۔ ایک دفعہ مریدوں سے فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور روزے دار کے اعمال سے بے شمار برائیاں نکال دی جاتی ہیں[۲]

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں زکوٰۃ کے متعلق گفتگو چھڑی، فرمایا، زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں۔ زکوٰۃِ شریعت، زکوٰۃِ طریقت، زکوٰۃِ حقیقت، زکوٰۃِ شریعت یہ ہے کہ جب دو سو درم ہوں تو پانچ درم زکوٰۃ کے نکالے، زکوٰۃِ طریقت یہ ہے دو سو درم میں پانچ درہم اپنے لئے رکھے اور باقی سب خدا کی راہ میں دے دے۔ زکوٰۃِ حقیقت یہ ہے کہ دو سو درم راہِ خدا میں پورے کے پورے دے دے، یہاں تک کہ اللہ اور رسولؐ کے نام کے سوا اُس کے پاس کچھ نہ رہے۔ اس لئے کہ درویشی بے خودی اور بیخیشی ہے[۳]

ایک موقع پر ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک آدمی تین باتوں سے بچتا ہے، اللہ اُس سے تین چیزیں اُٹھا لیتا ہے، اوّل جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا، اللہ اُس کے مال سے برکت اُٹھا لیتا ہے، جو شخص

---

[۱] بزمِ صوفیہ ص ۱۵۰ بحوالہ راحت القلوب مجلس پانزدہم [۲] بزمِ صوفیہ ص ۱۵۱ بحوالہ راحت القلوب۔ [۳] سیر الاقطاب ص ۶۹؛

قربانی نہیں کرتا، اللہ اُس سے عافیت چھین لیتا ہے، جو شخص نماز نہیں پڑھتا، اللہ مرنے کے وقت اُس سے ایمان کو جدا کر دیتا ہے[۱]

حضرت بابا فرید نے کئی مرتبہ حج بھی کیا تھا، کلام مجید کی تلاوت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں، کلام مجید کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہو سکتی۔[۲]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی پر شرعی علوم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے ایک ظلمانی دوسرا نورانی، ظلمانی حجاب گناہ اور برائیاں ہیں، اور نورانی حجاب علم ہے جس کو ہر شخص نہ عبور کر سکتا ہے اور نہ اُس کے کنارے سے اُٹھ سکتا ہے، جس وقت تک —— شرعی علوم میں بھی دستگاہ نہیں ہوگی خدا کی معرفت اور قربت حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ علم ایک بڑا حجاب ہوتا ہے[۳]

## اُردو زبان پر حضرت بابا فرید کا احسان

حضرت بابا فرید فارسی اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کے کلام کا کچھ اب تک محفوظ ہے۔ لیکن آپ اُردو زبان کے اُن محسنین میں ہیں جنھوں نے اُردو کے ابتدائی نشو ونما میں حصّہ لیا، آپ کبھی کبھی اُردو بولتے تھے، آپ کے اُردو کے کئی فقرے آپ کے تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں نقل کئے ہیں۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ جمال ہانسوی کے صاحبزادے ابھی خرد سال ہی تھے کہ اُن کے والد کا انتقال ہوگیا، مرحوم کی بیوی مادرِ مومنان اپنے شوہر کی وصیت کے مطابق خواجہ برہان الدین کو حضرت بابا صاحب کی خدمت میں

---

[۱] بزم صوفیہ ص ۱۵۱ بحوالہ راحت القلوب ص ۶ [۲] بزم صوفیہ ص ۱۴۷ بحوالہ راحت القلوب [۳] بزم صوفیہ ص ۱۵۰ بحوالہ شمائل الاتقیاء ص ۲۰۰

ے کر حاضر ہوئیں، حضرت بابا گنج شکر نے خواجہ برہان الدین کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور ان کی خرد سالی کے باوجود اپنی بیعت میں داخل کر لیا، اس پر مادر مومناں نے ہندی زبان میں معترضانہ طور پر کہا۔

"خوجا برہان الدین بالا ہے"

یعنی کم عمر ہیں۔ بابا فرید گنج شکر نے ہندی زبان میں جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

مادرِ مومناں پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے

ایک روز حضرت بابا فرید گنج شکر اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو وضو کرا رہے تھے، اتنے میں حضرت خواجہ قطب الدین کی نگاہ آپ کے چہرے پر پڑی، دیکھا کہ آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے، پوچھا کہ تم نے آنکھ پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟ بابا فرید نے ہندی زبان میں جواب دیا۔

"آنکھ آئی ہے"۔

خواجہ قطب الدین نے فرمایا:۔

"اگر آئی ہے ایں را چرا بستہ آید"۔

جس زمانے میں بابا فرید گنج شکر سرسہ میں حضرت خواجہ عبدالشکور کے مزار پر جاتے تھے، ایک دن سرسہ کے لوگ جنھیں یہ معلوم کرنے کا شوق تھا کہ حضرت بابا فرید مزار پر جا کر کیا کرتے ہیں۔ آپ کے راستے میں چھپ کر بیٹھ گئے، جب آپ کو معلوم ہوا ناراض ہوئے، اور ہندی زبان میں فرمایا:۔

"سرسہ سرسہ کبھی سرسہ کبھی نہ سبہ"،

ذیل کی نظم بھی حضرت بابا فرید گنج شکر کی طرف منسوب ہے

وقتِ سحر، وقتِ مناجات ہے — خیز در آں وقت کہ برکات ہے

نفس مبادا کہ بگوید ترا — خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

با دمِ خود ہمدم و ہشیار باش — صحبتِ اغیار بوری (دکذا۔ بری) بات ہے

با تنِ تنہا چہ روی زیں زمیں — نیک عمل کن کہ وہی سات ہے

پندِ شکر گنج بدل جاں شنو
ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے[1]

**وفات** سیر العارفین میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی روایت ہے کہ حضرت فرید الملّت والدین کا مرض الموت مرضِ مدہوشی تھا ، اسی بیماری میں آپ نے وصال فرمایا ۔ اسی بیماری کے زمانے میں مجھے دہلی کی طرف رخصت کرتے ہوئے لباس خاص سے نوازا ، جب میں رخصت ہونے لگا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا جاؤ ہم نے تمھیں خدا کے سپرد کیا ، اُس وقت مجھے آپ کی جدائی سے ایسا رنج محسوس ہوا کہ اس سے پہلے میں نے آپ سے جدا ہوتے ہوئے کبھی ایسا رنج محسوس نہیں کیا تھا ، میں اسی عالم میں دہلی پہنچا ، دہلی پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے ۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ عشاء کی نماز کے بعد بے ہوش ہوگئے اور بہت دیر کے بعد ہوش میں آئے ۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے مولانا بدر الدین اسحاق سے پوچھا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھی ہے یا نہیں ، مولانا بدر الدین اسحاق نے جواب دیا کہ حضور تو عشا کی نماز وتر کے ساتھ ادا کر چکے ہیں پھر آپ بے ہوش ہوگئے ، جب ہوش میں آئے تو فرمایا میں دوسری مرتبہ نمازِ عشا ادا کروں گا ، خدا جانے کہ پھر یہ موقع ملتا ہے یا نہیں ، مولانا بدر الدین کا بیان ہے کہ اُس رات میں آپ نے تین مرتبہ نمازِ عشاء ادا کی ، پھر فرمایا کہ نظام الدین دہلی میں ہے ، میں بھی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کے وقت ہانسی میں تھا ، پھر آہستہ سے میرے کان میں کہا ، کہ میرے انتقال کے بعد وہ خرقہ جو مجھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملا تھا ، وہ درویش نظام الدین بداونی

---

[1] اردو زبان کے متعلق یہ تمام تفصیل "پنجاب میں اردو" ص ۲۹۹ تا ۲۰۱ سے ماخوذ ہے ۔

کو بچایا۔ پھر آپ نے وضو کے لئے پانی منگوایا، وضو کیا، دوگانہ ادا فرمایا، پھر سجدے میں گئے، اور سجدے ہی کی حالت میں وصال فرمایا۔

وصال سے کچھ دن پہلے شمس دبیر شاعر نے خواجہ نظامی کی یہ مثنوی پڑھی جس کے چند شعر یہ ہیں :-

جہاں چیست بگزر زنیرنگ او
رہائی بجنگ آر از چنگ او
بقیمے نہ بینی دریں باغ کس
تماشا کند ہر یکے ہر نفس
دریں چار سو ہیچ بیگانہ نیست
کہ کیسہ بُرد مرد خودکامہ نیست
جہاں گرچہ آرام گاہے خوش است
شتابندہ را نعل در آتش است
نظامی سبک بار یاراں شدند
تو ماندی بغم غمگساراں شدند

اس مثنوی کو سن کر آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ بے ہوش ہو گئے، پھر وصال تک کسی سے بات نہیں کی صرف عبادت میں مشغول رہے[۱]

سیر الاولیا، اخبار الاخیار، اور سفینۃ الاولیاء میں آپ کی تاریخ وصال ۵ر محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ مذکور ہے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ کسی نے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی سے پوچھا کہ حضرت بابا فرید کی عمر وفات کے وقت کیا تھی، فرمایا کہ آپ کی عمر پچانوے سال تھی، وفات کے وقت

---

[۱] بزم صوفیہ ص ۱۴۰

آپ کی زبان پر تھا یَاحَیُّ یَاقَیُّومُ[1]

**مزار مبارک** مزار مبارک اجودھن میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اکبر کو حضرت بابا فرید کے مزار مُبارک سے بڑی عقیدت تھی، اُس نے اجودھن کا نام، پاک پٹن رکھا[2]

**اولاد** حضرت بابا فرید گنج شکر نے سلطان غیاث الدین بلبن کی صاحبزادی سے جن کا نام ہزیرہ تھا، سلطان غیاث الدین کے بادشاہ ہونے سے پہلے شادی کی تھی، بی بی ہزیرہ سے آپ کے چھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ شیخ نصر الدین نصراللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین، سلیمان الدین، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب، شیخ عبداللہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ، بی بی مستورہ[3]

**شیخ نصر الدین نصراللہ** سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ نصر الدین نصراللہ آپ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ جو بہترین اخلاق اور صفات سے متصف تھے، اُن کے وقت کا بڑا حصہ عبادت الٰہی میں صرف ہوتا تھا، اور زراعت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے، اُن کے ایک صاحبزادے شیخ بایزید نامی تھے، وہ بھی درویش صفت تھے[4]

**شیخ شہاب الدین** آپ کے دوسرے صاحبزادے تھے، یہ وہی صاحبزادے ہیں جن کا نام آپ نے صاحبِ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۹۱
[2] بزم صوفیہ ص ۱۴۱
[3] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۰۱
[4] سیر الاولیاء ص ۱۸۶، و تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۸

عوارف شیخ شہاب الدین سہروردی کی مناسبت سے شہاب الدین رکھا تھا، یہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے بہت مشہور تھے، شیخ شہاب الدین اکثر اپنے والد کی خدمت میں حاضر رہتے، اگر آپ کی مجلس میں کوئی علمی بحث چھڑتی تو یہ اس موضوع پر ایسی عمدہ تقریر فرماتے کہ آپ بے حد خوش ہوتے، سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور اُن میں بڑی محبت تھی[1] شیخ شہاب الدین کے چھ صاحبزادے تھے، شیخ حسام الدین، شیخ عبدالحمید، شیخ مسعود، شیخ علی شیر، شیخ محمد اور شیخ جمشید۔

شیخ شہاب الدین کا روضہ آپ کے والد کے روضہ کے برابر واقع ہے[2]، شیخ بدر الدین سلیمان کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

## خواجہ نظام الدین

حضرت بابا فرید اپنے سب صاحبزادوں میں خواجہ نظام الدین سے بے حد محبت رکھتے تھے، وہ بلبن کی فوج میں ملازم تھے، اُس غیر معمولی محبت کی وجہ سے جو حضرت بابا فرید کو اُن سے تھی وہ بعض مرتبہ گستاخ بھی ہوجاتے تھے، لیکن حضرت بابا فرید اُن سے ناراض نہ ہوتے بلکہ مُسکرا کر درگذر فرماتے۔ شیخ نظام الدین نہایت شجیع اور بہادر تھے، حضرت بابا فرید کی وفات کے بعد جب کافر اجودھن کے علاقے میں گھس آئے تو شیخ نظام الدین اُن کے مقابلے کے لئے مردانہ وار نکلے اور نہایت شجاعت و بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، لیکن جب شہدا میں اُن کی لاش تلاش کی گئی تو نہیں ملی[3]

خواجہ نظام الدین کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام خواجہ ابراہیم تھا، اُن کے صاحبزادے خواجہ عزیز الدین شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ تھے[4]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۸۶ - ۱۸۷
[2] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۶
[3] سیر الاولیاء ص ۱۹۰
[4] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۹

**شیخ یعقوب** یہ حضرت بابا فرید کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے، بذل وایثار میں مشہور اور مستجاب الدعوات تھے، ملامتیہ طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، گو ظاہر میں نہ کچھ اور طرح کے نظر آتے تھے، لیکن حقیقت میں یاد الٰہی میں مصروف رہتے، نہایت فیاض تھے، اور آپ میں لطافت بدرجہ کمال تھی، آخر میں امروہے میں مقیم ہو گئے تھے۔

شیخ یعقوب کے دو صاحبزادے تھے، خواجہ معز الدین، اور خواجہ قاضی خواجہ معز الدین دیوگیر میں رہنے لگے تھے، اور خواجہ قاضی نے دہلی میں وفات پائی[۱]

**شیخ عبداللہ** صاحب خزینۃ الاصفیاء نے شیخ عبداللہ نامی صاحبزادے کا ذکر بھی خزینۃ الاصفیاء میں کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے شیخ عبداللہ کے کوئی اولاد نہ تھی، مفسدین نے اُن کو بچپن ہی میں شہید کر دیا تھا، اُن کا مزار پاک پٹن حضرت بابا فرید کے روضے کے قریب عبداللہ بیابانی کے نام سے مشہور ہے[۳]

**بی بی مستورہ** صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی بی بی مستورہ تھیں، صاحب سیرالاولیاء نے اُن کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

تا نفس آخر در پردۂ ستر وصلاح وعفت وکرامت بود[۴]

بی بی مستورہ کی شادی شیخ عمر صوفی فاروقی سے ہوئی تھی[۵] بی بی مستورہ کے

---

[۱] سیرالاولیاء ص ۱۹۰
[۲] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۰۲
[۳] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۰۱
[۴] سیرالاولیاء
[۵] خزینۃ الاصفیاء، جلد اوّل ص ۳۰۲

صاحبزادے خواجہ عزیز صوفی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید تھے، انھوں نے اپنے شیخ کے فضائل و مناقب میں ایک کتاب "تحفۃ الابرار فی کرامۃ الاخیار" کے نام سے لکھی تھی، خواجہ عزیز صوفی کے صاحبزادے خواجہ قطب الدین، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔[۱]

**بی بی شریفہ** آپ کی دوسری صاحبزادی بی بی شریفہ تھیں، جو شرف طاعت و عبادت سے مشرف تھیں، جوانی ہی میں بیوہ ہوگئی تھیں، پھر وفات تک آپ نے شادی نہیں کی، اس قدر عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں کہ حضرت بابا فرید اُن کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر مشائخ کے لئے عورتوں کو خلافت و سجادہ دینا جائز ہوتا تو میں بی بی شریفہ کو دیتا۔

**بی بی فاطمہ** آپ کی تیسری صاحبزادی بی بی فاطمہ تھیں، جن کی شادی آپ نے اپنے خلیفہ خاص مولانا بدرالدین اسحاق سے کی تھی جب مولانا بدرالدین اسحاق کا وصال اجودھن میں ہوگیا تو اُن کے دو چھوٹے چھوٹے صاحبزادے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ باقی رہ گئے، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور مولانا بدرالدین اسحاق میں بیحد محبت تھی، حضرت محبوب الٰہی تعلیم و تربیت کے خیال سے ان دونوں صاحبزادوں اور اُن کی والدہ کو اجودھن سے دہلی لائے، بی بی فاطمہ نے دہلی میں وفات پائی، اور شیخ نجیب الدین متوکل کے روضے دروازہ مندہ کے باہر مدفون ہوئیں، خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کی جو اُس وقت بچے تھے، اُن کی پرورش حضرت محبوب الٰہی نہایتی نگرانی میں فرمائی، اور حضرت بابا فرید کے مرید خواجہ احمد پشاوری کو ان کا اتالیق مقرر کیا۔[۳]

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۰ [۲] سیرالاولیاء ص ۱۹۱

[۳] بی بی فاطمہ کے حالات سیرالاولیاء کی ایک تفصیلی روایت ص ۱۹۲-۱۹۳ سے اجمالاً ماخوذ ہیں۔

یہ دونوں صاحبزادے حضرت محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، خواجہ محمدؔ کو حضرت محبوب الٰہی نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی، اور وہ حضرت محبوب الٰہی کی زندگی میں بیعت بھی لیتے تھے، انھوں نے سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کا ایک مجموعہ "انوار المجالس" کے نام سے مرتب کیا تھا، جو اب دستیاب نہیں ہوتا۔[۱]

شیخ شیوخ عالم حضرت بابا فرید کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی،

**خلفاء**

سیر الاقطاب میں آپ کے مشہور خلفاء کی تعداد بیس بتائی گئی ہے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ شمس الدین ترک پانی پتی[۲]، شیخ جمال ہانسوی، شیخ یعقوب ابن شکر گنج، شیخ نظام الدین ابن شکر گنج، شیخ بدر الدین سلیمان، ابن شکر گنج، شیخ شہاب الدین ابن شکر گنج، شیخ نصیر الدین، شیخ بدر الدین اسحاق، شیخ دھارو، شیخ زین الدین دمشقی، شیخ علی شکر ریز، شیخ علی شکر بار، شیخ محمد سراج، شیخ جمال کامل، شیخ نجیب الدین متوکل برادر شکر گنج، شیخ عارف سیوستانی، شیخ صابر، مولانا داؤد پالہی۔[۳]

لیکن ان میں سے بھی جو مشہور ترین خلفاء ہیں اُن کے نام یہ ہیں:۔

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۶ و فٹ نوٹ ص ۱۶۶ نمبر ۴

[۲] شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اگرچہ حضرت مخدوم صابر کلیری کے مرید و خلیفہ تھے لیکن سیر الاقطاب میں ہے کہ انھوں نے شیخ فرید الدین شکر گنج سے بھی خلافت حاصل کی تھی، اور حضرت شیخ فرید شکر گنج کی اجازت سے وہ حضرت مخدوم علاء الدین صابر کے مرید ہوئے، اسی لئے صاحب سیر الاقطاب نے اُن کا شمار حضرت بابا فرید کے خلفا میں کر دیا ہے (سیر الاقطاب ص ۱۸۵)

[۳] سیر الاقطاب ص ۱۷۶ - ۱۷۷

(۱) شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری۔
(۲) سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی۔
(۳) شیخ بدر الدین اسحاق۔
(۴) شیخ جمال ہانسوی۔
(۵) شیخ نجیب الدین متوکل۔
(۶) شیخ عارف۔

# برصغیر ہند و پاکستان میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے فیوض و برکات

## سلسلۂ صابریہ و نظامیہ

**سلسلۂ صابریہ** حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری سلسلۂ صابریہ کے مؤسس و بانی ہیں، وہ حضرت بابا فرید گنج شکر حقیقی بھانجے تھے، اُن کی ولادت ۵۹۲ھ میں ہوئی۔ قدیم اور مستند تذکروں میں حضرت صابر کا تذکرہ مختصر ملتا ہے، اخبار الاخیار میں سیر الاولیاء کے حوالے سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اُن کے متعلق لکھا ہے کہ سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک درویش ثابت قدم او صاحب نعمت (شیخ صابر) شیخ فرید الدین کے مرید تھے، شیخ فرید الدین نے جب اُن کو بیعت کی اجازت دی تو فرمایا صابر زندگانی خوش بسر کرو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ نہایت خوش باش اور ہنس مکھ تھے۔

پھر ان کے متعلق صاحب اخبار الاخیار نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ۔

غالباً یہ شیخ صابر علاوہ اُن شیخ علی صابر کے ہیں جو شیخ

فریدالدین کے داماد اور خلیفہ تھے، اور اُن کی قبر قصبہ کلیر میں ہے، اور جن پر شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے ان کا تذکرہ سیرالاولیاء میں بالکل نہیں کیا گیا، حالانکہ ان کے تذکرے کا ترک، تعجب و حیرت سے خالی نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شیخ صابر وہی شیخ علی صابر ہوں جو شیخ فریدالدین کے داماد اور خلیفہ تھے۔

سیرالاولیاء میں اُن کے متعلق اس قدر درج ہے کہ :-

کاتبِ حروف محمد مبارک علوی المدعو بامیر خورد را آنجملہ ایں بندہ از خدمتِ والدِ خود رحمۃ اللہ علیہ سماع دارد کہ درویشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ او را شیخ علی صابر گفتندے، در درویشی قدمے ثابت و نفسے گیرا داشت، و ساکن قصبہ دیگری بود، و پیوند شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز داشت، و از حضرت شیخ شیوخ العالم اجازت بیعت بود، الغرض در آنچہ یاران بزرگ کہ بہ دولتِ خلافت شیخ شیوخ العالم مشرف شدہ بودند، ہر یکے وداع می شد، و بوصیتے مخصوص می گردانید، و نفسے ہمراہ اومی کرد، دریں میان شیخ علی صابر عرض داشت کرد کہ در باب بندہ چہ فرمان می شود؟ شیخ شیوخ العالم در باب او فرمود کہ لے صابر برو ہو کما خواہی کرد، یعنی ترا عیش خوش گذشت، و او مردے خوش باش و کشادہ ابرو بود[1]

یہ ہیں وہ حالات جو ہمیں شیخ علاءالدین علی احمد صابر کلیری کے قدیم

---

[1] سیرالاولیاء ص ۱۸۵

تذکروں میں ملتے ہیں۔

متاخر تذکروں میں اگرچہ اُن کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔ لیکن یا تو ان کی بنیاد کشف پر ہے یا سُنی سُنائی روایات پر اس لئے اُن پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں، بہرحال، ہم ان متاخر تذکروں سے، اُن کے کچھ حالات یہاں نہایت احتیاط کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت خواجہ مخدوم علی احمد صابر صاحبِ کشف و کرامات، اور صاحبِ مقامات جلیلہ، عدیم النظیر عالم، بے مثل فاضل، اور اپنے وقت کے اولیا کے لئے سند تھے، رفیع المرتبت اور تصوف کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے، اُن کی شانِ عظمت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج کے بھانجے اور داماد اور خلیفہ خاص تھے، اُنھوں نے اپنے شیخ کی بیحد خدمت کی، اُن کے پیر حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر نہایت شفقت و مہربانی سے اُن کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میرے ظاہری اور باطنی علوم شیخ علاءالدین علی احمد صابر اور شیخ نظام الدین بدایونی میں سرایت کئے ہوئے ہیں، کبھی فرماتے کہ میرے سینہ کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو اور میرے دل کا علم شیخ علاءالدین صابر کو ملا ہے۔

صابر کا خطاب اُن کو حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر نے دیا تھا، اس خطاب سے سرفراز فرمائے جانے کی وجہ یہ تھی کہ ابتداءً حضرت بابا فرید نے اُن کے سپرد لنگر کی تقسیم اور مطبخ کا انتظام فرمایا تھا، یہ خدمت وہ بارہ سال تک انجام دیتے رہے، لیکن کبھی اُنھوں نے اس لنگر سے کچھ نہیں کھایا، ایک روز حضرت بابا فرید نے اُن سے پوچھا کہ بابا علاءالدین تم جو درویشوں کو کھانا تقسیم کرتے ہو تم نے کبھی خود بھی اُس میں سے کھایا ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا بغیر حضور کی اجازت کے میری کیا مجال تھی کہ میں اُس میں سے ایک دانہ بھی کھاتا، حضرت بابا فرید نے یہ سُنا تو خوش ہو کر فرمایا ہمارا علاءالدین صابر ہے۔ اُسی روز سے وہ "صابر"

کے خطاب سے مشہور ہو گئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر نے پہلے اُن کو دہلی کے لئے اور بعد میں کلیر کے لئے فرمانِ خلافت عطا فرمایا۔ وہ کلیر پہنچے، اور کلیر اُن کی بدولت ارشاد و تلقین کا مرکز اولہ رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنا، اور اُنھوں نے نورِ ہدایت سے ہندوستان کے گوشے گوشے کو منور کر دیا۔[1]

مخدوم علاء الدین علی احمد صابر نے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں تیرہ[13] ربیع الاوّل ۶۹۰ھ کو عین حالتِ وجد و سماع میں وصال فرمایا، اُن کا مزار پُرانوار کلیر شریف ضلع سہارن پور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔[2]

مخدوم علاء الدین صابر کلیری کے عظیم المرتبت خلیفہ شیخ شمس الدین ترک تھے جو خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں تھے وہ مرشد کامل کی جستجو میں ترکستان سے ہندوستان آئے، اور حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، پھر اپنے مرشد کی ہدایت پر پانی پت میں مقیم ہو گئے۔ اور آخر عمر تک وہیں ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ اُنھوں نے ۱۰ رجمادی الثانی ۷۱۶ھ کو وصال فرمایا، شیخ شمس الدین کے وصال کے بعد اُن کے خلیفہ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء نے اُن کی مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی، اُن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا، کہ معارج الولایت میں ہے کہ:۔

> لوگ ہر طرف سے اُن کے گرد جمع ہوتے تھے اور نذر و فتوح بے شمار لاتے تھے۔[3]

---

[1] یہ تمام تفصیل سیر الاقطاب ص ۱۷۷ تا ۱۸۴ سے ماخوذ ہے۔

[2] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل ص ۳۱۹ بحوالہ معارج الولایت۔

[3] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۶ بحوالہ معارج الولایت۔

شیخ جلال الدین کبیر اولیاء کے متعلق سیر الاقطاب میں ہے کہ

درعلم شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت عدیم العدیل بود[1]

شیخ جلال نے ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ کو وفات پائی[2]۔ ان کے چالیس خلفاء تھے جن میں شیخ احمد عبدالحق ردولوی نے سلسلہ صابریہ کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت بخشی، اُن کی خانقاہ ردولی میں رشد و ہدایت کا گہوارہ تھی۔ شیخ احمد عبدالحق ردولوی نے ۱۵ جمادی الثانی ۸۳۶ھ میں وفات پائی[3]۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ احمد عارف اُن کی جگہ زینت آرائے مسند رشد و ہدایت ہوئے، شیخ عارف کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ محمد اپنے والد کے جانشین ہوئے، ان دونوں بزرگوں نے سلسلہ صابریہ کو بڑی وسعت دی۔ لیکن شیخ محمد کے بعد جس بزرگ نے سلسلہ صابریہ کو حیات نو عطا کی، اور جنھیں اس سلسلہ کا مجدد کہا جاسکتا ہے وہ شیخ محمد کے مرید و خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بہلول لودھی کے عہد میں ردولی میں پیدا ہوئے۔ شیخ احمد عبدالحق کے پوتے شیخ محمد کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر اُنھوں نے خرقہ خلافت حاصل کیا، ابتداءً وہ اپنے وطن ردولی میں رہے لیکن جب ۱۴۹۰-۹۱ء میں سلطنت کی کمزوری کے باعث ردولی میں کفار کا غلبہ ہوا، شعار اسلام مٹائے جانے لگے، بازاروں میں کھلے بندوں سور کا گوشت فروخت ہونے لگا تو وہ وطن چھوڑ کر شاہ آباد ضلع کرنال میں مقیم ہو گئے۔ جہاں ۳۸ سال تک ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے، پھر آخر عمر میں گنگوہ ضلع سہارن پور تشریف لائے اور ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء کو اُنھوں نے گنگوہ میں وصال

---

[1] سیر الاقطاب ص ۲۱۳ [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۶۵

[3] سیر الاقطاب ص ۲۲۲

[4] لطائف قدوسی ص ۱۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات"، شائع کردہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی۔

فرمایا، اُن کے خلفاء میں شیخ جلال تھانیسری، شیخ رکن الدین اور شیخ عبدالغفور عظم پوری تھے۔ شیخ جلال تھانیسری علوم ظاہری و باطنی میں کامل اور عہد اکبری کے اکابر علماء میں سمجھے جاتے تھے۔ اُنھوں نے سنہ ۹۸۹ھ میں وفات پائی[1]۔ شیخ جلال تھانیسری کے خلفاء میں خواجہ نظام الدین تھانیسری نے غیر معمولی مقبولیت و شہرت حاصل کی۔ خواجہ نظام الدین تھانیسری نے سنہ ۱۰۳۶ھ میں وفات پائی[2]۔ اُن کے مرید و خلیفہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے شیخ ابوسعید گنگوہی تھے۔ جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی وسعت، فروغ اور ترقی میں غیر معمولی سعی کی، اُنھوں نے سنہ ۱۰۴۹ھ میں وفات پائی[3]، شیخ ابوسعید گنگوہی کے عظیم المرتبت خلیفہ شیخ محب اللہ الٰہ آبادی (متوفی [illegible]ھ) تھے، جن سے شیخ محمدی اکبرآبادی نے فیوض و برکات حاصل کیے، جنھیں عالمگیر نے مخالفین کے افترا کی وجہ سے ابتداءً حج کے لئے چلے جانے کا حکم دیا، پھر جب وہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو پھر مخالفین کی شورش کی وجہ سے قلعہ اورنگ آباد میں قید کر دیئے گئے، اور وہیں اُنھوں نے سنہ ۱۱۰۷ھ میں وفات پائی[4]، اُن کی وصیت کے مطابق اُن کا تابوت اکبرآباد لایا گیا اور اکبرآباد میں مدفون ہوئے[5]۔ شاہ محمدی کے جلیل القدر خلیفہ شاہ عضد الدین امروہوی تھے وہ علومِ شریعت کے جامع اور زہد و ورع میں یکتا تھے، ان کی تصنیف مقاصد العارفین مشہور ہے[6]۔ شاہ عضد الدین نے سنہ ۱۱۷۲ھ میں وفات پائی۔ شاہ عضد الدین کی وفات کے بعد اُن کے خلیفہ شیخ عبدالہادی نے مسندِ رشد کو زینت بخشی، اور ایک عرصہ تک وہ طالبانِ حق کو تزکیۂ نفس اور پاکیزگیِ باطن کا درس دیتے رہے، شیخ عبدالہادی نے سنہ ۱۱۹۰ھ میں وصال فرمایا[7]، اُن کی وفات کے بعد اُن کے خلیفہ شاہ عبدالباری

---

۱ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل
۲ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل
۳ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۴۷۲
۴ انوار العارفین ص ۴۴۲
۵ انوار العارفین ص ۴۴۳
۶ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۲
۷ انوار العارفین ص ۴۵۰

سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے، یہ شیخ ظہور اللہ کے صاحبزادے اور شیخ عبد الہادی
کے نواسے تھے۔ احیائے ملت اور ترویج دین کے سلسلے میں زندگی بھر کوشاں رہے
شیخ عبد الہادی نے ۱۱ شعبان روز جمعہ سنہ ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی، شیخ عبد الہادی
کے خلفاء میں حاجی سید عبد الرحیم ہاشمی تھے۔ انھوں نے اپنی عمر احیائے کلمۃ الحق
میں صرف کی، یہاں تک حضرت سید احمد شہید کے ساتھ جہاد میں شریک ہو کر بالاکوٹ
کے میدان میں لڑتے ہوئے شہادت پائی[1] اُن کے مرید و خلیفۂ خاص میاں جی
نور محمد جھنجانوی تھے، یہ حضرت شاہ عبد الرزاق جھنجانوی[2] کی اولاد میں تھے،
اتباعِ سنت کا یہ عالم تھا کہ تیس سال تک ان کی تکبیر اولیٰ قضا نہیں ہوئی، قصبہ
لہاری میں بچوں کو تعلیم دیتے تھے۔ انھوں نے سلسلۂ صابریہ کو انتہائی عروج
پر پہنچایا، میاں جی نور محمد نے سنہ ۱۲۵۹ھ میں وفات پائی، میاں جی نور محمد کے خلیفہ
حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھے، جنھوں نے سلسلۂ صابریہ کے اثرات کو دوسرے
ممالک اسلامیہ میں پہنچایا، انوار العارفین میں ہے کہ جس زمانے میں حاجی امداد اللہ
مرشد کی تلاش میں تھے، انھوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں
دیکھا کہ حضور ایک صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ ان کے مرید ہو جاؤ، آپ
اُن بزرگ کی تلاش میں ایک عرصے تک حیران و متحیر رہے، ایک روز ایک شخص کی
وساطت سے میاں جی نور محمد کی خدمت میں پہنچے، اُن کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ
حضور کا اشارہ انھیں کی طرف تھا، فوراً ہی آپ نے میاں جی نور محمد کے دستِ حق پرست

---

[1] انوار العارفین ص ۴۵۱

[2] شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی سلسلۂ قادریہ میں شیخ محمد حسن سے بیعت تھے۔ تحصیل
علم ہی کے زمانے میں عشق و محبت کا جذبہ اُن پر غالب آیا، وہ تند ریاضتوں اور
مجاہدوں کے بعد مرتبۂ مشاہدے پر فائز ہوئے۔ شدائد پر تحمل اُن کا خاص وصف تھا
شاہ عبد الرزاق نے سنہ ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ (اخبار الاخیار ص ۲۳۷)۔

بیعت کی، اُن کے خلفاء اور مریدین میں مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حاجی عابد حسین اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے اکابر اور جلیل القدر علماء تھے جنھوں نے طریقت کو شریعت کے جمال سے آراستہ کر کے اُس فرق کو مٹا دیا جو بعض مغلوب الحال بزرگوں کے اقوال و کردار سے سطح بینوں کو نظر آتا تھا۔

## سلسلۂ نظامیہ

سلطان المشائخ، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی حضرت بابا فرید گنج شکر کے جلیل القدر خلفاء میں تھے جن کا مفصل تذکرہ ہم گذشتہ اوراق کے کسی فٹ نوٹ میں کر چکے ہیں، وہ سلسلۂ نظامیہ کے مؤسس و بانی ہیں، اور اُنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کو معراج کمال پر پہنچایا، اور اُن کی رشد و ہدایت کی ضیا باریوں نے ہند و پاکستان کے گوشے گوشے کو منور کر دیا، علامہ اقبال نے اُن کی جلالتِ شان اور رفعت کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کی بارگاہ میں اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دِل کی　　　مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، صاحب گلزار ابرار کا بیان ہے کہ۔

ان ایام میں سرزمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا، کیوں کہ آپ خواجہ نظام الدین کی بارگاہِ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے، اُن کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعۂ زمین ہدایت آباد تھا، ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبوں اور بڑی بڑی کرامتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کئے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کرتا تھا[1]

---

[1] اردو ترجمہ گلزار ابرار ص ۸۴-۸۵۔

اس میں سے ہم چند خلفاء کا ضمنی تذکرہ یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو اندازہ ہوسکے کہ اس سلسلے کے بزرگوں نے ہندو پاکستان کے صوبوں میں کس طرح اپنی خانقاہیں قائم کرکے تبلیغ و اشاعت دین کی شمعیں روشن کیں۔

دہلی میں سلطان المشائخ، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین کی وفات کے بعد جنھوں نے اپنے شیخ کے سجادے پر متمکن ہوکر نہایت ہمت استقلال سے روحانی اور عملی بنیادوں کو استوار کیا اور سلسلۂ چشتیہ کو فروغ دیا وہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تھے۔ ہم اُن کے مختصر حالات گزشتہ اوراق کے کسی فٹ نوٹ میں لکھ چکے ہیں۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ:-

| | |
|---|---|
| روزے شیخ نصیر الدین | ایک روز شیخ نصیر الدین محمود نے |
| محمود امیر خسرو را کہ از یارانِ | امیر خسرو سے کہا کہ جو سلطان المشائخ |
| اعلیٰ بود، گفت شما را بخدمت | کے اعلیٰ یاروں میں سے تھے کہ تمھیں |
| سلطان المشائخ محلے و قربے | سلطان المشائخ کی خدمت میں |
| تمام است، ہر وقت کہ می خواہید | قربت اور اختصاص ہے، اور تم |
| بخدمت سلطان المشائخ محل | جب چاہتے ہو سلطان المشائخ کی |
| می یابید، امیر خسرو خوش گوید ؎ | خدمت میں حاضر ہوجاتے ہو ؎ |
| زہے سعادت و اقبالِ چشم آنکس را | زہے سعادت و اقبالِ چشم آنکس را |
| کہ در جمال تو دستور نے نظر یابد | کہ در جمال تو دستور نے نظر یابد |
| بوقتِ فرصت عرض داشت | کبھی فرصت کے موقع پر مجھ غریب |
| من غریب را بخدمت سلطان المشائخ | کی طرف سے سلطان المشائخ کی |
| بکنید، ہمانا امیر خوش گوید بیت:- | خدمت میں عرض کرنا ؎ |
| اے صبا بندہ نوازی کن و از حالِ ہمام | اے صبا بندہ نوازی کن و از حالِ ہمام |
| وقتِ فرصت ہمہ در بندگیِ یار بگو | وقت فرصت ہمہ در بندگیِ یار بگو |
| کہ من بندہ در اودھ می باشم و | کہ میں اودھ میں رہتا ہوں اور |

از سبب مزاحمت خلق مشغول
نمی توانم بود. واگر فرمان سلطان
المشائخ باشد در صحرا با در کوہ با
خدائے تعالیٰ را بفراغ خاطر
عبادت کنم، امیر خسرو قبول کرد
کہ بگزرانم وامیر خسرو را معہود بود
کہ بنوبت خود چوں در جماعت
خانہ بودے بعد از نماز خفتن
بوقت استراحت بخدمت سلطان
المشائخ برفتے و بہ نشستے، و از
ہر جنس حکایات کردے، چناں کہ
در تذکرہ سلطان المشائخ تحریر
یافتہ ست، الغرض امیر خسرو
دریں محل عرض داشتن، شیخ
نصیر الدین محمود کرد، سلطان
المشائخ فرمود کہ او را بگو ترا
درمیان خلق می باید بود، و
جفا و قفائے خلق می باید کشید،
و مکافات آں بہ بذل و ایثار و
عطا می باید کرد[1]

لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے یاد
الٰہی میں مشغول نہیں رہ سکتے اگر سلطان
المشائخ کا حکم ہو تو جنگلوں اور پہاڑوں
میں رہ کر اطمینانِ قلب کے ساتھ
عبادت الٰہی کروں، امیر خسرو نے فرمایا
کہ میں ضرور عرض کروں گا، امیر خسرو کی
عادت تھی کہ جب جماعت خانے میں
آتے تو عشا کی نماز کے بعد آرام کے
وقت سلطان المشائخ کی خدمت میں
حاضر ہو کر ہر قسم کی حکایات بیان
کرتے، الغرض امیر خسرو نے اُس
موقع پر شیخ نصیر الدین محمود کی
عرض داشت سلطان المشائخ
کی خدمت میں پیش کی سلطان
المشائخ نے فرمایا کہ اُن سے کہنا
کہ تمھیں خلقت میں رہ کر اُن کے
ظلم و ستم سہنے چاہئیں اور
اُس کے عوض بذل و ایثار
و عطا سے کام لینا چاہیے۔

چنانچہ انھوں نے اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق دہلی میں رہ کر سخت

---

[1] سیر الاولیاء باب چہارم نکتہ اوّل ص ۲۳۷

مصائب کا مقابلہ کیا، اور رشد و ہدایت کی اس شمع کو رکھا جس کو سلطان المشائخ نے روشن کیا تھا۔ صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ وہ بالکل اپنے شیخ کے نقش قدم پر تھے اور جو خوشبو سلطان المشائخ کی مجلس میں آتی تھی، ویسی ہی خوشبو شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس سے اُن کے مشام تک پہنچی[1]

شیخ نصیر الدین محمود اس درجہ خدمت خلق اور ارشاد و تلقین میں مصروف رہے کہ ایک دن فرمایا:۔

| اکنوں من بارے فرصت | اب مجھ کو خلوت اور مشغولی |
| --- | --- |
| مشغولی و خلوت ندارم، ہمہ روز | کی بھی فرصت نہیں، دن بھر |
| با خلق می باید بود، بلکہ قیلولہ | مخلوق کے ساتھ رہنا پڑتا ہے بلکہ |
| میسر نمی شود۔ بارہا قیلولہ می | قیلولہ بھی میسر نہیں ہوتا، بارہا قیلولہ |
| خواہم کہ بکنم بر می کنند کہ آیندہ | کرنا چاہتا ہوں جگا دیتے ہیں کہ |
| آمدہ ست برخیزند[2] | فلاں آیا ہے اُٹھئے۔ |

۱۸ رمضان ۷۵۷ھ ؍ ۱۳۵۶ء کو یہ آفتاب ولایت غروب ہوگیا، اور سلسلۂ چشتیہ کا پہلا دور جو حضرت خواجہ معین الدین سے شروع ہوتا ہے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی پر ختم ہوگیا۔

بنگال میں جس بزرگ نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کی وہ حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ سراج الدین عثمان اخی سراج تھے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ سراج الدین اوائلِ شباب میں سلطان المشائخ کی خدمت میں لکھنوتی سے آئے اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر آپ کے اُن دوستوں کے ساتھ رہنے لگے جو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں باریاب رہتے

---

[1] سیر الاولیاء باب چہارم۔ نکتہ دوم ص ۲۴۱

[2] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۳ بحوالہ خیر المجالس

تھے، سراج الدین اگرچہ ظاہری علم سے بے بہرہ تھے، لیکن تنب، نورِ معرفت سے
سے منور تھا، ہر سال کچھ دن کے لئے وہ اپنی والدہ کی زیارت کے لئے لکھنوتی جاتے،
اور پھر واپس آجاتے۔ انھوں نے عمر کا ایک بڑا حصہ سلطان المشائخ کے جماعت
خانے میں گزارا، جب آپ نے اپنے بعض مریدوں کو خلافت سے سرفراز فرمانے
لگے تو لوگوں نے سراج الدین کا نام بھی پیش کیا، فرمایا اس کام میں اول درجہ علم کا
ہے اور یہ علم سے بے بہرہ ہیں، مولانا فخر الدین زرادی نے یہ سنا تو ان کو سراج الدین
پر رحم آیا، اور انھوں نے کہا کہ میں ان کو انشاء اللہ چھ ماہ میں عالم متبحر بنا دوں گا،
چنانچہ سراج الدین نے بڑی عمر میں مولانا فخر الدین زرادی کے سامنے زانوئے
تلمذ طے کیا، مولانا فخر الدین زرادی نے ان کے لئے صرف میں ایک مختصر
کتاب "عثمانی" بھی تالیف کی تھی، اور مولانا رکن الدین اندرپتی سے کافیہ،
مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پڑھی، تحصیلِ علم کے بعد وہ سلطان المشائخ
کی خدمت میں پیش کیے گئے، آپ نے ان کو "آئینہ ہند" کا خطاب دے کر
خلافت سے سرفراز فرمایا[۱]، روضۃ الاقطاب میں ہے کہ

اگرچہ جمیع خلفاء سلطان المشائخ صاحبِ مقامات عالی بودند
اما از آں ہا شیخ نصیر الدین محمود کہ چراغِ دہلی و شیخ سراج الدین کہ
"آئینہ ہند" است چاشنی دیگر داشتند، و ازیں دو بزرگ بسے
مردمان تکمیل و ارشاد پیدا آمدند[۲]

شیخ سراج الدین، سلطان المشائخ کی وفات کے بعد تین سال تک دہلی میں
تعلیم حاصل کرتے رہے، وہ خواجہ جہاں کے گنبد میں رہا کرتے تھے، جب
سلطان محمد بن تغلق نے مشائخ کو جبراً دیوگیر بھیجنا شروع کیا تو وہ سلطان المشائخ
کے کتب خانے سے اپنے مطالعے کے لئے چند کتابیں اور جامۂ خلافت لے کر

---

[۱] سیر الاولیاء ص  [۲] روضۃ الاقطاب ص ۹۴

اپنے وطن لکھنوتی چلے گئے، اور سب سے پہلے اُنھوں نے بنگال میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت اور ترویج دین کی کوشش کی، سیر الاولیاء میں ہے کہ

آں دیار را بجمالِ ولایت خود بیار است، وخلق خدائے را دستِ بیعت زادن گرفت، چنانکہ بادشاہان آں ملک داخلِ مریدانِ او آمدند۔

شیخ اخی سراج نے ۷۵۸ھ میں وفات پائی، وفات سے پہلے اپنی قبر کے لئے جگہ منتخب کی، اور اُس جگہ پہلے وہ کپڑے دفن کئے جو سلطان المشائخ نے اُن کو عطا فرمائے تھے، پھر وصیت فرمائی کہ مجھے میری وفات کے بعد ان کی پائینتی میں دفن کیا جائے، چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی[۱] حضرت اخی سراج کا مزارِ پُرانوار قدیمی دار الخلافہ گوڑ میں ہے۔

اخی سراج کی وفات کے بعد بنگال میں اُن کے خلیفہ شیخ علاء الحق والدین بن اسعد لاہوری بنگالی نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو فروغ بخشا، وہ ایک مالدار اور متمول خاندان میں پیدا ہوئے، لیکن شیخ اخی سراج کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر فقر کو غنا پر ترجیح دی، اور اپنے مرشد کی اس قدر خدمت کی کہ سفر میں اپنے شیخ کا کھانا گرم رکھنے کے لئے انگیٹھی سر پر اُٹھائے رکھتے تھے، یہاں تک کہ اُن کے سر کے بال جل گئے، وہ اسی حالت میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے گھر کے سامنے سے گزرتے جو بادشاہ کے ارکینِ حکومت اور وزرا و سلطنت تھے، وہ لوگ اُن کا مذاق اُڑاتے، لیکن اُن پر اثر نہ ہوتا تھا، اپنے شیخ کی وفات کے بعد جب وہ سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے تو اُنھوں نے غربا اور مساکین پر خوب روپیہ خرچ کیا، بادشاہِ وقت کو اُن کی بڑھی ہوئی سخاوت دیکھ کر خیال پیدا

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۵۸ [۲] سیر الاولیاء ص

ہوا کہ چونکہ اِن کے والد مہتمم خزانہ ہیں شاید وہ خزانۂ شاہی سے یہ روپیہ دیتے ہیں اِس لئے اس نے حکم دیا کہ وہ دارالخلافے سے نکل کر سنارگاؤں چلے جائیں، چنانچہ وہ دو سال سُنارگاؤں رہے، لیکن سُنارگاؤں میں اُن کی سخاوت اور فیاضی اور بھی بڑھ گئی، خادم کو حکم دیا جو پہلے روزانہ خرچ کرتے اب اُس سے دوگونہ خرچ کرو، چنانچہ یہ سلسلہ اُن کی وفات تک جاری رہی، شیخ علاء الحق نے ۸۰۰ھ میں پنڈوہ میں وفات پائی، پنڈوہ میں اُن کا مزار مُبارک زیارت گاہِ خاص و عام ہے[۱]

شیخ علاء الحق کی وفات کے بعد اُن کے فرزند حضرت نور قطب عالم اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے، اُن کی وجہ سے بنگال میں سلسلۂ چشتیہ نے اور بھی مقبولیت حاصل کی، اخبار الاخیار میں ہے کہ:۔

شیخ نور الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ نور قطب عالم سے مشہور ہیں اور ہندوستان کے مشاہیر اولیاء میں ہیں، صاحبِ عشق و محبّت، اور صاحبِ ذوق و شوق و تصرف و کرامت ہیں، وہ اپنے والد کے خانقاہ کے درویشوں کی تمام خدمتیں بجالاتے، درویشوں کے کپڑے دھوتے، اُن کے لئے پانی گرم کرتے اُن کے خلیفہ شیخ حسام الدین مانکپوری کے ملفوظات "رفیق العارفین" میں ہے کہ وہ آٹھ سال تک اپنے شیخ کی خانقاہ کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لاتے، ایک دفعہ اُن کے والد نے فرمایا کہ جس جگہ عورتیں کنوئیں سے پانی بھرتی ہیں وہاں کی زمین پھسلنی ہوگئی جس کی وجہ سے پاؤں پھسل کر گھڑے ٹوٹ جاتے ہیں، تم انھیں اپنے سر پر پانی نکال کر دیا کرو،

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۱۴۳

چار سال تک وہ اپنے والد کے ارشاد پر یہ خدمت انجام دیتے رہے، اس کے علاوہ عُرس کے زمانے میں پانی بھرتے تھے، اُن کے بڑے بھائی اعظم خاں جو وزیر سلطنت تھے، اُن کو اس حال میں دیکھ کر کہتے، نور! تم نے تمام نعمتیں چھوڑ کر اپنی یہ کیا حالت بنائی ہے، وہ ہنس کر ٹال دیتے[1]

بنگال میں جب راجہ کنش (گنیش) تختِ شاہی پر قابض ہوا، اور اُس نے بہت سے علماء و مشائخ کو شہید کرایا، اور اس کوشش میں مصروف ہوا کہ اسلام کی بیخ و بُن کو اپنی مملکت سے نکال دے، حضرت قطب عالم نے اس کے اس ارادے کو محسوس کرکے فوراً سلطان ابراہیم شرقی کو لکھا کہ وہ فوراً بنگال پر حملہ کرے، چنانچہ اُس نے بنگال پر حملے کے لئے فوج بھیجی، جب یہ فوج پہنچی تو راجہ کنس ڈرا، اور شیخ نور قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوکر سفارش کا طالب ہوا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ میں ایک کافر اور ظالم بادشاہ کی کیسے سفارش کر سکتا ہوں، البتہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو یہ ممکن ہے، راجہ گنیش اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھا، لیکن اُس کی بیوی اس کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں حائل تھی، آخر اُس نے کہا کہ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں میں اپنے بیٹے جدو کے حق میں بادشاہی چھوڑے دیتا ہوں آپ اُسے مسلمان کرلیں، شیخ نور قطب عالم نے یہ بات منظور کر لی، جدو اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا، اور شیخ نور قطب عالم کی سفارش سے سلطان ابراہیم شرقی کی فوج واپس چلی گئی[2]۔ ان کی کوششوں سے چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں بنگال، بہار اور جون پور میں قائم ہوئیں۔

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۱۵۲

[2] آب کوثر ص ۳۵۱-۳۵۲ بحوالہ ریاض السلاطین ص ۱۰۸ تا ۱۱۰۔

شیخ نور قطب عالم نے ۸۱۳ھ میں وصال فرمایا، آن کا مزار پُر انوار پنڈوے میں ہے، گجرات میں بھی سلسلہ چشتیہ اگرچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے دو مریدوں شیخ محمود اور شیخ حامد الدین نہروالہ کی وجہ سے پہنچ چکا تھا، لیکن گجرات میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی نشر و اشاعت سلطان المشائخ کے تین خلفاء سید حسین، شیخ حسام الدین ملتانی اور شاہ بارک اللہ کی وجہ سے ہوئی۔

تاریخِ مشائخ چشت میں ہے کہ سید حسین بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے، اُنھوں نے فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پر بھی حاشیہ لکھا تھا، اشارۂ غیبی کی بناء پر وہ سلطان المشائخ سے بیعت ہوئے، آپ نے اُنھیں خرقۂ خلافت عطا فرما کر اعلاء کلمۃ الحق کے لئے گجرات بھیجا، سید حسین نے گجرات ہی میں وفات پائی، اُن کا مزار نہروالہ میں ایک تالاب کے کنارے ہے [۱]

شیخ حسام الدین ملتانی، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے سیر الاولیاء میں ہے کہ جس دن سلطان المشائخ نے شیخ نصیر الدین محمود اور شیخ قطب الدین منور کو خلافت عطا فرمائی اُس کے دوسرے دن مولانا حسام الدین کو بلایا گیا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو اُن کا بیان ہے کہ میں آپ کے رُعب سے پسینہ پسینہ ہو گیا، پھر آپ نے مجھے خلافت اور خلعت عنایت فرمائی، میں نے عرض کیا کہ مخدوم عالمیاں نے اِس عاجز پر خلافت عطا فرما کر انتہائی شفقت فرمائی ہے، اب مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔ سلطان المشائخ نے انگشت شہادت میری جانب اُٹھا کر فرمایا ترکِ دنیا، ترکِ دنیا، زیادہ مریدوں کی کوشش نہ کرنا، میں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو شہر میں نہ رہوں، بلکہ کسی دریا کے کنارے رہائش اختیار کرلوں، کیونکہ

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۸ بحوالہ گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۴۴-۴۵

کنویں کے پانی سے وضو کرنے سے دل کو تسلی نہیں ہوتی، فرمایا کہ شہر میں رہو اور اس طرح رہو جیسے کہ تم بھی اُن میں سے ایک ہو، نفس چاہتا ہے کہ تمھیں آرام کے مقام سے جنبش دے کر ایسے مقام پر لے جائے، جہاں تمھارے خیالات اور اوقات پراگندہ ہو جائیں، کیوں کہ جب تم شہر کو چھوڑ کر تالاب کے کنارے رہائش اختیار کروگے تو مسافر اور شہری تمھارا پتہ پوچھ کر وہاں پہنچیں گے اور تمھیں خواہ مخواہ پریشان کریں گے، پھر اُنھیں اور بھی نصیحتیں فرمائیں[1]

ایک دفعہ اُنھوں نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ حضور! لوگ مجھ سے کرامت کے طالب ہوتے ہیں، فرمایا الکرامۃ ھی الاستقامۃ علیٰ باب الغیب (دروازۂ خدا پر استقامت سے کام لینا کرامت ہے) چنانچہ اُسی سال جب سلطان محمد تغلق کی وجہ سے لوگ دہلی سے دیوگیر کی طرف روانہ ہوئے[3] تو مولانا دہلی سے روانہ ہو کر گجرات پہنچے اور وہیں رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے[2]

---

[1] سیر الاولیاء، باب چہارم۔ نکتہ سوم ص ۲۶۰-۲۶۱ [2] ایضاً ،، ص ۲۶۲

[3] ممالک دکن میں قبضہ قائم رکھنے کے لئے سلطان محمد تغلق نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ دیوگری میں ایک اسلامی شہر بنا کر دوسرا پایۂ تخت تعمیر کیا جائے، چنانچہ اُس نے پہاڑی علاقے کے باہر ایک بہت وسیع فصیل بنوائی، نئے شہر کا نام دولت آباد رکھا، سرکاری عمارتوں کے علاوہ اُس میں بازار و محلات تعمیر کرائے، دہلی سے یہاں تک راستے صاف کرائے، اور ہر منزل پر لوگوں کے قیام و طعام کا انتظام کیا، عمائدین اور اُمرائے دہلی سے اُن کی مُنھ مانگی قیمتیں دے کر اُن کے دہلی کے مکانات و جائدادیں خرید لیں، پھر اُن عمائدین واُمرا کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ جاکر دولت آباد میں آباد ہوں، اس حکم پر سب سے پہلے خود بادشاہ کی ماں مخدومہ جہاں نے عمل کیا، اور ہمراہ نوکر چاکر، وظیفہ خوار، متوسلین اور درویشوں کی فوج کی فوج دہلی سے دولت آباد چلی گئی۔

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۳۱۱ تا ۳۱۲)

خزینتہ الاصفیاء میں اُن کا سنہ وفات بحوالہ معارج الولایت ۷۳۵ھ مذکور ہے۔

شاہ بارک اللہ بھی حضرت سلطان المشائخ کے مرید و خلیفہ تھے، اُنھوں نے بھی احمد آباد میں وفات پائی، اُن کا مقبرہ آب ور دروازے کے باہر اور حاجی پورے کے قریب واقع ہے۔[۱]

ان تینوں بزرگوں کے بعد گجرات میں جن بزرگوں نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی تنظیم اور نشرو اشاعت کی اُن میں علامہ کمال الدین (متوفی ۷۵۶ھ) ہیں، وہ علوم و فنون میں کمال رکھتے تھے خصوصاً اُن کو علم تفسیر و فقہ و حدیث میں غیر معمولی تبحر تھا، اور وہ اپنے زمانے کے علماء، مفسرین اور فقہا میں جن کی شہرت کے علمی جھنڈے گڑے ہوئے تھے ممتاز تھے، اور علامہ کے لقب سے مشہور تھے۔

علامہ کمال الدین کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ سراج الدین نے جو علوم ظاہری میں مولانا احمد تھانیسری، مولانا عالم پانی پتی اور مولانا عالم سنگ ریزہ کے تلامذہ میں تھے، گجرات میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو اور بھی آگے بڑھایا، شیخ سراج الدین نے ۸۱۷ھ میں وفات پائی۔

اُن کے بعد اُن کے فرزند شیخ علم الحق سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے، پھر اُن کے صاحبزادے شیخ محمود معروف بہ شیخ راجن، پھر شیخ جمال الدین جمن پھر شیخ حسن محمد، پھر حضرت یحییٰ مدنی یکے بعد دیگرے سند رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوتے رہے، اور ان سب بزرگوں نے اپنے اپنے زمانے میں گجرات میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی غیر معمولی خدمات انجام دیں۔[۲]

دکن میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء میں حسن گنگو افغان سے پڑی جو علاء الدین حسن گانگو بہمنی کے لقب سے تخت شاہی پر بیٹھا،[۳] تاریخ فرشتہ میں

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۹ بحوالہ مراۃ احمدی ص ۷۳

[۲] یہ تمام تفصیل تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۹ و ۲۱۰ سے ماخوذ ہے۔

[۳] مسلمان شاہی خاندان اور آن کے سلسلے ص ۳۴۲

ہے کہ اُس زمانے میں جب کہ علاء الدین حسن بہمنی بادشاہ نہ ہوا تھا، ایک دن وہ حضرت سلطان المشائخؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوا، اُس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے محمد بن تغلق جو ابھی بادشاہ نہ ہوا تھا آپ کے پاس حاضر ہو کر جا چکا تھا، حسن گنگو ابھی دروازے ہی پر تھا کہ سلطان المشائخؒ نے اپنے ایک ملازم کو اس کے اندر لانے کے لئے بھیجا، اور اُسے دیکھ کر فرمایا

سلطانے رفت و سلطانے آمد

پھر آپ نے حسن گنگو پر نہایت کرم فرمایا، اور ایک مد جَو کی روٹی جو آپ کے لئے رکھی ہوئی تھی، اُس پر اُنگلی رکھ کر اِس خوش خبری کے ساتھ دی کہ یہ وہ چتر شاہی ہے کہ ایک مدت دراز کے بعد بڑی محنت سے دکن میں تیرا مقدر ہوگا[1]

دکن میں ہمیں سب سے پہلے جس چشتیہ سلسلے کے بزرگ کا پتہ چلتا ہے، وہ شیخ منتجب الدین زر زری بخش تھے جو حضرت بابا فرید کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، حضرت بابا فریدؒ نے اُن کو دیوگیر اُس وقت بھیجا جب کہ وہاں ہنود کا غلبہ تھا، اور اِس ملک میں بدعت و کفر پھیلا ہوا تھا، دیوگیر میں ابتداءً ان کی بے حد مخالفت ہوئی، لیکن وہ عزم و استقلال کے ساتھ ہدایت و ارشاد میں مصروف رہے، شیخ منتجب الدین نے ربیع الاوّل ۶۹۵ھ میں وفات پائی[2]

ان کے بعد سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے جلیل القدر خلیفہ اور شیخ منتخب الدین کے بھائی شیخ برہان الدین غریب نے دکن میں سلسلہ چشتیہ کی شمع روشن کی جو سلطان المشائخ کی رحلت کے بعد

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۲۷۴

[2] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۰۲

دیوگیر گئے، اور وہاں اُنھوں نے ارشاد و تلقین کا کام شروع کیا، تھوڑے ہی دن میں دکن میں اُن کی خانقاہ طالبان حق کا مرکز بن گئی، اور ان کی بدولت وہاں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ خوب پھلا پھیلا، شیخ برہان الدین نے ۷۴۱ھ میں وفات پائی۔[1] اُن کے بعد اُن کے مرید شیخ زین الدین کی وجہ سے سلسلۂ چشتیہ کو دکن میں خوب فروغ ہوا۔[2]

اسی دور میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے نامور شیخ حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز نے بھی دکن (گلبرگہ) میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو عروج بخشا، یہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ تھے، جب اُن کی عمر چار سال کی تھی تو یہ اپنے والد سلطان محمد کے ساتھ عہدِ تغلق میں دیوگیر تشریف لائے، سات سال کی عمر تھی کہ ان کے والد نے ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں وفات پائی، ۷۳۶ھ میں اپنی والدہ کے ساتھ دوبارہ دہلی تشریف لائے ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، باطنی آراستگی کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا، حظیرۂ شیر خاں میں جہاں ان کا وقت ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزرتا تھا، وہیں وہ علوم ظاہری کی تعلیم مولانا قاضی عبد المقتدر سے حاصل کرتے تھے، حضرت چراغ دہلی نے جب ۷۵۷ھ میں وصال فرمایا تو اپنی وفات سے تین دن پہلے اُن کو خلافت سے سرفراز فرمایا، اُن کی وفات کے بعد حضرت سید گیسو دراز نے اُن کی مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی، دہلی میں تقریباً چوالیس سال قیام کے بعد ۸۰۱ھ میں تیمور کے حملے کے زمانے میں گلبرگہ منتقل ہو گئے، جب گلبرگہ کے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۴۸ و سیر الاولیاء باب چہارم ص ۲۸۰

[2] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۶

کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے اپنے دربار کے علماء، سادات اور لشکر کے ساتھ اُن کا شاندار استقبال کیا، فیروز شاہ بہمنی کے بعد سلطان احمد شاہ بہمنی تخت پر بیٹھا، وہ بھی ان کا غیر معمولی معتقد تھا، دکن کے عوام و خواص میں اُن کو بڑی مقبولیت حاصل تھی، اور طالبانِ حق جوق در جوق اُن کے روحانی سرچشمے سے سیراب ہوتے تھے، اُنھوں نے دکن میں اشاعتِ اسلام اور دینی اصلاح و تربیت کا بہت بڑا کام انجام دیا، اس کے علاوہ اُن کی تصانیف کثیر ہیں، اُنھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے تصوف کی تعلیمات کو عام کیا، حضرت سید گیسو دراز نے ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ کو ایک سو چار سال کی عمر میں گلبرگہ میں وفات پائی، ان کے بعد اُن کے خلفاء نے بڑی سرگرمی سے اشاعت اسلام کے ٹھوس کام انجام دیئے[1]

مالوے میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی جن بزرگوں نے اشاعت کی وہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے خلیفہ شیخ وجیہہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین اور مولانا مغیث الدین تھے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ وجیہہ الدین یوسف سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کے اُن خلفاء میں ہیں جنھیں آپ نے پہلے خلافت سے نوازا، ایک دفعہ وہ سلطان المشائخ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے خادم خاص اقبال سے فرمایا کہ لکڑی کا فلاں پیالہ میوے سے بھر کر لاؤ۔ اقبال نے تعمیل کی، جب وہ پیالہ لے کر آئے تو آپ نے اس کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ تیس سال سے یہ پیالہ میرے پاس ہے، آج میں یہ تمھیں دیتا ہوں، شیخ وجیہہ الدین نے فوراً اپنا دامن پھیلایا، آپ نے

---

[1] بزم صوفیہ ص ۳۸۳ تا ۵۲۰ سے جستہ جستہ یہ حالات ماخوذ ہیں۔

نہ پیالہ اُن کے دامن میں ڈال دیا، اور فرمایا خدائے تعالےٰ تمھیں رزق، ایمان اور اپنی امان عطا کرے، شیخ وجیہہ الدین یوسف کا بیان ہے کہ جس روز سے آپ نے میرے لیئے یہ دعا فرمائی اُس دن سے مجھے رزق اور نعمتوں کی کوئی کمی نہیں، میں خدائے تعالےٰ کی پناہ میں ہوں، اور مجھے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ مجھے اس دنیا سے بھی با ایمان لے جائے گا۔[1]

سلطان المشائخ کی بارگاہ میں اُن کے تقرب و اختصاص کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ سلطان المشائخ نے اُن کے متعلق فرمایا کہ درویشی کی روش میں کوئی شخص مولانا یوسف کے مثل نہیں، وہ اس راہ میں ثابت قدم سالکوں کی طرح چلتے ہیں۔[2]

جب عہدِ علائی میں ایک شخص بادشاہ کی طرف سے چندیری کی فتح کے لئے مقرر ہوا، چونکہ وہ سلطان المشائخ کا معتقد تھا، اس لیے اُس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے بادشاہ نے چندیری فتح کرنے کے لئے مقرر کیا ہے، اگر آپ کی بارگاہ سے کوئی ساتھی میرے ساتھ ہو تو ہم اُس کی پناہ میں جائیں گے، اور ہمیں اس مقام کے فتح کی امید واثق ہوگی، سلطان المشائخ نے اُس کے ساتھ شیخ وجیہہ الدین یوسفی کو روانہ کیا، جب وہ وہاں پہنچے تو تھوڑے ہی دن میں چندیری فتح ہو گیا، انھوں نے وہاں رہائش اختیار کر کے سلسلۂ چشتیہ کی ایک خانقاہ قائم کی، اگر چندیری کے علاقے سے کوئی شخص سلطان المشائخ سے بیعت ہونے کے لئے آتا تو آپ فرماتے، تم چندیری میں جا کر شیخ وجیہہ الدین سے مرید ہو اور یہی تصور کرو کہ تم میرے مرید ہو، چندیری اور اس نواح کے

---

[1] سیر الاولیاء باب چہارم، نکتہ دوم ص ۲۸۴

[2] سیر الاولیاء باب چہارم ص ۲۸۶

بہت سے لوگ اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، شیخ وجیہہ الدین یوسف کا مزار بھی چندیری میں ہے[1]

شیخ کمال الدین شیخ بایزید کے صاحبزادے اور شیخ نصراللہ بن بابا فرید کے پوتے تھے، یہ حضرت سلطان المشائخؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر خلافت سے سرفراز ہوئے، جب شیخ کمال الدین نے سفر کی اجازت چاہی تو آپ نے اُن کو ایک جلالی (سکہ) عنایت کرکے مالوے میں رشد و ہدایت کے لئے روانہ کیا، اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق وہ مالوے پہنچے، اور ساری عمر وہاں ارشاد و تلقین میں مصروف رہے[2]

مولانا مغیث الدین بھی اپنے پیر سلطان المشائخ کی اجازت سے ۷۲۰ھ میں مالوے تشریف لائے اور اُجین میں دریا کے کنارے سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی[3]

ہم نے گذشتہ اوراق میں سلسلہ چشتیہ کی دو شاخوں یعنی صابریہ اور نظامیہ کی اجمالی تاریخ ان دونوں سلسلوں کے مؤسس و بانین کے ضمن میں اس لئے پیش کر دی تاکہ قارئین کو اس کا اندازہ ہو سکے کہ حضرت بابا فرید کے فیوض و برکات سے نہ صرف پنجاب بلکہ ہندو پاکستان کا گوشہ گوشہ منور ہوگیا۔

## شیخ جمال الدین احمد ہانسوی

شیخ جمال الدین احمد ہانسوی حضرت بابا فرید کے عظیم المرتبت خلفاء میں میں تھے، اُن کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے جا ملتا ہے[4]

---

[1] سیرالاولیاء۔ ص ۲۸۷

[2] سیرالاولیاء۔ باب سیوم فضائلِ نبیرگان شیخ شیوخ العالم فریدالدین ص ۱۹۸

[3] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۲۱۴ [4] اخبارالاخیار۔ ص ۶۷

صاحبِ سیرالاولیاء نے ان کے مناقب و محامد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

شیخ جمال الملت والدین ہانسوی الخطیب کہ جمالِ اہلِ حقیقت و قدوۂ اہلِ طریقت بود، بعلم و تقویٰ و لطافتِ طبع و درویشی مخصوص ونظم او کہ دستورِ عاشقانِ خداست دلیل بر کمالِ عشق او می کند[1]

اخبار الاخیار میں ہے کہ بابا فریدؒ اُن کی محبت میں بارہ سال تک ہانسی میں رہے، اُن کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جمال ہمارا جمال ہے، کبھی فرماتے جمال میں چاہتا ہوں کہ تم پر قربان ہو جاؤں[2]

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر کو لکھا کہ میرے تمام مریدوں اور خلفاء کو لے لو، اور جمال الدین کو مجھے دے دو، مروت کی بات یہ ہے کہ سودا درہم برہم نہ کیا جائے، حضرت بابا فرید نے اُن کو جواب میں لکھا، جمال میرا جمال ہے، معاوضہ مال میں ہو سکتا ہے نہ جمال میں[3]

شیخ جمال کو بابا فرید کی بارگاہ میں اس قدر تقرب و اختصاص حاصل تھا کہ آپ جس مرید کو خلافت نامہ عطا فرماتے، اُس سے ارشاد فرماتے کہ جمال کے پاس جاؤ، اگر وہ اس کی تصدیق کریں گے تو تمہاری خلافت درست ہوگی ورنہ نہیں[4]

سیرالاولیاء میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا فرید نے ایک شخص کو خلافت نامہ دیا اور اس سے فرمایا کہ جب تم ہانسی جاؤ تو اسے ہمارے جمال کو دکھانا، جب وہ شخص ہانسی پہنچا، اور وہ خلافت نامہ شیخ جمال کو دکھایا تو شیخ جمال نے اُس خلافت نامے کو پھاڑ دیا، اور فرمایا کہ تم خلافت کے اہل نہیں ہو، وہ شخص اجودھن واپس آیا، اور پھٹا ہوا خلافت نامہ حضرت بابا فرید کو دکھایا، بابا صاحب

---

[1] سیرالاولیاء ص ۱۷۸
[2] اخبار الاخیار ص ۶۸ و سیرالاولیاء ص ۱۷۸
[3] گلزار ابرار اردو ترجمہ ص ۵۴
[4] اخبار الاخیار ص ۶۸

نے فرمایا کہ جمال کے پھاڑے ہوئے کو فرید نہیں سی سکتا،[۱]

بڑے بڑے خلفاء بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ جب خلافت نامہ عطا کیا تو فرمایا کہ یہ خلافت نامہ شیخ جمال کو ہانسی میں اور شیخ نجیب الدین کو دہلی میں دکھانا[۲]۔ جب انھوں نے اپنا خلافت نامہ ہانسی میں شیخ جمال کو دکھایا تو انھوں نے نہایت خوش ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس[۳]

شیخ جمال کی خشیت الٰہی، زہد و ریاضت اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ شیخ جمال کے پوتے قطب الدین منور[۴] کا بیان ہے کہ جس روز سے آپ نے یہ حدیث سنی

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۷۸ [۲] سیر الاولیاء ص ۱۷۹ و ۱۱۶ [۳] سیر الاولیاء ص ۱۱۷

[۴] شیخ قطب الدین منور شیخ جمال ہانسوی کے پوتے اور شیخ برہان الدین صوفی کے صاحبزادے تھے، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں خلافت سے سرفراز ہوئے، سیر الاولیاء میں ہے کہ جب سلطان المشائخ کے خلفاء کے خلافت نامے لکھے گئے تو شیخ قطب الدین منور اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی حاضر تھے، آپ نے پہلے شیخ قطب الدین منور کو خلعتِ خلافت عطا فرما کر وصیت فرمائی اور اُن کو خلافت نامہ عطا ہوا، پھر سلطان مشائخ نے اُن سے فرمایا جاؤ اور جماعت خانے میں جاکر دوگانہ ادا کرو۔ جب وہ باہر آئے تو دوستوں نے مبارک باد دی، پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو خلافت عطا کر کے وصیت فرمائی، اور اُن کو بھی خلافت نامہ دیا، پھر شیخ قطب الدین منور کو بلوا کر ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارک باد دو، پھر حکم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو، کیونکہ تم بھائی ہو، تقدم و تاخر کا بالکل خیال نہ کرنا۔ جب شیخ قطب الدین منور دہلی سے

کہ القبر روضتہ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران (قبر یا تو ایک باغ ہوگی جنت کے باغوں میں سے یا دوزخ کا ایک گڑھا ہوگا) اُسی وقت سے آپ بے قرار رہنے لگے۔ اور اس طرف زیادہ متوجہ رہتے[۱]

زہد و ریاضت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شیخ جمال کی ایک خادمہ تھیں جن کو شیخ جمال اُن کی عبادت و تقوی کی وجہ سے مومنوں کی ماں کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت بابا فرید نے اُن سے پوچھا، مومنوں کی ماں ہمارے جمال کا کیا حال ہے، انھوں نے جواب دیا کہ حضور جس دن سے وہ آپ سے مرید ہوئے ہیں اُس روز سے وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے، بھوک اور سختیوں کو برداشت کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ سُنا تو خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ اچھی زندگی بسر کر رہے ہیں[۲]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلہ)

رخصت ہونے لگے تو رخصت ہوتے وقت سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ تمہارے دلوا شیخ جمال الدین ہانسوی کو ہمارے شیخ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے خلافت عطا کرتے وقت عوارف کا ایک نسخہ عطا فرمایا تھا، جب میں خلافت سے سرفراز ہو کر ہانسی گیا تو شیخ جمال الدین وہ نسخہ میرے پاس لائے، اور فرمایا کہ مجھے یہ نسخہ میرے شیخ بابا فرید نے خلافت عطا کرتے وقت بہت سی نعمتوں کے ساتھ دیا تھا، میں آج تمھیں یہ دے کر اس لیے ایثار کر رہا ہوں کہ شاید میری اولاد میں سے کوئی تم سے وابستہ ہو، تم اُسے دینی اور دنیوی نعمتوں سے کہ جن سے تم سرفراز کیے گئے ہو محروم نہ رکھنا، پھر عوارف کا وہ نسخہ آپ نے مجھے عنایت فرمایا۔ (سیر الاولیاء ص ۲۵۰ - ۲۵۱)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ شیخ قطب الدین منور نے ۷۶۰ھ میں وفات پائی۔

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۸۲ و اخبار الاخیار ص ۶۸

[۲] سیر الاولیاء ص ۱۸۰ - ۱۸۱ و اخبار الاخیار ص ۶۸

شیخ جمال نے حضرت بابا فرید گنج شکر کی حیات ہی میں ۶۵۹ھ میں وفات پائی،[1] اُن کا مزار ہانسی میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

شیخ جمال شاعر اور صاحبِ تصنیف تھے، اُن کا فارسی میں ضخیم دیوان چھپ چکا ہے، اُن کی تصانیف میں ایک رسالہ "ملہمات" کا پتہ چلتا ہے، جس کے اقتباسات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں دیئے ہیں:۔

شیخ جمال کے دو صاحبزادے تھے، بڑے صاحبزادے مجذوب تھے، چھوٹے صاحبزادے مولانا برہان الدین تھے، شیخ جمال کی وفات کے بعد اُن کی خادمہ جو مومنوں کی ماں کہلاتی تھیں، مولانا برہان الدین کو حضرت بابا فرید کی خدمت میں لے کر آئیں، حضرت بابا فرید اُن کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئے اور اپنی بیعت کا شرف بخشا۔ مومنوں کی ماں نے حضرت بابا فرید سے کہا کہ "خوجا برہان بالا ہے"۔ حضرت بابا فرید نے فرمایا "پونوں کا چاندھی بالا ہوتا ہے"۔[2] (یعنی چودھویں کا چاندھی پہلی شب کو چھوٹا ہوتا ہے) یہ ہیں وہ اُردو کے ابتدائی فقرے جو اُردو کے ابتدائی محسن حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی زبان سے ہمیں سیر الاولیاء میں ملتے ہیں۔

## شیخ نجیب الدین متوکل

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت بابا فرید گنج شکر کے برادرِ حقیقی، اُن کے مرید اور عظیم المرتبت خلیفہ تھے، حضرت بابا فرید نے اُن کو حکم دیا تھا کہ وہ دہلی جائیں، اور وہیں توطن اختیار کریں، چنانچہ وہ دہلی آگر منڈی کی دروازے میں مقیم ہو گئے، یادالٰہی میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ انھیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ آج کون سا دن ہے یا کون سا مہینہ ہے، یا غلہ شہر میں کس بھاؤ سے بک رہا ہے، درویش اور دولت مند

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۸۶ [2] سیر الاولیاء باب دوم ص ۱۸۳

اُن کی نظر میں یکساں تھے[1]

ایک دفعہ شیخ نور الدین مبارک نے اُن سے پوچھا کہ آپ شیخ فرید گنج شکر کے بھائی ہیں؟ فرمایا کہ ہاں میں اُن کا برادرِ صوری ہوں، لیکن برادرِ معنوی کون ہو سکتا ہے، پھر شیخ نور الدین نے پوچھا کیا شیخ نجیب الدین متوکل آپ ہی کو کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں نجیب الدین متوکل میں ہوں، لیکن متوکل کون ہو سکتا ہے[2]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی بیان ہے کہ میں حضرت بابا فرید گنج شکر سے بیعت ہونے سے پہلے گیسو رکھا کرتا تھا، ایک دن میں نے شیخ نجیب الدین متوکل سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیے کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں، لیکن آپ نے میری اس بات پر توجہ نہ فرمائی مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ نے سُنا نہیں، پھر میں نے یہی بات دوبارہ عرض کی تو مسکرا کر فرمایا، تم قاضی نہ ہو کچھ اور بنو[3]

شیخ نجیب الدین کا قول تھا کہ جب مال آئے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرو کیونکہ خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی، اور جب جائے تو اُس کی پروا نہ کرو کیوں کہ یہ پائیدار نہیں[4]

اُن کا معمول تھا کہ وہ ہر سال دہلی سے حضرت بابا فرید شکر گنج کی زیارت کے لئے اجودھن (پاک پٹن) جاتے تھے۔ جب واپس ہونے لگتے تو حضرت بابا فرید سے عرض کرتے میرے لئے دعا فرمائیے کہ آئندہ سال پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ دعا کر کے فرماتے کہ تم انشاء اللہ بار بار ہمارے پاس آؤ گے، اس طرح وہ اُنیس مرتبہ اجودھن آپ کی زیارت کے لئے حاضر

---

[1] سیر العارفین ص ۹۸ — [2] سیر العارفین ص ۹۸

[3] سیر الاولیاء باب دوم ص ۱۶۸ — [4] سیر الاولیاء باب دوم ص ۱۶۸-۱۶۹

ہوئے۔ اُنیسویں مرتبہ جب روانہ ہونے لگے تو حسبِ عادت اُنھوں نے دعا کے لئے گزارش کی لیکن اس مرتبہ باباصاحب نے دعا نہ کی، اس مرتبہ جب وہ دہلی پہنچے تو اُن کی وفات ہوگئی۔[۱]

## شیخ عارف

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ عارف حضرت بابا فرید گنج شکر کے خلفاء میں تھے، ان کے بیعت ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ اُچ اور ملتان کے بادشاہ کے امام تھے یا ان کا بادشاہ سے کوئی اور تعلق تھا بہرحال ایک مرتبہ بادشاہ نے ان کو سو ٹنکے دے کر حضرت بابا فرید کی خدمت میں بھیجا کہ وہ اُس کی طرف سے آپ کی خدمت میں نذر پیش کریں، لیکن انھوں نے پچاس خود رکھ لئے اور پچاس ٹنکے حاضر ہوکر بابا فرید کی خدمت میں پیش کئے، حضرت بابا فرید نے اُن سے مسکراتے ہوئے فرمایا، تم نے خوب برادرانہ تقسیم کی ہے، انھوں نے شرمندہ ہوکر بقیہ ٹنکے بھی آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ اور مرید ہونے کے لئے عرض کیا، حضرت بابا فرید نے ان کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرماکر خلافت سے سرفراز فرمایا، اور سیوستان بھیج دیا۔[۲]

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۶۹ و سیر العارفین ص ۱۰۲

[۲] سیر الاولیاء ص ۱۸۴

(۶۷)

# شیخ فتح شاہ شطاری

**حالات** شیخ فتح شاہ شطاری شاہ لطیف بُرہان پوری کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، اُن کا سلسلۂ طریقت چند واسطوں سے سید محمد غوث گوالیری سے جا مِلتا ہے، سلسلۂ طریقت یہ ہے:-

شیخ فتح شاہ، شاہ لطیف بُرہان پوری، شیخ بُرہان اسرار الٰہی، شیخ عیسٰی زندہ دل، شیخ وجیہہ الدین گجراتی، سید محمد غوث گوالیری۔

شیخ فتح شاہ شطاری کو سات سال کی عمر میں اُن کے والد شیخ بُرہان اسرار الٰہی کی خدمت میں لے کر آئے، اور اُن کو شیخ برہان اسرار الٰہی کے حلقۂ ارادت میں داخل کیا، شیخ بُرہان اسرار الٰہی نے ان کو ظاہری و باطنی تربیت کے لئے شیخ عبد اللطیف کے حوالے کیا، اِس طرح شیخ فتح شاہ نے تربیت روحانی شیخ عبد اللطیف سے حاصل کی، اور غیر معمولی جذب و استغراق کی وجہ سے، فتح شاہ سرمست کے خطاب سے

مشہور ہوئے۔

**لاہور میں تشریف آوری** اپنے مرشد کے ارشاد کی بنا پر شیخ فتح شاہ لاہور تشریف لائے اور یہیں ارشاد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

**وفات** شیخ فتح شاہ نے ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار پُر انوار لاہور سے باہر مرجع خاص و عام ہے۔[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۶۹

(۶۸)

# شاہ کاکو لاہوری

**حالات** شاہ کاکو لاہوری، شیخ نورالدین قطب عالم کے نامور خلفاء میں تھے اُن کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت بابا فرید گنج شکر سے جا ملتا ہے، وہ ایک طویل عرصہ تک شیخ پیر محمد چشتی لاہوری کی خدمت میں بھی رہے تھے اور ان سے بھی فیوض باطنی کا اکتساب کر کے سلسلہ چشتیہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

**لاہور میں ماموری** علوم باطنی کی تکمیل کے بعد وہ اپنے شیخ کی طرف ارشاد و تلقین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیئے لاہور میں مامور کیئے گئے، اور اس سرچشمۂ ہدایت سے سیکڑوں طالبان حق نے ہدایت کی راہ پائی، تحقیقات چشتی میں بھی آپ کے حالات کی کچھ تفصیل ملتی ہے[۲]

**وفات** شاہ کاکو لاہوری نے ۸۸۲ھ (۱۴۷۷ء) میں وفات پائی، آپ کا مزار پُرانوار لاہور میں مسجد شہید گنج کے قریب واقع ہے[۳]

---

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۴۰۰ سے ماخوذ ہے [۲] تحقیقات چشتی تالیف مولوی نور احمد مطبوعہ حمیدیہ سٹیم پریس لاہور ص ۱۲۰ [۳] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل ص ۴۰۰

(۹ ب)

# شیخ کبیر الدین اسماعیل سہروردی

**حالات** شیخ کبیر الدین اسماعیل سہروردی حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید اور خلیفہ اور اُن کے نواسے تھے، حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات کے بعد وہ حضرت سید صدر الدین راجو قتّال کی خدمت میں حاضر رہے اور اُن سے علوم باطنی کی تکمیل کر کے ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

**اولاد** شیخ کبیر الدین کے دو خوبصورت فرزند تھے، ایک صاحبزادے کا نام عبدالشکور اور دوسرے صاحبزادے کا نام عبدالغفور تھا، ان دونوں صاحبزادوں نے اپنے والد سے تربیت حاصل کی تھی، دونوں صاحبزادے علوم شریعت و طریقت میں کامل تھے، اور اپنے والد سے مرید تھے۔

**وفات**:- شیخ کبیر الدین نے ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔

---

لہ خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص-۶۵-

(۷۰)

# سیّد کبیر الدین حسن

**نام و نسب** آپ کا نام سید کبیر الدین تھا، آپ کے والد کا نام پیر صدر الدین[1] تھا، خاندانِ سادات میں سے تھے،

---

[1] پیر صدر الدین اسماعیلی خوجہ جماعت کے سب سے بڑے داعی ہیں، یہ خراسان سے پاکستان آئے، اُن کی نسبت آغا خانیوں کا بیان ہے کہ آغا خان کے مورث اعلیٰ شاہ اسلام شاہ نے اُن کو داعی بنا کر ایران سے بھیجا تھا، جو لوگ اُن کے یا اُن کی اولاد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے وہ شروع سے اسماعیلی تھے اور امام کو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بھیجتے تھے، پیر صدر الدین نے ایران سے یہاں آکر اسماعیلیوں کی تین جماعتیں منظم کیں، جن کے منتظم پنجاب میں سکھی سیٹھ شام داس لاہوری، کشمیر میں سیٹھ تلسی داس اور سندھ میں سکھی تریکم تھے، سندھ اور پنجاب میں لوہانہ قوم کے بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور پیر صدر الدین کے ہاتھوں پہلا اسماعیلی جماعت خانہ سندھ کے ایک گاؤں کوہاڑا میں قائم ہوا، اسماعیلیوں کے بیان کے مطابق پیر صدر الدین ۱۲۹۸ھ میں سبزوار میں پیدا ہوئے، اور ۱۴۱۶ھ میں ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سید کبیر الدین حسن بن سید صدر الدین محمود بن سید شہاب الدین بن سید نصیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین صالح بن سید اسلام الدین، بن سید عبدالمومن بن سید خالد بن سید نجیب الدین بن سید محمود بن سید محمد ہاشم بن سید احمد ہادی بن سید جماں مستنصر بن سید عبدالمجید بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن سید نورالدین بن سید اسماعیل بن حضرت امام جعفر صادقؓ۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ لہ)

ریاست بھاول پور کے سرکاری گزیٹیر میں پیر صدرالدین کا ذکر حاجی سید صدرالدین کہہ کر کیا گیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ اکثر ہندوؤں کے درمیان رہتے، اور انھوں نے بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا، ہندو انھیں بچھرناتھ کہتے ہیں، سندھ کے خوجوں نے اُن کا روضہ تعمیر کیا،

بھاول پور گزیٹیر کے مطابق سید صدرالدین کا سلسلہ امام حسینؑ علیہ السلام سے تیئسویں (۲۳) پشت میں جا ملتا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کی وفات اُچ میں ہوئی، لیکن اُنھوں نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری نعش کو صندوق میں بند کرکے اونٹ پر رکھ دیا جائے جہاں یہ اونٹ بیٹھے وہیں مجھے دفن کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اونٹ ریاست بھاولپور کے ایک گاؤں ترنڈہ گورگنج کے قریب رک گیا، اور وہیں مزار تعمیر ہوا، اُن کے قریب ہی پیر صدرالدین کے صاحبزادے سید غیاث الدین دفن ہیں، بھاول پور میں پیر صدرالدین کو جو اسی روضے والا صاحب بھی کہتے ہیں، کیوں کہ اُن کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی اولاد میں جو اسی اولیا ہوئے (آب کوثر ص ۳۸۹ تا ۳۹۱ بحوالہ اسماعیلیوں کی تاریخ (انگریزی) از مسٹر اے ایس پکلے ص ۶۳-۶۴ و بھاول پور گزیٹیر ۱۹۰۴ء)

**لقب**
سید کبیر الدین حسن "حسن دریا" کے لقب سے بھی مشہور تھے، اِس لقب سے شہرت کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ سندھ سے ہندوؤں کا ایک قافلہ جاترا کے لیے روانہ ہوا، جب یہ قافلہ اُچ پہنچا تو اُن کی ملاقات سید کبیر الدین حسن سے ہوئی، سید کبیر حسن کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ جاترا کے لئے جارہے ہیں، آپ نے اُن سے یہ فرمایا تم اتنی دور کیوں جاتے ہو میں تمھیں گنگا اور جمنا کے درشن یہیں کرائے دیتا ہوں بشرطیکہ تم اسلام قبول کرلو، اُنھوں نے آپ کی یہ بات منظور کرلی، پھر آپ نے اُن سے فرمایا کہ اچھا اب تم گنگا اور جمنا کی علامتیں متعین کرلو۔ پھر دیکھو کہ تمھیں یہ علامتیں نظر آتی ہیں یا نہیں، چنانچہ اُنھوں نے علامتیں متعین کرلیں، دوسرے دن صبح کے وقت ان جاتریوں نے دیکھا کہ گنگا اور جمنا دونوں اُن کے قریب سے بہہ رہی تھیں، اور اُن میں وہ سب علامتیں موجود تھیں جو اُنھوں نے متعین کی تھیں، جاتریوں نے اپنے عہد کے مطابق اسلام قبول کرلیا، اُس وقت سے پیر کبیر الدین "حسن دریا" کے لقب سے مشہور ہوئے[1]

**تبلیغ اسلام**
اخبار الاخیار میں ہے کہ سید کبیر الدین حسن نے بہت سیاحت کی، پھر وہ اُچ میں سکونت پذیر ہو گئے کہتے ہیں کہ ان کی عمر ایک سو اسی سال کی تھی، یہ بھی مشہور ہے کہ ان سے خوارق کا ظہور ہوتا تھا، اُن کی مشہور کرامت کفار کو اسلام کی طرف لاتا تھا، جب وہ کسی کافر کے سامنے اسلام پیش کرتے تو اس کی مجال نہ تھی کہ وہ اسلام قبول نہ کرے، وہ بے اختیار ہو کر اسلام قبول کرتا، کفار کی جماعتیں کی جماعتیں اُن کے پاس آتیں اور اسلام قبول کرتیں، کہتے ہیں کہ یہ صفت اُن کی بعض اولاد میں بھی موجود تھی[2]

---

[1] آب کوثر ص ۳۹۲ بحوالہ بھاولپور گزٹیئر  [2] اخبار الاخیار ص ۲۱۲

تاریخ اُچ میں ہے کہ سید کبیر الدین حسن کے پر دادا سید شاہ شمس الدین سبز واری۔ ۵۹۸ھ میں ملتان آئے، اور وہیں ۶۷۵ھ میں وفات پائی، سید کبیر الدین حسن سہروردی سلسلے کے ذکر و شغل میں مصروف رہے، اور اسی کی

---

سے خوجوں کے دوسرے مبلغ شاہ شمس تھے، جو ملتان میں ایک بڑے شاندار روضے میں آرام فرما ہیں، انھیں عام طور پر شاہ شمس تبریز کہا جاتا ہے، لیکن خوجہ روایات کے مطابق وہ ایران کے شہر سبزوار سے تشریف لائے، اُن کی نسبت عوام میں مختلف روایتیں مشہور ہو گئیں، اولیاء اور مشائخ کے بعض تذکروں میں اُن کو صوفیائے کرام میں شمار کیا گیا ہے، ان کی نسبت ایک روایت مشہور ہے کہ ملتان کے ایک قصاب نے انھیں گوشت کی بوٹی بھون کر دینے سے انکار کیا تو انھوں نے سورج کی طرف ہاتھ اٹھایا، سورج سوا نیزے پر آگیا جس سے انھوں نے بوٹی بھون لی، لیکن شہر میں قیامت برپا ہو گئی۔

پنجاب کی ایک جماعت جو بظاہر ہندوؤں میں شامل ہے اور خوجوں کے موجودہ امام آغا خان کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہے، اپنے آپ کو شاہ شمس کے نام پر شمسی کہتی ہے۔

خوجوں کی تاریخ بلاغ المبین کے مطابق آپ کی وفات ۷۵۷ھ میں ہوئی، لیکن یہ تاریخ غالباً غلط ہے، ملتان گزیٹیر کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۱۱۶۵ھ ہے، اور آپ کو حضرت بہاؤ الحق بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہمعصر لکھا ہے (آب کوثر ص ۳۸۷ و ۳۸۸)۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اُن شیخ شمس الدین تبریزی کے حالات میں جو شیخ سلہ باف تبریزی اور بابا کمال خجندی کے مرید تھے، اور مولانائے روم نے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے لکھا ہے کہ وہ شیخ شمس الدین جو ملتان میں مشہور ہیں، وہ ان شمس تبریزی کے علاوہ ہیں، شیخ شمس الدین ملتانی موسوی سادات میں سے ہیں، اُن کی اولاد شیعہ مذہب رکھتی ہے، اور لاہور وغیرہ میں سادات شمسی سے مشہور ہیں۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۷۰)

تلقین وارشاد فرماتے رہے، مگر آپ کی اولاد کا مذہب اثنا عشری ہے[1]

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ :۔

سید کبیر الدین حسن قدس سرہٗ از سادات عظام بخاری است وا فراز خاندان حضرت مخدوم جہانیاں یافت و بکمالات رسید بعد از آں بسیر ربع مسکون پرداخت، و بازہ در اُچ آمدہ سکونت پذیر شد و ہماں جا وفات یافت۔

**وفات**

اخبار الاخیار میں ہے کہ سید کبیر الدین حسن نے ۸۹۶ھ ۱۴۹۰ء میں وفات پائی، اور اُن کا مزار اُچ میں ہے[2]

**اولاد**

سید کبیر الدین حسن کی اولاد کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے :۔

گویند بعضے از اولاد او بسبب اغوائے نفس و دنیا بہ بدعت ہا مبتلا شدند، و اختراعہائے عجیب پیدا کردند و بہ چیزہائے غریب منسوب گشتند، واللہ اعلم، و ایں سبب طعن و بدنامی سلسلہ او باشد[2] وفات او ہشت صد و نود و شش و قبر او در اُچ است[3]

---

[1] تاریخ اُچ از مولوی حفیظ الرحمن

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۱۳

[3] ایضاً

(۷۱)

# سیّد کامل شاہ لاہوری

**حالات** سید کامل شاہ لاہوری بخارا کے سادات میں سے تھے، ابتداءً اُنھوں نے طریقۂ قادریہ میں بیعت کی، اور قادریہ سلوک کی تکمیل کی، پھر شیخ الہ داد مداری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور لوگوں میں سید دیوانِ کامل کے لقب سے شہرت پائی۔

**ورود لاہور** سید کامل شاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں بخارا سے لاہور تشریف لائے اور موضع یا بوسا کے قریب ایک جنگل میں قیام فرمایا، اور بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

**وفات** سید کامل شاہ لاہوری نے اُسی جنگل میں ۷؍صفر ۱۰۰۵ھ؍۱۵۹۶ء میں وفات پائی۔ آپ کے ایک مرید عبدالرحیم نامی نے آپ کے مزار پر گنبد بنانا چاہا، لیکن اُس نے خواب میں دیکھا کہ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہمیں یہی پسند ہے کہ ہماری قبر خام ہی

رہے، تمھیں ہمارے مزار پر گنبد تعمیر نہ کرنا چاہیئے۔
صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا سنہ وفات اِس شعر سے نکالا ہے۔

جناب شیخ کامل صدرِ دیوان
بعلمِ عشق عامل قطب عالم
ندا شد بہرِ سالِ انتقالش
کہ "شاہنشاہ، کامل قطب عالم"
۱۰۰۵ھ

---

ے یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۸۱ سے ماخوذ ہیں۔

(۷۲)

# شاہ لطیف برّی

## حالات

شاہ لطیف برّی پنجاب کے مشہور صوفیائے کرام میں سے ہیں، افسوس ہے کہ اُن کی زندگی کے حالات ہمیں تذکروں میں نہیں ملتے، متاخر تذکرہ نگاروں میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی کتاب حدیقۃ الاولیاء میں اُن کا تذکرہ صرف چند سطروں میں کرتے ہوئے لکھا ہے :-

شاہ لطیف برّی قادری قدس سرہٗ بزرگانِ پنجاب سے یہ حضرت بڑے بزرگ مشہور ہیں، حضرت کے خوارق وکرامات ہزاروں مشہور ہیں، حضرت بڑے عابد وزاہد، گوشہ نشین مست ومجذوب تھے، ہزاروں مرید مدارج تکمیل کو پہنچے، حضرت نے نعمتِ باطنی حضرتِ حیات المیر زندہ پیر سے پائی، جو حضرت غوث الاعظم کے پوتوں سے زندہ جاوید ہیں۔ حضرت کی وفات ۹۶۲ھ میں ہوئی، اور روضۂ مقدس مشہور ہے[1]

---

[1] حدیقۃ الاولیاء مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ ص ۹

## سلسلہ بہلول شاہی

پادری عبدالسبحان نے اپنی کتاب صوفیز؎ سینٹ این شرائینٹ میں لکھا ہے کہ شاہ لطیف ملقب بری سلطان، حضرت حیات المیر سے بیعت تھے، اور حیات المیر حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے سلسلے میں بیعت تھے، بہلول شاہی سلسلہ حضرت شاہ لطیف بری کے مرید بہلول؎ شاہ سے چلا۔

ثمر جالندھری نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ حضرت شاہ لطیف برّی کی ولادت باسعادت موضع جولیاں کرسال ضلع جہلم میں ہوئی، وہ بچپن ہی سے عبادات و ریاضتوں کی طرف مائل تھے، ان کے والد کا اسم گرامی شاہ محمود تھا، شاہ محمود نے کئی دفعہ انھیں بھینس چرانے کا کام سپرد کرنا چاہا لیکن، وہ اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور عبادات و ریاضت میں لگے رہے، بعض مخالفتوں کی وجہ سے شاہ محمود ترک وطن کرکے راولپنڈی ضلع کے علاقہ گولڑھ کے ایک گاؤں "باغ کلاں" میں آکر سکونت پذیر ہوگئے، یہاں آنے کے بعد بھی شاہ لطیف پر کوئی دنیاوی اثر نہیں ہوا، بلکہ وہ عبادت الٰہی میں

---

؎۱ شیخ بہلول دریائی، قادریہ سلسلے کے جلیل القدر شیوخ میں تھے، وہ شاہ لطیف بری قادری کے مرید و خلیفہ تھے، حقیقت الفقراء میں ہے کہ وہ شاہ لطیف بری کی وفات کے بعد تصوف کے بعض مشکل مسائل حل کرنے کے نجف اشرف گئے۔ اور حضرت علیؓ کے روضۂ مبارک پر دو سال تک معتکف رہے، پھر کربلائے معلیٰ حاضر ہوئے، اور روضۂ امام حسین پر حاضر ہوئے، اور باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ پھر بغداد حاضر ہوئے، اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روضے پر ایک سال تک معتکف رہے، شیخ بہلول نے ۹۸۳ھ میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۳۲)۔

؎۲ صوفیزم اٹس سینٹس اینڈ شرائنز۔ مصنف۔ جان۔ اے۔ سبحان۔

مصروف رہے۔

**تعلیم** چنانچہ اُن کے والد نے تعلیم کے لیئے کیمل پور کے ایک مقام غورغشتی میں اُن کو بھیج دیا۔

**سفر** علوم ظاہری کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ حج کے لیئے مکۂ معظمہ حاضر ہوئے، اور حج وزیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹے۔

**رشد و ہدایت** وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ ریاضتوں میں مشغول ہو گئے، اور اپنے وطن ہی میں اُنھوں نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی شاہ لطیف برّی کی تبلیغی کوششوں سے یہاں کی دو قوموں ڈھونڈ اور ستی میں اسلام پھیلا اور انھیں کی نورانیت اور ضیا باریوں کے باعث یہ موضع جو پہلے چور پور کہلاتا تھا نور پور سے مشہور ہوا، اور غالباً یہ اُنھیں بزرگ کی برکت کا اثر ہے کہ نور پور پاکستان کے نئے دارالحکومت اسلام آباد میں مرکزی مقام کی حیثیت حاصل کر رہا ہے۔

**خلفاء** شاہ لطیف برّی کے خلفاء میں، شاہ حسین خاص طور پر مشہور ہیں، جن کی بیٹھک شاہ لطیف برّی کے مزار کے بالکل سامنے ہے، اِس بیٹھک پر یہ مصرعہ لکھا ہوا ہے۔

میرے مرشد کی گلی کی خاک بھی اکسیر ہے

شاہ حسین کا مزار بھی حضرت شاہ لطیف برّی کے مزار کے باہر ہے۔

**شاہ برّی کا میلہ** سالہا سال سے شاہ برّی کا میلہ راولپنڈی شہر سے بارہ میل دور نور پور شاہاں میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے دور دور سے زائرین کے علاوہ ناچنے گانے والی طوائفیں آتی تھیں، رقص و سرود کی محفلیں جمتی تھیں۔

جوئے کا سلسلہ بھی ہوتا تھا۔

لیکن موجودہ انقلابی حکومت نے، جہاں ملک میں بہت سی اصلاحیں کی ہیں، اِس میلے کی بھی مزخرافات کو قانوناً بند کر دیا، طوائفوں کو اِس میلے میں جوان بزرگ کے نام سے موسوم ہے روک دیا، قمار بازی کا خاتمہ کر دیا، چاقو، چھری، نیزے، بھالے اور اسلحہ لے کر میلے میں چلنے کی ممانعت کر دی، اور اس طرح اِس میلے کو اُن خرافات سے پاک کر دیا، جو اخلاق عامہ کے لئے مضر، اور ان بزرگ کی روح پر فتوح کو صدمہ پہنچاتے والے تھے۔

## شاہ برّی کا عُرس

میلے کے بعد ہی شاہ لطیف برّی کا عرس ہوتا ہے، اور زائرین دور دور سے آکر اس عرس میں شریک ہوتے ہیں[1]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل ثمر جالندھری کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے، جو برّی کا میلہ کے عنوان سے کسی اخبار میں شائع ہوا تھا اخبار کا وہ حصہ جس میں مضمون شائع ہوا تھا مجھے محب محترم جناب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے بھجوایا تھا۔ اتفاق سے اس حصہ پر اس اخبار کا نام نہیں تھا۔

(۳۷)

# شیخ حاجی لگن شوریانی قصوری

**حالات** شیخ حاجی لگن شوریانی قصوری حضرت پیر کیار کی اولاد میں تھے، خزینۃ الاصفیار میں ہے کہ وہ تفرید وتجرید، تقویٰ وتقدس کی انتہائی منزل فائز تھے، اُنھوں نے سات حج کیے، احتیاط شرعی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے تاکہ نظر کسی نامحرم پر نہ پڑ جائے۔ لیکن اِس پر بھی مطمئن نہ تھے، بہت سے بزرگانِ کرام کی خدمت میں پہنچے، لیکن اطمینانِ قلب کی دولت نہ حاصل کر سکے، جب ساتویں مرتبہ حج کے لیے پہنچے، وہاں رو رو کر دعا کی، اشارۂ غیبی ہوا کہ تمھاری مشکلات کا حل شیخ عیسیٰ مشوانی کے پاس ہے، فوراً ہی ہندوستان واپس ہو کر شیخ عیسیٰ مشوانی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُن کا طریقہ ملامتیہ[1] تھا، اکثر شراب کے

---

[1] ملامتیہ وہ ہیں کہ اُنھوں نے خلاف شرع کسی چیز سے اپنے آپ کو متہم کیا ہے، تاکہ لوگ ان سے پرہیز کریں اور وہ تنہائی میں اطمینان سے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رکھیں اور اس طرح مخلوق کی

نشے میں مست رہتے تھے، حاجی لگن نے یہ رنگ دیکھ کر ِالسی کا ارادہ کیا، شیخ نے اُن کو بلایا اور کہا کہ تم بہت سے شیوخ کی خدمت میں حاضر رہے، لیکن اطمینان کی دولت کہیں سے نہ پاسکے، اب اشارۂ غیبی کی بنا پر تم ہمارے پاس آئے ہو، ابھی تک تو صحیح معنی میں ہماری تمھاری ملاقات بھی نہیں ہوئی اور تم واپس چلے جا رہے ہو، یہ کہاں کی عقلمندی ہے؛ شیخ عیسی مشوانی کی اِس بات کا اُن پر اثر ہوا، اور شیخ عیسیٰ کی صحبت میں رہ کر اُنھوں نے طریقہ ملامتیہ اختیار کیا، چار ابرو کا صفایا کرایا، کہا کرتے تھے کہ یہ زینت دُنیا ہے، اپنے آپ کو اِس سے دور رکھنا چاہیئے، ہر وقت اپنے پاس آگ روشن رکھتے، اگر اُن کے پاس کوئی شخص کوئی چیز لاتا تو آگ میں ڈال دیتے۔

**وفات** شیخ حاجی لگن نے ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۴ء میں وفات پائی، اُن کا مزار قصور میں واقع ہے۔ [۱]

—:✧:—

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ [۱])

آفت سے چھٹکارا حاصل کریں، اور اپنے وقت کو ضائع نہ ہونے دیں۔

کشف اللغات میں مادۂ قلندریہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ صوفی، قلندر، اور ملامتی میں فرق یہ ہے کہ صوفی وہ ہے کہ اُس کے قلب کو دنیا کی طرف التفات نہ ہو، اور ہمیشہ دریائے وحدت میں مستغرق رہے، قلندریہ اُس کو کہتے ہیں کہ جو تجرید و تفرید بدرجہ کمال رکھتا ہو، اور عبادت و ریاضت میں کوشش کرتا ہو، ملامتی وہ ہے کہ جو اپنی عبادت اہلِ دنیا پر اظہار نہ کرتا ہو، اور چھپ کر عبادت میں مصروف رہے (ینابیع الحیوٰۃ الابدیہ قلمی جلد اوّل باب اول فصل دوئم۔ تالیف مخدوم ابو الحسن)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا) [۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۴۶۸ / ۴۶۹ سے ماخوذ ہے۔

(۷۴)

# سیّد مِٹھا لاہوری

**حالات** آپ کا اصل نام سید ابی غفار حسینی تھا، آپ کا شجرۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے، آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

سید مِٹھا بن جمال الدین بن سید محمد بن سید کریم الدین بن سید نور الدین بن سید آدم بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید یوسف بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ اشقری بن جعفر بن سید محمد الجواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی کرم اللہ وجہٗ۔

سید مِٹھا لاہوری ساداتِ اور مشائخ کے خانوادے سے تھے، یہ خاندان خوارزم میں سکونت پذیر تھا، لیکن جب خوارزم چنگیز خاں کی قتل و غارت گری

---

ے ۲۰ ذی قعدہ ۵۴۹ھ کو میسوکا بہادر کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، اسی سال

سے تباہ ہوا تو آپ کے والد ماجد سید جمال الدین خوارزم سے ہندوستان آئے، اور لاہور میں سکونت اختیار کی، لاہور کے رہنے والے اُن کے بے حد معتقد ہوگئے، اور جوق در جوق اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے لگے۔

اپنے والد کی وفات کے بعد سید میٹھا سجادۂ مشیخت پر رونق افروز ہوئے، چوں کہ نہایت شیریں کلام تھے، اس لئے مِٹھا کے لقب سے ہوئے، یہاں تک کہ جس محلہ میں آپ رہتے تھے وہ محلہ بھی سید مِٹھا کے نام سے مشہور ہوگیا۔

سید مِٹھا نے ۶۶۱ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ لاہور میں آپ کا مزار پُر انوار مرجع خاص و عام ہے[۲]۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

منغولستان کے قاآن اکبر یعنی بادشاہ اعظم کا انتقال ہوا تھا جس کا نام تموجین تھا، میسو کا بہادر نے اسی بادشاہ کے نام پر اپنے لڑکے کا نام تموجین رکھا، ۵۶۲ھ میں تموجین اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنے چھوٹے سے علاقے کا سردار قرار پایا، اس وقت اس کی عمر ۱۳ سال کی تھی، پھر اُس نے اپنے آپ کو چنگیز خاں کے نام سے مشہور کیا۔ اور آہستہ آہستہ قبائل مغلیہ اور منغولستان پر قابض ہوگیا۔ ۶۱۵ھ میں چنگیز عذاب الٰہی بن کر دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑا اور اُس نے خوارزم شاہ کے دارالسلطنت ارنار پر حملہ کیا، پھر بخارا، اور سمرقند کو تباہ کیا، پھر خراسان کے ہر مقام پر اُس نے مسلمانوں کے خون کے دریا بہا دیئے، ماہ رمضان ۶۲۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں ۲۵ سال کی حکومت کے بعد وفات پائی۔

(تاریخ اسلام جلد سوم)

[۲] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۷۵۔

(۷۵)

# مخدوم محمد گیلانی

**نام ونسب** سب سے پہلے ہندوستان میں طریقہ قادریہ کے جن بزرگ کا پتہ چلتا ہے وہ دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری[1] تھے، لیکن اُن سے یہ سلسلہ نہیں پھیلا، اور سب سے پہلے ہندوستان میں جس بزرگ نے سلسلہ قادریہ کا آغاز کیا وہ مخدوم شیخ محمد گیلانی حلبی تھے۔

آپ کا اسم گرامی محمد تھا، آپ کے والد کا نام نامی سید شاہ امیر تھا جو حضرت

---

[1] شاہ نعمت اللہ قادری سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت شیوخ میں ہیں، آپ کا سلسلہ نسب آبائی یہ ہے۔ شاہ نعمت اللہ بن سید ابوبکر بن سید شاہ نور بن سید لیل ادہم بن سید جعفر بن سید محمد بن سید بہاء الدین بن سید داؤد بن سید ابوالعباس احمد بن سید حسن بن سید موسیٰ بن سید علی بن سید محمد بن سید متقی بن سید صالح بن ابی صالح بلفرین بن سید عبدالرزاق بن حضرت غوث اعظم۔ شاہ نعمت اللہ نے اپنے والد ماجد سید ابوبکر سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، شاہ نعمت اللہ نے ۸۳۲ھ بمطابق ۱۴۲۲ء میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک کوہ پھکھلی دھمنور میں ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۱۴ و ۱۱۵)۔

غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سیّد محمد بن سیّد شاہ امیر بن سیّد علی بن سیّد مسعود بن سیّد احمد بن سیّد صفی بن شیخ سیف الدین عبد الوہاب بن شیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر گیلانی۔

**ولادت** جب ہلاکو خاں نے بغداد کو تباہ و برباد کیا تو مخدوم محمد گیلانی کے بزرگ بغداد سے حلب چلے گئے، اور حلب ہی میں مخدوم محمد گیلانی کی ولادت باسعادت ہوئی، مخدوم محمد گیلانی صاحبِ عظمت و کرامت اور علوم معقول و منقول کے جامع تھے، اور قدرت نے آپ کو دنیاوی جاہ و جلال سے بھی نوازا تھا۔[1]

**سیاحت** ایک عرصے تک آپ ہندوسندھ، خراسان و ترکستان، عرب و عجم کی سیر کرتے رہے اور چند بار زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ مخدوم محمد کچھ زمانے لاہور میں محلہ کوفت گراں اندر کچھ عرصہ ناگور میں سکونت پذیر رہے۔ وہاں ایک مسجد بھی تعمیر فرمائی، اور پھر حلب واپس تشریف لے گئے، اور اپنے والد سے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ میں ہندوستان کے کسی شہر میں توطن اختیار کروں، آپ کے والد نے ارشاد فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھیرو کہ ہماری عمر کا آفتاب لبِ بام ہے، ہماری وفات کے بعد تمھیں اختیار ہے جس جگہ مناسب سمجھو سکونت اختیار کرنا، چنانچہ آپ اپنے والد کی وفات تک حلب ہی میں مقیم رہے۔

**اُچ میں سکونت:۔** اپنے والد کی وفات کے بعد ۸۸۶ھ میں خراسان

---

[1] اخبار الاخیار مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۰۲

اور ملتان ہوتے ہوئے آپ مغربی پاکستان کے مشہور شہر اُچ میں تشریف لائے اور وہیں توطن اختیار کیا، اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

## شاہانِ وقت کی عقیدت و بیعت

اُسی زمانے میں سلطان حسین مرزا بادشاہ آپ کا مرید ہوا اور سلطان سکندر لودھی بھی مخدوم محمد کا بے حد معتقد تھا۔

## ازدواج

شجرۃ الانوار میں ہے کہ مخدوم محمد نے پہلی شادی سلطان قطب الدین لانگا کی دختر بی بی دلیس گسائیں سے کی تھی جو ملتان اور اُچ کا حاکم تھا لیکن اُن کے بطن سے آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پھر آپ نے دوسرا عقد سید ابو الفتح حسینی کی صاحبزادی بی بی فاطمہؓ سے کیا، سید ابو الفتح حسینی کا سلسلہ آبائی چار واسطوں سے سید صفی الدین گازرونی سے جا ملتا ہے۔

## شاعری

مخدوم محمد شاعری کی طرف بھی میلان رکھتے تھے، اور قادری تخلص فرماتے تھے، آپ کے اکثر اشعار حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کی تعریف میں ہیں، اس کے علاوہ ایک غزلوں کا دیوان بھی ہے، جس میں کئی ترجیع بند ہیں اخبار الاخیار سے ایک بند تبرکاً ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

رندیم و قلندریم و چالاک
مستیم و معربدیم و بے باک
جامیم و صراحیم و بادہ
دُرّ و صدفیم و بحر و خاشاک
والیِ ولایتِ شش و پنج
حامیِ بلادِ فہم و ادراک

---

۱؎ خزینۃ الاصفیاء جلد اول بحوالہ شجرۃ الانوار ص ۱۱۷

مجموعۂ رازِ عالمِ دل
منصوبہ کشائے سِرِّ لولاک
بگذشتہ زخویش بی کدورت
نگذشتہ زعشق جوہرِ خاک
آئینۂ صاف باغل وغش
صافی دل و پاک رائے نسّاک
گر صاف شوی و پاک دائم
می گوئی چو قادری تو ناپاک
تا بلبلِ بوستانِ قدسیم
شہباز سفید دست انسیم[1]

**وفات** مخدوم محمد نے ۹۲۳ھ میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے، صاحبِ شجرۃ الانوار نے "محمد حسنی پاک رفت" سے مادہ تاریخ وفات نکالا ہے، مفتی غلام سرور نے اس قطعہ میں تاریخ وفات کہی۔

بفردوسِ بریں چوں کرد رحلت
محمد غوث پیرِ سیدِ دیں
"محمد شاہ پیراں قطب اقطاب"
بگو تاریخ او با طرزِ رنگیں[2]

**اولاد** مخدوم محمد کے تین صاحبزادے تھے، شیخ عبدالقادر ان کو مخدوم ثانی بھی کہتے ہیں، سید عبداللہ، سید مبارک، سید عبداللہ لطافت

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۰۲

[2] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۱۷ و ۱۱۸

طبع میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے ان کے فضائل و مناقب کی خبر سن کر ان کی خدمت میں چند اشعار بھجوائے تھے۔

سید مبارک بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے، ان کے صاحبزادے کا نام میر میراں تھا، جو لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

---

لہ مولانا عبدالرحمٰن جامی کا لقب عماد الدین و نور الدین، تخلص جامی۔ آپ کے والد کا نام احمد بن محمد دشتی تھا۔ آپ کی ولادت جام میں ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ میں ہوئی، مولانا جامی عارف کامل اور علوم ظاہر و باطنی کے ماہر اور جامع تھے۔ سلطان حسین مرزا کو آپ سے کمال خلوص اور عقیدت تھی۔ حضرت سعد الدین کاشغری کے مرید تھے، مولانا جامی زمانۂ طفولیت کے زمانے میں خواجہ محمد پارسا کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے، خواجہ عبداللہ احرار سے مولانا جامی کو بے حد عقیدت تھی، چنانچہ آپ نے اپنی بعض تصنیفات کو خواجہ احرار کے نام سے معنون بھی کیا ہے، مولانا عبدالرحمٰن جامی نے بروز جمعہ ۱۸ محرم ۸۹۸ھ کو وفات پائی، آپ کا مزار مبارک خیابان ہرات میں ہے۔ (سفینۃ الاولیا تالیف دارا شکوہ۔ تذکرہ مولانا عبدالرحمٰن جامی۔)

سہ یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار ص ۲۰۲ سے ماخوذ ہے۔

(۷۶)

# سیّد محمود حضوری لاہوری

**نام و نسب** محمود نام اور حضوری خطاب تھا: آپ کے والد کا اسم گرامی شمس الدین تھا، جو شمس العارفین کے لقب سے مشہور تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے اپنے وقت کے مشہور اساتذہ میں تھے، اور تصوف و عرفان کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے، سید محمود نے اپنے والد کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

**لاہور میں ورود** سید محمود اپنے والد کی وفات کے بعد سیر و سیاحت کے لئے غور سے تشریف لائے، اور لاہور کے محلہ حاجی سرائے میں جو شہر کے باہر تھا سکونت اختیار فرمائی۔

**قبول عام** تھوڑے ہی دن کے قیام کے بعد آپ کے تقویٰ و زہد و ورع عرفان و تصوف کا شہرہ تمام لاہور میں پھیل گیا، اور بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

**حضوری کے خطاب کی وجہ سے** آپ کے حضوری کے خطاب کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ آپ کے

دستِ حق پرست پر بیعت کرتے تھے، وہ پہلے ہی روز سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے، اس لئے لوگ آپ کو سید محمد حضوری کہنے لگے۔

**شجرۂ طریقت** آپ کا شجرۂ طریقت دس واسطوں سے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے

آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے۔

سید محمود حضوری، سید شمس مشہور بہ شمس العارفین، سید یعقوب، عبدالقادر، سید علی، سید محمود، سید احمد، سید اصغر، الفرح، عبدالوہاب، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی۔

**وفات** سید محمود حضوری نے ۹۴۲ھ میں وفات پائی، آپ کے مزار پر دو گنبد ہیں۔ ایک گنبد میں سید محمود حضوری کا مزار ہے اور آپ کے برابر ہی آپ کے صاحبزادے شاہ نورالدین مدفون ہیں۔ دوسرے گنبد میں سید جان محمد حضوری مدفون ہیں، اور ان کے برابر اُن کے صاحبزادے سید سرمد زین کا مزار ہے۔[1]

سید محمود حضوری کا سنہ وفات اس تاریخی قطعہ میں نکلتا ہے:۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں
سیدِ محمود پیرِ باکمال
صاحبِ مشتاق تاریخش بگو
نیز شمس العارفیں صاحب جلال[2]
۹۴۲ھ

---

[1] تاریخ لاہور۔ عبداللطیف

[2] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص: ۱۲۱ - ۱۲۲۔

(۷۷)

# شیخ مادھو لاہوری

**حالات** شیخ مادھو لاہوری ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے، وہ شیخ حسین لاہوری کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، حقیقت الفقراء میں ہے کہ شیخ مادھو کے والد برہمن تھے اور شاہدرے کے رہنے والے تھے، شیخ مادھو غیر معمولی حسین وجمیل تھے، ایک مرتبہ شیخ حسین اُدھر سے گزرے، اور اُن کے حسن وجمال کو دیکھ کر اُن کی محبت میں مبتلا ہوگئے اور شاہدرے میں ہی رہنے لگے، شیخ حسین کو عشقِ مجازی نے اس منزل پر پہنچایا کہ شیخ حسین تمام شب اُن کے گھر کا طواف کرتے۔ دن میں جہاں کہیں بھی سُن پاتے کہ شیخ مادھو وہاں موجود ہیں فوراً وہاں پہنچتے، لیکن شیخ مادھو کو اُن کی طرف توجہ نہ تھی، اور وہ ہمیشہ شیخ حسین سے بے توجہی برتتے تھے، کئی سال اسی طرح گزرے، یہاں تک کہ شیخ حسین کے عشق کا چرچا سارے لاہور میں پھیل گیا، آخر وہ وقت بھی آیا کہ شیخ مادھو اُن کی محبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، کبھی کبھی اُن کی خدمت میں آنے لگے،

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ شب و روز شیخ حسین کی خدمت میں حاضر رہنے لگے، آخر وہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے۔

**بیعت** اور سلسلۂ قادریہ میں حضرت شیخ حسین کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر شیخ کی توجہ سے درجۂ کمال کو پہنچے۔

**مہم دکن** اسی زمانے میں راجہ مان سنگھ[1] مہم دکن کے لیے روانہ ہو رہا تھا، شیخ حسین نے شیخ مادھو کو حکم دیا کہ وہ راجہ مان سنگھ کے ہمراہ مہم دکن میں جائیں، شیخ مادھو کو اگرچہ آپ کی مفارقت گوارا نہ تھی، لیکن وہ اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں دکن روانہ ہوئے، اور اس مہم میں فتح یابی کے بعد لاہور واپس ہوئے وہ تقریباً تیرہ سال تک راجہ مان سنگھ کی ملازمت میں رہے۔

**شیخ حسین کی وفات** شیخ مادھو کی واپسی سے ایک سال قبل شیخ حسین نے وفات پائی، اپنی وفات سے کچھ زمانہ پہلے اُنھوں نے شاہدرے کے قریب ایک کنواں اور باغ

---

[1] راجہ مان سنگھ اکبری عہد کے اُمرا میں تھا، اُس کی بہن شاہزادہ سلیم سے بیاہی تھی۔ مان سنگھ اپنے والد ہی کی زندگی منصب عالی مفتخر ہوا، اور کابل اس کی جاگیر میں عنایت ہوا۔

۱۰۰۱ھ میں وہ قتلو افغان کے مقابلے کے لئے اوڑیسہ بھیجا گیا، عہد جہانگیری میں وہ خان خانان مرزا عبدالرحیم کی کمک کے لیے دکن میں متعین کیا گیا، ——

—— اور دکن ہی میں اُس نے اپنی طبیعی موت سے وفات پائی، چھ فراد مرد اور عورتیں، اُس کے ساتھ ستی ہوئے۔ (ماخوذ از ذخیرۃ الخوانین جلد اوّل مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ص ۱۰۳ تا ۱۱۱)۔

تیار کرایا تھا، اُنھوں نے وصیت کی تھی کہ اُنھیں اس باغ میں دفن کیا جائے، لیکن ہماری یہ تدفین عارضی ہوگی، ہماری وفات کے ایک سال بعد مادھو آئے گا، اس کے بعد ہماری نعش شاہدرے سے نکال کر بابو پورے میں دفن کی جائے، اور ہمارا سجادہ نشین مادھو ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، شیخ حسین کی وفات کے ایک سال کے بعد شیخ مادھو لاہور آئے، شیخ مادھو نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نعش کو شاہدرے سے محلہ بابو پورہ میں منتقل کیا، اور تقریباً پینتیس ۳۵ سال تک وہ شیخ حسین کے سجادہ نشین رہے۔[۱]

## شیخ کی محبت

شیخ مادھو کو اپنے پیر شیخ حسین سے بے حد محبت تھی، اُن کی وفات کے بعد اکثر شیخ مادھو اُن کی قبر سے لپٹ کر رو رو کر یہ اشعار پڑھتے :-

توشدی با وصالِ حق ہمدم
مادھو را گذاشتی در غم
توشدی از جہاں بناز و نعیم
مادھوِ تو شدہ بدرد و بیم[۲]

## وفات

شیخ مادھو نے تہتر سال عمر میں ۲۲ ذالحجہ ۱۰۵۶ھ میں وفات پائی اور اپنے مرشد کے مزار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

## شاعری

شاعر بھی تھے، شفیع عقیل صاحب نے خیابان پاک میں اُن کی ایک کافی کا منظوم ترجمہ اردو میں کیا ہے،

---

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۶۶ تا ۱۶۸ سے ماخوذ ہے۔
[۲] تحقیقات چشتی تالیف مولوی نور احمد چشتی مطبوعہ حمیدیہ سٹیم پریس لاہور۔

جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

میرے دل کے حال کا محرم اے میرے رب تو
اندر تو ہے، باہر تو ہے، دیکھوں جس ڈھب تو
توہی تانا توہی بانا سب کچھ ہے اب تو
شاہ حسین کہے بے چارہ مَیں ناہیں سب تو[1]

**عقیدت** شطحیات دارا (مصنفہ دارا شکوہ) میں ہے کہ شہزادہ سلیم کو ان سے بڑی دلچسپی تھی اور بہار خاں کو اُن پر متعین کیا تھا۔

---

[1] خیابان پاک

[2] تاریخ لاہور۔ عبد اللطیف۔

(۷۸)

# سیّد میراں محمد شاہ مشہور

# بہ موج دریا بخاری

**نام ونسب** اسمِ گرامی میراں محمد شاہ تھا، لیکن مشہور موج دریا بخاری کے لقب سے تھے، اور بخاری سیدوں میں سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے جاملتا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

میراں محمد شاہ بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن جلال الدین بن سید علم الدین اول بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم امیر سرخ بخاری۔

**ولادت** آپ کی ولادت باسعادت ۹۴۰ھ اُچ میں ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی، حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری اپنے زمانے کے سلسلۂ سہروردیہ کے مشاہیر مشائخ کرام میں شمار ہوتے تھے۔

**لاہور میں تشریف آوری** شہنشاہ اکبر نے جب وہ قلعہ چتوڑ گڑھ کی مہم میں مصروف تھا، آپ کی ولایت و عرفان کا شہرہ سُن کر چتوڑ گڑھ طلب کیا، اور آپ سے چتوڑ گڑھ کی مہم میں دعا کا خواستگار ہوا، چنانچہ خدا کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے جب قلعہ چتوڑ گڑھ فتح ہوگیا تو اکبر کے قلب میں آپ کی عقیدت کئی گُنا بڑھ گئی، اس نے آپ کو پٹیالے کے علاقے میں جاگیریں عطا فرمائیں، اُس میں سے بعض دیہات لاہور کے علاقے میں تھے، اِس بنا پر حضرت موج بخاری نے لاہور میں سکونت اختیار فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ ہمارا لنگر تین جگہ سے جاری ہوگا، ایک لاہور میں ہماری خانقاہ سے دوسرے موضع خان فنا سے، تیسرے موضع پسیانوالہ سے، چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اِن تینوں جگہ سے آپ کا لنگر جاری ہوا جس سے فقراء اور مساکین نہایت سیر ہو کر کھانا کھاتے تھے۔

**وفات** حضرت موج دریا بخاری نے ۱۰۱۳ھ میں وصال فرمایا اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

**اولاد** تذکرہ نگاروں نے آپ کے تین صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے، جن کے نام یہ ہیں: (۱) سید صفی الدین (۲) سید بہاء الدین (۳) سید شہاب الدین

آپ کے بھائیوں میں سید سلطان جلال الدین حیدر نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف مفتی غلام سرور لاہوری نے سید جلال حیدر کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

سید جلال الدین حیدر برادرِ حقیقی میران محمد شاہ موج دریا بخاری ست، جامع علوم ظاہری و باطنی و کمالاتِ صوری و معنوی، عابد و زاہد و تارک الدنیا بود، با دنیا و اہلِ دنیا کارے نداشت، و در تجرید و تفرید یگانۂ روزگار، ہر چند کہ "موج دریا" او را لجود خواندے، او بسبب ایں کہ موج دریا، بدنیا ہم اشتغال داشت

بوئے کم رغبت فرمودے، و شب و روز در ویرانہا بعبادتِ حق
بسر بردے۔

سید جلال الدین حیدر نے ۱۰۱۶ھ میں وفات پائی۔ اُن کا مزار لاہور میں مقبرۂ بی بی تاج کے مغربی جانب ہے، عوام اُن کے مقبرے کو روضہ استاد بی بی تاجیاں کہتے ہیں[۱]۔

**خلفاء**

حضرت موج دریا بخاری کے خلفاء میں سید عبدالرزاق جو سید مکی کے نام سے مشہور ہیں۔ غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں، سید عبدالرزاق مکی زاہد و متقی اور علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے، وہ سبزواری سیدوں کے خاندان سے تھے، ابتداءً غزنی سے پشاور تشریف لائے، چند روز وہاں قیام کرکے دہلی پہنچے، اور لشکر شاہی میں سپاہیوں کے زمرے میں منسلک ہو گئے، پھر حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، وہ تمام رات اپنے پیر کی خدمت میں گزارتے، اور دن بھر اپنے حجرے میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے۔

سید عبدالرزاق نے ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار بیرون لاہور میں نیلے گنبد کے نام سے مشہور ہے[۲]۔

---

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۹۱-۹۲-۹۳ سے ماخوذ ہے۔
[۲] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۹۷ و ۹۸۔

(۷۹)

# شیخ محمد سلیم لاہوری

**حالات** شیخ محمد سلیم چشتی لاہوری، سلسلۂ چشتیہ کے نامور بزرگوں میں تھے، اُنھوں نے شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری[1] سے بیعت کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

**سماع** شیخ محمد سلیم سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، سماع میں اُن پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ بعض وقت

---

[1] شیخ محمد صدیق لاہوری سلسلۂ چشتیہ کے نامور بزرگوں میں تھے، علومِ ظاہری و باطنی میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، وہ سلسلۂ چشتیہ میں شیخ عارف لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے، اُن کا تمام وقت ارشاد و تلقین درس و تدریس میں گزرتا تھا، شیخ محمد صدیق نے ۸ ذی الحجہ ۱۰۸۲ھ کو وفات پائی (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۸۰)۔

خیال ہوتا تھا کہ سماع ہی میں روح پرواز کر جائے گی، وہ دو دو تین تین روز تک مست و بے خود رہتے، اس حال میں لوگ اُن کو دیکھ کر مُردہ سمجھتے تھے

**وفات**

شیخ محمد سلیم ۳ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۱۳۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ اُن کا مزار مُبارک لاہور میں میدزین خاں میں اپنے پیر شیخ محمد صدیق کے متصل ہے[1]

اُن کے بعد خلیفہ شیخ جان محمد قادری نے سجادۂ مشیخت کو زینت بخشی، اور مخلوق خدا کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ شیخ جان محمد قادری سنہ ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی[2]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ ص ۴۵۸

[2] ایضاً " ص ۲۱۲

(۸۰)

# شیخ محمد طاہر لاہوری

# قادری نقشبندی

**حالات** شیخ محمد طاہر لاہوری شیخ احمد مجدد الف ثانی کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں، پہلے اُنھوں نے اسکندر بن[1] شاہ کمال کیتھلی سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی پھر حضرت مجدد الف ثانی کے

---

[1] سکندر، شاہ کمال کیتھلی کے صاحبزادے تھے، اُنھوں نے اپنے والد شاہ کمال کی وفات کے بعد سجادۂ مشیخت کو زینت بخشی، اور اپنے آبائی سلسلے یعنی سلسلۂ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرتے رہے۔ شیخ عبدالاحد حضرت مجدد الف ثانی کے والد ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ آفتاب کو جی بھر کر دیکھا جا سکتا ہے لیکن شاہ اسکندر کے دل پر نور کی وجہ سے نظر کے لئے راہ راہ ممکن نہیں، شاہ اسکندر نے ۱۰۲۳ھ میں وفات پائی۔ (زبدۃ المقامات تالیف محمد ہاشم کشمی ص ۱۰۸، مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ)

والد حضرت شیخ عبدالاحد[1] سرہندی کی خدمت میں رہے، اُن کی وفات کے

---

[1] شیخ عبدالاحد سرہندی بن زین العابدین بن عبدالحیٔ بن محمد بن حبیب اللہ بن رفیع اللہ
سلسلۂ چشتیہ کے عظیم المرتبت شیوخ میں تھے، وہ سرہند میں پیدا ہوئے اور ایک
عرصے تک علم کے حاصل کرنے میں مصروف رہے، پھر گنگوہ پہنچے، اور حضرت شیخ
عبدالقدوس گنگوہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا چاہا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی
نے فرمایا کہ پہلے تمھیں علم ظاہری کی تکمیل کرنی چاہئے، کیونکہ درویشی بغیر علم کے
بے نمک ہے، شیخ عبدالاحد نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی کبرسنی کو دیکھ کر
عرض کیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ میں تکمیل علم کے بعد
واپس آؤں اور حضور کو نہ پاؤں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے فرمایا کہ اگر
تم مجھ کو نہ پاؤ تو میرے لڑکے شیخ رُکن الدین سے بیعت ہو جانا، اور جو ہم سے
چاہتے ہو اُن سے طلب کرنا، اتفاق یہ کہ جب شیخ عبدالاحد تحصیل علم سے فارغ ہو کر
گنگوہ لوٹے تو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی وصال فرما چکے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ
کے ارشاد کے مطابق انھوں نے حضرت شیخ رُکن الدین کے دستِ حق پرست پر
بیعت کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد ۹۷۹ھ میں سلسلۂ قادریہ اور
چشتیہ میں اجازت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ شیخ رُکن الدین نے اُن کو
سلسلۂ چشتیہ اور قادریہ میں طالبین کو بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی
پھر شیخ عبدالاحد سرہند میں تشریف لاکر درس و تدریس، ارشاد و ہدایت میں مصروف
ہو گئے، شیخ عبدالاحد کو تمام علوم معقول و منقول میں خصوصاً فقہ، اصول فقہ اور تصوف میں
دستگاہ کامل تھی، وہ تعرف، عوارف اور فصوص الحکم کا درس دیتے تھے، اور اسرار توحید
کو بے نقاب کرتے تھے، شیخ عبدالاحد نے ۱۰۰۷ھ میں سرہند میں وفات پائی، ان کی
تصانیف میں کنوز الحقائق، رسالہ فی اسرار التشہد، اور بعض دوسرے رسائل مشہور ہیں۔
(ماخوذ از زبدۃ المقامات ص ۱۰۱ تا ص ۱۱۷)

بعد حضرت مجدد الف ثانی سے وابستہ ہو گئے، اور اُنھوں نے ان کو اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید[1] اور خواجہ محمد معصوم[2] کی تعلیم پر مقرر فرمایا۔

---

[1] خواجہ محمد سعید حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت باسعادت شعبان ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچ کر خواجہ محمد سعید نے علوم ظاہری کی تعلیم اپنے والد، اپنے بڑے بھائی اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے حاصل کی، اور دورانِ تعلیم میں ہی اپنے والد بزرگوار کی توجہ اور یمن و برکت سے تصوف و سلوک کے مقاماتِ عالی پر فائز ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول کی مشکل کتابوں کا درس دینے لگے، اور بعض کتب پر حواشی و تعلیقات لکھے۔ ان میں سے مشکوٰۃ کی تعلیقات بھی ہیں کہ جن میں اُنھوں نے اُن احادیث کی جو ائمہ حنفیہ کا ماخذ ہیں، نہایت تحقیق، صحت اور قوت کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

محمد ہاشم کشمی کا بیان ہے کہ میں ایک دن خواجہ محمد سعید کی خدمت میں حاضر تھا کہ اُن سے ایک عالم نے اصولِ فقہ کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا، اُنھوں نے اس کو نہایت شرح و بسط سے واضح فرمایا، جب خواجہ محمد سعید اُس مسئلے کی توضیح کر چکے تو اس عالم نے میرے کان میں کہا کہ تم جانتے ہو کہ تمھارے مخدوم زادے آج مہارت علمی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

خواجہ محمد سعید نے تشہد میں عدم رفع سبابہ کی تائید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ محمد ہاشم کشمی بیان کرتے ہیں کہ بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کی وفات کے بعد ایک دن مجھ سے حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ کبھی کبھی مجھے خیال ہوتا تھا کہ محمد صادق جیسا لڑکا جو علوم ظاہری اور احوالِ باطنی میں صاحبِ کمال تھا، اب مجھے کہاں سے ملے گا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ دونوں بھائی (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم) اپنے بڑے بھائی کے صحیح قائم مقام ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے ایک خط میں خواجہ محمد سعید کی باطنی صلاحیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ:

آنکہ محمد سعید از احوال خود نوشتہ بغایت نفیس ست ہیچ کس از یاران را بایں خصوصیت رہ نہ دادہ اند امید کہ بنیز ولایت خاصہ مشرف گردد۔

## بیعت و خلافت

پھر شیخ محمد طاہر لاہوری نے حضرت مجدد الف ثانی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر سلوک و معرفت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

جب کسی وجہ سے خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سرہند میں رہ جاتے، اور حضرت مجدد الف ثانی سفر میں ہوتے تو آپ ان دونوں صاحبزادوں کو بے حد یاد فرماتے، ایک خط میں لکھا کہ:-

"الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ و فرزندان گرامی ہر چند مشتاق و خواہان صحبتِ ماانند، ما ہم آرزو مند حضور و ملاقاتِ ایشاں، اما چہ توان کرد کہ جمیع آرزو ہا میسر نیست۔"

ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ میں اجمیر کے سفر میں حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ تھا، ایک روز آپ نے فرمایا کہ گویا یہ سفرِ اجمیر محمد سعید کی ترقیات کے لئے تھا، اس زمانے میں محمد سعید نے احوالِ باطنی میں بڑی ترقی کی، پھر دوسرے وقت تنہائی میں مجھ سے فرمایا کہ اب مجھے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں میں چاہتا ہوں کہ محمد سعید سلوک کے اُن اعلیٰ منازل پر فائز ہوجائے کہ وہ اس مسند پر بیٹھ سکے، میں نے یہ بات خواجہ محمد سعید سے کہی، اُنھوں نے نہایت نرمی سے انکسار کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر کر مجھ سے فرمایا کہ میں کسی حیثیت سے بھی اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا، حضرت قبلہ جہاں بھی تشریف لے جائیں میرے بھائی محمد معصوم کو اپنی جگہ بٹھائیں، اور مجھے اُن کی اطاعت و خدمت کا حکم دیں، اور اگر حضرت قبلہ کسی وجہ سے یہ پسند نہ فرمائیں تو آپ اُن سے عرض کیجئے کہ میں اپنے دادا (شیخ عبدالاحد) کے مزار پر جو شہر سے باہر ہے گوشہ نشینی اختیار کرلوں گا، وہ سجادگی کے لئے خواجہ محمد معصوم کا انتخاب فرمائیں، پھر میں نے یہ تمام باتیں خواجہ محمد معصوم سے بیان کیں، وہ سُن کر رونے لگے اور فرمایا کہ افسوس ہے کہ میرے بھائی مخدومی خواجہ محمد سعید مجھے اپنی خدمت کے لائق نہیں سمجھتے، میں جہاں تک غور کرتا ہوں استقامتِ احوال و اطوار میں اور شرعی احتیاطوں اور اخلاقی بلندیوں اور علمی توتوں

کے اعلیٰ منازل طے کیئے، اور بارگاہِ مجددی سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ، قادریہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱ے)
میں اس درجہ کمتر ہوں کہ ان سے ستفیض ہوں اور اپنے آپ کو اُن کا شاگرد پاتا ہوں،
میری سعادت اسی میں ہے کہ میں اُن کا خدمت گزار رہوں، پھر میں نے دونوں
صاحبزادوں کی گفتگو حضرت مجدد الف ثانی سے بیان کی، آپ بہت خوش ہوئے،
اور آب دیدہ ہوکر مجھ سے فرمایا کہ تم ان دونوں کے انکسار، ایثار اور باہمی محبت کو
دیکھتے ہو، پھر ان دونوں بھائیوں کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ محمد سعید کو خازن الرحمت کا لقب بھی دیا تھا۔ حضرت
مجدد الف ثانی کی وفات کے بعد وہ اپنے بھائی خواجہ محمد معصوم کے حق میں سجادگی سے دست
بردار ہوگئے اور حرمین شریفین حج و زیارت کے لئے گئے، اور ۱۰۶۹ھ حرمین شریفین سے
واپس آکر درس و تدریس، ارشاد و تلقین میں مصروف ہوگئے۔

خواجہ محمد سعید نے جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی، ان کی تصانیف میں حاشیہ
مشکوٰۃ المصابیح، رسالہ فی تحقیق الاشارۃ بالمسبحۃ عند التشہد فی الصلوٰۃ، حاشیہ علی
حاشیہ خیالی مشہور ہیں (ماخوذ از زبدۃ المقامات ص ۳۰۸ تا ۳۱۳ و نزہۃ الخواطر
جلد ۵ صفحہ ۳۳۶ و ۳۳۷)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲ے)
۲ے خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے تھے، اُن کی ولادت
باسعادت ارشوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی، حضرت مجدد الف ثانی فرمایا کرتے تھے کہ محمد معصوم
کی ولادت ہمارے لئے بہت مبارک و مسعود ہے کہ ہم ان کی پیدائش کے چند ماہ بعد اپنے
خواجہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہم نے دیکھا جو کچھ بھی دیکھا، خواجہ محمد معصوم نے
شعور سنبھالنے کے بعد علومِ رسمیہ کی تکمیل کی دورانِ تعلیم میں حضرت مجدد الف ثانی
اُن سے فرمایا کرتے تھے کہ بابا جلد علوم کی تعلیم سے فارغ ہو کہ ہمیں تم سے بڑے کام ہیں،

چشتیہ میں اجازتِ تلقین و ارشاد سے سرفراز فرمائے گئے۔

**لاہور میں ماموری**

پھر اپنے پیر کے حکم سے لاہور میں رشد و ہدایت اور ارشاد و تلقین کے لئے مامور فرمائے گئے، چنانچہ اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق لاہور پہنچے، اور درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔

**قناعت**

شیخ محمد طاہر لاہوری کے آئینہ اخلاق میں توکل و قناعت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے، جب وہ لاہور پہنچے تو انھوں نے اہلِ ثروت کو اپنے دروازے پر آنے سے روک دیا، وہ ایک قانعانہ زندگی

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)

سترہ سال کی عمر میں اُنھوں نے علوم ظاہری کی تکمیل سے فراغت حاصل کی، اور اپنے والد سے سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل طے کر کے خلافت اور قطبیت کی بشارت حاصل کی۔ اور اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کی جگہ مسندِ ارشاد پر رونق افروز ہوئے، پھر حج و زیارت کے لئے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور ایک عرصے تک مدینہ منورہ مقیم رہ کر ہندوستان لوٹے، اور اپنے وطن میں درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مشغول ہو گئے۔ درس سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا، تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ، ہدایہ، عضدی اور تلویح کو خاص طور پر پڑھاتے تھے۔

شیخ مراد بن عبداللہ قزانی نے ذیل الرشحات میں خواجہ محمد معصوم کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنے والد ماجد کی طرح آیت میں آیات اللہ تھے، اُنھوں نے اپنے فیضِ باطنی سے عالم کو منور کر دیا، کہا جاتا ہے کہ آپ کے مریدوں کی تعداد ۹ ہزار اور آپ کے خلفاء کی تعداد ۷ ہزار تھی۔ ان میں سے شیخ حبیب اللہ بخاری مشہور ہیں۔ شیخ خواجہ محمد معصوم کے مکاتیب تین جلدوں میں ہیں، خواجہ محمد معصوم نے ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار پر انوار سرہند میں ہے۔ (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۴۰۷ - ۴۰۸ و زبدۃ المقامات)

بسر کرتے، اور اپنی معیشت، فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابوں کو نقل کر کے اُن کی تصحیح کر کے اور اُن پر حاشیہ لکھ کر اُن کتابوں کو فروخت کر کے حاصل کرتے، اور شب و روز ارشاد و تلقین اور تعلیم و تعلّم میں مصروف رہتے، ہزاروں تشنگانِ علم و معرفت نے اُن سے سیرابی حاصل کی، ان کے تلامذہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے تینوں صاحبزادے شیخ خواجہ محمد صادق[1]، خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مشہور ہیں۔

## مرشد کی محبت

شیخ محمد طاہر لاہوری اپنے پیر حضرت مجدد الف ثانی سے غیر معمولی عشق و محبت رکھتے تھے تذکرہ آدمیہ میں اُن کا ایک خط حضرت مجدد الف ثانی کے نام ملتا ہے جو اپنے شیخ سے اُن کے تعلقِ قلبی کا آئینہ دار ہے، وہ لاہور آنے کے بعد اپنے شیخ کی جدائی

---

[1] شیخ محمد صادق حضرت مجدد الف ثانی کے بڑے صاحبزادے تھے، اکابر علماء میں سے تھے، ۱۰۰۰ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے، اپ بچپن ہی سے علم کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے۔ انھوں نے بعض فنون شیخ محمد طاہر لاہوری، اور علوم حکمت مولانا محمد معصوم کابلی سے پڑھے، اور اٹھارہ سال کی عمر میں علوم رسمیہ کی تعلیم سے فارغ ہوگئے، آٹھ سال کی عمر میں وہ اپنے والد کے ساتھ دہلی آئے اور حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی کی زیارت سے مشرف ہوئے، پھر اپنے والد سے بیعت ہو کر سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل طے کئے، جب تلوین سے تمکین، اور سکر سے صحو، اور جذب سے سلوک کی منزل میں پہنچے تو آپ کے والد نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی، ابھی آپ کی عمر ۲۱ سال کی تھی کہ آپ نے والد کے سامنے ہی، ۹ ربیع الاوّل ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی، اور سرہند میں مدفون ہوئے، شیخ محمد صادق کی تصانیف میں بعض کتب پر تعلیقات ہیں۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۳۵-۳۳۶)

سے بے قرار ہو کر لکھتے ہیں۔

حضرت سلامت!

احقر الخدمت محمد طاہر بعرض می رساند کہ چوں از آستانۂ علیّہ متوجہ لاہور شدم، در ہر قدمے می گفتم کہ اے نادان مقصود را در سرہند گذاشتہ کجا میروی، اما از غیب ندا شد کہ راہی شو و توقف مکن۔

**وفات** شیخ محمد طاہر لاہوری پنجشنبہ کے دن ۸ محرّم ۱۰۴۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار پُر انوار لاہور میں میانی کے قبرستان میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

**خلفاء** شیخ محمد طاہر کے خلفاء میں شیخ ابو محمد قادری[1] نقشبندی لاہوری، سید صوفی[2]، شیخ لکھن[3] اور شیخ ابو القاسم نقشبندی[4] مشہور ہیں[5]

---

[1] شیخ ابو محمد قادری کا مزار لاہور میں ہے۔

[2] سید صوفی کا مزار پُر انوار دہلی میں ہے۔

[4] شیخ ابو القاسم اپنے پیر کی اجازت سے عازم سفر حجاز ہوئے، جب حج و زیارت سے واپس ہو کر جدّہ پہنچے تو وہیں وفات پائی، اُن کا مزار جدّہ میں ہے۔

[5] شیخ محمد طاہر لاہوری کے یہ تمام حالات زبدۃ المقامات۔ ص ۱۰۸ و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۶۱۹ تا ۶۲۱ اور نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۸۱ سے ماخوذ ہیں۔

(۸۱)

# شیخ میر محمدؒ

مشہور بہ

# میاں میر

حضرتِ شیخ میاں میرِ ولی ہر خفی از نورِ جانِ او جلی
بر طریقِ مصطفےٰ محکم پیے نغمۂ عشق و محبت را نیے
تربتش ایمان خاکِ شہرِ ما
مشعلِ نورِ ہدایت بہرِ ما (اقبالؔ)

**نام۔ نسب۔ وطن** شیخ میر محمد نام، کنیت میاں میر ہے، آپ کا وطن سندھ کا مشہور شہر سیوستان[1] ہے۔ آپ کے والد کا نام قاضی سایندنہ بن قاضی قلندر، اور والدۂ محترمہ کا

---

[1] سہوان کو سیوستان بھی کہتے ہیں، یہ بہت قدیم شہر ہے جو سند کی اولاد سہوان کے نام سے موسوم ہے، یہ شہر اس وقت مغربی پاکستان کے ضلع دادو میں واقع ہے (تحفۃ الکرام)

نام بی بی فاطمہ بنتِ قاضی قازن تھا، سید حسام الدین راشدی نے مقالات الشعراء کے صفحہ (۵۰۰) کے فٹ نوٹ میں بحوالہ دارا شکوہ قادری آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح مندرج کیا ہے۔

والد قاضی سایندنہ | والدہ بی بی فاطمہ بنتِ قاضی قازن

قاضی بونی — قاضی عثمان — قاضی طاہر — بی بی جمال خاتون[1] (متوفی ۱۰۵۷ھ) — میاں میر — چاسل مائی

بی بی جمال خاتون
|
محمد شریف
(متوفی ۵ رجب ۱۰۵۴ھ)
(جو حضرت میاں میر کی وفات کے بعد اُن کے پہلے سجادہ نشین ہوئے)

میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں۔ آخر میں آپ کا نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے، آپ کے والد قاضی سائیندنہ اپنے علم وفضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے نہ صرف سیوستان میں بلکہ تمام سندھ میں ممتاز مانے جاتے تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ۔

---

[1] بی بی جمال خاتون اپنے زہد وعبادت وریاضت کی وجہ سے اپنے دور کی رابعہ بصری کہلاتی تھیں، ذکر وشغل کی تعلیم اپنی والدہ اور اپنے بھائی میاں میر سے اور اپنے بھائی قاضی طاہر کے وسیلے سے حاصل کی، مستجاب الدعوات تھیں، جب کوئی آپ کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوتا، آپ کی دعا کی برکت سے اس کی پریشانی رفع ہو جاتی، ساری عمر اپنے وطن سیوستان میں رہیں، منگل کے روز ۱۷ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ کو وفات پائی۔ (سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت بی بی جمال خاتون وسکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۰۱-۱۰۲)

قاضی سائیندنہ از اولاد حضرت فاروق و اجلۂ علمائے روزگار بودہ،
شریعت را با طریقت و طریقت تو امانِ حقیقت داشتہ در سوستان
نامی بل در تمامی سندگرامی گزشتہ[1]

**ولادت** دارا شکوہ نے اپنی مشہور کتاب سکینۃ الاولیاء میں میاں میر کی ولادت آپ کے بھتیجے کے حوالے سے ۹۳۶ھ میں لکھی ہے[2]، تحفۃ الکرام میں آپ کی ولادت کا ۹۵۷ھ مندرج ہے[3]۔

**تعلیم طریقت** ابھی آپ کی عمر بارہ[11] سال ہی کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا[4]۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے دینی علوم کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی، پھر آپ کی والدۂ ماجدہ نے آپ کو سلسلۂ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی[5]

**بیعت** اُس کے بعد اپنی والدۂ محترمہ سے اجازت لے کر اور علائق دنیوی سے منھ موڑ کر آپ سلسلۂ قادریہ میں شیخ خضر سیوستانی[6]

---

1. تحفۃ الکرام جلد۳ ص ۱۳۸
2. سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) ص ۱۹
3. تحفۃ الکرام جلد۳ ص ۱۳۸
4. سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۲۰
5. خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۵۲
6. شیخ خضر سیوستانی سندھ میں سلسلۂ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، سندھ میں سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کے عام کرنے میں شیخ خضر کا بڑا حصہ ہے، شیخ خضر سیوستانی کا وطن سیوستان تھا، اُن کے آئینہ سیرت میں اتقاء، تقدس، توکل و استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں، توکل کی انتہا یہ تھی کہ اُنھوں نے اپنی ساری زندگی میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا، وہ ابتداءً اپنے وقت کا بڑا حصہ ایک قبرستان

کے مرید ہوئے، جو سہوان کے باہر ایک پہاڑ پر مقیم تھے کچھ مدت کی ریاضتوں مجاہدوں کے بعد آپ کے شیخ نے آپ سے فرمایا تمھارا کام مکمل ہو چکا ہے، اب تمھیں اختیار ہے جہاں جی چاہے سکونت اختیار کرو۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۶)

میں گزارتے تھے پھر وہ سیوستان کے باہر ایک پہاڑ میں مقیم ہو گئے، جہاں اُن کا سارا وقت عبادتوں، مجاہدوں اور یادِ الٰہی میں گزرتا تھا۔ اُنھوں نے ایک تنور بھی بنوایا تھا، جسے موسم سرما میں گرم کر کے رات کے وقت اُس تنور کے پاس بسر کرتے، گرمی اور سردی میں اُن کا لباس ایک تہبند تھا، پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہ شہر سیوستان بہت کم آتے تھے، تعلقاتِ دنیوی سے یہاں تک اجتناب کرتے تھے کہ سوائے خدا کے آپ کا کوئی دوست نہ تھا، درختوں کے پتے کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیوستان کا حاکم آپ کی زیارت کے لئے پہاڑ پر آیا، شدید گرمی کا موسم تھا، اور آپ پتھر پر استغراق کے عالم میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ اِس خیال سے کہ آپ کو راحت پہنچے، اِس طور پر کھڑا ہوا کہ اس کا سایہ آپ پر پڑے، آپ نے سر اُٹھایا، اور اُس سے پوچھا تم کون ہو؟ کیوں اس ویرانے میں آئے ہو؟ اور تمھارا مقصد کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ اس وقت حاضری سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کی زیارت کی خوش نصیبی حاصل کروں، اور آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائیں تو اُس کی بجا آوری میری انتہائی سعادت ہو گی، آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی کام بھی ایسا نہیں جو تم پورا کر سکو، اُس نے لجاجت سے پھر عرض کیا کہ اگر کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائی جائے تو میرے لئے باعث فخر ہو گا، آپ نے فرمایا اچھا جو میں کہتا ہوں تم اُسے منظور کرو گے؟ اُس نے عرض کیا ضرور، آپ نے فرمایا تو اپنا یہ سایہ جو تم نے مجھ پر ڈال رکھا ہے اسے

## لاہور میں تشریف آوری

اپنے شیخ کی اجازت کے بعد پچیس سال کی عمر میں آپ لاہور تشریف لائے، یہ اکبر کا دورِ حکومت تھا، لاہور پہنچ کر آپ مولانا سعد اللہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے جو اُس زمانے کے متبحر عالم تھے، پھر کچھ سال مولانا نعمت اللہ سے اور مفتی عبدالسلام لاہوری[1] سے بھی تعلیم حاصل کی۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۶۶)

ہٹالو، اس لئے کہ جو اللہ کے سائے میں زندگی بسر کرتے ہیں، اُنھیں دوسرے سائے کی ضرورت نہیں، دوسری بات جو میں تم سے کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ، حاکم آپ کی یہ بات سن کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ کر اتنی دور کھڑا ہوگیا کہ اُس کا سایہ آپ پر نہ پڑے، پھر اُس نے عرض کیا کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں اور واپس جاتا ہوں، لیکن میری تمنا یہ ہے کہ آپ اپنے خاص وقت میں جب آپ یادِ حق میں مشغول ہوں تو میرے لئے دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ مجھے اُس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے جب اللہ کے سوا میرے دل میں کوئی دوسرا خیال آئے اور میں تجھیں اُس وقت یاد کروں۔

شیخ خضر سیوستانی نے ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۱۳۶-۱۳۷ بحوالہ سفینۃ الاولیاء)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا ۱ہ)

[1] مفتی عبدالسلام لاہوری اپنے دور کے اُن بے مثل علماء میں تھے، جن کی درس و تدریس میں مثال نہ ملتی تھی، اُنھوں نے کتبِ درسیہ کی تعلیم شیخ اسحاق بن کاکو، شیخ سعد اللہ، اور قاضی صدرالدین سے پائی تھی، اور حکمت و فلسفے کی کتابیں علامہ فتح اللہ شیرازی سے پڑھیں تھیں، تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ لاہور میں درس و تدریس میں پچاس سال تک مشغول رہے، اُن کے مشہور تلامذہ میں شیخ محب اللہ الہ آبادی،

**ریاضتیں اور مجاہدے** لاہور میں آپ دن کے وقت بزرگوں کے مقابر، باغوں یا جنگلوں میں یادِ حق میں مشغول رہتے، اور جو مریدین و معتقدین آپ کے ساتھ ہوتے وہ بھی الگ الگ ایک ایک درخت کے نیچے یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے، جب نماز کا وقت آتا تو سب مل کر نماز با جماعت ادا کرتے، لوگوں کے میل جول اور اُن کی صحبت سے ہمیشہ متنفر رہتے، رات کو حُجرے کا دروازہ بند کر کے بیدار رہتے، اور تنہا قبلے کی طرف مُنہ کئے بیٹھے رہتے اور ساری رات عبادت میں مشغول رہتے، اکثر یہ اشعار پڑھتے :۔

کسے کو غافل از حق یک زمان ست
درآں دم کافرست اما نہان ست
گزیں غفلت بجاں پیوستہ بودے
درِ اسلام بروئے بستہ بودے[۱]

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

مفتی عبدالسلام دیوی اور میاں میر لاہوری ہیں۔ آن کی تصانیف میں بیضاوی کا حاشیہ ہے۔ ماثر الامراء میں ہے کہ وہ لشکر میں مفتی تھے، ایک طویل عرصے تک اس خدمت پر مامور رہے، پھر اس خدمت سے علیحدہ ہوگئے، اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے تقریباً پچاس سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔

مفتی عبدالسلام لاہوری نے اَسّی سال کی عمر میں ۱۰۳۷ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۲۳ - ۲۲۴)

(فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ہذا ۱)

۱ جن مقامات اور باغوں میں آپ عبادت کے لیے جاتے تھے۔ دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں اُن مقامات اور باغوں کے نام تفصیل سے لکھے ہیں۔

## سرہند کو روانگی

لاہور میں جب آپ ولایت کی شہرت ہوئی اور لوگ آپ سے کچھ کچھ واقف ہونے لگے تو آپ سرہند تشریف لے گئے، لیکن وہاں آپ گھٹنوں کے درد اور سخت بیماریوں میں مبتلا رہے، اس بیماری کے زمانے میں آپ کے پاس کوئی خدمت گار اور تیماردار نہ تھا۔

## پہلا مرید

سب سے پہلے مرید جنھیں آپ نے درجۂ کمال کو پہنچایا، وہ حاجی نعمت اللہ سرہندی تھے، اُس زمانے میں جب کہ آپ سرہند میں بیمار تھے، حاجی نعمت اللہ کو آپ کی بیماری اور تنہائی کا حال معلوم ہوا، وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انتہائی اخلاص وسعادت کے ساتھ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے، یہاں تک کہ پیشاب پاخانہ بھی اپنے ہاتھ سے اُٹھاتے تھے، جب آپ صحت یاب ہوئے تو آپ نے اُن سے خوش ہو کر فرمایا کہ ہمارے پاس دنیاوی مال ومتاع نہیں جو ہم تم کو دیں، لیکن اگر تم چاہو تو ہم تمھیں روحانی نعمتوں سے مالا مال کر سکتے ہیں، حاجی نعمت اللہ سرہندی نے عرض کیا کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے، چنانچہ آپ نے اُن کو ایک ہی ہفتے میں سلوک کے درجۂ کمال پر پہنچا دیا، حاجی نعمت اللہ پہلے طالب تھے جو آپ کی روحانی تعلیمات سے مستفیض ہوئے۔

## لاہور میں دوبارہ تشریف آوری اور رشد وہدایت

ایک سال سرہند میں قیام فرمانے کے بعد پھر آپ لاہور تشریف لائے اور آخر عمر تک باغبانوں کے محلے میں جسے اب خان پورہ کہتے ہیں مقیم رہ کر رشد وہدایت میں مصروف ہو گئے، اور سارے پنجاب کو اپنی روحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیا، اور اپنے مریدوں کی اصلاحِ فکر اور تہذیبِ نفس کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس سے رشد و

ہدایت کے چشمے پھوٹے۔

**طریقۂ بیعت** بہت کم لوگوں کو بیعت کرتے تھے، جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا تو اُس سے پوچھتے کہ کس لئے آئے ہو اور کیا کام ہے اگر وہ کہتا کہ آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہوں تو اُس سے نہایت مہربانی سے پیش آتے، اور فرماتے آؤ بیٹھو، پھر کچھ دیر کے بعد اُس کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرماتے اور اُسے رُخصت کر دیتے، اگر وہ کہتا کہ میں طلبِ حق کے لئے آیا ہوں، فرماتے جاؤ اپنا کام کرو، بابا حق کی طلب آسان کام نہیں، بہت مشکل ہے۔ جب تک کہ تم اُس کی طلب میں یگانہ نہ ہو جاؤ گے اُسے نہیں پا سکو گے، اور چونکہ دل ایک ہے، اور ایک چیز میں صرف ایک چیز ہی سما سکتی ہے اس لئے مجرد ہونا چاہیے[1]

جب کوئی آپ کا مرید ہوتا تو اُسے یہ شعر سناتے، ؎

شرطِ اول در طریقِ معرفت دانی کہ چیست
ترک کردن ہر دو عالم را و پشت پا زدن[2]

یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

کسے را امتحاں ناکردہ صد بار
نگر دانی تو او را صاحب اسرار

**مریدوں کی تربیت** مریدوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے مُلا خواجہ بہاری جو آپ کے مرید و خلیفہ ہیں اُن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے گھر میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اتفاقاً مکان گرنے کے آثار ظاہر ہوئے، میں نے لوگوں سے کہا کہ فوراً باہر چلے جاؤ کیوں یہ مکان گرنے والا ہے، لوگ اُٹھ کر باہر چلے گئے، لیکن میں وہیں

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۰ [2] ایضاً ص ۲۹۔

بیٹھا رہا، اور کلمۂ طیب بلند آواز سے پڑھتا رہا، یہاں تک کہ چھت گری اور دو لکڑیاں آپس میں ملیں، جن کے بیچ میں مَیں سلامت بیٹھا رہا، جب یہ بات آپ نے سُنی تو لوگوں کو امید تھی کہ آپ اس پر میری تعریف فرمائیں گے، لیکن آپ نے فرمایا "ہائے مرتبہ، ہائے مرتبہ" مرتے وقت بھی اس کا خیال دل سے دور نہیں ہوتا، آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ چونکہ میں نے کلمۂ طیب بلند آواز سے پڑھا تھا کہ لوگ کہیں کتنا بڑا درویش ہے کہ مرتے وقت بھی خدا کو یاد کرتا رہا۔ گویا اس بات پر تنبیہہ تھی کہ مجھے کلمہ آہستہ آہستہ پڑھنا چاہیے تھا۔[۱]

علامۂ اقبال علیہ الرحمہ نے اسرار و رموز میں میاں میر کا ایک واقعہ نظم کرتے ہوئے لکھا کہ اُن کے ارادت مندوں میں ہندوستان کا ایک بادشاہ تھا جس کی ہوس اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ دکن میں ملک گیری کے لئے ایک طویل عرصے تک مصروفِ جنگ تھا، ایک روز یہی بادشاہ اپنے پیر میاں میر کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوا کہ ملک گیری میں اُس کو کامیابی حاصل ہو، آپ اُس کی بات سن کر خاموش رہے، یہاں تک کہ اُسی وقت ایک مرید نے کچھ چاندی کے سکے آپ کی خدمت میں پیش کئے، اور درخواست کی کہ یہ میں نے نہایت محنت کر کے حاصل کئے ہیں، آپ میری اِس حقیر نذر کو قبول فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ یہ روپیہ ہمارے اِس بادشاہ کو دے دو، جو اب بھی بادشاہی کے لباس میں گدا ہے، اگرچہ اس کی حکومت چاند، سورج اور ستاروں پر ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنی ہوا و حرص سے دنیا کے مفلس ترین لوگوں میں ہے، وہ دوسروں کے دسترخوان پر اپنی نظریں جمائے ہوئے ہے، اس کی حرص و ہوس کی بھوک نے جہان کو جلا رکھا ہے، اس کی ناداری سے خدا کی مخلوق پریشان ہے، اس کی تہید ستی

---

[۱] سکینۃ الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۵۱-۵۲

سے ضعیف آزار میں ہیں، اس کی سطوت اہل جہان کی دشمن ہے، اس کا کارواں نوعِ انسانی کا رہزن ہے، اس نے اپنے فکرِ خام کی وجہ سے لوٹ مار کا نام تسخیر رکھا ہے، خود اس کا لشکر اور اُس کے غنیم کا لشکر اس کی بھوک کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں، شاید اسے یہ معلوم نہیں کہ فقیر کی بھوک کی آگ تو اُسی کی حد تک محدود رہتی ہے، لیکن بادشاہ کی بھوک کی آگ ملک و ملت کو فنا کر دیتی ہے، شاید یہ بھی نہیں جانتا کہ جو شخص غیر اللہ کے لئے تلوار اُٹھاتا ہے، وہ خود اپنے سینے میں خنجر مارتا ہے[1]

**اتباعِ سنت** حضرت میاں میر بے حد متبع سنت تھے، عبادات میں آپ فرائض، سنن موکدہ، تہجد اور اُن نمازوں کا پابندی سے خیال رکھتے تھے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائی ہیں، اسی طرح روزوں میں بھی پابندی فرمایا کرتے تھے۔

بزہد و ورع کوش صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

**سماع** سماع سے ذوق رکھتے تھے، ہندی راگ کو خوب سمجھتے، اور اس سے بے حد خوش ہوتے تھے، لیکن وجد و رقص نہیں فرماتے تھے[2]

**اخلاق** سراپا حُسنِ اخلاق تھے، حسنِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی شخص تھوڑی دیر کے لئے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس سے اس قدر عنایت و شفقت سے پیش آتے کہ اُسے یہ خیال ہوتا کہ آپ کی جو عنایت و شفقت مجھ پر ہے وہ کسی دوسرے پر نہیں، دارا شکوہ

---

[1] اسرار و رموز۔ ص ۷۱-۷۲
[2] سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) ص ۵۶
[3] سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) ص ۵۲

کا بیان ہے کہ آپ اس قدر مجسمۂ اخلاق تھے کہ اگر اخلاق کسی مرد کی صورت میں ہوتے تو حضرت میاں میر کی صورت میں ہوتے[1]

**مسلک** میاں میر ایک قدیم طرز کے صوفی تھے جو فنا فی اللہ کی منزل میں تھے، اُن کا تمام وقت عبادتوں اور ریاضتوں میں گزرتا تھا، وہ وحدت الوجود کو، اپنا منتہائے نظر بنائے ہوئے تھے "عمل صالح" میں روایت ہے کہ آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی[2] کی فتوحاتِ مکیہ کا اکثر

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) ص ۵۸

[2] شیخ محی الدین ابن عربی کا نام محمد اور اُن کے والد کا نام علی ہے وہ اندلس کے ایک شہر مرسیہ میں ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ کو پیدا ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ایک واسطہ سے اُن کو خلافت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل ہے اور یہ واسطہ ابو محمد یونس القصار ہاشمی ہیں۔ نفحات الانس میں ان کی ایک اور نسبت کا تذکرہ انھیں کی تحریر سے ملتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خرقہ ابوالحسن بن علی بن جامع سے ۶۰۱ھ پہنا ہے، اور ابن جامع نے حضرت خضر علیہ السلام سے، ابن عربی کی تصانیف پانچسو سے زیادہ ہیں۔ فتوحاتِ مکی اور فصوص الحکم اُن کی مشہور تصانیف میں ہیں۔ نفحات الانس میں ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ محی الدین ابن عربی کی باہمی سے ملاقات ہوئی، جب وہ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے تو ابن عربی سے کسی نے شیخ شہاب الدین کے متعلق دریافت کیا کہ آپ نے ان کو کیسا پایا؟ فرمایا، وہ تو سرتا پا سنت ہیں۔ اسی طرح شیخ شہاب الدین سے کسی نے شیخ محی الدین ابن عربی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ وہ تو حقائق کے دریا ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے جمعہ کی شب میں ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ میں دمشق میں وفات پائی اور جبل قاسیون کے دامن میں دفن کئے گئے۔ یہ جگہ اب موضع صالحیہ سے مشہور ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۱۲-۱۱۳ و نفحات الانس ص ۴۹۶ و ۵۰۰)۔

حصہ حفظ یاد تھا اور مولانا جامیؒ[1] کی شرح فصوص الحکم بھی آپ کو پوری حفظ تھی شہرت سے آپ کو نفرت تھی اور گوشۂ تنہائی کو آپ عزیز رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ سندھ سے لاہور تشریف لانے کے بعد بھی چالیس سال تک لاہور والوں کو اس کا بھی علم نہ ہو سکا کہ اُن کے شہر میں ایسی بزرگ ترین ہستی موجود ہے جس کی مثال مشکل سے مِل سکتی ہے ۔

**تعلیمات** مریدوں سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لئے سلوک میں پہلا مرتبہ شریعت ہے، طالب کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے حفظ مراتب کی کوشش کرے، جب وہ شریعت کے حقوق مکمل طور پر ادا کرنے لگے گا تو شریعت کے ادائے حقوق کی برکت سے اُس کے دل میں طریقت کی خواہش خود بخود پیدا ہو گی ۔ اور جب طریقت کے

---

[1] آپ کا اسم گرامی عبد الرحمٰن، لقب عماد الدین اور رکن الدین اور تخلّص جامی تھا، آپ کے والد کا نام احمد دشتی تھا، آپ کی ولادت ۸۱۷ھ کو ہوئی، مولانا جامی عارفِ کامل، علوم ظاہری و باطنی کے ماہر اور جامع تھے، حضرت سعد الدین کاشغری کے ارشد مریدین میں تھے، زمانۂ طفولیت میں جب آپ خراسان میں تھے تو خواجہ محمد پارسا کی صحبت میں ایک عرصے تک رہے، خواجہ احرار قدس سرہٗ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی، اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ انتہائی عقیدت و محبت میں اپنے مکتوبات کے لئے لفظ عرضداشت لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خراسان میں ایک آفتاب ہے پھر لوگ چراغ کی روشنی میں ماوراء النہر کیوں آتے ہیں، آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۴۹ ہے ۸۱ سال کی عمر میں ۱۸ محرم کو جمعہ کے روز ۸۹۸ھ میں آپ نے وفات پائی، آپ کا مزار مبارک خیابان ہرات میں ہے ۔
(ماخوذ از سفینۃ الاولیاء تذکرہ مولانا عبد الرحمٰن جامی)

حقوق کو بھی اچھی طرح ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بشریت کا حجاب اُس کے دل کی آنکھوں سے دور کر دے گا، اور حقیقت کا مفہوم اُس پر منکشف ہو جائے گا جو روح سے تعلق ہے اور طریقت' باطن کی طہارت اور مرتبہ حقیقت کا ادراک ہے، اور حقیقت کا مفہوم وجود کو فانی بنانا اور دل کو ماسوی اللہ سے خالی کرنا ہے جو درجۂ قرب تک واصل ہوتی ہے۔ انسان' نفس، دل اور روح کا مجموعہ ہے، ان میں سے ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے، نفس کی اصلاح شریعت سے' دل کی طریقت سے اور روح کی حقیقت سے ہوتی ہے[1]

**استغنا** استغنا اور توکل آپ کا خاص شعار تھا، بڑے بڑے اُمرا اور بادشاہ آپ کے معتقد تھے، جو ہمیشہ نذر و نیاز کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن آپ اُن کے بیش بہا نذرانے یہ کہہ کر رد فرما دیتے کہ "تم مجھے فقیر سمجھ کر یہ نذرانے لائے ہو، لیکن میں فقیر اس کا مستحق نہیں ہوں، میں غنی ہوں، جس کا اللہ ہو وہ فقیر نہیں ہوتا، جاؤ، جا کر محتاجوں کو دو"، دارا شکوہ کا بیان ہے کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا کہ جس کی نگاہ میں دنیا اس قدر حقیر ہو جتنی آپ کی نگاہ میں تھی[2]

**وقت کا تحفظ** اوقات کی اضاعت سے بچتے، اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے، آخر عمر میں پیری کی وجہ سے گھٹنوں میں درد رہنے لگا تھا، جس کی وجہ سے دن کو بھی حجرے ہی میں رہتے، اور دروازہ بند رکھتے، اگر کوئی خاص ضرورت سے آپ کے پاس حاضر ہوتا تو اُسے حجرے میں آنے کی اجازت دیتے، اور اُسی وقت اُس کے لئے دعا فرما کر اُسے واپس کر دیتے اور فرماتے

---

[1] ماخوذ از سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۶۶ [2] ایضاً۔ ص ۳۴-۳۵

کہ یہاں تمھیں کام اور مشغولیت ہے اور مجھے بھی، تم جا کر اپنے کام میں لگو اور میں اپنے کام میں مشغول ہوں [1]

**لباس** آپ کا لباس سادہ اور کم قیمت ہوتا تھا ایک پگڑی سر پر اور موٹے کپڑے کا کرتہ زیب تن فرماتے تھے، صفائی اور پاکیزگی کا بے حد خیال رکھتے تھے، جب کبھی کپڑے میلے ہو جاتے تو خود دریا پر جا کر اُن کو دھوتے، اور مریدوں کو صفائی اور پاکیزگی کی تاکید فرماتے، آپ کے طریقے میں خرقہ پہننے کا رواج نہیں، فرمایا کرتے تھے کہ لباس اس قسم کا ہونا چاہئے کہ کوئی شخص پہچان نہ سکے کہ یہ فقیر ہے یا غنی [2]

**جہانگیر کی عقیدت** جہانگیر [3] آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، اُس نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ:-

"جب مجھے علم ہوا کہ لاہور میں ایک درویش میاں میر نامی سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل، بابرکت اور صاحبِ حال بزرگ ہیں، اور توکل اور گوشۂ عزلت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دنیا سے مستغنی ہیں، ان اوصاف کی بناء پر میرا دل اُن کی ملاقات کے لئے بے چین ہوا، اور اُن کی زیارت کے لئے میں نے اپنے دل میں غیر معمولی رغبت پائی، لیکن میرے لئے لاہور جانا مشکل تھا،

---

[1] ماخوذ از سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۴-۳۵ [2] ایضاً ص ۴۸

[3] جہانگیر ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوا، اور ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ کو ۲۳ سال ۸ ماہ اور پندرہ روز حکومت کر کے اُس نے اٹھاون سال، گیارہ ماہ بارہ روز کی عمر میں وفات پائی (فٹ نوٹ مقالات الشعراء ص ۳۲۵ مرتبہ سید حسام الدین راشدی بحوالہ مفتاح التواریخ)۔

یں نے ایک خط کے ذریعہ اُن کی خدمت میں اشتیاق
مُلاقات ظاہر کیا، حضرت باوجود ضعف پیری کے زحمت
فرماکر تشریف لائے اور ایک طویل عرصے تک میں خلوت میں
آپ کے ساتھ بیٹھا، اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوا، بلاشبہہ
آپ کی ذات غیر معمولی شرف کی حامل ہے، اور اس زمانے
میں آپ کا وجود مغتنمات میں ہے، ان ملاقاتوں میں مجھے آپ
سے بہت سے معارف وحقائق سُننے کا اتفاق ہوا، میں نے ہر چند
چاہا کہ آپ کی خدمت میں نذر پیش کروں لیکن آپ کے پایۂ
عالی کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی اس تمنّا کے اظہار کی جرات نہ
ہوئی، آخر میں نے ایک سفید ہرن کی کھال جانماز کے
طور پر آپ کی خدمت میں پیش کی"۔

سکینۃ الاولیاء میں ہے کہ جہانگیر نے اس ملاقات کے موقع پر آپ سے
عرض کیا کہ آپ مجھ سے کسی بات کی خواہش کریں۔ آپ نے فرمایا کیا جو کچھ
میں طلب کروں گا، تم دو گے؟ جہانگیر نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا تو بس
مَیں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اب رخصت کی اجازت دو، جہانگیر نے آپ کو
نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا، اور آپ لاہور واپس تشریف لے
آئے، لاہور واپس آنے کے بعد بھی جہانگیر نے آپ سے خط وکتابت جاری
رکھی، اور خود اپنے ہاتھ سے خط لکھے، ایک کے آخیر میں لکھا "محررۂ جہانگیر
شاہ بعرض حضرت شیخ میر برسد" ایک اور خط میں لکھا "بعرض پیر
دستگیر شیخ میر از یں نیاز مند درگاہِ الٰہی جہانگیر بعد از عرض دعا التماس یہ ہے کہ
دعا کے وقت کبھی کبھی اس بندے کو بھی یاد فرمایا کریں[1]"۔

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) ص ۳۸۔

## شاہجہاں کی عقیدت

شاہجہاں[1] بھی آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، وہ بحیثیت ایک مخلص معتقد کے دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نامہ، "عمل صالح اور سکینۃ للاولیاء" میں ان ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے، بادشاہ نامہ میں ہے:۔

۸ رجب ۱۰۴۴ھ

خدیو خدا آگاہ ارباب صفوت وصفا رہنمائے اصحاب معرفت وتقی، قدوۂ حق شناساں صافی ضمیر، میاں میر کہ جن کی تشریف آوری سے پہلے بھی یہ گھر مہبطِ انوار بن چکا تھا، دوبارہ تشریف لائے، اور بادشاہ کی گزارش پر آپ نے بہت سے دقائق حقائق اور غوامض ومعارف کو اس دلکش طریقے پر بیان فرمایا جو انشراحِ صدر اور انبساطِ قلب کا موجب تھا۔

شاہجہاں پر آپ کی عقیدت کا تاثر اس درجہ تھا کہ وہ آپ کی بزرگی اور علوئے مرتبت کے سامنے کسی دوسرے کو نہ مانتا تھا۔ "عمل صالح" میں ہے کہ

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ، اس مقتدائے اصحاب عرفان (میاں میر) کی صحبت کے اس درجہ والہ وشیدا تھے کہ اس سے زیادہ کسی عقیدت وشیفتگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ بارہا آپ کے محمودہ اطوار اور مبارک احوال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ اس سرزمین کے مشائخ میں نے میاں میر جیسا کامل نہیں دیکھا اور ان کے بعد شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ ہیں۔

---

[1] عہدِ حکومت شاہجہاں ۸ رجمادی الثانی ۱۰۳۷ھ تا یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ وفات ۲۶ رجب ۱۰۸۶ھ۔ (رک نوٹ مقالات الشعراء ص ۳۹ بضمن ابراہیم۔

## شاہجہاں کو نصیحتیں

داراشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں ان دو ملاقاتوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اُن نصائح کو لکھا ہے جو اِن مواقع پر آپ نے شاہجہاں کو فرمائی تھیں، وہ بیان کرتا ہے کہ شاہجہاں دو مرتبہ حضرت میاں میر کے گھر پر حاضر ہوئے، میں بھی دونوں مرتبہ اُن مجالس میں حاضر تھا، آپ نے اُن سے بہت ہی لطیف باتیں کیں، اور پند و نصائح فرمائے، شاہجہاں آپ کے ارشادات اور شخصیت سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ترک و تجرید میں میں نے میاں میر جیسا کوئی درویش نہیں دیکھا، جب شاہجہاں میاں میر کے حجرے میں داخل ہوئے تو میرے ہمراہ چار آدمی تھے، پہلی بات جو آپ نے شاہجہاں سے فرمائی وہ یہ تھی کہ عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبرگیری کرنی چاہیئے، اور اپنی تمام قوتیں اپنی مملکت کے آباد کرنے میں صرف کرنی چاہیں، کیونکہ اگر رعیت آسودہ حال اور ملک آباد ہے تو فوج مطمئن اور خزانہ معمور ہوگا۔[1]

## داراشکوہ کی عقیدت

داراشکوہ[2] بھی میاں میر کا عاشق تھا، اور اس میں کوئی شبہہ

---

[1] ماخوذ از سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۸۳

[2] داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا، جو اپنی دو بہنوں حور النساء اور جہاں آرا بیگم کے بعد ۲۱ صفر روز شنبہ ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء کو بانو بیگم المخاطب بہ ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں بمقام ساگرتال پیدا ہوا، ابو طالب کلیم نے اس کی تاریخ ولادت اس مصرع سے نکالی ؂

"گلِ اوّلین گلستانِ شاہی"

۱۰۲۴ھ

(اگلے صفحہ پر)

نہیں کہ آپ نے بھی اس کی روحانی تربیت اور ذوق وشوق کو آب ورنگ بخشا تھا۔

دارا شکوہ کی روایت ہے کہ جب میری عمر بیس سال کی تھی، میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ طبیبوں نے جواب دے دیا، میرے والد مجھے لے کر میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بکمالِ عقیدت ونیازمندی سے عرض کیا

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۲)
اُس نے شیخ میرک بن فصیح الدین ہروی اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی، شاہجہاں کو اس سے خاص لگاؤ تھا، اُس نے اسے شاہ بلند اقبال کا خطاب دے رکھا تھا، اُس کے مراتب ومناصب بھی اپنے دوسرے بھائیوں سے زیادہ تھے، شاہجہاں اُسے اپنے پاس ہی دارالخلافے میں رکھتا تھا، اس کا علمی مرتبہ بھی بہت بلند تھا، تصوف سے اُس کو غیر معمولی دلچسپی، اور صوفیا سے غیر معمولی عقیدت تھی، اُس کی تصانیف جن کا اس وقت تک پتہ چل سکا ہے، اور جو فارسی ادب اور تصوف کا بہترین سرمایہ سمجھی جاتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفینۃ الاولیاء (۲) سکینۃ الاولیاء (۳) رسالہ حق نما (۴) حسنات العارفین یا شطحیات (۵) مجمع البحرین (۶) سرّ اکبر (۷) ترجمہ بھگوت گیتا (۸) بیان دارا شکوہ (۹) دیوان دارا شکوہ (۱۰) دیباچہ مرقع (۱۱) مثنوی (۱۲) نادر النکات (۱۳) رسالہ معارف (۱۴) مکاتیب۔

۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ کو اپنے بھائی عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا، سیف خاں، نظر بیگ چیلہ اور بعض دوسرے لوگوں نے اُسے قتل کیا، اور ہمایوں کے مقبرے کے تہہ خانے میں جس میں شہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد مدفون ہیں دفن کیا گیا، عمل صالح میں ہے کہ اُسی لباس میں دفن کیا گیا جو قتل کے وقت اُس کے جسم پر تھا (فٹ نوٹ مقالات الشعراء۔ بضمن قادری ص ۵۰۴ تا ۵۱۰)۔

کہ یہ میرا لڑکا بیمار ہے، اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آچکے ہیں، آپ اس کے لئے دعا فرمایئے آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر وہ پیالہ جس سے خود پانی پیا کرتے تھے پانی سے بھر کر اور اس پر دم کر کے مجھے دیا، میں اس کے پینے سے ایک ہفتے بعد بالکل اچھا ہوگیا۔[1]

یہ واقعہ پہلا نقش تھا جو میاں میر کی محبّت وعقیدت کا دارا شکوہ کے قلب میں قائم ہوا، اس کے بعد اُس کی عقیدت میاں میر سے بڑھتی ہی گئی۔

دوسری ملاقات کے لئے جب شاہجہاں میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت بھی دارا شکوہ اُس کے ساتھ تھا، میاں میر مکان کی دوسری بالائی منزل میں تشریف فرما تھے جب شاہجہاں اور دوسرے لوگ آپ سے ملاقات کے لئے بالاخانے پر گئے تو دارا شکوہ کی عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے جوتوں کو نیچے چھوڑ کر اور اُس گھر کو وادیٔ مقدّس سمجھ کر ننگے پاؤں اوپر گیا، میاں میر بادشاہ سے گفتگو کرتے وقت لونگیں چبا چبا کر پھینکتے جاتے تھے، میں اُن لونگوں کو اُٹھا کر کھاتا جاتا تھا، اُسی وقت سے میرے دل میں دنیا سے بے تعلقی اور اہل اللہ کی محبت بڑھتی گئی، اور اُس کی برکت سے بڑے بڑے اثرات مجھ پر ظاہر ہوئے، اور مجھے وہ مل گیا جو ملنا تھا، اسی کی برکت سے مجھے قوت بیانیہ اور موزونیِ طبع حاصل ہوئی، اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن بھی میرا حشر آپ کے گداؤں میں ہوگا، بادشاہ کے رخصت ہونے کے بعد میں تنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا، آپ دیر تک میرے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے، اور میرے حق میں دعا کی۔[2]

---

[1] سکینۃ الاولیا (اُردو ترجمہ) ص ۳۹ [2] ایضاً۔ ص ۴۱

میاں میر بھی دارا شکوہ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ اُس سے پوچھتے کہ تمھارا کیا نام ہے؟ پھر اُس کے لئے دعائے خیر کرکے رُخصت فرماتے دارا شکوہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرا ملازم کسی کام سے آپ کی خدمت میں گیا، آپ نے اُس سے بھی حسبِ عادت نام پوچھا اور دعا فرمائی، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اُس نے عرض کیا کہ میں فُلاں کا ملازم ہوں اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ حضور نے میرے متعلق کیا فرمایا تھا تو میں کیا عرض کروں' فرمایا اگر تم اُس کے ملازم ہو تو بیٹھ جاؤ، پھر یہ مصرعہ پڑھا ؎

اے گل! بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

اور اُس پر نہایت توجہ اور عنایت فرمائی[1]

حضرت میاں میر کے ایک خلیفہ خواجہ بہاری کا بیان ہے کہ ایک دن ہم نے دیکھا کہ آپ ہاتھ میں تسبیح لئے کچھ پڑھ رہے ہیں، در آں حالیکہ اِس سے پہلے ہم نے کبھی آپ کے ہاتھ میں تسبیح نہ دیکھی تھی، میں نے عرض کیا کہ آپ تو تسبیح لے کر کبھی نہیں پڑھتے، یہ کیا ہے اور کس کے لئے ہے، آپ نے دارا شکوہ کا نام لے کر فرمایا چونکہ وہ بیمار ہے اُس کے لئے پڑھتا ہوں[2]

حاجی محمد بنانی کی روایت ہے کہ کسی شخص نے ایک دن دارا شکوہ کا نام لے کر میاں میر سے پوچھا کہ کیا آپ اُس پر نظرِ عنایت رکھتے ہیں؟ فرمایا وہ تو ہماری جان اور آنکھ ہے[3]

جب دارا شکوہ کو بیعت کا خیال پیدا ہو اُس وقت میاں میر وفات

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اُردو ترجمہ) ص ۴۱-۴۲ [2] ایضاً " ص ۴۲
[3] ایضاً ( " ) ص ۴۲

پا چکے تھے، اس لئے اُس نے آپ کے محبوب ترین خلیفہ مُلّا محمد بدخشی سے بیعت کی، لیکن اس کا بیان ہے کہ وہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی روح پُر فتوح سے فیوض و برکات حاصل کرتا رہا، سکینۃ الاولیاءٔ میں اُس کی روایت ہے کہ آپ نے مجھے غائبانہ طور پر اپنی وفات کے بعد مشاہدہ اور مراقبہ سکھایا، اِسی عالم کی ایک اور کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا، اپنی امانت لے لو، آپ کے سینۂ مُبارک سے اس قدر انوار میرے سینے میں داخل ہوئے کہ میں نے عرض کیا حضور اب بس کیجئے میں اب اِس سے زیادہ متحمل نہیں ہو سکتا، اُس وقت سے میں اپنے سینے کو منور اور پُر ذوق پاتا ہوں، ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ آپ کی وجہ سے مجھے لیلۃ القدر کی زیارت ہوئی۔[1]

**وفات** میاں میر اٹھاسی سال کی عمر میں، ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء کو واصل الی اللہ ہوئے، سکینۃ الاولیاءٔ میں ہے کہ آخر عمر میں آپ اسہال میں مبتلا ہوئے، پانچ روز تک بیمار رہے، اور محلۂ خان پورہ میں اپنے حجرے میں وفات پائی آج بھی آپ کا مزار ہاشم پورہ میں جو اب میاں میر کے نام سے موسوم ہے زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

**مزارِ مبارک کی تعمیر** آپ کے مزارِ مُبارک کی تعمیر کے لئے دارا شکوہ نے جو آپ کا معتقد تھا، تمام مسالہ جمع کیا، لیکن ابھی تعمیر کی نوبت نہ آئی تھی کہ دارا شکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا گیا۔ بہت دن تک مزار کی عمارت نامکمّل رہی،

---

[1] یہ تمام واقعات سکینۃ الاولیاء کے اردو ترجمے سے ماخوذ ہیں۔

گئی سال کے بعد عالمگیرؒ آپ کے مزار پر حاضر ہوا، اور اُس نے عمارت کو مکمل کرایا، داراشکوہ کی بیوی نادرہ کی قبر بھی آپ کے مزارِ مبارک کے قریب ایک شکستہ بارہ دری میں واقع ہے۔

**تاریخِ وفات** متعدد مریدوں اور عقیدت مندوں نے تاریخ وفات کہہ کر اپنی عقیدت اور دلی سوز و غم کا اظہار کیا، مُلّا فتح اللہ جو آپ کے مریدوں میں تھے اُن کی یہ تاریخ آپ کے گنبد کے دروازے پر کندہ ہے۔

میاں میر سر دفترِ عارفاں
کہ خاکِ درش خاکِ اکسیر شد

---

۱؎ اورنگ زیب شاہجہاں کا تیسرا لڑکا تھا، جو ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۸ء میں مالوے کے قریہ دوحد میں پیدا ہوا، دہلی کے قریب لشکرگاہ میں، یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ م جولائی ۱۶۵۸ء میں اُس کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی، احمد نگر میں جب کہ وہ مرہٹوں کے قلع قمع میں مصروف تھا، ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ م فروری ۱۷۰۷ء میں ایک خفیف علالت کے بعد عالم آخرت کی راہ لی، وفات سے چند گھنٹے پہلے جب کہ دمے کے دورہ میں مبتلا تھا، ایک عرض داشت پر وصیت لکھی کہ میری تجہیز و تکفین میں خلاف سنت کوئی رسم نہ کی جائے، خواجہ برہان الدین غریب کے پائیں مجھے دفن کیا جائے، اور کوئی پکی قبر یا اور سقف و گنبد نہ بنایا جائے، اس کی وصیت کے مطابق جنازہ احمد نگر سے خلد آباد (دکن) لایا گیا، تقریباً تمام راستے پر دو رویہ عام رعایا کے لوگ کھڑے آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتے تھے، اور ہزارہا اہلِ لشکر ماتم کناں ہمرکاب تھے۔ (ماخوذ تاریخ مسلمان پاکستان و بھارت ص ۵۲۴-۵۳۶-۵۶۶-۵۶۷)

۲؎ رودِ کوثر ص ۳۶۹)

سفر جانب شہر جاوید کرد
چو زیں لخت آباد دلگیر شد
خرد بہرِ سالِ وفاتش نوشت
بفردوس والا میاں میر شد

۱۰۴۵ھ

خزینۃ الاصفیاء میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اُن کی تاریخ ولادت و وفات کہہ کر اس طرح اظہار عقیدت کیا ہے۔

میرِ دنیا و دیں میاں میر ست
واقفِ راز محرمِ اسرار
ہست "میر بہشت" تولیدش
ہم "میاں میر چشمہ انوار"
۹۵۷ھ

باز فرمود "شیخ والا جاہ"
۹۵۷ھ
عقل تولید او بصد تکرار
"بندۂ مقتدا میاں میر" ست
۹۵۷ھ
سالِ تولید آں شہ ابرار

"ہادیِ صدق میر اشرف" خاں
۱۰۴۵ھ
وصلِ آں شاہ زبدۃ الاخیار
نیز فیاض حق ولی آمد
ہم میاں میر دستگیر" ای یار
۱۰۴۵ھ

---

[۱] یہ تمام تاریخیں مقالات الشعراء کے فٹ نوٹ ص ۵۰۲-۵۰۳ سے لی گئی ہیں۔

## ملفوظات

حضرت میاں میر نے باوجود کمال وفضل کے کوئی کتاب نہیں لکھی، اور نہ کبھی کوئی شعر فرمایا لیکن پھر بھی جب کبھی کسی آیت یا حدیث یا بزرگوں کے مشکل اشعار کے معنی بیان فرماتے تو علماء و فضلا دنگ رہ جاتے لیکن اگر آپ کے بیان کئے ہوئے مضامین و مطالب کو کوئی لکھنا چاہتا تو آپ اسے ناپسند فرماتے تھے[۱]

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ پر گفتگو چھڑی، اس مجلس میں ایک عالم موجود تھے، آپ نے اُن سے پوچھا کہ اس قول کا کیا مطلب ہے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ امر الٰہی کو بجالانا چاہیئے، اور اللہ کے بندوں سے مہربانی سے پیش آنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ بہتر معنی بیان کیجئے، اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرمائیں، فرمایا امر سے مُراد روح ہے، جیساکہ قرآن مجید میں ہے قل الروح من امر ربی، روح کی تعظیم یہ ہے کہ اُسے یادِ الٰہی سے غافل نہ رکھا جائے، اور خطرات کو دور کیا جائے، اور خلق سے مُراد خِلقت ہے، یعنی اپنے اعضا، اُن پر شفقت یہ ہے کہ اُن سے کوئی فعل خلافِ شرع صادر نہ ہو، تاکہ وہ آخرت کے عذاب میں گرفتار نہ ہوں[۲]

ایک دفعہ اپنے بعض مریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میری ہڈیوں کو نہ بیچنا اور میری قبر پر دوسروں کی طرح دکان نہ بنالینا[۳]

فرمایا کرتے تھے کہ حُبِ جاہ کو دل سے نکالنا بڑا کام ہے[۴]

---

۱؎ سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۲ ۲؎ ایضاً " ص ۳۵-۳۶

۳؎ ایضاً " ص ۵۱ ۴؎ ایضاً " ص ۵۱

**خلفاء** میاں میر کے خلفاء میں حسب ذیل خلفاء کو خاص شہرت حاصل ہے۔

(۱) حاجی نعمت اللہ سرہندی (۲) مُلّا محمد بدخشی (۳) میاں نتھا صاحب (۴) حاجی مصطفیٰ سرہندی (۵) مُلّا حامد گجر (۶) مُلّا روحی مسمّیٰ بہ ابراہیم (۷) مُلّا خواجہ کلاں (۸) حاجی صالح کشمیری (۹) مُلّا عبدالغفور۔

**حاجی نعمت اللہ سرہندی** حاجی نعمت اللہ ان بزرگوں میں تھے کہ جنھیں میاں میر نے سب سے پہلے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کیا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سب سے پہلے اپنے اشغال کی تلقین حاجی نعمت اللہ سرہندی کو کی، حاجی نعمت اللہ نے ۱۰۱۷ھ میں وفات پائی۔[1]

---

[1] سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۰۳ - ۱۰۴

(۸۲)

# شاہ محمدّ غوث لاہوری گیلانی

**حالات** شاہ محمد غوث لاہوری کے والد کا اسم گرامی سید حسن پشاوری تھا، شاہ محمد غوث علوم ظاہری و کے جامع، اور صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے، اور سلسلہ قادریہ میں اجازت وخلافت اپنے والد بزرگوار سید حسن شاہ پشاوریؒ سے حاصل کی تھی۔

**سیاحت** پھر طلبِ حق میں اُنھوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت کی، اور سید میران بھیکہ چشتی،

---

لہ سید حسن پشاوری اپنے والد بزرگوار سید عبداللہ گیلانی کے مرید و خلیفہ تھے اُن کے دادا سید محمود بغداد سے تشریف لاکر ٹھٹھے میں سکونت پذیر ہوئے، سید محمود کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے سید عبداللہ نے پشاور میں سکونت اختیار کی، سید عبداللہؒ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱؎)

صاحب رسالہ غوثیہ کے بیان کے مطابق سید حسن پشاوری نے ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی اور ان کا مزار پُر انوار پشاور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے (ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۱۸۸)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا ۱؎)

۱؎ حاجی محمد قادری مشہور بہ نوشاہ گنج بخش شاہ سلیمان قادری کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، وہ سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ کے امام و مقتدا ہیں، حاجی محمد قادری کے والد کا اسم گرامی حاجی علاء الدین تھا جو نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے، ان کی والدۂ ماجدہ کا نام بی بی جیونی تھا، حاجی علاء الدین کی سکونت موضع گھکیانوالی میں تھی، جب حضرت حاجی نوشاہ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو اُن کے والد نے اُن کو ایک حافظ قاری کے سپرد کیا تاکہ وہ اُن کو قرآن مجید کی تعلیم دیں، چنانچہ چند ماہ میں حاجی نوشاہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، اس کے بعد وہ زہد و ریاضت میں مشغول ہو گئے، اور ساندل بار کے جنگل میں مجاہدے کرتے رہے، پھر اُنھوں نے موضع نوشہرہ میں ایک بزرگ کی صاحبزادی سے شادی کر لی اور وہیں سکونت اختیار فرمائی، چھ سال تک متواتر دریا کے کنارے تمام تمام رات کھڑے ہو کر یادِ الہٰی میں مصروف رہتے، اور تمام دن مسجد میں تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے تھے، پھر وہ موضع بھلوال (بدھوال ضلع شاہ پور) میں حاضر ہوئے، اور شاہ سلیمان قادری سے بیعت کی استدعا کی، آپ نے حاجی محمد قادری کو دیکھ کر فرمایا۔ تم نے بہت انتظار دکھایا ہم تو تمھارے دیر سے منتظر ہیں، آؤ، ہمارا گھر تمھارا گھر ہے، اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تمھاری امانت ہے، پھر آپ نے اُن کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا، اور اپنے پاس رکھ کر سلوک و معرفت کی تکمیل کرائی، اور خرقۂ خلافت سرفراز فرما کر "نوشاہ گنج بخش" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

خدمت میں حاضر ہوئے، اور شرف باطنی سے مشرف ہوئے، وہ سلسلۂ چشتیہ، نقشبندیہ میں مجاز تھے، اُن کی تصانیف میں رسالۂ غوثیہ مشہور ہے۔

**وفات** شاہ محمد غوث نے بروایتِ صاحبِ تشریف الشرفا ر ۱۱۵۲ھ میں ہندوستان میں نادرشاہ کے حملے کے ایک سال بعد وصال فرمایا، اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

**تصرفِ باطنی** خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ رنجیت[له] سنگھ کے نواسے نونہال سنگھ کی عملداری کے زمانے میں ایک انگریز دلارڈس کی تجویز سے یہ طے پایا کہ شہر لاہور کے باہر جس قدر درخت یا عمارتیں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ له)

درویشوں اور مسافروں کی خدمت میں اُن کو خاص لطف آتا تھا، عادتِ مبارک تھی کہ اگر چند فقرا، و مساکین مسجد میں جمع ہو جاتے تو وہ اُن کے لئے اپنے گھر سے کھانا لاتے، اور پھر گاؤں میں ایک ایک دروازے پر جاکر کھانا جمع کرتے پھر اُن کو لاکر کھلاتے۔

علوئے مرتبت کی اس منزل پر فائز تھے کہ شاہ سلیمان قادری نے اپنے صاحبزادوں تاج محمد اور رحیم داد کو ان کے حلقۂ ارادت میں داخل کر کے اُن کی تربیت حاجی محمد قادری کے سپرد فرمائی۔

حاجی نوشاہ قادری نے ۱۱۰۳ھ میں عہدِ عالمگیر میں وفات پائی۔ ان کے خلفاء میں خواجہ فضل کابلی، شاہ فتح اللہ وغیرہ مشہور ہیں۔ (ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۷۹ تا ۱۸۰ و تحقیقات چشتی ص ۴۲۹)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا بسلسلہ له)

له مہاراجہ رنجیت سنگھ ۲ نومبر ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا، اُس کے باپ کا نام مہان سنگھ تھا، رنجیت سنگھ ۱۷۷۲ء میں بحیثیت سو کر چکیہ سکھوں کے سردار ہونے کے

ہوں منہدم کردی جائیں اور درختوں کو کاٹ دیا جائے، چنانچہ بہت سی عمارتیں منہدم کردی گئیں، جب شاہ محمد غوث کے مقبرے کے منہدم کرنے کی نوبت پہنچی

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ؁)

اپنے باپ کی جگہ متمکن ہوا، بچپن میں اس کی ایک آنکھ چیچک کے مرض میں ضائع ہوگئی تھی، ۱۰ سال کی عمر میں اُس نے اپنی ماں کو زہر دیا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

جس زمانے میں کہ شاہِ افغانستان تیمور شاہ افغانستان سے پنجاب آیا، رنجیت سنگھ اُس کے دربار میں پہنچا، اور ۱۷۹۹ء میں تیمور شاہ کی طرف سے لاہور کا حاکم مقرر ہوا، ۱۸۰۲ء میں اُس نے امرتسر پر حملہ کیا اور اس شہر کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا، ۱۸۰۵ء میں جسونت رائے ہولکر نے رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی، رنجیت سنگھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کرکے ہولکر کو پنجاب سے نکال دیا، پھر اُس نے لودھیانے اور اُس کے اطراف پر قبضہ کرلیا، ۱۸۰۸ء میں برطانوی حکومت کی جانب سے سر مٹکاف رنجیت سنگھ سے اس بات چیت کے لئے بھیجے گئے کہ وہ ستلج کے کنارے سے آگے نہ بڑھے، اور اپنے مقبوضات میں ستلج سے اُس طرف توسیع نہ کرے، ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کو برطانوی حکومت اور رنجیت سنگھ میں یہ معاہدہ ہوا کہ ستلج دونوں کی حکومتوں کی سرحد ہے، ۱۸۰۹ء اور ۱۸۱۰ء کے درمیان رنجیت سنگھ نے ملتان کو تاخت و تاراج کیا، اور اہلِ ملتان کو اپنا باج گزار بنایا، اسی سال اُس نے نکائی اور کنھیہ کو اپنا مطیع بنایا، ۱۸۱۲ء میں رنجیت سنگھ نے پنجاب کا راجہ ہونے کا اعلان کیا، ۱۸۱۹ء میں اُس نے راجہ کا لقب اختیار کیا، اور کشمیر پر قبضہ کرلیا، ۱۸۲۰ء میں وہ ستلج اور دریائے سندھ کے تمام درمیانی علاقے پر قابض ہوگیا، ۱۸۲۳ء میں اُس نے پشاور اور اس کے اطراف پر قبضہ کرلیا۔ جب شاہ شجاع کو اُس نے اپنے دربار میں پناہ دی، تو اُس نے شاہ شجاع سے

تو پہلے مقبرے کی چار دیواری کو منہدم کیا گیا، اور مقبرے کے ارد گرد کے درختوں کو کاٹ دیا گیا، جب روضۂ مطہرہ کی اندرونی عمارت کے انہدام کی نوبت آئی، اسی دن نونہال سنگھ کا والد کھڑک سنگھ مر گیا، وہ اسے جلانے کے لئے باہر گیا ہوا تھا کہ واپسی میں قلعہ لاہور کے دروازے کا ایک پتھر اس کے سر پر گرا، اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ لہ)
زبردستی کوہ نور کو اس سے اپنے قبضہ میں لے لیا، ۱۸۲۳ء کو رنجیت سنگھ نے ڈیرہ جات کو بھی اپنی حکومت میں ضم کر لیا، اسی سال امیر دوست محمد خاں کابل سے پشاور آیا، اور رنجیت سنگھ نے اس کو پسپا کر کے پیچھے لوٹنے پر مجبور کیا، رنجیت سنگھ کی پالیسی چونکہ انگریزوں سے مصالحانہ تھی، اس لئے اس نے اپنے لشکر کی یوروپین افسروں سے تنظیم کرائی، ۱۸۳۱ء میں اس نے روپڑ میں لارڈ بنٹنک گورنر جنرل ہند سے ملاقات کی، ۱۸۳۸ء میں رنجیت سنگھ حکومتِ برطانیہ اور شاہ شجاع کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا، جس کی بنا پر رنجیت سنگھ نے افغانستان پر انگریزوں کی لشکر کشی میں مدد کی - (فٹ نوٹس نوائے معارک - مرتبہ آغا عیسیٰ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ)

(۸۳)

# شیخ محمد اسماعیل مدرس سہروردی لاہوری

مشہور بہ

## میاں کلاں (وڈا صاحب)

**نام ونسب** آپ کا اسم گرامی، محمد اسماعیل، والد کا نام فتح اللہ تھا، قوم کھوکر ہیں سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

محمد اسماعیل بن فتح اللہ بن عبداللہ بن فیروز حنفی۔

**ولادت** شیخ محمد اسماعیل کی ولادت باسعادت اکبر کے عہدِ حکومت سنہ ۹۹۰ھ میں ہوئی، اور آپ کی ولادت کے بعد آپ کے والد اپنے وطن موضع چنیہ سے نکل کر جو دریائے چناب کے کنارے واقع ہے، موضع لنگر مخدوم میں آکر آباد ہو گئے۔

**تعلیم** جب شیخ محمد اسماعیل پانچ سال کے ہوئے تو آپ کے والد نے آپ کو تعلیم کے لئے شیخ عبدالکریم سہروردی کے سپرد کیا، اور

آپ علوم ظاہریہ کی تعلیم شیخ عبدالکریم[1] سے حاصل کرتے رہے۔
شیخ عبدالکریم سہروردی نے آپ کے سپرد اُن درویشوں کے لئے جو آپ کے ہم سبق تھے آٹا پیسنے کی خدمت سپرد فرمائی۔

**بیعت**
علومِ متداولہ کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے استادِ ظاہری شیخ عبدالکریم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جو علوم ظاہری میں یگانۂ روزگار اور علوم باطنی میں عظیم المرتبت شیوخ میں تھے، ایک طویل عرصے تک ریاضتیں اور مجاہدے کر کے آپ نے اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے:۔

شیخ محمد اسماعیل، شیخ عبدالکریم، مخدوم طیب، مخدوم برہان الدین، مخدوم چنن، شیخ میلون، شیخ حسام الدین متقی مُلتانی، سید شاہ عالم، سید بُرہان الدین قطب، سید ناصرالدین، سید جلال الدین مخدوم جہانیاں، شیخ رُکن الدین ابوالفتح مُلتانی، شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانی۔

---

[1] شیخ عبدالکریم لاہوری بن عبداللہ بن شمس الدین سلطان پوری ثم لاہوری فقہ و اصول کے مشہور علماء میں تھے، اُنھوں نے علوم درسیہ کی تکمیل اپنے والد سے کی، اور شیخ نظام الدین بن عبدالشکور تھانیسری سے بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، پھر ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے۔ اور دو مرتبہ حج و زیارت کے لئے گئے، اپنے والد کی وفات کے بعد لاہور میں مقیم ہو گئے۔
شیخ عبدالکریم لاہوری نے ۲۴ رجب ۱۰۴۵ھ میں لاہور میں وفات پائی، اور اور زیب النساء کے باغ کے متصل مدفون ہوئے۔(نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۷۳)۔

## رُشد و ہدایت

شیخ اسماعیل علومِ باطنیہ میں کمال حاصل کرنے کے بعد اپنے پیر سے اجازت لے کر لنگر مخدوم سے روانہ ہوئے، اور دریائے چناب کے کنارے شیشم کے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا وہیں آپ کے گرد تشنگانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیئے دُور دُور سے حاضر ہونے لگے، تقریباً ایک سَو چالیس درویشوں نے آپ سے سلوک و معرفت کی منزلیں طے کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

## لاہور میں تشریف آوری

پھر آپ وہاں سے لاہور تشریف لائے اور چالیس دِن حضرت شیخ علی ہجویری کی درگاہ میں معتکف رہ کر محلہ نیل پورہ میں قیام فرمایا، جو اب ویران ہو چکا ہے، اُس وقت آپ کی عمر ۴۵ سال کی تھی، لاہور میں تشریف لانے کے بعد آپ کا وقت درس و تدریس، تعلیم و تلقین میں صرف ہونے لگا، کثرت سے حفظِ قرآن مجید کے لیئے طالب علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے یُمن و برکت کی وجہ سے چند ماہ میں حفظ قرآن مجید کر لیتے۔

فرمایا کرتے کہ قرآن مجید کا فیض ہماری وفات کے بعد بھی ہماری قبر سے جاری رہے گا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی درگاہ میں شیخ محمد صالح پچپن سال تک، اور حافظ محمود بیالیس سال تک اور حافظ معز الدین پینتیس سال تک اور حافظ شرف الدین ساٹھ سال تک قرآن مجید کا درس دیتے رہے[1]

## وفات

شیخ محمد اسماعیل ۵ رشوال ۱۰۸۵ھ میں عالمگیر کے عہدِ حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے آپ کا مزار پُر انوار

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۱۰۷ تا ۱۰۹ سے ماخوذ ہے۔

لاہور کی مشہور درگاہوں میں ہے۔

**خلفاء** آپ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) شیخ محمد صالح
(۲) شیخ عبد الحمید
(۳) شیخ تیمور
(۴) شیخ محمد ہاشم
(۵) شیخ عبد الکریم قصوری
(۶) آخوند محمد عثمان
(۷) آخوند محمد عمر
(۸) امانت خاں
(۹) حافظ عبداللہ ساکن کیوال۔
(۱۰) حافظ محمد فاضل
(۱۱) حافظ الہ بخش
(۱۲) حافظ محمد حسین آوان
(۱۳) حافظ فتح محمد خوشابی
(۱۴) شیخ جان محمد لاہوری

(۸۴)
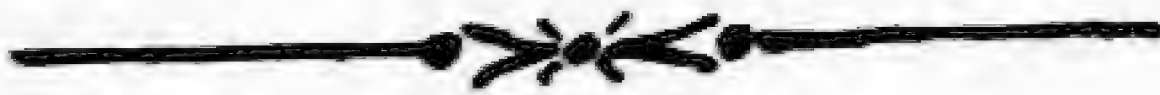
# شاہ مراد قریشی لاہوری

**حالات**

شیخ شاہ مُراد قریشی لاہوری، شیخ کرم شاہ کے صاحبزادے اور شیخ سکندر شاہ کے بھائی تھے، سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے دادا اور والد کے مرید تھے، عابد و زاہد اور متقی بزرگ تھے، صاحبِ تصانیف تھے، اُن کی فارسی تصانیف میں مراۃ العاشقین، ترجیع بند ما مریداں بر وزن ما میقماں، فارسی دیوان، دیوان مُراد، اور اُردو دیوان مراد المجبین مشہور ہیں۔

پنجاب میں اُردو میں حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم نے اُن کے حالات کی کچھ اور تفصیل دی ہے پنجاب میں اُردو میں ہے کہ حضرت مراد شاہ کے والد کا نام پیر کرم شاہ عرف مستا شاہ ہے: وہ چار سال لکھنؤ اور دوسرے مقامات میں رہے، اپنے والد کے ساتھ اپنے وطن لاہور واپس آرہے تھے کہ شاہ جہاں آباد کے قریب قزاقوں سے مقابلہ ہوا، اور پیر کرم شاہ مارے گئے، اس اُفتاد سے تین سال اور وطن آنا نصیب نہیں ہوا۔

حضرت مُراد شاہ کی متعدد تصانیف ہیں، دیوان کے علاوہ اُنھوں نے کئی کئی چھوٹی چھوٹی مثنویاں یادگار چھوڑیں، ۱۲۱۲ھ میں اپنے شاگرد حکیم علیم اللہ کی فرمائش پر اُنھوں نے قصۂ چہار درویش نظم کرنا شروع کیا، کچھ حصہ نظم کر پائے تھے کہ وفات پائی۔

اُردو کے شاعر تھے، اُن کی طبیعت بہ نسبت غزل کے مثنوی **شاعری** کی طرف زیادہ مائل تھی، لکھنؤ اور اُس کے نواح میں سات سال متواتر رہنے کی وجہ سے زبان بالکل صاف ہوگئی تھی، سلاست اور روانی کے ساتھ کلام میں پختگی موجود ہے، اُنھوں نے ۱۲۰۳ھ میں ایک منظوم خط اپنے عزیزانِ وطن کے نام لکھا تھا، جو "نامۂ مراد" کے نام سے موسوم ہے، اس خط میں اُردو کی قبولیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وہ اُردو کیا ہے یہ ہندی زباں ہے ۔۔۔ کہ جس کا قائل اب سارا جہاں ہے
کلام اب تجھ سے میں ہندی زباں میں ۔۔۔ کروں شہرت ہو تا سارے جہاں میں
کہ اب وسعت میں اُس کی سب سخنداں ۔۔۔ سمندِ طبع کو کرتے ہیں جولاں
لطافت یہ نکالی ہے اُسی میں ۔۔۔ کہ فرماتے نہیں کچھ فارسی میں
اُسی کا شہرہ اب ہو جائے سب تک ۔۔۔ یہاں سے تابہ ایراں بل عرب تک
خصوصاً شعر اب شاعر یہاں کے ۔۔۔ نہیں کہتے بجز ہندی زباں کے
غرض ہندی کا یہ چرچا یہاں ہے ۔۔۔ کہ شعر فرس مطعونِ زماں ہے
یہ شہرت ہے اب اس مضمون پر کی ۔۔۔ نہ کوئی فارسی پوچھے نہ ترکی
نہیں ہندی سخن میں نقص ممکن ۔۔۔ لطافت ہے بہت سی اس میں لیکن
نہ شاعر ہند کے یوں فی الحقیقت ۔۔۔ گئے لے فرس کے مضموں پہ سبقت
جھنجھوڑا فارسی کے استخواں کو ۔۔۔ کیا پُر مغز تب ہندی زباں کو
فصاحت فارسی سے جب نکالی
لطافت شعر میں ہندی کے ڈالی

وہ اپنی مثنوی چہار درویش میں اُردو زبان کے متعلق یوں مدّاح سرا ہیں:۔

یہ قصہ جو ہے چار درویش کا ۔۔۔ اگر نظم ہو تو بہت ہے بجا
ولیکن ہو اُردو زباں میں بیاں ۔۔۔ کہ بھاتی ہے ہر ایک کو یہ زباں

اس کے علاوہ اُن کی مثنوی "مراد العاشقین" اور فارسی ترجیع بند "مامریداں" نامی صاحب شائع کر چکے ہیں۔ ان کی اُردو میں ایک نظم "مگس نامہ" بھی ہے۔

**وفات** شاہ مراد نے عین عالم جوانی میں تیس سال کی عمر میں ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی، مزارِ مبارک موضع مردانہ تحصیل شاہدرہ میں ہے[1]

---

[1] شاعری اور وفات کے متعلق یہ تمام تفصیل پنجاب میں اُردو ص ۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲ سے ماخوذ ہے۔

(۸۵)

# حافظ محمد جمال مُلتانی

**حالات** حافظ محمد جمال مُلتانی بن محمد یوسف بن حافظ عبد الرشید، خواجہ نور محمد مہاروی کے مخلص مرید دں اور عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے پوتے حضرت غلام فرید کا بیان ہے کہ جب حافظ محمد جمال میں معرفتِ الٰہی کا ذوق پیدا ہوا، اور اس کے لئے پیرِ کامل کی تلاش ہوئی، تو وہ اکثر رات کو حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین کے مزار پر حاضر ہوتے، اور وہیں، عبادت اور ریاضت میں مصروف رہتے، ہر رات کو ایک کلام مجید ختم کرتے، اور پیرِ کامل کے لئے دعا مانگ کر سو جاتے، ایک رات اُنھوں نے خواب میں، دیکھا کہ حضرت شیخ رُکن الدین اور خواجہ نور محمد مہاروی یک جا بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت شیخ رُکن الدین نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر خواجہ نور محمد مہاروی کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا جمال! تمھارے پیر یہ ہیں، ان کا نام نور محمد مہاروی ہے۔ ان کا وطن مُلتان کے قصبوں میں سے ایک قصبہ ہے تم اِن کی خدمت میں حاضر ہو۔

**مہار میں حاضری اور بیعت** صبح کو فوراً ہی حافظ محمد جمال مُلتان سے مہار روانہ ہو گئے، اور حضرت خواجہ نور محمد

مہاروی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ بیعت کے وقت خواجہ نور محمدؒ مہاروی نے اُن سے پوچھا کہ تم نے علومِ ظاہری کی تعلیم پائی ہے یا نہیں، حافظ محمد جمال اگرچہ عالم تھے، لیکن اُنھوں نے ازراہِ انکسار جواب دیا کہ میں مسائل نماز و روزہ سے بقدرِ ضرورت واقف ہوں، اور میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، خواجہ نور محمد مہاروی کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اُس کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کِھلاتے، اور اگر کوئی ان پڑھ ہوتا تو اپنے لنگر دار غلام رسول سے فرماتے کہ وہ اس کو دوسرے درویشوں کی طرح کھانا کِھلائے، چنانچہ جب کھانے کا وقت آیا تو معمول کے مطابق آپ نے دستر خوان پر علماء کو بُلایا، حافظ محمد جمال بھی حاضر ہوئے، خواجہ نور محمد مہاروی کے ایک خاص مرید مولانا محمد حسین نے حافظ محمد جمال کو دیکھا تو فوراً اُٹھ کر معانقہ اور مصافحہ کیا، اور حالات پوچھنے لگے، خواجہ نور محمد مہاروی نے یہ دیکھا تو اُن سے پوچھا، کیا تم ان کو جانتے ہو؟ مولانا محمد حسین نے عرض کیا کہ میں نے اور انھوں نے ایک ہی اُستاد سے تعلیم حاصل کی ہے، اور یہ بہت بڑے عالم ہیں، ہم انھیں زمانۂ طالب علمی ہی میں علّامۂ عصر کہتے تھے۔ پھر خواجہ صاحب نے حافظ محمد جمال سے پوچھا کہ تم نے اپنے علم کو ہم سے کیوں چھپایا؟ انھوں نے عرض کیا، قبلۂ من! میں نے سُنا ہے کہ فقراء کا گروہ علماء کے فرقہ سے نفرت رکھتا ہے، اس لئے میں نے اپنے علم کو آپ سے چھپایا، خواجہ صاحب نے فرمایا حافظ صاحب ہم تو علماء کے طالب ہیں، اور ہمیں عالم ہی پہچانتے ہیں، جاہل بےچارہ ہمیں کیا پہچانے گا، ہم فرقۂ علماء سے بہت خوش ہیں۔ اس دن سے حافظ محمد جمال، خواجہ صاحب کے خادمِ خاص کے عہدے پر سرفراز کیے گئے، اور خواجہ نور محمد کی وفات تک اسی عہدے پر ممتاز رہے۔

وہ سفر و حضر میں خواجہ صاحب کے ساتھ رہتے تھے، اور درویشوں کے کپڑے اور روٹی کی تقسیم اور خواجہ صاحب کے لئے آفتابہ برداری اور وضو کرانے کی خدمت اُن کے ذمّہ تھی۔[1]

## ملتان میں سلسلۂ چشتیہ کی ترویج کے لئے تعیناتی

پھر وہ اِس مرتبۂ عالی پر فائز ہوئے کہ اپنے دادا پیر حضرت شاہ فخر کے ارشاد پر وہ ملتان میں سلسلۂ چشتیہ ترویج و اشاعت کے لئے مقرر کئے گئے۔ مناقب المحبوبین میں میاں امام بخش صاحبزادہ حضرت غلام فرید کی ایک روایت منقول ہے کہ :-

من از والد خود شنیدہ ام کہ می فرمودند کہ چوں قبلۂ عالم در دہلی رفتند روزے در مجلس حضرت مولانا صاحب حضرت قبلہ عالم ہم نشستہ بودند، و حافظ صاحب ہم در آنجا نشستہ بودند، تذکرہ ایں اُفتاد کہ در مُلتان تصرّفِ ہیچ ولی بعظمت بہاء الدین زکریا مُلتانی پیش نمی رود، و ہیچ شیخ در آنجا کسے را بیعت نمی کند، مولانا صاحب فرمودند میاں نور محمد صاحب تا ہنوز بہ ملتان ولایتِ بہاء الحق صاحب بود، لہٰذا تصرفِ ولی دیگر کارگر نمی شد،

میں نے اپنے والد سے سُنا کہ فرماتے تھے کہ جب قبلۂ عالم (حضرت نور محمد مہاروی) دہلی گئے، ایک روز حضرت مولانا صاحب (شاہ فخر) کی خدمت میں حضرت قبلۂ عالم بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اس بات کا ذکر چھڑا کہ مُلتان میں شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانی کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرف نہیں چلتا اور کوئی شیخ وہاں کسی کو بیعت نہیں کرتا مولانا صاحب نے فرمایا، میاں نور محمد صاحب! اب تک ملتان میں بہاء الحق صاحب کی ولایت تھی، لہٰذا وہاں کسی دوسرے ولی کا

---

[1] مناقب المحبوبین - ص ۱۲۱ - ۱۲۲

اما حالا ملتان حوالۂ مایان شدہ
است، لازم ست کہ مریدے
از مریدانِ خود در آنجا بفرستند
وبگویند کہ در عین خانقاہ بہاء الدین
زکریا خلق را مرید کنید و تصرفِ
خود کنید، چوں قبلۂ عالم این بار
در مہار شریف از دہلی رسیدند،
و حافظ صاحبِ جمال الدین
را رخصت سمت ملتان فرمودند
ایشاں مولوی خدا بخش ملتانی[1] را
کہ یکے از خلفاء نامدار ایشاں و
مقبول بارگاہ پروردگار بودند،

تصرف کا کام نہیں کرتا تھا، اب
ملتان ہمارے حوالے ہوا ہے،
لازم ہے کہ تم اپنے مریدوں میں
سے کسی مرید کو وہاں بھیجو، اور
اُس سے کہو کہ خانقاہ شیخ بہاء الدین
زکریا میں خلق کو مرید کرے، اور اپنا
تصرف کرے، جب قبلۂ عالم اس مرتبہ
دہلی سے مہار شریف پہنچے تو انھوں نے
حافظ جمال الدین کو ملتان روانہ کیا،
انھوں نے وہاں سب سے پہلے مولوی
خدا بخش ملتانی کو جو اُن کے خلفاء نامدار
اور مقبول بارگاہ پروردگار تھے، عین

---

[1] مولانا شیخ خدا بخش اپنے زمانے کے اکابرِ مشائخ میں تھے، وہ ملتان میں پیدا ہوئے،
اور اُس زمانے کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی، اور چالیس سال تک
ملتان میں درس دیتے رہے، پھر حافظ محمد جمال ملتانی سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت
حاصل کیا، اور اُن کے مسند مشیخت پر متمکن ہوئے، بہت کثرت سے لوگ اُن سے
مرید ہوئے، اُن کا شمار اُس دور کے اکابر مشائخ میں ہوتا تھا، پھر وہ آخر عمر میں
خیر پور منتقل ہو گئے، اور وہیں سکونت اختیار کر لی، مولانا شیخ خدا بخش نے محرم ۱۲۵۲ھ
میں خیر پور میں وفات پائی، مناقب المحبوبین میں آپ کی تاریخ وفات یکم صفر ۱۲۵۱ھ مذکور
ہے، صاحبِ مناقب المحبوبین نے لکھا ہے کہ لفظ "غرہ" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی
ہے۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۷، ص ۱۵۰ و مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۰
بحوالہ گلزار جمالیہ)

درعین خانقاہ بہاءالحق صاحب مرید کردند[۱]

خانقاہِ حضرت بہاءالحق زکریا ملتانی میں مرید کیا۔

**درس و تدریس** علم و فضل کے اعتبار سے بھی حافظ صاحب کا مرتبہ بہت بلند تھا، صاحب مناقب المحبوبین کا بیان ہے کہ ہمیں باریک اور دقیق مسائل میں جب کوئی مشکل پیش آتی تو ہم حافظ صاحب ہی سے پوچھتے تھے، اور وہ نہایت واضح اور مکمل جواب دیتے تھے، زمانۂ طالب علمی ہی میں وہ اپنے ساتھیوں میں علم و زہد کی میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، مسئلہ وحدت الوجود سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے، شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا جامی کی تصانیف کو بے حد پسند کرتے تھے، نفحات الانس، مثنوی شریف اشعۃ اللمعات اور فصوص سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔[۲]

اُنھوں نے ملتان میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس میں خود بھی درس دیتے تھے، اس مدرسہ کے طالب علموں میں سے خواجہ گل محمد احمد پوری بھی تھے، جنھوں نے دو سال تک اس مدرسے میں تعلیم پائی تھی، اور حافظ صاحب سے بھی درس لیا تھا۔[۳]

**طریقۂ بیعت** جب کسی کو بیعت کرتے تو پہلے خود وضو کرتے، اور مرید ہونے والے شخص کو بھی وضو کرلتے، پھر اُسے کسی گوشۂ تنہائی میں لے جاکر بیعت کرتے، پہلے اُسے اپنے سامنے بٹھاتے، پھر اُسے استغفار تسبیح، تہلیل اور قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھواتے، پھر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرماتے کہ تم کون سے طریقے میں بیعت ہونا چاہتے ہو، جب وہ بتاتا تو اُسے اُسی

---

۱۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۳-۱۲۴

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۱۳۱۔ ذکر علم الیشان

۳۔ تکملۂ سیر الاولیاء۔ ص ۱۳۵

طریقے میں بیعت کرتے، بیعت لیتے وقت اس سے فرماتے کہ کہو میں فلاں طریقے
میں بیعت کرتا ہوں کہ جو کچھ اس وقت عہد کروں گا، اُس کی مخالفت نہیں
کروں گا، پھر اُسے بیعت کر لیتے۔

اگرچہ حافظ صاحب چاروں سلسلوں یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور
سہروردیہ میں جامعِ خلافت تھے، لیکن اُن کا خاص طریقہ چشتیہ تھا، اور اُسی میں
زیادہ تر بیعت کرنے کو پسند فرماتے تھے، بیعت کے بعد مرید کو اوراد و وظائف
وضو اچھے طریقے پر کرنے، مسواک کرنے اور سوتے وقت سُرمہ لگانے اور
گناہوں سے بچنے کا حکم فرماتے، پھر اُس کے مناسبِ حال ذکر و شغل تجویز
فرماتے۔[1]

## حُسنِ اخلاق

حافظ صاحب حُسنِ اخلاق کا پیکر تھے، بچہ ہو یا بڑا،
ہر ایک سے حُسنِ اخلاق سے پیش آتے تھے۔

مناقب المحبوبین میں ہے۔

وبود آں حضرت از نیکو ترین مردمان در حسن خُلقے واز
مہربان تر مردماں بکودکان وخُردان[2]

مناقب فخریہ میں ہے:۔

وحافظ محمد جمال مُلتانی، کمالِ باطن وتہذیبِ اخلاق
وکمالات آراستہ بود۔[3]

## خواجہ محمد عاقل سے تعلق

جس زمانے میں خواجہ محمد عاقل قید
میں تھے، اُنھوں نے ایک خط
حافظ محمد جمال کو قید خانے سے لکھا، جس میں یہ شعر بھی تحریر کیا:۔

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۵ — [2] ایضاً ص ۱۳۴
[3] مناقب فخریہ۔ ص ۳۰

بلبم رسیدہ جانم، تو بیا کہ زندہ مانم
پس از آں کہ من نہ مانم، بچہ کار خواہی آمد

اور اُسی کے ساتھ یہ مصرع بھی لکھا:۔

بجنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

اس خط کے پڑھتے ہی حافظ محمد جمال صاحب ننگے پاؤں روانہ ہوگئے اور خواجہ محمد عاقل سے جا کر ملے[1]

**جہاد** جس زمانے میں کہ حافظ صاحب مُلتان میں تھے، رنجیت سنگھ والیِ لاہور نے کئی مرتبہ قلعۂ ملتان کی تسخیر کا ارادہ کیا، لیکن ہر دفعہ حافظ صاحب تیر و کمان میں لئے ہر وقت قلعے میں موجود رہتے، اُن کے خادمِ خاص میاں محمد صالح کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سِکھ کثیر فوج لے کر مُلتان کے فتح کرنے کے ارادے سے آئے، جب وہ ملتان سے ایک دو منزل کے فاصلے پر تھے، لوگوں نے پریشان ہو کر حافظ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! رنجیت سنگھ کثیر فوج لے کر مُلتان پر حملہ کرنے کے ارادے سے آرہا ہے، اور اس کی تیاریوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس مرتبہ وہ ملتان کو فتح کئے بغیر نہ چھوڑے گا، حافظ صاحب اُس وقت تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول تھے، آپ نے یہ خبر سُن کر جذبے میں آکر فرمایا کہ رنجیت ہمارے ہوتے ہوئے ملتان کو فتح کرلے یہ نہیں ہو سکتا، آخر ایسا ہی ہوا اور سکھ بڑے جنگ و جدال کے بعد ناکام واپس ہوئے، کہتے ہیں کہ جنگ کے وقت حافظ صاحب مرحوم قلعۂ مُلتان کے بُرج میں بیٹھے ہوئے کافروں پر تیر برسا رہے تھے[2]

۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء میں پھر ایک دفعہ سِکھوں نے مُلتان پر حملہ کیا، حافظ صاحب

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۵ [2] ایضاً ص ۱۲۴

اُس وقت مُلتان میں نہ تھے، جب آپ کو خبر ملی تو دریائے چناب کو پار کرکے آپ جہاد میں شرکت کے لئے ملتان پہنچے[1]

ایک دفعہ سکھوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ مُلتان پر چڑھائی کی، مُلتان کے لوگوں میں اس حملے سے پریشانی پیدا ہوئی اُنھوں نے حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! اس سے قبل کہ شہر کا محاصرہ ہو، بہتر یہ ہے کہ آپ اس شہر سے ہجرت کرلیں، حافظ صاحب نے فرمایا:۔

آوازِ جنگ بکفار عام ست، و اکنوں جنگ بایشاں فرضِ عین کرد، پس الحال بیروں نمی رویم کہ برائے ما دو درجہ است، یکے درجہ غزا، دوم درجۂ شہادت[2]

**تیر اندازی**

تیر اندازی میں حافظ صاحب یگانہ تھے، اور لوگوں کو تیر اندازی کی تعلیم بھی دیتے تھے، اور مختلف اسلحہ کو خوب پہچانتے تھے۔

**اتباعِ شریعت**

بے حد متبع شریعت تھے، غیر شرعی رسوم کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک روز اپنے ایک مرید زاہد شاہ کو بلوایا، وہ موضع ہتھی سے روانہ ہو کر مُلتان پہنچے، حافظ صاحب نے اُن سے فرمایا، کہیں تم نے شادی کی ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی مناسب رشتہ ابھی تک نہیں مل سکا، ایک جگہ ایک رشتہ مناسب بھی تھا مگر میری برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ سادات کا رشتہ غیر سادات سے مناسب نہیں، اس لئے ابھی تک

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۷

[2] مناقب المحبوبین۔ ذکر شجاعتِ آنحضرت۔ ص ۱۳۴

میری شادی نہیں ہو سکی، حافظ صاحب نے فرمایا۔

نکاحِ سادات با غیر سادات
در شرع جائز ست، تو گفتهٔ جاہلاں
راچہ اعتبار می کنی[1]

سادات کا نکاح غیر سادات میں
جائز ہے، تم جاہلوں کے کہنے پر
کیوں اعتبار کرتے ہو۔

وصول الی الحق کی راہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

احسن طریق وصول الی الحق
طریقۂ مشائخ ست، کہ رسیدہ
است باسنادِ صحیح بر رسول علیہ السلام
و آں آراستگی ظاہر شریعت است
و مستقیم بودن بر آں، و پاک
کردن باطن ست از اوصافِ
ذمیمہ[2]

حق کی طرف پہنچنے کا بہترین
طریقہ مشائخ کا طریقہ ہے، جو
اسنادِ صحیح کے ساتھ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا
ہے، اور وہ ظاہر کو شریعت سے
آراستہ کرنا، اور اُس پر مستقیم ہونا
ہے، اور باطن کو بُری عادتوں
سے پاک کرنا ہے۔

**لباس** حافظ صاحب لباس اچھا پہنتے تھے، تہبند کم باندھتے تھے، اکثر پائجامہ پہنتے تھے کُلاہِ قادری اوڑھتے تھے، جسے کلاہِ چار ترکی بھی کہتے ہیں، کُرتے کا گریبان کھلا رہتا تھا، کبھی قلندری بھی پہنتے تھے، جو انگرکھے کی طرح کا لباس ہوتا تھا، سپید دستار باندھتے تھے، سفر میں موزے پہنتے تھے[3]

**وضو کا اہتمام** وضو کا اہتمام خاص طور پر فرماتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ وضو بالکل مسنون طریقے پر ہو آپ کے

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۷ [2] ایضاً ص ۱۳۸

[3] ایضاً ص ۱۳۳

لئے وضو کا پانی، اور وضو کا لوٹا مخصوص تھا، کوئی دوسرا اس سے وضو نہ کرتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ پانی اور لوٹے کی تخصیص مناسب نہیں، لیکن چونکہ لوگ پاکی و ناپاکی کا امتیاز نہیں کرتے اس لئے ایسا کرنا پڑتا ہے، وضو میں پانی نہ زیادہ خرچ کرتے اور نہ کم بلکہ پانی کے استعمال میں بھی مسنون طریقہ اختیار فرماتے، وضو ہمیشہ پیڑھے پر بیٹھ کر کرتے تھے[1]

**ارشادات** آپ کے ارشادات و ملفوظات پند و موعظت کا گنجینہ تھے، جنھیں آپ کے مریدوں نے جمع کر لیا تھا، آپ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) فضائل رضیہ:- اس نام سے آپ کے ملفوظات مولوی عبدالعزیز ساکن قصبہ بڑھیاراں نے جمع کئے تھے۔

(۲) انوار جمالیہ:- ملفوظات کے اس مجموعے کو منشی غلام حسن شہید ملتانی نے مرتب کیا تھا۔

(۳) اسرار الکمالیہ:- اس مجموعہ کے مرتب زاہد شاہ ٹھٹی تھے[2]

**وفات** حافظ صاحب کا مرض الموت تپِ صفراوی تھا، تقریباً آٹھ دس روز آپ تپِ صفراوی میں مبتلا رہے، بیماری میں بھی آٹھ روز تک آپ مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز ادا فرماتے، لیکن جب مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی تو آپ گھر میں نماز ادا فرمانے لگے، یہاں تک کہ ۵ رجمادی الاول ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء کو آپ نے وفات پائی، تاریخِ وصال اس شعر میں نکلتی ہے۔

خرد زسالِ وصالش چوں جستجوئے کرد　　ندائے داد سروشم کہ یافت خوب وصال[3]
۱۲۲۶ھ

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۳۳

[2] تاریخ مشائخ چشت - ص ۶۰۶

[3] مناقب المحبوبین - ص ۱۳۰

**خلفاء** اگرچہ آپ کے مریدوں کی تعداد کثیر تھی، لیکن آپ کے جن خلفاء کے نام معلوم ہو سکے، وہ یہ ہیں (۱) مولانا خدا بخش ملتانی (۲) زاہد شاہ (۳) مولوی غلام حسن منشی (۴) قاضی عیسیٰ خان پوری (۵) مولوی عبید اللہ ملتانی (۶) مولوی حامد (۷) صاحبزادہ غلام فرید (۸) مولوی عبدالعزیز پڑھیاری۔

**سجادگی** حافظ صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ مولانا خدا بخش ملتانی مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے، وہ بڑے پایہ کے عالم تھے، صاحبِ تصنیف تھے، ان کا ایک رسالہ "توفیقیہ" جو اُنھوں نے توحید پر لکھا تھا مشہور ہے۔

مولانا خدا بخش سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو غیر معمولی فروغ بخشا، مناقب المحبوبین میں ہے کہ :-

خلفاء آں حضرت بسیار بودند، اما مشہور ترین وارشد ترین ایشاں مولانا خدا بخش صاحب ملتانی ثم خیرپوری بودند کہ صدہا مردم را از ایشاں فیض شد، و یکے از اولیائے کاملین بودند[1]

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۰

(۸۶)

# خواجہ محمد عاقل

**نام و نسب** خواجہ محمد عاقل کے والد بزرگوار کا نام مخدوم قاضی محمد شریف تھا، مخدوم محمد شریف کے دادا کا نام مخدوم نور محمد تھا۔ شاہجہاں کا وزیر ارادت خاں مخدوم نور محمد کا مرید تھا، شاہجہاں نے مخدوم نور محمد کو پانچ ہزار بیگھہ زمین بطور مدد معاش ۲۵ ربیع الاول ۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۴ء م ۷ سنہ جلوس کو پرگنہ منگلوٹ صوبہ ملتان میں دی تھی[1]، بعد میں یہ جاگیر دوسرے بادشاہوں نے بھی جاری رکھی، قاضی محمد عاقل کے والد عالم باعمل اور صاحب تقویٰ و تقدس بزرگ تھے، اُنھوں نے یاروالی میں سکونت اختیار کر لی تھی، جہاں بکثرت لوگ اُن سے بیعت ہوئے۔

**کوٹ مٹھن میں سکونت[2]** اُس زمانے میں جب کہ مخدوم شریف نے یاروالی میں سکونت اختیار کی تو کوٹ مٹھن کا رئیس مٹھن خاں بلوچ اُن کی خدمت میں حاضر

---

[1] مناقب فریدی، ص ۴۷ - ۴۸ یہ فرمان مفصل مذکور ہے۔
[2] کوٹ مٹھن تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں واقع ہے۔

ہوتا تھا، یہاں تک کہ وہ اُن کا مرید ہوگیا" اس وقت تک کوٹ مٹھن آباد نہ ہوا تھا، ایک دفعہ مخدوم محمد شریف کا گذر اس جگہ ہوا، اِس پُر فضا مقام کو دیکھ کر جو لب دریا واقع تھا مخدوم محمد شریف نے مٹھن خاں بلوچ سے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ یہاں ایک بستی آباد کی جائے جو اللہ والوں کا مستقر ہو، مٹھن خاں نے وہاں اُن کی خواہش کے مطابق ایک شہر آباد کیا، اور مخدوم نور محمد سے استدعا کی کہ وہ بھی اس شہر میں قیام فرمائیں، چنانچہ مخدوم نور محمد بھی اس شہر میں آباد ہو گئے، اور اُن کے یمن و برکت سے وہاں بہت سے علماء و مشائخ آباد ہوئے[1]۔

ذکر کرام میں ہے کہ مخدوم محمد شریف ۱۰۹۰ھ میں کوٹ مٹھن میں وارد ہوئے[2]۔

خواجہ محمد عاقل اگرچہ فاروقی ہیں، اور اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے، لیکن اُن کا خاندانی لقب کوریجہ ہے، شاہی فرامین بھی اُن کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ لفظ کوریجہ ملتا ہے[3]۔

**ولادت و تعلیم** خواجہ محمد عاقل کی ولادت باسعادت ۱۱۵۱ھ کو غالباً کوٹ مٹھن ہی میں ہوئی، اُنھوں نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے والد محترم مخدوم محمد شریف سے تعلیم پائی جو اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم اور محدث تھے[4]، ان کے علاوہ اُنھوں نے شاہ فخر اور خواجہ نور محمد مہاروی سے علوم کی تحصیل کی، شاہ فخر سے اُنھوں نے شرح عبدالحق اور سواء السبیل پڑھی[5] اور خواجہ نور محمد مہاروی سے حدیث کی سند حاصل کی[6]۔

---

[1] مناقب فریدی ص ۴۹
[2] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۹
[3] ذکر کرام ص ۹۷
[4] مناقب فریدی ص ۵۰
[5] مناقب المحبوبین ص ۱۲۱
[6] تکملۂ سیر الاولیاء ص ۱۷۹-۱۸۰

صاحبِ تکملۂ سیرالاولیاء خواجہ گل محمد احمد پوری نے اُن کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا۔

| | |
|---|---|
| در عصرِ خود شرقاً غرباً مماثلِ آں حضرت در علمِ ظاہری کسے نبود۔ | اس زمانے میں مشرق و مغرب میں علوم ظاہری میں اُن کے مماثل کوئی نہ تھا۔ |

## خواجہ نورِ محمد مہاروی سے بیعت

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد خواجہ محمد عاقل علمِ باطن کی طرف متوجہ ہوئے، اور انھیں مرشدِ کامل کی تلاش ہوئی، اگرچہ خود اُن کے والد بزرگوار بلند پایہ اور صاحبِ باطن بزرگ تھے، لیکن ان کا نصب العین بھی بلند تر تھا، تکملۂ سیرالاولیاء میں ہے کہ

داعیہ آنجناب شہباز بلند پرواز بود

اُس وقت خواجہ نور محمد مہاروی کی شہرت کا آفتاب بلند ہو چکا تھا، اتفاق سے خواجہ محمد عاقل کے بھائی کی ملاقات موضع یاراں والی میں خواجہ نور محمد مہاروی سے ہوئی، تکملۂ سیرالاولیاء میں ہے کہ خواجہ نور محمد مہاروی کو دیکھ کر خواجہ محمد عاقل کے بھائی کی یہ کیفیت ہوئی کہ

ہیبت..... آں بادشاہ گدا لباس در گرفت

اُن کے بھائی نے اُسی رات کو اپنے بھائی خواجہ محمد عاقل کے بُلانے کے لئے کوٹ مٹھن آدمی بھیجا، خواجہ محمد عاقل آئے، اور اُنھوں نے اُنچ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے دستِ حق پرست پر بیعت[1] کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

## دہلی میں شاہ فخر کی خدمت میں حاضری

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی

---

[1] تکملۂ سیرالاولیاء ص ۱۴۵ - ۱۴۶

سے بیعت ہونے کے بعد خواجہ محمد عاقل متعدد مرتبہ اپنے دادا پیر حضرت شاہ فخر کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، پہلی مرتبہ جب وہ مہار سے اپنے مرشد کے ساتھ دہلی گئے تو پیدل گئے، جب خواجہ نور محمد مہاروی نے اُن سے اِس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ میں حضرت شاہ فخر کی خدمت میں پیدل جاؤں گا۔[1]

دوسری مرتبہ وہ اپنے مرشد سے ملنے کے لئے مہار آئے۔ وہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ اُن کے مرشد دہلی تشریف لے گئے ہیں، یہ سُن کر وہ براہِ بیکانیر دہلی روانہ ہو گئے، جب وہ دہلی پہنچے، تو حضرت شاہ فخر کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے سوائے ایک لوٹے کے کچھ اُن کے پاس نہ تھا، اُنھوں نے وہ لوٹا آٹھ آنے میں فروخت کیا، اور اُس کی قیمت سے شاہ فخر کے لئے مٹھائی خریدی، اُن کے پیر و مرشد خواجہ نور محمد مہاروی کو یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے خواجہ محمد عاقل کو چار اشرفیاں دیں، تاکہ وہ حضرت شاہ فخر کی خدمت میں پیش کریں۔[2]

دوسری مرتبہ جب وہ شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے فیوضِ باطنی بلکہ تصوف کے بعض اہم مسائل بھی اُن سے سمجھے۔

آخری مرتبہ جب خواجہ محمد عاقل، شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ جب وہ رخصت ہونے لگے تو شاہ فخر نے اُن کو چار کتابیں دیں، اُن میں سے ایک مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی[3]، دوسری کتاب مطول، تیسری سواد السبیل

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص     [2] مناقب المحبوبین ص ۱۱۹

[3] مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جامع، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید و خلیفہ شیخ خضر بن رکن الدین صدیقی جون پوری مشہور بہ شیخ بڈھن میاں خان بن

چوتھے ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی، قصیدہ حمزیہ اور شرح رباعیات جامی وغیرہ تھیں[۱]، مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی صاحب مناقب المحبوبین نے بھی موضع مکھیراں میں جو آپ کے صاحبزادے کے پاس تھی زیارت کی تھی، اُن کا بیان ہے کہ نسخہ نہایت خوش خط تھا، اور اُس کے حاشیہ پر شاہ فخر کے دستخط تھے۔

### ریاضتیں اور مجاہدے

خواجہ محمد عاقل نے مختلف اور بہت سخت مجاہدات کئے، اُن کے پیر بھائی حافظ محمد جمال کا بیان ہے کہ جتنے مجاہدات خواجہ محمد عاقل نے کئے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا[۲]، اُن کو ذکر بالجہر میں بہت شغف تھا، اگرچہ بڑھاپے میں بہت نحیف اور کمزور ہو چکے تھے لیکن ذکر بالجہر بڑی پابندی سے کرتے تھے، نواب غازی الدین[۳] خاں کا بیان ہے کہ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

قوام الملک ہیں، یہ ۱۹۳ خطوط کا مجموعہ ہے جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے مختلف صوفیہ، علماء، فرماں رواؤں اور اُن کے اُمراء کے نام لکھے تھے، یہ مجموعۂ مکاتیب شائع ہو چکا ہے، شیخ خضر کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اصل نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔

(فٹ نوٹ صفحہ ہٰذا) [۱] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۱ [۲] تکملہ سیرالاولیاء ص ۱۴۸

[۳] امیر کبیر غازی الدین بن قمر الدین بن غازی الدین بن عابد بن عالم شیخ صدیقی سمرقندی نواب غازی خاں فیروز جنگ اپنے دور کے مشہور وزیر تھے، اُن کا اصل نام محمد پناہ تھا، یہ ہندوستان میں پیدا ہوئے، اور حفظ قرآن کریم کے بعد مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی، ۱۱۶۱ھ میں اپنے والد کی جگہ احمد شاہ دہلوی کے عہد میں وزارت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے، جب شاہ کا داماد ناصر جنگ جو دکن کا گورنر تھا، مارا گیا، تو یہ اُس کے قائم مقام ہو کر حیدرآباد دکن روانہ ہوئے، جب اورنگ آباد پہنچے تو وہیں اُنھوں نے ۱۱۶۵ھ میں وفات پائی۔ نواب غازی الدین خاں نہایت عابد اور فاضل تھے، علماء کا بے حد احترام کرتے تھے، نواب غازی الدین خاں نے

خواجہ محمد عاقل اتنی بلند آواز سے ذکر بالجہر کرتے تھے کہ اُن کی آواز مہار سے شہر فرید تک جاتی تھی، یہ شہر مہار سے تین چار میل دور تھا۔[1]

اُن کے مجاہدوں میں حبسِ دم بھی شامل تھا، وہ اُس کے فوائد اور خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| شغل حبس مثل مار گنج است، ہر کس کہ از گزند او نترسد بگنج می رسد۔[2] | شغل حبسِ دم اُس سانپ کی طرح ہے جو خزانے پر ہوتا ہے، جو کوئی اُس کے گزند سے نہیں ڈرتا وہ خزانے کو حاصل کرلیتا ہے۔ |

عبادت میں محویت کی یہ کیفیت تھی کہ عبادات میں محو و استغراق کی وجہ سے ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے ان سے پوچھتے کہ کہاں رہے، وہ عرض کرتے کہ ہم تو پابندی سے حاضر ہوتے ہیں، فرماتے میں نے تو تمھیں دیکھا نہیں۔[3]

خواجہ محمد عاقل کے برادر بزرگ قاضی نور محمد نے نواب جمے خاں خراسانی سے جو اُس زمانے میں سلاطینِ خراسان کی طرف سے صوبہ دار تھا،

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳)

اپنے دادا فیروز جنگ کے مزار کے قریب ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، یہ اجمیری دروازہ کے باہر واقع تھا، شاہ فخر الدین اورنگ آبادی نے اسی مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا (نزہۃ الخواطر جلد ۶ ص ۱۹۷ و تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۴۷۳۔

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۹

[2] تکملۂ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۷

[3] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۵

چند دیہات اجارے پر لئے تھے۔ خواجہ محمد عاقل اُن کے ضامن تھے، ایک دفعہ بعض مجبوریوں سے قاضی نور محمد اجارے کی رقم ادا نہ کر سکے، شہر کے حاکم نے وہ رقم خواجہ محمد عاقل سے طلب کی، اُسے وہ بھی ادا نہ کر سکے تو اُس نے اُنھیں قید کر دیا، نو مہینے تک خواجہ محمد عاقل نے قید کے مصائب و تکالیف برداشت کئے، قید خانے میں اُن کا سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا، قید سے چھوٹے تو فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ نو مہینے جو میں نے قید میں گزارے ہیں اگر مجھے حاصل نہ ہوتے تو میں شاید ذکر و شغل کے نتیجے سے محروم رہتا۔[1]

اُس زمانے میں جب کہ خواجہ محمد عاقل قید میں تھے، اُن کے پیر و مرشد خواجہ نور محمد مہاروی نے قید خانے میں بہت سے عمل اُن کو بھیجے، لیکن اُنھوں نے کوئی عمل نہیں پڑھا، لوگوں نے جب اُن سے پوچھا کہ آپ نے عمل کیوں نہیں پڑھا، فرمایا اپنے چھٹکارے کے لئے عمل پڑھنے سے مجھے شرم آئی۔[2]

**اتباعِ شریعت** بے حد متبع شریعت اور متبع سنت تھے، فنا فی الرسول کے مرتبے پر فائز تھے[3]، وفات سے کچھ دن پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تم نے ہماری تمام سنتوں کو زندہ کر کے ہمیں بے حد خوش کیا ہے۔[4]

**مدارس کا قیام** خواجہ محمد عاقل کو درس و تدریس اور مدارس کے قیام کا بے حد شوق تھا، کوٹ مٹھن میں

---

[1] تکملۂ سیر الاولیاء - ص ۱۴۵ [2] ایضاً - ص ۱۴۹

[3] تاریخ مشائخ چشت - ص ۵۸۸ [4] مناقب المحبوبین - ص ۱۲۳

اُنھوں نے ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، اِس مدرسہ میں علاوہ دوسرے مدرسین کے وہ خود بھی درس دیتے تھے، مدرسے کے لئے ایک بڑا لنگر خانہ بھی تھا، جس سے طلباء کو کھانا ملتا تھا، جب وہ کوٹ مٹھن سے شدانی آئے تو وہاں بھی ایک مدرسہ اور لنگر خانہ قائم کیا، ان مدرسوں میں جن کتابوں کا درس دیا جاتا تھا، اُن کے نام یہ ہیں بشکوٰۃ شریف، احیاء العلوم، صحیح بخاری، لوائح و شرح قصیدہ سوار السبیل، تسنیم، فصوص الحکم، شرح وقایہ مع حواشی، ہدایہ، شرح موافف، شرح ہدایت الحکمت، شرح عقاید، خیالی، مطول وغیرہ[1]۔

**سماع** مناقب المحبوبین میں ہے کہ قاضی محمّد عاقل سماع سے غیر معمولی ذوق رکھتے تھے، اور اکثر سماع کی محفل میں اُن پر اس غزل سے بے حد کیفیت طاری ہوتی تھی:-

ساقیا جامے بدہ تا مست لایعقل شوم
شاید از غم ہائے دوراں لحظۂ غافل شوم
سیلِ ابروئے تو دارم، قبلۂ من روئے تو
کافرم گر من بمحرابِ دگر مائل شوم
بسملم کردی و دارم شوقِ شمشیرت ہنوز
کاش گردم زندہ بارے دگر بسمل شوم
اے کہ می گوئی ہلالی بعد ازیں بے دل مشو
دل چہ کار آید مرا بگذار تا بیدل شوم[2]

ایک دفعہ خواجہ نور محمد مہاروی کے عرس کے موقع پر خواجہ محمّد عاقل، حافظ محمد جمال مُلتانی اور خواجہ نور محمد مہاروی کے دوسرے مرید اور

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۲۵ [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۷

خلفاء خانقاہ میں حاضر تھے، قوالوں نے نواب غازی الدین خاں کی یہ غزل شروع کی:۔

خوبیِ جلوۂ دیوارِ تو سبحان اللہ
لمعۂ مطلعِ انوارِ تو سبحان اللہ

جاں بکف خیل خریدار بہر سو جمعند
یوسفا! رونقِ بازارِ تو سبحان اللہ

صد دلِ مردہ شود زندہ بلطفِ سخنت
معجزِ لعلِ شکر بارِ تو سبحان اللہ

شانِ حسن است نمایاں زخطِ مشکینت
آیتِ مصحفِ رخسارِ تو سبحان اللہ

گلشنِ حسنِ تو از فیضِ ازل شد سرسبز
نوبہارِ گلِ گلزارِ تو سبحان اللہ

میزند برقِ تجلی زنگاہے بر دل
جادوئے چشم فسوں کارِ تو سبحان اللہ

دل بر فتن ندہد حورِ پئے جنت زیں جا
راحتِ سایۂ دیوارِ تو سبحان اللہ

سنگ را موم کند حرفِ لطیفت بدمے
لذتِ نرمیِ گفتارِ تو سبحان اللہ

گل بنِ حسنی و ہر طرز تو گل میرزد
مرحبا شکلِ تو اطوارِ تو سبحان اللہ

می کنی غارتِ دل ہمی شوی آں گہ منکر
آفریں کارِ تو، انکارِ تو سبحان اللہ

غنچہ آساز تو دل تنگیِ عشاق زہے
ہم چو گل خندۂ بسیارِ تو سبحان اللہ
کفرِ عشق تو نہ بس ناظمِ ایماں ست نظام
گفت تسبیح بز نارِ تو سبحان اللہ

قاضی محمد عاقل کو اس غزل کے پہلے شعر بے حد وجد آیا، جب وہ بیٹھ گئے تو قوالوں نے اس غزل کا دوسرا شعر گانا شروع کیا، جس پر حافظ محمد جمال ملتانی پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی، اور وہ بہت دیر تک رقص کرتے رہے، پھر تو یہ الم ہوا کہ جب قوال پہلا شعر پڑھتے تو قاضی محمد عاقل وجد کرنے لگتے، جب دوسرا شعر پڑھتے تو حافظ محمد جمال ملتانی رقص کرنے لگتے، بہت دیر تک ان دونوں مقبولانِ بارگاہِ ایزدی کی وجہ سے مجلسِ سماع گرم رہی، یہاں تک کہ تمام سامعین پر رقت طاری ہو گئی۔[1]

## رشد و ہدایت کے لئے شیخ کا ارشاد

خواجہ محمد عاقل کو جب خواجہ نور محمد مہاروی نے خلافت سے سرفراز فرمایا، تو وہ ایک عرصے تک اشغال و اذکار میں لگے رہے، لیکن سلسلۂ نظامیہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، خواجہ نور محمد مہاروی کو معلوم ہوا تو انھوں نے نہایت سختی سے لکھا کہ تم لوگوں کو بیعت کر کے اپنے سلسلے کے فیض کو کیوں عام نہیں کرتے، اگر اب بھی تم نے ایسا نہیں کیا تو میں اس کی اطلاع حضرت شاہ فخر کو دوں گا۔ قاضی محمد عاقل نے جواباً عرض کیا۔

| | |
|---|---|
| کدام کس پیش من | کون ہے کہ جو میرے پاس |
| آمدہ است کہ آں رو نمودم | اِس مقصد کے لئے آیا ہو، اور |

---

[1] مناقب المحبوبین - ص ۱۱۷- ۱۱۸

| | |
|---|---|
| اگر مرضی مبارک باشد خود بخود گویم[1] | میں نے اس سے انکار کیا ہو، اگر مرضیٔ مبارک ہو تو میں خود لوگوں سے کہوں۔ |

خواجہ نور محمد مہاروی نے سُنا تو جوش میں آکر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اے میاں صاحب! روزے باشد کہ ملائکۂ آسمان بنام شما منادی دہند، وخلائق از شرق وغرب بر آستان شما جبہ سایند، سبحان اللہ! شما می فرمایند کہ پیش من کسے نمی آید[2] | میاں صاحب! ایک دن وہ آئے گا کہ فرشتے آسمان پر تمھارے نام کی منادی کریں گے، اور مخلوق مشرق و مغرب سے تمھارے آستانے پر جبہ سائی کرے گی، سبحان اللہ! تم یہ کہتے ہو کہ میرے پاس کوئی نہیں آتا۔ |

## نظام الاوقات

خواجہ محمد عاقل اپنے اوقات کے بڑے پابند تھے، معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد وہ ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے، پھر کھانا کھاتے، اور عشا کی نماز با جماعت ادا فرماتے، نماز عشاء کے بعد مریدوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوتا، جو نصف شب تک جاری رہتا، تہجد کی نماز ادا فرمانے کے بعد ذکر بالجہر فرماتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، اور شام کو طالب علموں کو پڑھاتے تھے[3]

## لباس و غذا

عادتِ مبارک تھی کہ غذا لطیف اور لباس عمدہ پہنتے تھے، ان کے دادا مرشد شاہ فخر نے ہدایت کی تھی کہ وہ

---

[1] تکملۂ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۰ [2] ایضاً۔ ص ۱۵۰

[3] مناقب فریدی۔ ص ۵۴۔ ۵۵

عمدہ لباس اور لطیف غذا استعمال کریں، شروع میں ان کو اپنے پیر کی اِس ہدایت پر بہت تعجب ہوا، لیکن جب اُنھوں نے خواجہ عبیداللہ احرار[1] کا یہ ارشاد لکھا ہوا دیکھا کہ :-

سالک را باید کہ غذا و لباس لطیف استعمال کند کہ انوارِ لطیف وارد می شود[2]

تو شاہ فخر کی اِس نصیحت کی اہمیت ان کے ذہن میں آئی۔

عموماً خواجہ محمد عاقل کا قمیص اُن کے سینے پر سے چاک رہتا تھا، کُلاہ قادری پہنتے تھے، جب کہیں باہر جاتے تو سر پہ دستار یا سلاری (لنگی) باندھ لیتے تھے۔ ان کے لباس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے صاحبِ تکملۂ سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ :-

پاجامہ از توسلہ سیاہ و یا تہ بند سیاہ مستعمل می شد و بر دوش لنگی یا الاچہ یا دوپٹہ یا سلاری بہر کتف می رسد مستعمل می شد[3]

---

[1] خواجہ عبیداللہ احرار کا لقب ناصر الدین احرار تھا، اُن کے والد کا نام خواجہ محمود بن شہاب الدین تھا، وہ حضرت خواجہ مولانا یعقوب چرخی کے کامل ترین مریدوں میں تھے، مولانا عبدالرحمٰن جامی بھی اُن سے کمال حسنِ اعتقاد رکھتے تھے، جامی نے اپنی بعض تصانیف کو اُنھیں کے نام سے معنون کیا ہے، خواجہ عبیداللہ احرار کی ولادت رمضان ۸۰۶ھ/۱۴۰۲ء کو تاشقند کے ایک قریہ باغستان میں ہوئی، اُنھوں نے شنبہ کی رات ۲۹ ربیع الاوّل ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء کو جب، اُن کی عمر میں نوّے سال پورے ہونے میں کچھ ماہ باقی تھے، وفات پائی، خواجہ عبیداللہ احرار کا مزار سمرقند میں ہے۔ (ماخوذ از سفینۃ الاولیاء ذکر خواجہ عبیداللہ)۔

[2] تکملۂ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۴

[3] تکملۂ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۴

قلیل الغذا تھے، جس کی مقدار شب و روز میں ۶۸ درہم سے زیادہ نہیں بڑھتی تھی)۔

تکملۂ سیر الاولیاء میں غذا کی جو تفصیلات ہمیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں۔

در اکل و شرب آں حضرت از شصت و ہشت درم آرد، ہفت نان تنک و نرم تیار کردہ می شد، بایں طریق کہ بر تابہ نیم پختہ نمودہ، بعد ازآں بر اخگر ہا تمام پختہ می شد۔ بایں صورت نان تمام نرم می شود۔ از آں نا نہاد و نیم نان، گھیے سہ بہ شوربہ چوزہ یا دال مونگ یا شلغم تناول می فرمودند، و ہم چنیں وقتِ شب می کردند[1]

## مریدوں کی اصلاح و تربیت

مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے، ایک دفعہ چیچک کے عمل کا تذکرہ سن کر فرمایا، اثر کی اپنی طرف نسبت کرنا شرک ہے، موثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے[2]۔

اکبر شاہ ثانی[3] خواجہ محمد عاقل کا اس درجہ معتقد تھا کہ اس نے

---

[1] تکملۂ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۳

[2] ایضاً۔ ص ۱۹۵

[3] اکبر شاہ ثانی، شاہ عالم کا بیٹا تھا، جو ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء میں پیدا ہوا، علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ صوفیائے کرام کا غیر معمولی معتقد تھا، وہ ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۶ء میں تخت نشین ہوا، حکام کمپنی اور ریذیڈنٹ نے تخت نشینی کے مراسم ادا کئے۔ وہ علم و فضل، شعر و ادب کا بے حد قدر دان تھا، دہلی کے اکابرِ علماء، نامور شعراء اور جلیل القدر ادباء اُس کے دربار کی زینت تھے، اکبر شاہ ثانی نے ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں وفات پائی، سر سید خاں مرحوم نے قطعۂ تاریخ وفات کہا:-

شہزادہ جہاں خسرو، اور کاؤس شکوہ کو ان کا مرید کرا تھا[۱]۔

## شاہانِ وقت کی عقیدت

بہادر شاہ ظفر[۲] بھی اُن سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا، اپنے جذبات عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ایک شعر میں کہتا ہے ؎

دل فدا کرتے ہیں نام فخرِ دیں پر اے ظفر
ہم ہیں عاقل، ربط عاقل سے دنی رکھتے ہیں ہم

## وفات

خواجہ محمد عاقل نے چار ماہ بیمار رہ کر ۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی، وفات کے دن فرمایا۔

امروز در تمام ہرج سفر کشیدیم، خوب شد کہ بمنزل رسیدیم[۳]

اُسی روز آپ نے شدائی میں وفات پائی، تاریخ وفات اس شعر میں منظوم ہے:۔

سر زجیب بے خودی بر کرد و گفت
روزِ ہشتم بود از ماہ رجب[۴]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

چوں برفت از جہاں شہ اکبر — شد سیاہ آسماں ز دود جگر
پائے شادی شکست احمد گفت — سالِ تاریخ او "غم اکبر" ۱۲۵۳ھ

(ماخوذ از فٹ نوٹ علم و عمل مرتبہ محمد ایوب صاحب قادری۔ ص ۲۹۱)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا) [۱] مناقب فریدی۔ ص ۳۷

[۲] سراج الدین بہادر شاہ ظفر فرزند معین اکبر شاہ ثانی ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۸۳۷ء میں تخت شاہی پر بیٹھے اور ۱۸۶۲ء میں ۶۲ سال کی عمر میں بحالتِ نظر بندی رنگون میں وفات پائی (ماخوذ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، باب ۳۔ ص ۱۸۰۔

[۳] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۱ [۴] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۵

شدانی سے کوٹ مٹھن لاکر دفن کئے گئے۔

خواجہ محمد عاقل کے بعد اُن کے صاحبزادے میاں احمد علی مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے، اُنھوں نے ۹ ر شعبان ۱۲۳۱ھ ہجری کو وفات پائی۔

**خلفاء** خواجہ محمد عاقل کے خلفاء میں جنھوں نے سب سے پہلے خلافت حاصل کی وہ خلیفہ اکبر تھے، انھیں آپ کی بارگاہ میں نہایت تقرب حاصل تھا، اہم معاملات میں خواجہ صاحب اِن ہی سے مشورہ فرماتے اور اُن ہی کی سفارش پر خلافت عطا فرماتے تھے، اس کے علاوہ دوسرے مریدوں کی اصلاح و تربیت بھی خلیفہ اکبر ہی کے سپرد تھی، چنانچہ خواجہ گل محمد احمد پوری نے جو خواجہ صاحب کے خلیفہ بھی تھے، کشکول خلیفہ اکبر ہی سے پڑھی تھی، خلیفہ اکبر نے ۳ ر ربیع الاول ۱۲۳۹ھ کو وفات پائی۔

آپ کے دوسرا خلیفہ مولوی عبداللہ نامی ایک بزرگ تھے، جو صاحب ریاضت و مجاہدہ اور بلند پایہ عالم تھے، اُنھوں نے شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی کتاب تسلیم کی شرح بھی لکھی تھی، جس کا نام تسنیم تھا، منطق کی مشہور کتاب ایساغوجی پر اُن کا حاشیہ بھی ہے، اُنھوں نے احمد پور علاقہ بھاولپور میں وفات پائی، اور وہیں اُن کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے[1]

ذکر کرام میں ہے کہ احمد پور شرقیہ میں ایک خانقاہ عبداللہ خاں کے نام سے موسوم ہے، آپ کی نسبت مشہور ہے کہ آپ خواجہ عاقل محمد صاحب کے خلفاء میں تھے[2]

خواجہ محمد عاقل کے تیسرے خلیفہ مولوی محمد اعظم تھے، یہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، اُنھوں نے ۲۰ ر ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ کو وفات پائی۔

آپ کے چوتھے خلیفہ جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے فروغ و

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۵۹۶ [2] ذکر کرام

ترقی میں غیر معمولی کوشش کی، وہ میاں شریف الدین تھے، خواجہ گل محمد احمد پوری نے اُن کی عظمتِ بزرگانہ کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب تکملۂ سیر الاولیاء میں لکھا ہے۔

> از آں حضرت خلافت یافتہ، و بسیار خلق اقتدا از دستِ مبارک ایشاں در سلسلۂ سلطان الاولیاء داخل شدہ ومی شوند، اللہ تبارک و تعالیٰ بکرم و فضلِ خود روز افزوں دارد، در سلوکِ مریداں روشِ غریب و نمطِ عجیب دارند، واز مشاہدہ و مکاشفہ اوشاں بسیار معاملۂ شہرۂ آفاق است۔

آپ کے پانچویں خلیفہ خواجہ گل محمد احمد پوری مصنّف تکملۂ سیر الاولیاء تھے، جو آپ کے تلامذہ میں بھی تھے، خواجہ گل محمد نے ۱۲۴۳ھ میں احمد پور شرقیہ میں وفات پائی۔

(۸۷)

# حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی

**نام ونسب** آپ کا نام محمد سلیمان، آپ کے والد محترم کا نام زکریا تھا جو عبدالوہاب بن عمر خاں بن خان محمد کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی زلیخا تھا، آپ افغان تھے، خاندانِ جعفریہ سے تعلق رکھتے تھے، جو قبیلۂ رمدانی کی ایک شاخ تھا، مشہور ہے کہ قبیلہ رمدانی رحیم داد خلن جعفر کی اولاد سے ہے[1]، شاہ محمد سلیمان عوام میں روہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

**ولادت** شاہ محمد سلیمان کی ولادت باسعادت ۱۱۸۴ھ میں قصبہ گڑگوجی میں ہوئی جو کوہ درگ میں واقع ہے اور تونسہ سے سمتِ مغرب میں تیس (۳۰) کوس کے فاصلے پر ہے[2]

شاہ سلیمان کے والد کی وفات اُن کے شیر خوارگی ہی کے زمانے میں ہوگئی تھی، اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔

---

[1] مناقب المحبوبین ۔ص ۱۴۰

[2] ایضاً ۔ ص ۱۴۱

## اساتذہ

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو تعلیم کے لئے، مُلّا یوسف جعفر کی خدمت میں بھیجا، مُلّا یوسف جعفر نے بسم اللہ شروع کرائی، اور تقریباً قرآن مجید کے پندرہ پارے اُن سے پڑھے، پھر آپ اپنے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھنے لگے، حاجی صاحب کے یہاں آپ کا معمول یہ تھا کہ دن کو اُن کی گایوں کو جنگل میں چرانے کے لئے لے جاتے، اور رات کو حاجی صاحب سے سبق لیتے، لیکن حاجی صاحب کی بیوی نہایت درشت اور سخت مزاج تھیں، اس لئے آپ حاجی صاحب کے پاس زیادہ نہ ٹھہر سکے، اور خود حاجی صاحب نے اُن کو مشورہ دیا کہ وہ تونسہ جاکر میاں حسن علی سے تعلیم حاصل کریں، چنانچہ آپ کوہِ درگ سے تونسہ میں میاں حسن علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ مسجد سفید[1] میں جسے مقامی زبان میں ملک سنگھڑ کہا جاتا تھا اور جو تونسہ کے بازار میں واقع تھی درس دیا کرتے تھے، جب آپ میاں حسن علی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ نہایت شفقت سے پیش آئے[2]۔

## تونسہ میں مشقتیں

میاں حسن علی کے مدرسہ کا یہ اُصول تھا کہ مدرسہ کے طلبا یا گداگری کرکے یا مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتے تھے، آپ کو بھی میاں حسن علی نے گدائی کے لئے حکم دیا، شاہ صاحب نے چونکہ کبھی گدائی نہیں کی تھی، اس لئے آپ آپ اُستاد کے اس حکم کی تعمیل میں، ہچکچاتے۔ لیکن بغیر تعمیل کے کچھ چارہ بھی نہ تھا، مجبوراً آپ گدائی کے لئے تشریف لے گئے، اتفاق سے آپ ایک ہندو بقّال کے ہاں پہنچے، اُس کی بیوی چرکے میں بیٹھی ہوئی روئی

---

[1] یہ مسجد ۱۲۷۲ھ میں پہاڑی ندی کی وجہ سے منہدم ہوگئی (مناقب المحبوبین ص ۱۲۵)

[2] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۵

پکار رہی تھی، اُس کے بغیر اجازت کے چوکے سے روٹی اُٹھا لائے، بقّال نے میاں حسن علی سے شکایت کی، میاں حسن علی نے آپ کو بُلا کر کہا میاں روٹیلے یہ تم نے کیا کیا، شاہ صاحب نے جواب دیا، آپ نے مجھے مانگنے کے لئے حکم دیا تھا میں اس بقّال کے ہاں پہنچا، میں نے اس کی بیوی سے روٹی مانگی، جب اُس نے نہ دی تو میں روٹی اُٹھا لایا میاں حسن علی، آپ کی یہ بات سُن کر ہنسے، اور ہنس کر فرمایا تم گدائی نہیں جانتے، اب تم گدائی کے لئے نہ جاؤ، بلکہ مزدوری کرو، تاکہ تمھاری روٹی اور کپڑے کا خرچ نکلے، اُستاد کے ارشاد کے مطابق آپ دو آنے یومیہ کی مزدوری پر لگ گئے، لیکن دن بھر آپ ایک پتھر پر بیٹھے رہے، جو کوئی آپ سے کام کرنے کے لئے کہتا آپ اُس کے پتھر مارتے، مزدوروں نے تاج خاں سے شکایت کی، جس کے تحت تمام مزدور کام کر رہے تھے، تاج خاں نے اُن سے کہا کہ اگر یہ کام نہیں کرتے تو ان کو مجبور نہ کرو، تاج خاں نے شام کو آپ کی مزدوری دے دی، رات کو آپ قصبہ منگوٹہ میں تشریف لائے، اور دو آنے کا آٹا خرید کر روٹیاں پکائیں، کچھ خود کھائیں، اور باقی فقراء میں تقسیم کر دیں صبح کو اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُستاد نے آپ سے پوچھا کہ تم نے مزدوری کے دو آنے کیا کئے؟ آپ نے عرض کیا کہ میں نے اُس ذوقی کا آٹا خرید کر اُس کی روٹیاں پکائیں، کچھ خود کھائیں، جو بچیں فقراء میں تقسیم کر دیں، اُستاد نے آپ کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمھیں معلوم نہیں، آج کل غلہ کس قدر سستا ہے؟ آپ نے جواب دیا واقعی مجھے معلوم نہ تھا کہ غلہ اس قدر ارزاں ہے، مجھ سے تو تاج خاں نے مزدوری دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ دو آنے لو، اس سے آج تمہاری رات کی روٹی نکل جائے گی، میں نے اُس کا آٹا خرید لیا، جب روٹی پکائی تو چودہ روٹیاں پکیں، اُستاد نے سب حال سُن کر فرمایا اچھا کل سے مزدوری

پر نہ جایا کرو، بلکہ ہمارے گھر کھانا کھا لیا کرو[1]، اس کے بعد آپ تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے، میاں حسن علی سے آپ نے قرآن مجید ختم کیا، اس کے علاوہ پند نامۂ عطار، گلستاں، بوستاں وغیرہ اُن ہی سے پڑھیں[2]۔

## میاں نور محمد نارووالہ سے ملاقات

اُسی زمانے میں جب کہ شاہ سلیمان، میاں حسن علی کے مدرسے میں تعلیم پا رہے تھے، آپ موضع سوکڑ جو تونسہ سے جانبِ جنوب دو کوس پر واقع ہے، ایک کتاب خریدنے کے لیے گئے، وہاں سے واپس ہو رہے تھے کہ راستے میں آپ کی میاں نور محمد نارووالہ سے ملاقات ہوئی، جن سے آپ کا سابقاً کوئی تعارف نہ تھا، میاں نور محمد نارووالہ نے جب آپ کو دیکھا تو بہت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، اس وقت وہ گھوڑے پر سوار تھے، باوجود پیرانہ سالی کے گھوڑے پر سے اُتر پڑے، آپ کو گھوڑے پر بٹھایا، اور خود پیدل چلے، میاں نور محمد نارووالہ کے ایک مرید میاں احمد کھوکھر کا بیان ہے کہ مجھے یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا کہ میرے پیر باوجود ضعف و نقاہت کے پیدل چل رہے ہیں اور وہ نوجوان گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے، مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، اور میں نے چپکے سے اپنے پیر سے کہا کہ قبلۂ عالم! یہ کیا غضب ہے کہ یہ روہیلہ جسیم تن اور قوی بدن تو گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے، اور آپ پیدل چل رہے ہیں۔ آپ کیوں نہیں گھوڑے پر سوار ہوتے۔ میرے پیر نے بڑی غضبناک نظروں سے مجھے دیکھا، اور غصے سے فرمایا میرے پاس سے دور ہو جاؤ اور خاموش رہو، تمھیں اس سے کیا سروکار ہے۔ میں شرمندہ ہو کر خاموش

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۴۵ - ۱۴۶
[2] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۱۲ - ۶۱۳ بحوالہ خاتم سلیمانی۔ ص ۱۱ - ۲۶

ہو گیا، جب ہم تونسہ پہنچے، میرے پیر تھک کر چارپائی پر لیٹ گئے، لوگ اُن
کے پاؤں دبانے لگے، لیکن میں شرمندگی کی وجہ سے اُن کے قریب نہیں
گیا جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو حضرت ناروالہ صاحب نے مجھے بلایا، اور نہایت
شفقت سے فرمایا، کہ تم نے راستے میں اپنی جس عقیدت کا اظہار مجھ سے کیا
تھا، میں اُس سے خوش ہوں۔ ایک مُرید کو اپنے پیر سے ایسی ہی عقیدت
ہونی چاہئے، لیکن تمھیں اِس رو پہلے لڑکے کی عظمت و شان معلوم نہیں
کچھ دن بھی نہ گزریں گے کہ ایک جہان اس کے نور سے منور ہو جائے گا
بلکہ تمھاری اولاد اور سارا خاندان اس کا مرید ہوگا، اُس وقت تمھیں اِس
لڑکے کی عظمت معلوم ہوگی، چنانچہ میاں نور محمد ناروالہ کی پیشین گوئی
حرف بحرف پوری ہوئی، جب شاہ محمد سلیمان نے خواجہ نور محمد مہاروی
سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے تونسہ میں قیام فرمایا تو میاں احمد کھوکر
اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار رہتے تھے، اور انھیں ایک لحظہ سوائے
آپ کے کہیں قرار نہ آتا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے اپنی تمام اولاد اور
سارے خاندان کو آپ کا مرید کرایا۔[1]

## لانگہ میں طالب علمی

میاں حسن علی کے مدرسہ سے تعلیم پانے کے بعد شاہ محمد سلیمان تونسوی تعلیم کے لئے
موضع لانگہ پہنچے، یہ موضع تونسہ سے سمت مشرق میں پانچ کوس کے فاصلے
پر واقع ہے، یہاں آپ نے میاں ولی محمد سے تعلیم حاصل کی جو قوم
کے اُرائیں تھے، خواجہ صاحب نے فارسی درسیات کی تکمیل میاں ولی محمد
ہی سے کی۔

نجم الدین مؤلف مناقب المحبوبین نے ۱۲۷۵ھ میں جب کہ وہ اپنے
پیر و مرشد کے عرس کے موقع پر تونسہ گئے تھے موضع لانگہ پہنچ کر اُس

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۴۸-۱۴۹

مسجد کی زیارت کی تھی، جس میں زمانہ طالب علمی میں آپ پڑھتے تھے[1]۔

ایک دفعہ محمد یار میاں ولی محمد کے صاحبزادے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تونسہ آئے۔ آپ اُن سے بہت دیر تک لانگہ میں اپنے زمانۂ طالب علمی کے واقعات، اور اُن کے والد اور اپنے اُستاد میاں ولی محمد کے حالات بیان کر کے اُن کو یاد کرتے رہے[2]۔

**کوٹ مٹھن میں طالب علمی** لانگہ میں فارسی درسیات کی تکمیل کے بعد آپ کو عربی کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، اور آپ عربی کے حصول کے لئے کوٹ مٹھن تشریف لائے اور وہاں خواجہ محمد عاقل کے مدرسہ میں اُن کے صاحبزادے قاضی علی احمد صاحب سے عربی کی تعلیم شروع کی، چند سال یہاں رہ کر آپ نے قطبی پڑھی اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کو ابتدا ہی سے اتباعِ شریعت کا خیال بدرجۂ کمال تھا، اگر آپ کسی کو خلاف شریعت عمل کرتا ہوا دیکھتے تو اُس سے بے حد رنجیدہ ہوتے، اور اس کو امر بالمعروف فرماتے۔ خود آپ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ میرے طالب علمی کے زمانے میں جب کہ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت نہیں ہوا تھا، ایک امرد کوٹ مٹھن کے بازار میں بناؤ سنگھار کر کے رقص کر رہا تھا، مجھے جب یہ خبر معلوم ہوئی، میں اُس وقت کتابوں کے مطالعے میں مشغول تھا، اس خبر کے سنتے ہی میں اُٹھا، میں نے ایک قینچی ہاتھ میں لی، اور اُس کے علاج کے لئے روانہ ہوگیا، میں نے دیکھا کہ اس امرد نے

---

[1] مناقب المحبوبین، ص ۱۵۱ [2] ایضاً۔ ص ۱۵۱

زلفیں بنا رکھی تھیں، میں نے بڑھ کر کان کے قریب سے اُس کی ایک طرف کی زلف کاٹ لی، اور غیرتِ شریعت کی بناء پر اس کی پروا نہیں کی کہ اس کا کیا نتیجہ ہوگا، جب میں نے اس کی کٹی ہوئی زلف پر نگہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ اس کی زلف کاٹنے میں اُس کے کان کا ایک حصّہ بھی کٹ کر آگیا ہے، لیکن اس کے دیکھنے پر بھی میرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا نہیں ہوا۔[۱]

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کوٹ مٹھن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، تو اُس وقت مجھے قدرتی طور پر دینیات کی طرف زیادہ خیال تھا، اور میں امر بالمعروف کے لئے قرب وجوار کے مواضعات میں جایا کرتا تھا۔[۲]

## اُچ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے مُلاقات

اُس زمانے میں جب کہ شاہ محمد سلیمان کوٹ مٹھن میں تعلیم پا رہے تھے، خواجہ نور محمد مہاروی کے اُچ تشریف لانے کی خبر پہنچی، آپ کے اُستاد میاں احمد علی صاحب جو خواجہ نور محمد مہاروی کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی، اپنے شاگردوں کے ساتھ جن میں شاہ محمد سلیمان بھی تھے اپنے مرشد سے ملنے کے لئے اُچ پہنچے، لیکن شاہ محمد سلیمان نے سُن رکھا تھا کہ خواجہ نور محمد مہاروی سماع اور وجد سے غیر معمولی شغف رکھتے ہیں، اُن کے دل میں یہ خیال تھا کہ میں وہاں پہنچ کر قبلۂ عالم سے پوچھوں گا کہ سرود شرع میں حرام ہے، پھر وہ کیوں سرود سنتے ہیں، وہ اسی خیال سے وہاں پہنچے، لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اور خواجہ

---

[۱] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۵۲

[۲] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۱۳ بحوالہ خاتم سلیمانی۔ ص ۱۲۰۔

نور محمد مہاروی کو دیکھنے کے بعد خیالات کی دنیا ہی بدل گئی، اور اُن کی عقیدت سے قلب جگمگا اُٹھا۔[۱]

**بیعت** میاں عبدالشکور کا بیان ہے کہ حضرت شاہ فخر نے خواجہ نور محمد مہاروی سے فرمایا تھا کہ۔

| | |
|---|---|
| یک شہباز از کوہستان مغرب خواہد برآمد باید کہ اورا بہر طور در دامِ خود آری، چناں نشود کہ آں شہباز در دامِ کسے دیگر برود کہ مالک نعمت ما و شما خواہد بود، و او سلیمان زماں خود خواہد شد۔ | ایک شہباز کوہستان مغرب سے برآمد ہوگا، تمھیں چاہئے کہ جس طور پہ بھی ممکن ہو اُسے اپنے دام میں لاؤ، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی دوسرے کے دام میں چلا جائے، یہی شہباز آئندہ ہماری اور تمھاری (روحانی) نعمتوں کا مالک ہوگا، اور وہ اپنے زمانے کا سلیمان ہوگا۔ |

شاہ فخر کی اس پیشین گوئی کے بعد سے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اس شہباز کی تلاش میں اُچ اور کوٹ مٹھن وغیرہ جاتے تھے، ایک دفعہ خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنے ایک مرید مولوی محمد حسین چنڑ سے فرمایا، جو بستی محمد حسین جھنڈ علاقہ بھاول پور میں رہتے تھے۔

| | |
|---|---|
| محمد حسین ہیچک میدانی کہ من ہر سال وریں ملک | محمد حسین تم کچھ جانتے بھی ہو کہ میں ہر سال اس ملک میں |

---

[۱] مناقب المحبوبین۔ص ۱۵۳، ۱۵۴-۱۵۵ پہ اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مگر ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔

چرا می آیم، عرض کردیم حضور فرمایند؟ فرمود، برائے شکار شہبازمی آیم کہ یکبے نوع آں شہباز در دامِ من اُفتد، و امر حضرت مولانا است، برائے آں ایں سفر ملک شما اختیار کردہ ام، شما ہم دعا کنید کہ حق تعالیٰ آں شہباز در دامِ من دارد[51]

کیوں آتا ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضور فرمائیں؟ فرمایا کہ میں ایک شہباز کے شکار کے لئے آتا ہوں کہ وہ کسی طرح میرے دام میں پڑے اور مجھے یہ حکم حضرت مولانا (فخر) کا ہے جس کی وجہ سے میں نے تمہارے ملک کا سفر اختیار کیا ہے، تم بھی دعا کرو کہ خدا وہ شہباز میرے دام میں لائے۔

آخر خواجہ نور محمد مہاروی کی تلاش و جستجو شاہ محمد سلیمان جیسے شہباز کو اُن کے دام میں لے کر آئی، جن سے پورے پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو عام ہونا مقدر ہو چکا تھا، چنانچہ شاہ محمد سلیمان نے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہونے کی درخواست کی، آپ نے شاہ محمد سلیمان کو درگاہ سید جلال الدین بخاری میں بیعت کیا[52]

بیعت کرنے کے دو تین روز بعد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اُوچ سے اپنے وطن مہار روانہ ہو گئے[53]

**پہلا حکم** اور شاہ محمد سلیمان کو حکم دیا کہ تم پہلے یہاں سے دہلی جاؤ، اور حضرت شاہ فخر سے ملاقات کر کے میرے پاس

---

[51] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۵۳ [52] ایضاً۔ ص ۱۵۶ [53] ایضاً۔ ص ۱۵۶

مہار آؤ، چنانچہ شاہ محمد سلیمان نے اس حکم کی تعمیل کی ؎

**مُبارک بادی** اُچ سے واپسی میں جب خواجہ نور محمد مہاروی مولوی محمد حسین کی بستی موضع جھنیڑ میں پہنچے تو مولوی محمد حسین سے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| مولوی صاحب مایاں | مولوی صاحب ہم کو مبارکباد |
| را مبارکی دہید، آں شہباز | دو، وہ شہباز جس کے شکار |
| کہ برائے شکار وے ہر سال | کے لیے ہم ہر سال اِس مُلک |
| سمت ایں ملک آمدم، الحمد للہ | میں آتے تھے، الحمد للہ اس |
| امسال در دامنِ من در بلدۂ | سال ہمارے دامن میں شہر |
| اُچ افتادہ است، او شاں | اُچ میں پڑ گیا، مولوی صاحب |
| مبارکی وادند ؎ | نے اُن کو مبارک باد دی۔ |

خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنے مرید اور خلیفہ خاص مولانا نور محمد حاجی پور والہ کو بھی حکم دیا تھا کہ اُس شہباز لاہوتی کے لیے جس کی بشارت شاہ فخر نے مجھے دی ہے، تم بھی ہر سال ملک سنگھڑ کا سفر کیا کرو، شاید کہ وہ کوہستان سے نکل کر تمھارے دام میں پڑ جکے۔ اس بناء پر مولانا نور محمد حاجی پور والہ بھی اس تلاش و جستجو میں نکلتے تھے جب شاہ محمد سلیمان، خواجہ نور محمد مہاروی کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے تو آپ نے مولانا نور محمد حاجی پور والہ کو لکھا کہ وہ شہباز کوہستانی جس کی ہم کو تلاش تھی، اِس سال وہ ہمارے دام میں آچکا ہے، اب شغلیس اُس کی تلاش میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد آپ خود بھی کبھی سنگھڑ نہیں گئے ؎

---

؎ مناقب المحبوبین۔ ص ۱۵۶ ؎ ایضاً۔ ص ۱۵۶ ؎ ایضاً۔ ص ۱۵۶

شاہ محمد سلیمان ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۱ء میں

## شاہ فخر الدین کی خدمت میں حاضری

اپنے پیر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے حکم کے مطابق حضرت شاہ فخر کی خدمت میں براہِ دلاور، فلودی، جودھپور، اجمیر، جے پور اور ریواڑی ہوتے ہوئے دہلی روانہ ہوئے، اجمیر میں آپ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار پر حاضر ہوئے، پھر وہاں سے جے پور اور ریواڑی ہوتے ہوئے دہلی پہنچے، لیکن آپ کے دہلی پہنچنے سے تین دن قبل شاہ فخر وصال فرما چکے تھے، شاہ محمد سلیمان، شاہ فخر کے مزار پر جو خانقاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں مسجد کے متصل ہے، چالیس روز تک معتکف رہے[1]

## مہار کو واپسی

پھر آپ دہلی سے مہار واپس ہوئے، اور اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں میں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے، تمام رات ذکر بالجہر بلند آواز سے کرتے تھے، اور رات دن پاسِ انفاس میں بسر فرماتے، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی جو توجہ خاص آپ پر تھی وہ دوسرے مریدوں پر نہ تھی[2]

## مسجدِ خدا بخش میں قیام

مہار میں آپ کا قیام مسجدِ خدا بخش بن حافظ محمد مسعود میں تھا، وہیں آپ کا زیادہ وقت عبادتوں اور ریاضتوں میں صرف ہوتا تھا[3]

## حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے علومِ ظاہری کی تعلیم

لیکن حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی مجلس میں آپ پابندی سے اُن کی زیارت اور تصوف کی کتابوں کی تعلیم کے لئے تشریف لے جاتے تھے، چنانچہ آپ نے

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۵۸ [2] ایضاً۔ ص ۱۶۴ [3] ایضاً۔ ص ۱۶۴

آداب الطالبین، فقرات، لوائح عشرہ کاملہ اور فصوص الحکم وغیرہ کی تعلیم اپنے پیر سے حاصل کی۔

کبھی کبھی حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بھی آپ کی دلداری کے لئے آپ کے پاس مسجد خدا بخش میں تشریف لاتے[1]

ایک دفعہ آپ مسجد خدا بخش میں بیٹھے ہوئے دیوان حافظ نہایت خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے، اچانک خواجہ نور محمد مہاروی تشریف لے آئے آپ شرم کی وجہ سے خاموش ہوگئے، خواجہ نور محمد مہاروی نے پوچھا کیا پڑھ رہے تھے؟ آپ نے عرض کیا کہ دیوان حافظ پڑھ رہا تھا، خواجہ صاحب نے فرمایا ہمیں بھی کچھ سناؤ، آپ نے شعر پڑھا:۔

کمالِ صنعتِ مشاطہ باید
کہ روئے زشت را زیبا نماید

خواجہ نور محمد مہاروی یہ شعر سن کر بہت خوش ہوئے، پھر فرمایا اب ہم سے بھی ایک شعر سنو، پھر یہ شعر پڑھا:۔

مگو کہ پیر شدی ذوق عاشقیت نماند
شراب کہنہ، ما مستیِ دگر دارد[2]

## پیر کی عقیدت

شاہ محمد سلیمان اپنے شیخ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور اپنے پیر کی خدمت اور اطاعت میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے، ایک جگہ فرمایا:۔

شیخ مشاطۂ مرید است، یعنی چنانچہ مشاطہ عروس را آراستہ سزاوار صحبت شوئے خود سازد، مانند ایں شیخ ظاہر و باطن را بہ شریعت پیراستہ مستحق صحبت محبوب حقیقی گرداند[3]

---

[1] مناقب المحبوبین، ص ۱۶۴ [2] ایضاً، ص ۱۶۴ [3] نافع السالکین، ص ۱۸

شیخ کی عقیدت پر ایک مرتبہ اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| صحبتِ شیخ با عقیدہ | شیخ کی صحبت میں عقیدت کے |
| باید کرد کہ بے عقیدہ از | ساتھ حاضر ہونا چاہیئے، اس |
| صحبتِ ہیچ فائدہ نیست[1] | لئے کہ بے عقیدہ صحبت سے |
| | کوئی فائدہ نہیں۔ |

آپ کا اپنے شیخ سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ اکثر آپ مہار پیدل روانہ ہو جاتے، اور راستے کی تمام مصیبتیں اور مشکلیں برداشت کرتے۔

ایک دفعہ میاں غلام حیدر اور میاں عیسیٰ کو ہمراہ لے کر مہار روانہ ہوئے، پیدل چلتے چلتے پیروں سے خون بہنے لگا، ایک دفعہ اس سفر کے حالات کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| ہر دہ ناخن از ہر دو پائے | دسوں ناخن میرے پیروں |
| من جدا شدند[2] | سے جدا ہو گئے۔ |

اس سفر کے مصائب کی تصویر آپ کے رفیقِ سفر غلام حیدر نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

میں نے بارہا معائنہ کیا کہ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے اور اُن سے خون کے قطرے بہنے لگے، لیکن آپ اُس وقت بھی اُس سے بے خبر مردانہ وار قدم اُٹھاتے تھے، آپ کو بالکل اس کی خبر نہ تھی کہ آپ کے پیر زخمی ہو چکے ہیں، اور ان سے خون جاری ہے، میں نے یہ حال دیکھ کر عرض کیا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جائیے۔ لیکن آپ نہ ٹھہرے، جب ہم ملتان پہنچے تو مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کا یہ جوتا

---

[1] نافع السالکین۔ص ۵۰

تنگ ہے، دوسرا جوتا خریدنا چاہئے، لیکن میرے پاس سوائے ایک نئی چادری کے کوئی دوسری چیز موجود نہ تھی، میں نے چاہا کہ وہ چادر فروخت کر کے جوتے کی قیمت ادا کروں، لیکن آپ نے پسند نہیں فرمایا، جب میں نے بے حد اصرار کیا تو فرمایا کہ تم اس تکلیف کو سوچ رہے ہو، ہمیں اپنی بھی خبر نہیں، فکر نہ کرو سفر کے پورا کرنے میں کوئی فرق نہ آئے گا۔[1]

## خلافت سے سرفرازی

شاہ محمد سلیمان چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے تھے، آپ اپنے شیخ کی خدمت میں تقریباً چھ سال رہے، ایک موقعہ پر خود فرمایا کہ:-

| | |
|---|---|
| ما را صحبتِ ظاہری حضرت قبلۂ عالم شش سال یا کم بود[2] | ہمیں قبلۂ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی) کی صحبتِ ظاہری چھ سال یا کچھ کم حاصل رہی۔ |

تقریباً بائیس سال کی عمر میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا، خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد آپ کو حکم دیا کہ تونسہ میں قیام کر کے رشد و ہدایت کی شمع روشن کریں۔

## تونسہ میں قیام

چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق تونسہ میں مقیم ہو گئے جو ڈیرہ غازی خاں سے تیس[۳۰] کوس کے فاصلے پر واقع ہے، اور اس وقت ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، تونسہ میں پہنچنے کے بعد آپ نے ایک جھونپڑی ڈالی، اور اس جھونپڑی میں

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۸ [2] تاریخِ مشائخ چشت۔ ص ۶۱۹ بحوالہ تذکرہ حبیب ص ۲۸۲-۲۸۳

عبادت میں مشغول رہنے لگے، لیکن جب اِس علاقے کا رئیس الف خاں
آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوا تو اُس نے آپ سے اجازت لے کر
آپ کے لئے ایک مکان بنوا دیا[۱]

## صاحب مناقب المحبوبین کا تونسہ میں قیام کے متعلق بیان

صاحب مناقب المحبوبین نے شاہ محمد سلیمان کے تونسہ میں توطن اختیار
کرنے کے تین سبب لکھے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ کے پیر نے آپ کو
حکم دیا تھا کہ کوہستان تمھارے رہنے کے لئے مناسب نہیں، کیونکہ
یہاں ہر شخص خود مختار ہے، بلکہ تمھیں ایسی جگہ قیام اختیار کرنا چاہیئے
کہ جہاں تم اطمینان سے رہ سکو، چنانچہ آپ نے اپنے شیخ کے ارشاد پر
تونسہ شریف میں اقامت اختیار کی۔

دوسری وجہ ترکِ وطن کی یہ تھی کہ جب آپ نے اپنے وطن میں
رُشد وہدایت کی شمع روشن کی تو طالبانِ حق دور دور سے آپ کی
خدمت میں حاضر ہونے لگے، لیکن ان طالبوں کے جو قافلے آتے
تھے، یہاں کے راستے اِس قدر پُر خطر تھے کہ اکثر قافلے لٹ جاتے
تھے، اور لوگوں کو آپ کے وطن گڑگوجی میں پہنچنے میں بہت دقت
ہوتی تھی، آپ نے لوگوں کی اِس تکلیف کو محسوس کر کے ترکِ وطن
فرمایا اور تونسہ میں قیام اختیار کیا۔

تیسرا سبب ترکِ وطن کا یہ بھی تھا کہ جب آپ خلافت سے
سرفراز ہو کر اپنے وطن موضع گڑگوجی میں تشریف لائے، اور یہاں
لنگر جاری کیا تو آپ کی قوم کے لوگ آپ پر حسد کرنے لگے،

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۱۹

اور آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہوئے اس بنا پر بھی آپ نے تونسہ ہجرت فرمائی۔[1]

شاہ محمد سلیمان کے تونسہ میں تشریف لانے کے بعد تونسہ کی آبادی اور رونق میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اور دور دور سے لوگ آکر وہاں آباد ہوئے۔[2]

## تونسہ میں لنگر کا قیام

تونسہ میں تشریف لانے کے بعد جب طالبانِ حق کا ہجوم بڑھا، اور خراسان و ہندوستان اور عرب و عجم کے لوگ آنے شروع ہوئے تو آپ نے لنگر خانے کے قیام کی ضرورت محسوس کی، اور پیارہ نامی ایک ہندو بقّال کو جو بہت مفلس تھا لنگر خانہ کا مودی مقرر کیا، اور امورِ فقراء کا منتظم علی محمد ہوتانی کو اور محاسب میاں برخوردار چاکی کو اور منشی کے عہدے پر صدیق محمد کو مقرر فرمایا، لنگر خانے میں قیام کرنے والوں کے لئے لوہار، نیل گر، دھوبی اور دوسرے پیشے کے لوگوں کو مقرر کیا، اس کے علاوہ ایک حکیم بیماروں کے علاج کے لئے مقرر فرمایا، اور مودی کو حکم دیا کہ جب کبھی حاجت مند تمہاری دوکان پر دوا کے لئے نسخہ لائے تو بغیر کسی اجازت اور حکم کے اس کو دوائیں دو۔ لانگری کے عہدے پر ابتدائً محمود نامی ایک شخص کو مقرر کیا، پھر قبول کو لانگری مقرر کیا، اس کے بعد خدا بخش لانگری مقرر ہوئے۔

ایک دفعہ خدا بخش لانگری نے آپ سے عرض کیا کہ اس ماہ فقرا کی دواؤں پر سات سو روپئے خرچ ہوئے ہیں، جس کا حساب دفترِ مودی میں آیا ہے، آپ نے یہ سُنا تو نہایت غصہ سے فرمایا کہ

---

[1] مناقب المحبوبین - ص ۱۸۵ [2] تاریخ مشائخ چشت - ص ۶۲۰

تمھیں شرم نہیں آتی کہ تم درویشوں کی دواؤں کا حساب مجھ سے بیان کرتے ہو، میرے سامنے سے دور ہو جاؤ، اگر سات ہزار روپے ماہانہ بھی درویشوں کی دواؤں پر خرچ ہوں تو مجھے اطلاع نہ دو، درویشوں کی جان کے مقابلے میں روپے کی کوئی حیثیت نہیں۔

خانقاہ میں قیام کرنے والے درویشوں کے لئے لنگر خانے سے روٹی تین پاؤ پختہ مقرر تھی، چھ ماہ میں ہر ایک کے جوڑے بنائے جاتے تھے، جوتے جب پرانے ہو جاتے تو نئے جوتے دلا دیئے جاتے تھے۔

مدرسہ میں جو علماء مدرسین تھے، اُن کے لئے ایک سیر پختہ غلہ یومیہ مقرر تھا اور ایک سیر ماہانہ ہر ایک کو گھی اور ایک سیر تیل دیا جاتا تھا، اور ہر ششماہی پر اُن کے لئے کپڑے کے جوڑے تیار کرائے جاتے تھے، اور سالانہ ایک بکری اور ایک لنگی ہر عالم کے لئے مقرر تھی۔

اگر کسی عالم یا درویش کی شادی ہوتی تو حسب مراتب ولیاقت دس روپے سے لے کر تین چار سو تک اُس کی مدد فرماتے، شادی کا سامان، زیور اور پوشاک علیحدہ علیحدہ عطا فرماتے۔

اِس کے علاوہ اہلِ خانہ کے لئے غلہ، روئی، کپاس، ہر ششماہی پر اور لکڑی وغیرہ ماہانہ عطا فرماتے تھے[1]

تونسہ میں جب آپ نے رُشد و ہدایت، اصلاح و تربیت کا.... چراغ روشن کیا تو طالبانِ حق کا اس قدر ہجوم ہونے لگا کہ آپ کے مکان کے شمالی اور جنوبی دروازے کھول دیئے جاتے تھے، لوگ ایک دروازے

---

[1] یہ تمام تفصیل مناقب المحبوبین ص ۱۸۶ - ۱۸۷ سے ماخوذ ہے۔

سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکلتے تھے، خانقاہ میں
دور دور سے لوگ آتے، آس پاس کی ریاستوں کے نواب اور جاگیردار
آپ کی بارگاہ میں حاضری اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے، افغانستان کا
شاہ شجاع[1] آپ کی خانقاہ میں نہایت عقیدت و محبت سے حاضر ہوتا تھا،

---

[1] شاہ شجاع الملک محمود شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، وہ پہلی مرتبہ ۱۲۲۱ھ میں اپنے
وزیر شیر محمد خاں کے ساتھ میرانِ سندھ سے مالیہ وصول کرنے کے لئے شکارپور
میں وارد ہوا اور باغ شہزادہ منزل میں قیام کیا، یہاں وہ دو تین مہینے مقیم
رہا اور میرانِ سندھ سے مالیہ اور تحائف وصول کرکے ڈیرہ جات کے
راستے سے کابل پہنچا، اور چار سال تک کابل میں مقیم رہا، لیکن پھر میرانِ سندھ
نے ادائے مالیہ میں تاخیر کی، چنانچہ وہ دوبارہ ۱۲۲۵ھ میں کابل سے پشاور
آیا، اور پشاور ہی سے اُس نے اپنے وزیر شیر محمد خاں کو تسخیر کشمیر کے لئے
مامور کیا، پھر وہ پشاور سے کابل آیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب میر واعظ اُس کے
اشارے سے قتل کیا گیا، اُس وقت وہ احمد شاہی میں مقیم تھا،......
اس کے بعد پھر وہ ۱۲۲۵ھ میں تیسری بار اپنے وزرا اکرم خاں اور
اور سردار فتح خاں کے ساتھ شکارپور آیا اور باغ بدل خاں میں مقیم ہوا،
میرانِ سندھ نے اس کا شاندار استقبال کیا، یہاں سے جب وہ ڈیرہ
غازی خاں پہنچا تو سردار فتح خاں اور بعض دوسرے ارکانِ دولت کسی وجہ
سے اس کے مخالف ہو گئے، سردار فتح خاں مع اپنے عملے کے براہ بوری احمد
شاہی روانہ ہو گیا، اِدھر شاہ شجاع ڈیرۂ غازی خاں سے پشاور پہنچا،
اسی عرصے میں وزیر شیر محمد خاں نے کشمیر کو سردار عبداللہ خاں الکوزئی سے
سے لے کر سردار عطا محمد خاں بامیزائی کے تفویض کیا، اور شاہ شجاع الملک کے
کابل پہنچنے سے پہلے وہ کابل پہنچا کابل پہنچنے پر اُسے میر واعظ کی شہادت کا

جاگیردار اور ریاستوں کے رئیسوں کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت آپ ہی کے ہاتھ سے پگڑی بندھواتے، اور آپ سے دعا کرواتے، سرسید کا بیان ہے کہ شاہ محمد سلیمان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے۔ دہلی سے علماء اور صوفیاء آپ سے فیض حاصل کرنے کے لیے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)
حال معلوم ہوا، آپ سے یہ معلوم ہو کر بے حد رنج ہوا کہ شاہ شجاع الملک نے اپنے اشارے سے ان کو شہید کرایا ہے، شیر محمد خاں ایک لشکر جمع کر کے شاہ شجاع الملک کے مقابلے کے لئے پشاور روانہ ہوا، تہکال میں جو پشاور سے مغربی جانب دو میل پر واقع ہے شاہ شجاع الملک اور شیر محمد خاں میں معرکہ کارزار گرم ہوا، لیکن اس جنگ میں شیر محمد خاں کو شکست ہوئی، اور وہ مارا گیا، ابھی شاہ شجاع الملک پشاور ہی میں مقیم تھا کہ اس عرصے میں سردار فتح خاں نے معزول بادشاہ محمود شاہ کو کابل میں تخت پر بٹھایا، اور ایک فوج تیار کر کے احمد شاہی سے کابل اور کابل سے پشاور روانہ ہوا، پشاور پہنچنے کے بعد اس کے اور شاہ شجاع الملک کے درمیان خوں ریز جنگ ہوئی، اس لڑائی میں شاہ شجاع الملک کے وزیر اکرم خاں اور عفور خاں، نوفلزئی مارے گئے، شاہ شجاع الملک نے راہِ فرار اختیار کی اور دریائے اٹک کو عبور کر کے لاہور میں رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی، اس کے بعد کچھ دن کشمیر میں قید رہا، پھر لودھیانہ میں مقیم رہا، آخر ۲۳ر صفر ۱۲۵۸ھ کو کابل میں شجاع الدولہ اور جعفر کے ہاتھ سے..... ..... مارا گیا، اور وہیں اپنے باپ تیمور شاہ کے پہلو میں مدفون ہوا، اس کی تاریخ وفات "شمع دولت بصبح دم گل شد" سے نکلتی ہے۔

(ماخوذ از نوائے معارک۔ ص ۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۶۳-۹۳۶)

تونسہ شریف حاضر ہوتے، چنانچہ مولوی حیات علی دہلوی،[۱] اور صاحبزادہ نظام الدین پسر کالے صاحب نے دہلی سے تونسہ حاضر ہو کر آپ کے شرفِ بیعت سے مفتخر ہوئے۔[۲]

**پہلا مرید** شاہ محمد سلیمان کی بیعت کا شرف جس نے سب سے پہلے حاصل کیا وہ خلیفہ محمد باراں جیو تھے، بعضوں کا بیان ہے کہ آپ کے سب سے پہلے مرید شیخ جمال چشتی ساکن تاج سرور تھے[۳] بہرحال ان دو حضرات کے بعد آپ کی مریدی کا سلسلہ عام ہوا۔

**رُشد و ہدایت** تونسہ میں شاہ محمد سلیمان نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ، اُن میں اخلاق و کردار کا انحطاط ظہور پذیر ہو رہا تھا، شاہ سلیمان نے اپنی تعلیمات میں اخلاق کی درستگی اور پاکیزگی پر سب سے زیادہ زور

---

[۱] مولوی حیات علی دہلوی، دہلی کے مشہور علماء میں تھے، اگرچہ اُن کے اجداد پنجاب کے رہنے والے تھے، یہ تحصیل علم کے لئے دہلی آئے، اور حصولِ علم کے بعد دہلی ہی میں سید صابر کے زاویہ میں مقیم ہو گئے، اور وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ پھر تونسہ شریف حاضر ہوئے، اور شاہ محمد سلیمان تونسوی کے حلقہ بیعت میں داخل ہو کر دہلی لوٹ آئے۔ اور قلعہ کے باہر ایک مسجد میں مقیم ہو کر درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، ۱۲۶۳ھ میں وہ ستر سال سے متجاوز ہو چکے تھے۔ درس و تدریس میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اُن کے تلامذہ میں شیخ عبدالرحمٰن نابینا اور شیخ رحمۃ اللہ کیرانوی مہاجر مکہ اور شیخ محمد علی چاندپوری مشہور ہیں۔

(نزہتہ الخواطر۔ جلد ۷۔ ص۔ ۱۵۰-۱۵۱)

[۲] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۲۸

[۳] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۹۲

دیا۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ اتباعِ رسولؐ ہی اخلاقِ حسنہ کا سرچشمہ ہے، اس لئے آپ اتباعِ رسول پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ:۔

| | |
|---|---|
| خوب خصائل وحمیدہ افعال بغیر متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہ شود۔ | اچھے خصائل اور حمیدہ افعال بغیر اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتے۔ |

پھر اتباع کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا،۔

| | |
|---|---|
| متابعت عبارت از دو چیز ہست، آنچہ خدا ورسولِ خدا او امر کردہ اند بباید کرد وآنچہ منع فرمودہ اند نباید کرد۔ | متابعت عبارت دو چیزوں سے ہے۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ خدا اور رسولِ خدا نے حکم دیا ہے اُسے کرنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ جس سے منع کیا ہے اُسے نہ کرنا چاہئے۔ |

وہ اس پر تاسف کرتے تھے کہ اس عالم میں آدمی بہت ہیں، لیکن آدمیت گم ہے کہ انسانیت عبارت ہے۔ خصائل حسنہ اور افعال حمیدہ سے اور ان دونوں چیزوں کا فقدان ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی شدن بسیار مشکل ست، ایک دفعہ فرمایا کہ ضیا نخشبی نے اپنی مشہور کتاب سلک السلوک میں انسان کے جو صفات لکھی ہیں وہ مجھ میں بھی پائی نہیں جاتیں۔

بُری صحبتوں سے احتراز کرنے پر مریدوں کو خاص طور پر توجہ دلاتے اس سلسلے میں اکثر یہ شعر پڑھتے:۔

نارِ خنداں، باغ را خنداں کُند
صحبتِ مرداں ترا مرداں کُند

## یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
## بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا[۱]

مریدوں کو غرور و تکبر سے بچنے اور کسی کو حقارت سے نہ دیکھنے کی خاص طور پر نصیحت فرماتے تھے، محبوبِ حق تعالیٰ ہونے کا گُر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| ہر کہ خود را از ہمہ کس | جو کوئی اپنے آپ کو دوسروں |
| کم داند مقبول و محبوبِ حق | سے کم جانتا ہے وہ حق تعالیٰ کا |
| تعالیٰ باشد[۲] | محبوب اور مقبول ہوتا ہے۔ |

عجز و انکسار کی دعوت دیتے ہوئے اپنے زمرۂ اہل یقین میں فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| سالک را باید کہ ہمہ خلق | سالک کو چاہیے کہ وہ تمام خلق |
| را چہ شریف و چہ خسیس بہ | کو خواہ وہ شریف ہوں یا خسیس |
| شفقت و رحمت ناظر باشد | شفقت و رحمت کی نظر سے دیکھے |
| تا حق تعالیٰ بر وے رحمت کند[۳] | تاکہ حق تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔ |

دوسروں کی عیب جوئی سے منع کرتے ہوئے، اپنی عیب بینی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| سالک را باید کہ بسبب عیب | سالک کو چاہیے کہ وہ اپنی |
| بینی خویش از عیب خلق چشم بندد | عیب بینی کی وجہ سے خلقت کے |
| کہ عین سعادت و رضامندی | عیب سے آنکھ بند کرلے کہ یہ |
| حق سبحانہ دریں مندرج ہست | عین سعادت ہے، اور اس میں |

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۳۱ بحوالہ نافع السالکین ص ۲
[۲] " " " ۔ص ۶۳۱ بحوالہ مناقب السالکین ص ۱۱۰
[۳] " " " ۔ص ۶۳۲ " " ص ۲۲

| | |
|---|---|
| چنانچہ در حدیث وارد است | حق سبحانہ کی رضامندی ہے، |
| طوبیٰ لمن شغل عینہ | چنانچہ حدیث وارد ہے طوبیٰ |
| من عیوب الناس[1] | لمن شغل عینہٗ من |
| | عیوب الناس۔ |

غیبت کو چوری سے بدتر بتاتے ہوئے، ایک لطیف پیرائے اس عادت قبیح سے روکنے کی کوشش کرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| غیبت از سراقت بد است، | غیبت چوری سے بھی |
| زیراکہ در سرقت سارق چیزے | بُری ہے، کیونکہ چوری میں چور |
| دزدی می خورد، ودر غیبت | چوری سے کوئی چیز تو حاصل |
| ہیچ سود نیست، بلکہ اعمالِ | کر لیتا ہے لیکن غیبت میں |
| غیبت کنندہ خاکستر شود۔[2] | کوئی (ظاہری) فائدہ بھی نہیں |
| | بلکہ غیبت کرنے والے کے تمام |
| | اعمال خاکستر ہو جاتے ہیں۔ |

کبر و غرور اور حسد کی برائیوں کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| گل توحید نہ روید بہ | اس زمین میں توحید کا پھول |
| زمینے کہ درو خارِ شرک و | نہیں اُگتا جس میں شرک وحسد |
| حسد و کبر و ریا است[3] | اور کبر و ریا کے کانٹے موجود ہیں۔ |

## طریقۂ نصیحت و تفہیم

حضرت شاہ محمد سلیمان کے مواعظ و نصائح اور طریقۂ تفہیم میں ایک خاص

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۳۲ بحوالہٗ نافع السالکین۔ ص ۴۳

[2] " " " ۔ص ۶۳۳ بحوالہٗ مناقب السالکین ص ۸۳ - ۸۴

[3] " " " ۔ص ۶۳۲ " " " ۔ص ۲۹

دلکشی تھی وہ اپنی موعظت و نصائح کو قرآن مجید، احادیث، بزرگوں کے اقوال اور بہترین اشعار سے اس قدر موثر بناتے کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا زندگی کے جس شعبہ پر گفتگو ہوتی، آپ اس کے اخلاقی پہلو کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے، ایک روز آپ کی محفل میں غلے کی تجارت کا ذکر چلا۔ فرمایا کہ۔

| | |
|---|---|
| اگر کسے سوداگری دانہ گندم | اگر کوئی اس نیت سے گیہوں کی |
| کند بریں نیت کہ غلہ را بقیمت | تجارت کرتا ہے تو یہ امر شریعت |
| گراں خواہم فروخت، ایں امر | میں منع ہے، بلکہ جو کوئی یہ نیت |
| در شریعت ممنوع است، بلکہ ہرکہ | کرتا ہے انجام کار اس کی عاقبت |
| ایں نیت کند، عاقبت الامر | خراب ہوتی ہے، اور وہ ذلیل |
| خوار شدہ بمیرد۔[1] | ہو کر مرتا ہے۔ |

## ارکان اسلام کی حفاظت

شیخ طریقت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ ارکانِ اسلام کی حفاظت کرے، ماحی فسق و فجور ہو، اور عوام کو فسق و فجور گمراہیوں اور بدعات سے ہٹا کر ارکانِ اسلام پر مستقیم بنائے، حضرت شاہ محمد سلیمان کے نظام رشد و ہدایت میں ارکانِ اسلام کی ترویج اور اشاعت کو اولیت حاصل تھی، آپ کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا تھا کہ عوام ارکانِ اسلام سے غفلت برت رہے ہیں، وہ اپنے دور کی بے حسی اور دین سے غفلت کو دیکھ کر بے حد رنج و افسوس کرتے تھے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ۔

| | |
|---|---|
| ہرکہ دریں زمانہ نماز پنج | جو کوئی اس زمانے میں پانچ |
| وقت با جماعت بخواند او ولی | وقت کی نماز با جماعت پڑھتا |
| است کہ دریں زمانہ بے دینی | ہے، وہ ولی ہے کہ اس زمانے میں |
| تمام است۔[2] | بے دینی بے حد ہے۔ |

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۴۳ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۱۵۸
[2] ے ے ص ۶۳۶ ے نافع السالکین۔ ص ۱۶۸

لوگ رمضان کے روزوں سے طرح طرح کے عذر کر کے جان چراتے تھے، بعض یہ بہانہ کرتے تھے کہ اگر ہم روزہ رکھتے ہیں تو خشکی بڑھ جاتی ہے، آپ نے ان فضول تاویلات اور حیل کو نفس اور شیطان کی گمراہی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

دنیا داران در ماہِ رمضان شریف روزہ ندارند و گویند کہ مارا خشکی می شود، ایں سخن از گمراہی نفس و شیطان است[۱]

دنیا دار ماہ رمضان شریف میں روزے نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں روزہ رکھنے سے خشکی ہو جاتی ہے، یہ بات نفس کی گمراہی اور شیطانی ہے۔

**صوفیہ کو تنبیہ** اپنے زمانے کے صوفیہ کے اس غلط رجحان کو دیکھ کر کہ وہ اوراد وظائف کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں، آپ نے ان کو متنبہ کرتے ہوئے فقر کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ۔

سالک را باید کہ در عملیات تضیع وقت نہ کند کہ ایں رہزن و مانع راہِ فقر ہست و مقصود اصلی کہ یاد کردن حق است[۲]

سالک کو چاہیے کہ عملیات میں وقت ضائع نہ کرے کہ یہ طریقہ راہ فقر کا ڈاکو اور مانع ہے، اصل مقصد حق تعالیٰ کا یاد کرنا ہے۔

۶

وظائف و اوراد کی جگہ آپ ذکر بالجہر پر زور دیتے تھے، ایک دفعہ فرمایا کہ۔

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت۔ص ۶۴۳ بحوالہ مناقب السالکین۔ص ۱۰۹

[۲] " " " ۔ص ۶۴۷ بحوالہ نافع السالکین۔ص ۲۵

| | |
|---|---|
| ذکر جہر بکلمۂ لا الٰہ الا اللہ از ہمہ | ذکر جہر بہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ تمام |
| اوراد و وظائف بہتر ست، چنانچہ | اوراد و وظائف سے بہتر ہے، |
| در حدیث شریف وار داست | چنانچہ حدیث شریف وارد ہے |
| افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ[1] | سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ |
| | ہے۔ |

آپ صوفیہ کو اتباعِ حق اور غمِ دین کی طرف توجہ دلاتے، ایک دفعہ فرمایا کہ :-

| | |
|---|---|
| سالک را باید کہ غمِ دین | سالک کو چاہیے کہ غمِ دین کھائے |
| خورد کہ مقصودِ دارین ست[2] | کہ مقصودِ دارین یہی ہے۔ |

عام صوفیہ کی اس گمراہی کو دیکھ کر کہ وہ اپنے شیخ پر اس درجہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا کو بھی بھول جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے شیخ کی کاملیت پر اس درجہ یقین رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارا شیخ اس درجہ کامل و مکمل ہے کہ ہم جو بھی چاہیں عمل کریں وہ ہمیں بخشوالے گا، آپ نے اِس قسم کے غلط عقاید و خیالات کی پُرزور تردید کی اور فرمایا کہ خدا کی قدرت میں کسی کو دخل نہیں، وہاں ہر ایک انسان کے اعمال پر اس کے نتائج مرتّب ہوں گے، انسان کو حق سبحانہٗ تعالےٰ پر ہی صرف بھروسہ کرنا چاہیے۔[3]

**علماء کو تنبیہہ** اِسی طرح آپ نے علماء کو بھی اُن کی بے راہ روی پر ٹوکا، اور فرمایا فساد العالِم فساد العالَم (عالِم کا فساد، عالَم کا فساد ہے)۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ص ۶۳۷ بحوالۂ نافع السالکین ص ۱۳۱

[2] " " " ۔ص ۶۳۹ " " " ۔ص ۳۰

[3] تاریخ مشائخ چشت۔ص ۶۳۸

ایک دفعہ علماء کے متعلق بیان فرمایا کہ جہاں اُن کی ہدایت سے عالم فیضیاب ہوتا ہے، وہیں ان کی گمراہی سے بھی دنیا کو نقصان عظیم پہنچتا ہے، پھر فرمایا کہ وہ نہ تو جنت میں تنہا جاتے ہیں نہ دوزخ میں، دونوں جگہ کثیر جماعت اُن کے ساتھ ہوتی ہے[۱]

علم کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

| | |
|---|---|
| مقصود از علم و عمل و | مقصود علم سے عمل، ہدایت |
| ہدایت و محبت باری تعالیٰ | اور حق تعالیٰ کی محبت |
| حاصل کردن است[۲] | حاصل کرنا۔ |

## علم و عمل کے متعلق شاہ صاحب کا نظریہ

شاہ محمد سلیمان علوم کی تعلیم میں سب سے زیادہ علم فقہ و تفسیر پر زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ۔

| | |
|---|---|
| علم فقہ و تفسیر ضروریہ | علم فقہ و تفسیر ضروری ہیں، |
| است کہ دانستن فرض و واجب | فرض، واجب، سنت، مستحب |
| و سنت و مستحب و مکروہ موقوف | اور مکروہ کا علم موقوف ہے |
| بر علم فقہ ست، و باقی ہمہ علوم | فقہ پر، باقی سارے علوم |
| سر دردی ہست[۳] | دردِ سر ہیں۔ |

عمل کے متعلق اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| علم بغیر عمل، و عمل بغیر عقیدۂ | علم بغیر عمل کے اور عمل بغیر |
| صاف کہ اہل سنت و جماعت | عقیدۂ اہل سنت و جماعت کے |
| است، فائدہ ندہد[۴] | فائدہ نہیں پہنچاتا۔ |

---

۱؎ تاریخ مشائخ چشت ص ۴۳۹ بحوالہ مناقب السالکین ص ۲۰  ۲؎ ایضاً۔ ص ۶۴۰ بحوالہ مناقب السالکین ص ۲۰  ۳؎ ایضاً۔ ص ۴۴۰ بحوالہ نافع السالکین۔ ص۔ ۱۳۵۔
۴؎ ایضاً۔ ص ۶۴۰ بحوالہ نافع السالکین۔ ص۔ ۵۰۔

## سماجی بُرائیوں پر عوام کو تنبیہہ

سماجی اور اخلاقی بُرائیاں چونکہ سارے معاشرے اور سوسائٹی کو متاثر کرتی ہیں، اس لیے آپ عوام کو ان بُرائیوں اور بداخلاقیوں سے سختی سے روکتے تھے۔

ایک شخص نے آپ سے شکایت کی کہ میرے بچے مجھ کو گالیاں دیتے ہیں، آپ کو یہ سُن کر بے حد رنج و افسوس ہوا، اُسے تسلّی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میاں اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ پر بھروسہ ہی کام آتا ہے غیر پر بھروسہ بیکار ہے، اگر کوئی اپنی آل واولاد پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ میری خدمت کریں گے تو اُس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، پھر افسوس کے ساتھ فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ بیٹا باپ کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے گا[1]۔ رشوت خوری کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

| | |
|---|---|
| ہرکہ حرام خورد، رزق | جو کوئی حرام کھاتا ہے، |
| اوتنگ شود و عاجز باشد، | اس کا رزق تنگ ہو جاتا |
| چنانچہ دزداں ہمیشہ خوار | ہے، جیسا کہ چور ہمیشہ خوار |
| باشند[2]۔ | ہوتے ہیں۔ |

ایک دفعہ شراب خواری کی بُرائی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جب کسی پر شیطان کو غالب کرتا ہے تو وہ شراب خوری میں مُبتلا ہوتا ہے۔

## اتباعِ شریعت کا امر

اتباعِ شریعت کا خاص طور پر امر فرماتے تھے، ارشاد فرمایا۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۲۴۶ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۱۰۴

[2] " " " ص ۱۰۴ " " " ص ۱۰۴

| | |
|---|---|
| ہر کہ خواہد مقبول و محبوب حق سُبحانہٗ تعالیٰ گردد، باید کہ در متابعتِ شریعت ظاہراً و باطناً کوشش نماید، چنانچہ نص دریں باب وارد است، ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔[1] | جو چاہتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا مقبول اور محبوب بنے، اُسے چاہیے کہ وہ ظاہر و باطن میں شریعت کا اتباع کرے، جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ |

ایک موقع پر فرمایا کہ :-

| | |
|---|---|
| از امر غیر مشروع دور باشید۔[2] | غیر شرع باتوں سے دور رہو۔ |

**اتباعِ رسولؐ** شاہ صاحب کی تعلیمات کا اہم پہلو اتباعِ رسول تھا، فرمایا کرتے تھے کہ دین و دنیا میں کامیابی کا دارومدار اتباعِ رسولؐ پر ہے، آپ کا خیال تھا کہ مسلمانوں سے صرف اِس وجہ سے حکومت نکل گئی کہ اُنھوں نے اتباعِ رسول کو چھوڑ دیا ہے، ایک موقع پر فرمایا :-

| | |
|---|---|
| دریں زماں چوں مسلماناں متابعتِ نبی صاحب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گذاشتہ اند، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کفّار را برایشاں مسلط کردہ است۔[3] | اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع کو چھوڑ دیا ہے، اِس لئے حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے اُن پر کفار کو مسلّط کیا ہے۔ |

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۴۳ بحوالہ نافع السالکین۔ص ۵۵ –
[2] ر ر ر ص ۶۴۳ ر ر ر ص ۱۵۵۔
[3] ر ر ر ص ۶۴۵ ر ر ر ص ۵۔

فرمایا کرتے تھے کہ ظالم حکمرانوں کا مسلّط ہونا لوگوں کی بداعمالی کی دلیل ہے، جب لاہور پر سکھ قابض و متصرف ہوئے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:۔

کار ہا مسلمانان در ناشائستگی از حد گذشتہ کہ ایشاں در ملک غلبہ کردہ اند[۵۱]

ہم مسلمانوں کی نالائقی حد سے بڑھ چکی ہے کہ وہ (سکھ) ملک پر غالب آگئے ہیں۔

ایک دفعہ فرمایا کہ:۔

ہر بلا و مصیبت کہ بر مردماں منزل شود از جہت صدورِ اعمال ناشائستہ باشد چنانچہ در حدیث شریف وارد است انما اعمالکم عمالکم۔ یعنی کردارہائے شما حاکمانِ شما اند، اگر اعمال شما نیک باشند، پس حاکم شما اہلِ اسلام و عادل باشند، و اگر بالعکس باشند پس حاکم شما نیز کافر و جابر باشند[۵۲]

ہر بلا اور مصیبت جو لوگوں پر نازل ہوتی ہے، وہ اعمال ناشائستہ کے صدور کی وجہ سے ہوتی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ انما اعمالکم عمالکم یعنی تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں، اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تمہارے حاکم بھی اہلِ اسلام اور منصف ہوں گے، اگر تمہارے اعمال بُرے ہوں گے تمہارے حاکم بھی کافر اور جابر ہوں گے۔

---

۵۱ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۴۹ ۔ بحوالہ نافع السالکین ۔ ص ۴۰

۵۲ ،، ،، ،، ص ۶۵۰ ،، ،، ،، ص ۲۳-۳۲-۴۰۔

**رواداری** وسعتِ خیال، وسیع المشربی اور رواداری شاہ محمد سلیمان کی سیرت کا جلی عنوان ہے، وہ اپنے مریدین و معتقدین کو جہاں اپنے مذہب و تمدن اور شریعتِ اسلامیہ کے اتباع کا شدت سے پابند بناتے تھے وہیں اُن کو یہ بھی تعلیم دیتے تھے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤ، اور کوئی ایسا اقدام نہ کرو جس سے بدمزگی پیدا ہو۔

صلح و آشتی کا درس دیتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا :۔

| | |
|---|---|
| در طریق ما ہست کہ با مسلمان و ہنود صلح باید داشت، و ایں بیت شاہد آوردند ؎ | ہمارے طریقے میں ہے کہ ہندو اور مسلمان سے صلح رکھی جائے اور اس بیعت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے |
| حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام<br>با مسلماناں اللہ اللہ با برہمن رام رام[1] | حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام<br>با مسلماناں اللہ اللہ با برہمن رام رام |

اس رواداری کے باوجود بد مذہبوں کے معاملے میں نہایت سخت تھے ایک موقع پر فرمایا کہ :۔

سالک کو چاہیے کہ بد مذہبوں کی صحبت سے اپنے آپ کو دُور رکھے، اگرچہ اُن کی صحبت میں دنیا وی نعمتیں موجود ہوں، ہرگز ان سے تعلقات نہ رکھے، بلکہ بھوکا اور ننگا رہنا اُن کی صحبت سے بہتر ہے[2]

**عیسائیوں کے ساتھ طرزِ عمل** جس زمانے میں کہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رُشد و ہدایت میں مصروف

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۵۱ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۱۷۶

[2] ” ” ” ۔ ص ۶۵۲ ” ” ” ۔ ص ۱۶۲

تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزی حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا، عیسائی مبلغین مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو عیسائی بنا رہے تھے، اُن کے ہنگاموں کی خبریں آپ کے کان میں پہنچتیں، ان خبروں سے آپ کو بڑا دکھ پہنچتا، ایک دفعہ مولوی محمد حیات دہلوی سے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| بسیار مسلمانان را فرنگیاں | بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں |
| از دین محمدی گردانیدہ اند | نے دینِ محمدی سے گمراہ کر کے |
| ایمان خارج کردہ اند کہ ایشاں | ایمان سے خارج کر دیا ہے، |
| دین مسیحا از جہت صحبت | انھوں نے دینِ مسیحی صحبت کی |
| اختیار کردہ اند۔ | غرض سے اختیار کر لیا ہے۔[۲] |

انگریزوں سے آپ کو محض اس وجہ سے کہ انھوں نے اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا تھا، اور مسلمانوں سے اُن کو بے حد نقصان پہنچا تھا، سخت نفرت تھی، انگریزوں نے جب ملتان پر قبضہ کیا، اور وہاں مقابر کی بے حرمتی کی، جب یہ خبر شاہ صاحب کو معلوم ہوئی تو پریشان ہو کر یہ شعر پڑھا:۔

---

[۱] مولانا حیات بن حیات دہلوی اپنے دور کے مشہور علماء میں تھے۔ پنجاب کے رہنے والے تھے، وہ فارغ التحصیل ہو کر دہلی تشریف لائے، اور سید صابر علی کے زاویہ میں مقیم ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ پھر وہ پنجاب حاضر ہو کر حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کی بیعت سے مشرف ہوئے اور دہلی لوٹ آئے، اور قلعہ کے باہر ایک مسجد مقیم ہو کر درس و تدریس اور افادۂ خلق میں مصروف ہو گئے۔ ۱۲۶۳ھ میں وہ ستر سال کی عمر سے تجاوز ہو چکے تھے۔ (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۱۵۰)۔

[۲] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۵۳۔ بحوالہ نافع السالکین ص ۱۶۷۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد[1]

ایک دفعہ ایک شخص سے فرمایا کہ

فرنگیاں را تیر نمی زنی — فرنگیوں کے تیر نہیں مارتے؟

اس نے جواب دیا کہ میں طاقت نہیں رکھتا، آپ نے یہ شعر پڑھا اور خاموش ہو گئے:۔

کماں نرم باید کماں دار چست
بوقتِ کشیدن در آید درست[2]

**اُمراء سے بے نیازی** اُمرا اور اہلِ دول سے بے نیازی حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کا امتیازی وصف تھا، ایک دفعہ عبدالجبار خاں نواب ڈیرہ غازی خاں نے خانقاہ کے درویشوں کے خرچ کے لئے کچھ جاگیر دینی چاہی۔ فرمایا:

| | |
|---|---|
| ما ایں جاگیر نگیریم کہ | ہم اس جاگیر کو نہ لیں گے |
| خلاف سنّتِ پیران و شیخان | کہ ہمارے پیروں اور مشائخ |
| ما ہرگز نخواہیم نمود کہ ایشاں | کی سُنّت کے خلاف ہے، |
| قبول نہ کردہ اند[3] | اُنھوں نے کبھی قبول نہیں کیا۔ |

لوگوں نے عرض کیا کہ اپنے صاحبزادے گل محمد کے لئے یہ جاگیر قبول فرما لیجئے؟ ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| گل محمد را نیز حاجت | گل محمد کو بھی جاگیر کی حاجت |
| جاگیر نیست، اگر نعلین درویشاں | نہیں اگر وہ درویشوں کی |

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۵۳ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۵

[2] ،، ،، ،، ص ۶۵۵ ،، ،، ،، ص ۸۳

[3] ،، ،، ،، ص ۶۵۶ ،، ،، ،، ص ۱۶۱

راست کند، برائے خدمت او مقربان خدمت گار شوند[۱]

جوتیاں سیدھی کرے گا، بڑے بڑے مقرب اس کی خدمت کے لئے اس کے خدمت گار ہوں گے۔

## اہل ریاست کی عقیدت مندی

پنجاب اور سرحد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے رئیس آپ سے بے حد عقیدت رکھتے، جب ان میں کوئی گدی نشین ہوتا تو دستار بندی کی درخواست آپ سے کی جاتی تھی، نواب صادق محمد خاں والیِ بہاول پور کے انتقال پر جب نواب رحیم یار خاں نواب بہاول خاں ثالث گدی پر بیٹھے تو آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے ان کے دستار باندھی،[۲] لعل خاں تنکانی حاکم کی وفات کے بعد اسد خاں کی دستار بندی بھی آپ نے کی۔

## رؤسا میں رشد و ہدایت

لیکن اگر آپ کبھی ان رؤسا کو گمراہیوں میں مبتلا دیکھتے تو انھیں نہایت شدت سے منع فرماتے۔

ایک دفعہ لعل خاں تنکانی حاکم سنگھڑ نے ایک بلوچ لڑکی سے زبردستی نکاح کر لیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو لعل خاں کے پاس کہلا بھیجا کہ لوگوں پر ظلم نہ کرو اور خدا سے ڈرو۔[۳]

اسد خاں نے جب ظلم و ستم پر کمر باندھی تو اُس کو تنبیہ کرتے ہوئے

---

۱۔ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ٦٥٧۔ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ١٦١

۲۔ مناقب المحبوبین۔ ص ٢١٢

۳۔ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ٦٦٠ بحوالہ خاتم سلیمانی۔ ص ٩٧

فرمایا کہ ظلم کو بند کر، تیری حکومت میں ہمیں صرف اتنا فائدہ ہے کہ اذاں کی آواز سننے میں آجاتی ہے، ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تھوڑے ہی دن میں اس تودۂ ریگ پر سکھوں کی فوج آنے والی ہے[1]۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب تک اسد خاں والی سنگھڑ ظلم و تعدّی نہیں کرے گا، اُس کے ملک میں سکھ داخل نہیں ہو سکتے، لیکن جب یہ ظلم و ستم شروع کرے گا، اُس وقت اس کا ملک رنجیت سنگھ کو دے دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا[2]۔

## شاہ شجاع کی عقیدت مندیاں

اُس زمانے میں جب کہ شاہ شجاع ہندوستان میں پناہ گزیں تھا، وہ حضرت شاہ محمد سلیمان کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ آپ سے بڑی عقیدت اور ارادت رکھتا تھا۔ جب شاہ شجاع انگریزوں سے مدد لے کر افغانستان روانہ ہوا تو اس کا گذر تونسہ میں ہوا، ایک رات اُس نے وہیں بسر کی، صبح کو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اسے اپنے مصلے پر بٹھا لیا، اور اس سے تمام حالات پوچھے، اُس نے بتایا کہ وہ افغانستان کو فتح کرنے کی غرض سے جا رہا ہے، آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ کس کی پناہ میں جا رہے ہو، اُس نے جواب دیا کہ کہن دل خاں اور پردل خاں کی حمایت میں جا رہا ہوں، جب شاہ شجاع چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس کی اس بات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تقدیر چکر میں ہے کیونکہ وہ اللہ کی بجائے کہن دل اور پردل خاں پر بھروسہ رکھتا ہے[3]۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ص ۶۶۰۔ مناقب المحبوبین۔ص ۲۲۷

[2] مناقب المحبوبین۔ص ۲۲۶

[3] مناقب المحبوبین۔ص ۲۱۰

## نظام الاوقات

شاہ محمد سلیمان تونسوی اپنے اوقات کے بے حد پابند تھے، اور اپنے معمولات کا سفر و حضر میں بڑا خیال رکھتے تھے، عادت مبارک تھی کہ فجر کی سنتیں اپنے حجرے میں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے، نماز فجر جماعت سے ادا فرماتے، پھر خلوت میں اپنے مصلے پر بیٹھ جاتے، اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، پھر مسبعات عشر پڑھتے، اس کے بعد نوافل اشراق ادا فرماتے، پھر دلائل الخیرات پڑھتے، کبھی کبھی چاشت و اشراق کو ایک ساتھ پڑھتے تھے، اس وقت تک حجرے کا دروازہ بند رہتا، اگر اس وقت میں کوئی حاجت مند یا ضرورت مند آجاتا، اسے اجازت تھی کہ وہ خلوت میں حاضر ہو کر اپنی ضرورت پیش کرے، جب کوئی اپنی ضرورت پیش کرتا تو آپ اس کو معقول جواب دے کر رخصت کرتے، پھر حرم سرا میں تشریف لاتے، اور کھانا کھانے کے بعد خواتین کو فقہ اور سلوک کی تعلیم دیتے، پھر وہاں سے باہر تشریف لاتے، اور عام مجلس ہوتی، ہر آدمی آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا، اس وقت آپ صوفیہ کو کتب تصوف کی تعلیم دیتے، اس وقت کوئی آپ سے آداب الطالبین پڑھتا، کوئی لوائح، کوئی عشر کاملہ، کوئی فصوص الحکم، کوئی احیاء العلوم، کوئی فوائد الفواد، کوئی سوار السبیل، کوئی تسنیم، کوئی فتوحات مکی، کوئی نفحات الانس وغیرہ پڑھتا تھا، درس و تدریس سے فارغ ہونے کے بعد آپ قیلولہ فرماتے، ظہر کی نماز کے وقت آپ کے خادم محمد اکرم آپ کو بیدار کرتے، پھر آپ وضو کر کے مسجد تشریف لاتے اور چار سنتیں پڑھ کر ظہر کے فرض با جماعت پڑھتے اور فرض کے بعد کی سنتیں پڑھ کر وہیں مشرق رو ہو کر مصلی پر بیٹھ جاتے اور سیکڑوں علماء و فقراء آپ کے گرد حلقہ کر کے بیٹھتے، پہلے آپ وہ وظائف جو آپ کے معمولات تھے تسبیح پر پڑھتے، پھر مسبعات عشر پڑھتے، وظائف سے فارغ ہونے کے بعد اگر کوئی کچھ آپ سے پوچھتا تو اس کو جواب دیتے، ورنہ مسائل دینی

اور فوائد باطنی پر کچھ ارشاد فرماتے یہاں تک کہ عصر کی نماز ادا فرماتے، اکثر مراقبہ اور استغراق میں رہتے، جب مغرب کی نماز کا وقت آتا تو تازہ وضو کرکے فرضِ مغرب جماعت سے ادا فرماتے، پھر سنتیں اور نوافل صلوٰۃ الاوابین تنہائی میں پڑھتے، پھر ڈیڑھ پہر رات تک مراقبے میں مشغول رہتے، اس درمیان میں اگر کوئی حاجتمند آجاتا اسے آنے کی ممانعت نہ تھی، لیکن فوراً ہی آپ اس کو جواب دے کر رخصت فرمادیتے، جب ڈیڑھ پہر رات گزر جاتی، آپ کی باندی چراغ اور کھانا لے کر حجرے میں آتی، کھانا کھانے کے بعد اکثر شائقینِ دیدار حجرے میں حاضر ہوتے، آپ اسی مصلیٰ پر لیٹ جاتے، لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، آپ پند و نصائح فرماتے، پھر وضو کرکے مریدوں کے ساتھ حجرے میں باداموں پر ختم خواجگان چشت پڑھتے، پھر مسجد میں تشریف لاتے اور عشا کی نماز باجماعت ادا فرماتے، پھر سنت و نوافل حجرے میں ادا فرماتے، لیکن وتر تہجد کے وقت ادا فرماتے تھے، پھر اوراد معمولہ ادا فرما کر سُرمہ لگاتے، اس طرح آدھی رات گزر جاتی، پھر چارپائی پر آرام فرماتے عشا کے بعد کسی سے بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے، جب سوا پہر رات باقی رہ جاتی تو تہجد کے لئے بیدار ہوتے، اور بارہ رکعتیں ادا فرمانے کے بعد وظائف معمولہ تسبیح پر پڑھتے، پھر ذکر بالجہر کرتے، ابتدائی زمانے میں آپ ذکر بلند آواز سے کرتے تھے، مگر آخر عمر میں آہستہ آواز سے کرنے لگے، پھر نماز فجر سے تھوڑی دیر پہلے چارپائی پر لیٹ جاتے کہ یہ سنت ہے، جب صبح صادق ہو جاتی تو اٹھ کر وضو کرتے، اور سنت فجر پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے اور فجر کے فرض مسجد میں باجماعت ادا فرماتے، اسی سال تک آپ کا یہی معمول رہا، رمضان شریف آپ کا یہی معمول تھا، الا یہ کہ ختمِ خواجگانِ چشت عصر کے بعد پڑھتے، اور تراویح میں قرآن مجید ستائیس روز میں ختم کراتے۔[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳-۱۴۳ سے ماخوذ ہے۔

**وفات** مناقب المحبوبین میں ہے کہ وفات سے کچھ دن پہلے یہ شعر آپ بڑی کثرت سے پڑھتے تھے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الحال بصورتِ طلا شد

لوگ حیران تھے کہ آپ یہ شعر کیوں بار بار پڑھتے ہیں، کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتے :۔ ؎

اگر گیتی سرا بر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمی رد

جب ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں صفر کا مہینہ شروع ہوا تو شاہ صاحب نے صفر کا چاند دیکھ کر فرمایا خدا خیر کرے، اُسی وقت سے آپ کو زکام شروع ہوا، اور ۷ صفر کو ۸۴ سال کی عمر میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ مولوی حسین علی ساکن فتح پور نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی :۔

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمود
بیکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سالِ وفاتش ہاتفِ غیب
بگفت اُو "آفتابِ چشتیاں بود"
۱۲۶۷ھ

مزار مبارک تونسہ میں ہے، جو ملتان سے جانب مغرب چالیس کوس پر ہے۔[1]

**اولاد** حضرت شاہ محمد سلیمان کے تین صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں؛ (۱) خواجہ گل محمدؒ (۲) خواجہ درویش محمدؒ (۳) حضر

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۱۸ - ۳۱۹۔

عبداللہ معصوم ان کے علاوہ ایک صاحبزادی تھیں، جن کا نام بی بی آمنہ تھا، جو آپ کے بہن کے لڑکے عبدالرحمٰن خاں، بن ابراہیم خاں سے بیاہی تھیں۔

صاحبزادے گل محمد سب سے بڑے صاحبزادے تھے، اُنھوں نے علوم ظاہری کی تعلیم حافظ حسن صاحب اور مولوی نور احمد سے حاصل کی، اور سلوک کے منازل اپنے والد شاہ محمد سلیمان سے طے کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، علم موسیقی میں بھی درک رکھتے تھے، صاحبزادہ گل محمد نے اپنے والد کے سامنے ۱۱ رماہ رمضان ۱۲۲۶ھ میں پچاس سال کی عمر میں وفات پائی، اور اپنے منجھلے بھائی صاحبزادہ درویش محمد کے پہلو میں جو اُن سے پہلے وفات پا چکے تھے مدفون ہوئے۔[۱]

صاحبزادہ درویش محمد، صاحبزادہ گل محمد سے چھوٹے تھے۔ ان کی ولادت کے وقت، شاہ محمد سلیمان تاج سرور میں تھے، وہیں آپ کو صاحبزادہ درویش کی ولادت کی خبر ملی، جب صاحبزادہ درویش محمد بولنے لگے تو اُن کو مکتب میں بٹھایا گیا، اُنھوں نے قرآن مجید، اور کتب نظم و نثر مولوی گل محمد دامانی سے پڑھیں، پھر علم نحو و صرف حافظ حسن نابینا سے پڑھا، منطق کی کتابیں شروع ہی کی تھیں کہ اُنھوں نے ماہ شوال ۱۲۳۰ھ میں چودہ سال کی عمر میں وفات پائی، مزار مبارک تونسہ میں شہر کے باہر مغربی جانب واقع ہے۔[۲]

تیسرے صاحبزادے عبداللہ معصوم نے شیر خوارگی ہی کی عمر میں وفات پائی اور موضع کر کوجی میں اپنے دادا کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔[۳]

---

[۱] یہ تمام تفصیل مناقب المحبوبین ص ۳۲۳ اور ۳۲۵ سے ماخوذ ہے۔

[۲] مناقب المحبوبین ص ۳۲۶ و ۳۲۷  [۳] ایضاً ص ۳۲۷

چونکہ حضرت شاہ محمد سلیمان کے سب صاحبزادے آپ کی حیات ہی میں وفات پا چکے تھے، اس لئے آپ کے پوتے اور خواجہ گل محمد کے صاحبزادے آپ کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

**خلفاء** حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، تکملہ سیر الاولیاء میں ہے کہ:-

خلفاء ایشاں در ہندوستان و ولایت خراسان صاحبِ ارشاد اند۔[1]

اُن کے خلفاء ہندوستان اور خراسان میں صاحبِ ارشاد ہیں۔

مناقبِ حافظیہ میں ہے کہ آپ نے ستر (۷۰) بزرگوں کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا، جن میں حاجی نجم الدین[2]، حافظ محمد علی خیر آبادی، اور مولوی شمس الدین سیالوی مشہور ہیں۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء - ص ۱۳۵ -

[2] حاجی نجم الدین موضع جھونجھنوں مضافات جے پور میں ۳ رمضان ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئے، اُن کے والد کا نام شیخ احمد بخش تھا جو بڑے مرتاض بزرگ تھے اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں تھے، حاجی نجم الدین ۱۷ سال کی عمر میں ۱۰ شعبان ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں تونسہ حاضر ہوئے، اس وقت شاہ محمد سلیمان عبادت میں مصروف تھے، اِن سے ضبط نہ ہو سکا نہ ہو سکا بے تکلف حجرے میں چلے گئے، شاہ صاحب کو دیکھ کر بے اختیار یہ دوہرہ پڑھا:-

مکھ دیکھت ہی من موہن کو میری نین چھپ چھائے گی
جب دور کیا مکھ کا انچر، جب جوت میں جوت سمائے گی

شاہ محمد سلیمان نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

آ مردِ ہندی تو ہندوستانی ہے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

پھر یہ شعر پڑھا:-

ہندو ہے بت پرست، مسلماں خدا پرست

ہم بندے ہیں اُسی کے جو ہے آشنا پرست

پھر شاہ محمد سلیمان نے اُن کو اپنے حلقۂ مریدین میں داخل کیا، ۶ محرم ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء کو حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے پاک پٹن میں ایک بڑے مجمع میں اُن کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور شیخاوٹی میں قیام کا حکم دیا اور انھوں نے وہیں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔

۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں حاجی نجم الدین عرس میں شرکت کے لئے اجمیر پہنچے وہیں طبیعت ناساز ہوئی، بیماری ہی کی حالت میں جھنجھوں آئے، ۱۹ رمضان ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء کو وصال فرمایا، جنازہ فتح پور لایا گیا، اور وہیں مدفون ہوئے۔

صاحبِ تصانیف اور شاعر تھے، بارھویں صدی ہجری میں اُنھوں نے اپنی شاعری اور تصانیف سے اُردو کے دامن کو مرصّع و زرنگار بنایا، ان کا شمار اردو ادب کے محسنین میں ہوتا ہے۔

اُردو میں اُن کی حسب ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) گلزار وحدت (۲) ماحی الخیریت (۳) بیو ملانی غیر بھورانی (۴) بارہ ماہیہ (۵) افضل الطاعت (۶) پریم گنج (۷) حیات العاشقین فی لقائے رب العالمین (۸) نجم الآخرۃ (۹) فضیلت نکاح (۱۰) بیان الاولیاءؒ (۱۱) سملع السامعین فی رد المنکرین (۱۲) دیوان نجم اُردو (۱۳) تذکرۃ الواصلین۔

اُن کی فارسی تصانیف یہ ہیں،

(۱) شجرۃ العارفین (حالات خواجگان چشت و دیگر مشائخ) (۲)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)
شجرۃ المسلمین (تاریخ نوابان فتح پور) (۳) شجرۃ الابرار (حالات حضرت خواجہ ناگوری) (۴) مناقب الحبیب (احوال خواجہ اجمیری) (۵) مناقب التارکین (حالات خواجہ صوفی حمیدالدین) (۶) مناقب المحبوبین (حالات مشائخ سلسلہ نظامیہ) (۷) تذکرۃ السلاطین (احوال بادشاہان ہند) (۸) راحت العاشقین (۹) احسن العقائد (۱۰) احسن القصص (۱۱) نجم الواعظین (۱۲) نجم الہدایت (۱۳) مقصود العارفین فی شرح اوراد شیخ نصیرالدین (۱۴) ہدایت نامہ (۱۵) قیلالات نجمی (۱۶) دیوانِ نجم فارسی۔

(ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)
۵۳ حافظ سید محمد علی خیرآبادی، شاہ محمد سلیمان تونسوی کے اجل خلفاء میں تھے، وہ ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد محترم کا نام مولوی شمس الدین تھا، سب سے پہلے اُنھوں نے قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے وطن خیرآباد ہی میں مولانا عبدالوالی سے شرح وقایہ تک تعلیم حاصل کی، پھر شاہجہاں پور میں تعلیم حاصل کی، شاہجہاں پور سے دہلی تشریف لائے، اور مشکوٰۃ شریف کا درس شاہ عبدالقادر سے لیا، پھر حرمین شریفین میں صحیح بخاری کی سماعت کی، جب شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحیح مسلم کی سماعت کی، دہلوی میں شاہ عبدالقادر سے فصوص الحکم کا بھی حصّہ پڑھا، دہلی سے اجمیر پہنچے، اور وہاں ۱۲ سال تک ایک مسجد میں مقیم رہے، وہاں سے پاک پٹن حاضر ہوئے، اور شاہ محمد سلیمان تونسوی کی شہرت سُن کر تونسہ شریف پہنچے، اور شاہ محمد سلیمان تونسوی کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو کر خلافت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

سے سرفراز ہوئے۔

حافظ صاحب آخر عمر میں فالج کے مرض میں مبتلا ہوئے، یہاں تک کہ پاؤں بیکار ہو گئے، عبادت میں دقت ہونے لگی تو ایک روز فرمایا، جسم بھاڑے کا ٹٹو تھا آخر ساتھ نہ دیا۔ آخر ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء کو واصل الی اللہ ہوئے۔

حافظ صاحب کے خلفاء میں حسب ذیل تین بزرگوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، یہ تینوں بزرگ حیدر آباد دکن کے تھے، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

(۱) مرزا سردار بیگ

(۲) شاہ حبیب علی شاہ

(۳) مولانا احسن الزماں۔

(ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت)

(۸۸)

# پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی مہر علی شاہ، آپ کے والد محترم کا نام نامی سید نظیر الدین شاہ تھا، آپ کا سلسلۂ نسب چوبیسویں پشت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے جا ملتا ہے، آپ کی نانی حضرت مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھیں۔

**تعلیم و تربیت** سید مہر علی شاہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اُن کے والد نے فرمائی، بہت ہی کم عمری میں آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

**بیعت** پیر سید مہر علی شاہ نے خواجہ شمس الدین سیالوی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔

**سفر حجاز** اس کے بعد آپ حجاز چلے گئے، مکہ معظمہ میں ایک دن حضرت حاجی امداد اللہ[1] مہاجرِ مکی کی خدمت میں حاضر تھے،

---

[1] حاجی امداد اللہ، حاجی محمد امین کے صاحبزادے تھے، وہ اپنی ننھیال قصبہ نانوتہ

اُنھوں نے آپ کو ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

| | |
|---|---|
| در ہندوستان عنقریب | ہندوستان میں عنقریب ایک |
| یک فتنہ ظہور کند در ملکِ خود | فتنہ ظاہر ہوگا، تمھیں چاہئے |
| واپس بروید، واگر بالفرض شما | کہ تم اپنے وطن چلے جاؤ، اگر |
| در ہند خاموش نشستہ باشید، | بالفرض تم ہندوستان میں |
| تاہم آں فتنہ ترقی نہ کند، و | خاموش بھی رہو گے تو وہ فتنہ |
| در ملک آرام ظاہر شود۔ | ترقی نہ کرے گا، اور ملک میں |
| | سکون رہے گا۔ |

چنانچہ آپ حضرت حاجی صاحب کے ارشاد کے بعد ہندوستان واپس آگئے، اور ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد رشد و ہدایت اور علمی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔

**تبحرِ علمی** اپنے تبحر علمی کے اعتبار سے سید مہر علی شاہ صاحب پنجاب کے ممتاز ترین علماء میں تھے، آپ کے ملفوظات جو ملفوظات طیبہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں، آپ کی وسعتِ نظر، تبحرِ علمی،

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سے)

ضلع سہارن پور میں ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۵ء میں پیدا ہوئے، اُن کا آبائی وطن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یو۔پی)، تھا، مولانا شیخ محمد تھانوی محدث (۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۵ء - ۱۲۹۶ھ / ۱۸۸۰ء) اور حضرت حافظ ضامن شہید کے ہم جد تھے۔ حاجی صاحب نے پہلے مولوی نصیر الدین دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی، اِس کے بعد مشہور بزرگ میاں جی نور محمد جھنجھانوی سے بیعت کی؛ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں وہ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ اُنھوں نے ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں وفات پائی۔

(ماخوذ از فٹ نوٹس تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۳- مرتبہ ایوب قادری)

وسعتِ معلومات، اور حقائق معارف کے شاہد ہیں۔

**عقیدت** پیر سید مہر علی شاہ کو حضرت شاہ ولی اللہ[1] سے بے حد عقیدت تھی ایک جگہ حضرت شاہ صاحب سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

| | |
|---|---|
| کمالات شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم بجد غایت کمال رسیدانہ، در علم ظاہر و باطن نظیرِ خود، خود گذاشتہ اند۔ | شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم کمال کے اس حد تک پہنچے ہوئے ہیں کہ علوم ظاہر و باطن میں وہ اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ |

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی بن شاہ عبد الرحیم، بن شیخ وجیہہ الدین کا اصل نام قطب الدین احمد شاہ تھا، وہ ۱۴ شوال ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء کو عالمگیر کے دورِ حکومت میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں انھوں نے مکتب جانا شروع کیا، دو سال میں قرآن مجید ختم کر لیا، ساتویں سال سے نماز اور روزے کی پابندی شروع کر دی، پھر اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی کے مختصر رسالے پڑھے، دس سال کی عمر میں انھوں نے شرح ملا جامی شروع کی، چودہ سال کی عمر میں انھوں نے شادی کی، اسی عمر میں اپنے والد ماجد کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر اشغال مشائخ نقشبندیہ میں مشغول ہو گئے، اسی زمانے میں اپنے والد محترم سے تفسیر بیضاوی پڑھی، اس کے علاوہ انھوں نے اپنے والد محترم سے حدیث میں مشکوٰۃ، صحیح بخاری، شمائل ترمذی، تفسیر میں تفسیر مدارک، فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ، اصولِ فقہ میں حسامی، توضیح و تلویح کا کچھ حصہ، منطق میں شرح شمسیہ اور شرح مطالع، کلام میں شرح عقائد، اور خیالی اور شرح مواقف کا کچھ حصہ، تصوف میں عوارف کا کچھ حصہ، طب میں

**نظریہ وحدت الوجود** نظریہ وحدت الوجود پر بھی غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے، شیخ ابن عربی کی مشہور کتاب فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے،

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے)

موجز القانون، فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمت، معانی میں مختصر اور مطول، اور ہیئت و ہندسے میں بعض رسائل اپنے والد سے پڑھے۔ پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے خرقۂ خلافت اور علمی فراغت کی سند اپنے والد سے حاصل کی، سترہ سال کی عمر تھی کہ اُن کے والد ماجد نے وفات پائی، اور اُن کی جگہ اُنھوں نے مدرسۂ رحیمیہ کی مسند صدارت کو زینت بخشی۔

۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء میں وہ اپنے خالو شیخ عبداللہ بارہوی اور اپنے خالہ زاد بھائی محمد عاشق وغیرہ کے ساتھ حرمین شریفین حاضر ہوئے اور حرمین شریفین میں دو سال تک مقیم رہ کر شیخ ابی طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد کی کچھ حصوں کی قرائت و سماعت کی، اور مسند حافظ دارمی کی اوّل سے آخر تک دس مجلسوں میں مسجد نبوی میں محراب عثمانی کے قریب سماعت کی۔ اور کچھ حصہ ادب مفرد کا اور شفا قاضی عیاض کا اوّل حصہ پڑھا، پھر شیخ ابوطاہر نے ان کو اجازت دی، پھر وہ ۱۱۴۴ھ مکۂ معظمہ حاضر ہوئے۔ اور شیخ وفد اللہ مالکی مکی سے موطا امام مالک کا درس لیا، اور شیخ تاج الدین القلعی المکی کے درس میں بھی حاضر ہوئے، جس زمانے میں کہ وہ صحیح بخاری کا درس دے رہے تھے، اور اُن سے صحاح ستہ اور موطا امام مالک، اور امام محمد کی کتاب الآثار کے کچھ حصے سُنے، پھر اُن سے ان تمام کتابوں کی اجازت لی، اور ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۳ء میں ہندوستان واپس ہوئے۔ ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء میں شاہ ولی اللہ

اور اُس کے اسرار و معارف پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔

علاّمہ اقبال نے بھی اپنے ایک خط میں آپ کے تبحر علمی کا اعتراف فرماتے ہوئے حسب ذیل مسائل میں استفادہ کے لئے آپ کو لکھا۔

(۱) اوّل یہ کہ شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زماں کے متعلق کیا کہا ہے۔

(۲) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون سی کتابوں میں پائی جاتی ہے، اور کہاں کہاں؟

(۳) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زماں پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں، مولوی انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا، اس کا نام تھا درایۃ الزماں، میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے، مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لئے مزید روشنی کی ضرورت ہے[۱]

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے)

نے دہلی میں وفات پائی، شاہ صاحب کی حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ (۲) ازالۃ الخفا (۳) فوز الکبیر (۴) فتح الرحمٰن (۵) عقد الجید فی احکام الاجتہاد (۶) الانصاف، (۷) تفہیمات الٰہیہ (۸) المسوی (۹) انفاس العارفین (۱۰) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (۱۱) البدور البازغہ (۱۲) الجزو اللطیف، (۱۳) وصیت نامہ (۱۴) رسالہ دانشمندی (۱۵) ترجمہ قرآن مجید (۱۶) مقدمہ فی ترجمۃ القرآن مجید (۱۷) القول الجمیل (۱۸) لمعات (۱۹) فیصلہ وحدت الوجود والشہود (۲۰) الطاف القدس (۲۱) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (۲۲) المقدمۃ السنیہ (۲۳) خیر کثیر وغیرہ۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۶ ص ۳۹۸ و رود کوثر ص ۵۱۸ تا ۵۳۷)

[۱] اقبال نامہ

**اتباعِ سنت** اپنی تعلیمات میں اتباعِ سنت پر خاص طور پر زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ شریعتِ نبوی کے اتباع سے بڑھ کر ایک مسلمان کے لیے اور کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔

**شاعری** کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے، شاعری میں مہر تخلص فرماتے تھے، ہم آپ کے چند شعر یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں:۔

صبا! ز طرۂ شبرنگ مہوشِ طنّازہ
کشودنافۂ مشکیں بروئے اہلِ نیازہ
رہینِ ساقیِ چشمم کہ جرعہ بچشاند
زجامِ چہرۂ ترکان مہوشانِ حجازہ
ببزمِ بادہ فروشاں بہ نیم جو نہ خرند
متاعِ زاہد طماع چہ حج و صوم و نماز
مرا ز پیرِ مغاں رازہائے سربستہ است
فغاں ز واعظِ خودبیں کجاست محرمِ راز
اگرچہ حسن تو از مہر غیر مستغنی است
من آں نیم کہ زایمان خویش آیم بازہ[1]

---

[1] سید پیر مہر علی شاہ کے یہ تمام حالات تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۷۱۳ تا ۷۱۷ سے ماخوذ ہیں۔

(٨٩)

# حضرت خواجہ نور محمد مہاروی

**نام و نسب** اسم گرامی بہیل تھا، جس کو آپ کے شیخ شاہ فخر الدین نے بدل کر نور محمد رکھا تھا، آپ کے والدہ کا نام عاقل بی بی تھا جکمال جٹھ کی صاحبزادی تھیں، آپ کے والد کا نام ال تھا، آپ قبیلہ کھرل سے تعلق رکھتے تھے، انوار العارفین میں ہے کہ قوم کھرل قوم پنوار کی ایک شاخ تھی[1]۔ آپ کے آبا و اجداد کا پیشہ زراعت تھا، کسی نے خواجہ نور محمد سے اُن کے باپ دادا کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میرے آبا و اجداد زراعت کرتے، مویشی بھی چراتے اور اُن کا دودھ دوہتے، اور لوگوں کے مال پر دوڑتے تھے[2]۔

**پیدائش** آپ ۱۴ رمضان ١١٤٢ھ / ١٧٢٩ء کو قصبہ چوٹالہ میں پیدا ہوئے جو مہار شریف سے سمت مشرق علاقہ بھاولپور میں تین کوس ہے[3]۔

---

[1] انوار العارفین۔ ص ٤٥٥

[2] مناقب المحبوبین۔ ص ٥٤

[3] انوار العارفین۔ ص ٤٥٥۔

**تعلیم** شاہ نور محمد کے والد نے چوہاٹہ سے منتقل ہوکر مہار میں سکونت اختیار کر لی تھی، جب شاہ نور محمد کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ کے والد نے آپ کو حافظ محمد مسعود کے پاس قرآن مجید کی تعلیم کے لئے بٹھایا، حافظ محمد مسعود نہایت ہی عابد و زاہد بزرگ تھے مناقب المحبوبین میں ہے کہ وہ اپنے زمانے کے صلحا اور متقیوں میں سے ایک تھے[1]، شاہ نور محمد نے اُن سے قرآن مجید حفظ کیا[2]۔

**پیشین گوئی** اُسی زمانے میں جب کہ شاہ نور محمد حافظ محمد مسعود کے مکتب میں قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، اتفاق سے ایک دن شیخ احمد دودی والہ جو ایک بزرگ تھے، حافظ محمد مسعود کے مکتب میں تشریف لائے، اور شاہ نور محمد کو دیکھ کر فرمایا، سبحان اللہ ایک وہ وقت بھی آئے گا کہ اس بچے کے در پر بادشاہ جبیں سائی اپنا فخر سمجھیں گے، حافظ محمد مسعود نے تعجب اور مذاق کے لہجے میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| سبحان اللہ دریں زمان | سبحان اللہ اس زمانے میں |
| چنیں اولیاء کامل ماندہ اند | ایسے اولیائے کامل بھی ہیں کہ |
| کہ پسر ہندال جٹ را کہ | ہندال جٹ کے بیٹے کو جس کے |
| بر سر خود گنج دارد، می گویند | سر پر گنج بھی ہے کہتے ہیں کہ |
| کہ بادشاہاں بر درِ ایں سجدہ | بادشاہ اُس کے در پہ سر |
| خواہند کرد[3] | جھکائیں گے۔ |

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۵۶
[2] انوار العارفین۔ ص ۴۵۵
[3] " " ص ۵۷

حافظ محمد مسعود کی مکتب کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے والدین اور اعزّہ کا مشورہ ہوا کہ آپ کو کسی کاروبار میں لگایا جائے، لیکن شاہ نور محمد نے اسے پسند نہ کیا اور تعلیم جاری رکھنے کے لیے اصرار کیا، پھر آپ موضع بڈھیراں تشریف لائے جو مہار شریف سے چند میل کے فاصلے پر ہے، اور یہاں تعلیم حاصل کرتے رہے، اس کے بعد موضع بہلانہ آئے، اور بہلانہ میں شیخ احمد کھوکر سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ڈیرہ غازی خاں تشریف لائے، اور یہاں شرح مُلا جامی تک تعلیم حاصِل کی۔

## لاہور میں تشریف آوری

ڈیرہ غازی خاں سے آپ اپنے ایک دوست محکم دین سیلانی کے ساتھ جو آپ کے ہمدرس بھی تھے حصول علم کے لئے لاہور تشریف لائے، اگرچہ لاہور میں آپ کو طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ حصولِ علم میں مصروف رہے۔

## دہلی میں تشریف آوری

لاہور سے آپ حصولِ علم کے لئے دہلی تشریف لائے اور دہلی میں نواب غازی الدین کے مدرسے میں جس کی اُس زمانے میں بڑی شہرت تھی شریک ہو گئے: اور حافظ برخوردار جی سے جو اُسی مدرسے میں مدرس تھے، کافیہ پڑھنا شروع کیا، حافظ برخوردار جی کے متعلق ایک مرتبہ آپ نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:-

میاں برخوردار جی مرد خوب ... میاں برخوردار جی اچھے آدمی
وصاحبِ نسبت بودند[۱] ... اور صاحبِ نسبت تھے۔

---

[۱] یہ تمام تفصیل مناقب المحبوبین ص ۸۵ - ۸۶-۸۷ سے ماخوذ ہے۔

میاں برخوردار جی سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے، اور شاہ نور محمد پر بیحد
شفقت فرماتے تھے، وہ دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے، اور اپنے
اس عزیز شاگرد کا اس درجہ خیال فرماتے تھے کہ آپ کو اپنے ساتھ کھانا
کھلاتے تھے۔ ابھی کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ حافظ برخوردار جی کو
کسی وجہ سے اپنے وطن جانا پڑا، جس کی وجہ سے شاہ نور محمد کی تعلیم کا
سلسلہ منقطع ہوگیا، شاہ نور محمد اپنے مشفق استاد کی جدائی پر ایک دن
دہلی میں حوض کے کنارے محزون اور اُداس بیٹھے ہوئے تھے۔
اتفاقاً وہاں حافظ محمد صالح ساکن بہیرہ تشریف لائے، اُنھوں نے
آپ کو محزون و اُداس دیکھ کر اس کا سبب پوچھا، شاہ نور محمد نے
فرمایا، میں اس لئے محزون ہوں کہ میرے اُستاد اپنے وطن تشریف
لے گئے۔ اب دوسرے اساتذہ کے پڑھانے سے تسکین نہیں ہوتی،
حافظ محمد صالح نے فرمایا گھبراتے کیوں ہو، ابھی چند روز ہوئے کہ دکن
سے ایک بہت بڑے عالم اور شیخ یہاں تشریف لائے ہیں اور وہ فرماتے
ہیں کہ اگر کوئی شخص علم حاصل کرنے کے لئے تیار ہو تو میں اُس کی خدمت
کے لئے تیار ہوں، شاہ نور محمد نے حافظ محمد صالح کی زبان سے یہ مژدہ
جانفزا سُن کر فرمایا کہ مجھے اُن کے پاس لے چلو[1]

## شاہ فخر کی خدمت میں حاضری

دوسرے دن یہ دونوں
شاہ فخر الدین[2] اورنگ آبادی

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۸۱

[2] شاہ فخر الدین کا لقب محب نبی اور آپ کے والد کا نام شاہ نظام الدین تھا،
جو اورنگ آباد دکن کے رہنے والے تھے، شاہ فخر الدین کی ولادت باسعادت
۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء میں اورنگ آباد میں ہوئی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے آپ کا نام

کے مکان پر حاضر ہوئے، لیکن اتفاق سے اُس دن حضرت خواجہ فخر گھر میں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)

فخر الدین تجویز کیا، اور اپنا کُرتہ آپ کے لیئے بھیجا، اور آپ کے والد کو بشارت دی کہ اس لڑکے سے دہلی میں عرفان و ہدایت کا نور پھیلے گا، شاہ نظام الدین نے اپنے صاحبزادے شاہ فخر کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا، آپ کے اساتذہ میں میاں محمد جان، مولانا عبد الحکیم، حافظ اسعد الانصاری اورنگ آبادی اور آپ کے والد محترم شاہ نظام الدین مشہور ہیں کہ جنہوں نے اُن کے جوہرِ قابل کو علم و عمل سے آراستہ کیا، زمانہ طالب علمی ہی میں شاہ فخر نے اپنے والدِ ماجد شاہ نظام الدین کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی، اپنے والد کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی، آپ کے والد نے وفات سے کچھ پہلے قاضی کریم الدین کے ذریعہ آپ کو اپنے پاس بلوایا، اور دیر تک اپنے سینے سے لگا کر اپنی تمام باطنی نعمتیں آپ کے سینے میں منتقل کر دیں، شاہ نظام الدین کی وفات کے تین سال بعد آپ تعلیم سے فارغ ہوئے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد شاہ فخر نے لشکر میں ملازمت کر لی، دن بھر کی ملازمت کے بعد آپ ساری ساری رات عبادت کرتے، لشکر میں باوجود آپ کے اخفائے حال کی کوشش کے آپ کے زہد و ورع کی غیر معمولی شہرت ہونے لگی، جس کی وجہ سے آپ ملازمت چھوڑ کر اورنگ آباد تشریف لے گئے، اور وہاں اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، یہاں بھی جب آپ کی شہرت بڑھی اور آپ نے دیکھا کہ تمام ملک دکن میں مشہور ہوگئے ہیں تو آپ نے اخفائے حال کے لئے چاہا کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں، لیکن جب آپ روانہ ہونے ہونے کا ارادہ کرتے تو خیال آتا کہ یہاں میرے والد کا مزار ہے، میں کیسے اس جگہ کو چھوڑ سکتا ہوں، اسی تذبذب کے عالم میں آپ نے خواب میں دیکھا

تشریف نہ رکھتے تھے، اس لئے بغیر ملاقات کے واپس ہوئے،

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلۂ ۲ص)

کہ آپ کے والد شاہ نظام الدین نے یہ شعر پڑھا ؎

شہِ اقلیم فقرم بے خودی تخت روانِ من
نہ چوں فرہاد مزدورم، نہ چوں مجنوں زمیندارم

اِس خواب کے بعد آپ نے ترکِ وطن کا ارادہ مصمم کرلیا، اور اپنے دو ملازموں قاسم اور حیات کے ساتھ ۱۱۶۵ھ میں آپ اورنگ آباد سے دہلی پیدل روانہ ہوئے اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی، دہلی میں ایک بُڑھیا نے آپ کو اپنے یہاں ٹھہرایا، دہلی میں سب سے پہلے آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضر ہوئے، پھر اپنے سلسلے کے بزرگوں کے مزار پر حاضر ہوتے ہوئے حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ پھر کٹرہ پھلیل میں ایک حویلی کرایہ پر لے کر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے، اور بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، اُسی زمانے میں شاہ نور محمد مہاروی نے آپ سے بیعت کی، پھر آپ نے اجمیر کا سفر کیا، اور حضرت خواجہ بزرگ کے مزار پُرانوار کی زیارت سے مشرف ہوئے، اُس کے بعد آپ نے پاک پٹن کا سفر [illegible]ار کیا، اس سفر میں شاہ نور محمد مہاروی بھی آپ کے ساتھ تھے، پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے ادب کے خیال سے آپ ننگے پاؤں حاضر ہوئے، اور حضرت بابا فرید کے مزار مبارک کے قریب ایک حجرے میں ٹھہر گئے، اور عبادت میں مصروف رہنے لگے، تکملۂ سیر الاولیاء میں ہے کہ وہاں آپ ہر شب کو ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔

پاک پٹن سے واپسی کے کچھ دن بعد آپ کٹرہ پھلیل ہی میں درس و

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)

تدریس میں مشغول رہے، پھر آپ نے امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ کے بنوائے ہوئے مدرسے میں جو اجمیری دروازے میں واقع تھا، درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، مناقب فخریہ میں ہے کہ۔

سینہائے کنوز حقائق ودلہائے معادن معارف گشت، خفتگان بیدار، وبے ہوشاں ہوشیار گشتند وبے خبراں باخبر، وبے اثراں با اثر گردیدند، دل مُردگان زندہ، دل زندگان بسمل شدندہ بازار عشق ومحبتِ الٰہی گرم شد، ودریائے شوق و ذوق موجہا زد۔ (مناقب فخریہ۔ص ۲۵)

نزہتہ الخواطر میں ہے کہ آپ نے حدیث شاہ ولی اللہ دہلوی سے حاصل کی تھی، پھر آپ مدرسۂ غازی الدین میں درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔

(نزہتہ الخواطر۔ جلد ۶۔ص ۲۱۹)

شاہ فخر کے آئینہ اخلاق میں خدمتِ خلق، عفو وایثار، اتباعِ شریعت کا عکس نمایا نظر آتا ہے۔

ایک دفعہ آپ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، جب جہاز میں سوار ہونے لگے تو ایک بڑھیا نے حاضر ہو کر کہا کہ مجھے لڑکی کی شادی کرنی ہے، اور میرا یہ حال ہے کہ فاقے سے کئی کئی دن گزر جاتے ہیں، سوچتی ہوں کہ یہ فرض کیسے ادا کروں، شاہ فخر نے یہ سُنا تو جہاز سے سامان اُتار لیا، اور جو کچھ سفرِ حج تھا وہ اُس کو دے دیا، اور وطن لوٹ آئے۔

اتباعِ شریعت کا اِس قدر خیال تھا کہ مناقبِ فخریہ میں ہے کہ امور جزوی اندرکائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت شدت سے اتباع کرتے تھے، اور

حاضر ہوئے، جب آپ شاہ صاحب کی حویلی کے دروازے پر پہنچے تو

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۲)

دوسروں کو بھی اس کی سخت تاکید فرماتے تھے۔

شاہ فخر الدین وہ بزرگ ہیں کہ جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ لوگ اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اس خیال سے کہ لوگ صحیح طور پر اسلامی تعلیمات کو سمجھیں، آپ نے خُطبہ اُردو میں پڑھنے کا مشورہ دیا، فخر الطالبین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

پس اگر خطبہ بلفظ ہندی دریں مملکت خوانده شود، برائے چیزے که موضوع است حاصل می شود، اِلّا برائے سائر النّاس فائدہ ندارد کہ از زبانِ عربی واقف نیستند۔

شاہ فخر نے ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء کو وصال فرمایا، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزارِ مبارک کے متصل آپ کو دفن کیا گیا، آپ کے مزارِ مبارک کے سرہانے یہ کتبہ منقوش ہے۔

لا اله الا الله محمد رسول الله، اللّٰھم صلِ علی محمدٍ وعلی آلِ محمدٍ

بگذاشت فخر دیں چوں مہماں سرائے فانی
بہ آستانِ جاوید، آں قطب جاودانی
سالِ وصالِ آں ماہ از غیب چوں بجستم
تاریخ گفت ہاتف، خورشید جاودانی
۱۱۹۵ھ

شاہ فخر کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے شاہ غلام قطب الدین نے مسندِ رشد وہدایت کو زینت بخشی، خاندانِ مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

شاہ فخر کے خلفاء میں شاہ نور محمد مہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی، مولانا

دربان کو دروازے پر دیکھ کر اندر داخل ہونے سے ہچکچائے، پھر ہمت کر کے اندر داخل ہوئے، حویلی میں داخل ہونے کے بعد دیکھا کہ ایک کمرے میں تخت پر چاندنی بچھی ہوئی ہے، اور گاؤ تکیہ لگائے حضرت شاہ فخر اس پر تشریف فرما ہیں، جس وقت شاہ نور محمد آپ سے ملنے کے لیے پہنچے اُس وقت اُن کا یہ عالم تھا کہ کپڑے پھٹے ہوئے، بال بڑھے ہوئے، اور ایک پُرانی چادر جسم سے لپٹی ہوئی تھی، شاہ فخر کی نظر اُن پر پڑی تو تخت سے اُتر کر اُن کو اپنے پاس بُلایا، اور نہایت تپاک سے گلے لگایا، اور ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا، پھر پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ شاہ نور محمد نے جواب دیا کہ پاک پٹن کے قرب و جوار کا رہنے والا ہوں، خواجہ فخر نے پوچھا کیا حضرت بابا صاحب کی اولاد سے ہو؟ انھوں نے عرض کیا نہیں، پھر پوچھا میرے پاس کس غرض سے آئے ہو، شاہ نور محمد نے جواب دیا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ تعلیم دیتے ہیں، علم کی کشش مجھے آپ کی خدمت میں کھینچ کر لائی ہے، پھر حضرت شاہ فخر نے پوچھا پہلے کس سے پڑھتے تھے؟ عرض کیا میاں برخوردارجی سے تعلیم حاصل کرتا تھا، فرمایا کہ میں نے آج کل پڑھانا موقوف کر رکھا ہے، مناسب یہ ہے کہ تم میاں برخوردارجی ہی سے پڑھو، شاہ نور محمد نے عرض کیا

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)

جمال الدین رام پوری، میر ضیاء الدین جے پوری، سید بدیع الدین اور میر شمس الدین مشہور ہیں۔

آپ کی تصانیف میں (۱) رسالہ عقائد نظامیہ (۲) رسالہ مرجیہ (۳) اور رسالہ فخر الحسن مشہور ہیں (ماخوذ از مشائخ چشت ص ۴۶۴ تا ۴۷۷ و نزہتہ الخواطر۔ جلد ۶ ص ۲۱۹۔

کہ اُن میں اور مجھ میں بہت فاصلہ ہے، میرا بہت سا وقت آمد و رفت میں ضائع ہوگا، حضرت خواجہ فخر نے مسکراتے ہوئے فرمایا:۔

ما برائے وصل کردن آمدیم
نے برائے فصل کردن آمدیم

پھر فرمایا خیر اگر تمھاری یہی مرضی ہے تو ہم سے پڑھ لیا کرو۔

**شاہ فخر کا تلمذ** اس کے بعد شاہ نور محمد نے آپ سے تعلیم شروع کی، چند ہی روز کے بعد اُنھیں محسوس ہوا کہ اب وہ جس اُستاد کی خدمت میں آئے ہیں، وہ دریائے علم ہے، ایک دفعہ اُنھوں نے شاہ فخر کے تبحرِ علمی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا، "سبحان اللہ بحرِ علم بودند"۔ ابتداءً اُنھوں نے شاہ فخر سے منطق کی مشہور کتاب قطبی کا درس لینا شروع کیا، ابھی کچھ دن گزرے تھے کہ حضرت خواجہ فخر نے اُن کی باطنی صلاحیتوں کا اندازہ کرکے فرمایا، تم علمِ ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، جتنا پڑھ لیا ہے وہ تمھارے لئے کافی ہے، اُس علم کی طرف متوجہ ہو جس کے لئے تم بنے ہو[1]۔

**بیعت** چنانچہ ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء میں شاہ نور محمد نے حضرت شاہ فخر کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی، شاہ فخر کے دہلی تشریف لانے کے بعد شاہ نور محمد پہلے شخص تھے جنھوں نے شاہ فخر کی بیعت کا شرف سب سے پہلے حاصل کیا۔

**پاک پٹن میں حاضری** بیعت ہونے کے کچھ عرصے بعد حضرت خواجہ فخر نے پاک پٹن

---

[1] یہ تمام تفصیل مناقب المحبوبین۔ ص ۸۱ و ۸۵ سے ماخوذ ہے۔

حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ اس سفر میں شاہ نور محمد مہاروی آپ کے ساتھ تھے۔ پاک پٹن میں حاضری کے بعد شاہ فخر نے اُن کو حکم دیا کہ مہار جاکر اپنی والدہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کریں، وہ اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں اسی درویشانہ وضع میں اپنے وطن پہنچے، اور پہلے اپنے اُستاد حافظ محمد مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لوگوں نے اُن کی والدہ کو اطلاع دی کہ ایک درویش دہلی سے آیا ہے، تم بھی اپنے لڑکے کی خیریت اُس سے جاکر پوچھ لو۔ اُن کی والدہ عاقل بی بی نقاب ڈال کر حافظ محمد مسعود کے پاس آئیں، اور اپنے لڑکے کی خیریت پوچھنے لگیں، حافظ محمد مسعود کو بے اختیار ہنسی آگئی، سعادت مند بیٹے نے دوڑ کر ماں کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی[1]

جب تک ان کا مہار میں قیام رہا وہ تمام دن مسجد میں مراقبے میں مصروف رہتے۔

## حافظ شرف الدین کا استفسار

ایک دن حافظ محمد مسعود کے ایک دوست حافظ شرف الدین نے شاہ نور محمد سے پوچھا، میاں صاحبزادے دہلی میں اتنے دن رہے، کچھ حاصل بھی کیا یا یوں ہی چلے آئے، فرمایا:-

| | |
|---|---|
| ہندوستانی صاحبزادہ از پیرزادگانِ دکھن در دہلی آمدہ بود، در خدمت اوئی ماندم، و دیگچہ ہائے او لیسدم[1] | ہندوستان کے پیرزادوں میں سے ایک صاحبزادے دکن سے دہلی تشریف لائے میں اُن کی خدمت رہا اور اُن کی دیگچیاں چاٹتا رہا۔ |

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۵۹۔

حافظ شرف الدین نے افسوس کرتے ہوئے کہا تم نے عمر بھر دیگچیاں چاٹنے میں گزاری، درآں حالیکہ مولوی احمد یار، مولوی محمد صالح اور مولوی اسد اللہ فارغ التحصیل ہو کر آئے، اور تم وہاں دیگچیاں چاٹتے رہے۔

آٹھ دن اپنے وطن میں قیام کرنے کے بعد خواجہ نور محمد اپنے شیخ کی خدمت میں اپنے وطن حاضر ہوئے، آپ کے شیخ نے آپ کو برج نظامی میں عبادت کرنے کا حکم دیا، پاک پٹن میں آپ کے شیخ شاہ فخر کا یہ معمول رہا کہ جو بھی اُن کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا، وہ اُسے خواجہ نور محمد کی خدمت میں بھجوا دیتے، چنانچہ بہت سے لوگ خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہوئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کا عرس ختم ہونے کے بعد شاہ فخر نے خواجہ نور محمد سے فرمایا، میں ابھی یہاں اور دو مہینے مقیم رہوں گا، تم اپنی والدہ کے پاس ہو آؤ، آپ اپنے شیخ کی تعمیلِ ارشاد میں مہار آئے، دو ماہ بعد جب آپ مہار سے پاک پٹن واپس ہوئے تو مہار کے بہت سے لوگ جن میں آپ کے بھائی ملک سلطان، برہان اور آپ کے چچا لکھمیر اور آپ کے اُستاد حافظ محمد مسعود بھی شامل تھے، ساتھ آئے، اور ان سب نے حضرت شاہ فخر کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

## مہار میں قیام کا حکم

اس کے بعد شاہ فخر اور خواجہ نور محمد دہلی واپس ہوئے، ایک روز شاہ فخر نے خواجہ نور محمد سے فرمایا:۔

اے نور محمد! خلق را با تو کار خواہد بود۔

نور محمد! خدا کی مخلوق کو تم سے بہت کام پڑنے والے ہیں۔

یہ سُن کر خواجہ نور محمد نے حیران ہو کر فرمایا کہ میں ایک کمترین پنجابی ہوں، میں کسی کے کیا کام آسکوں گا، شاہ فخر خاموش رہے، پھر کچھ دن کے

بعد شاہ فخر نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ وہ اپنے وطن مہار میں رہ کر رشد و ہدایت کا چراغ روشن کریں، آپ اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق مہار روانہ ہوگئے، خواجہ نور محمد کے مہار روانہ ہونے کے بعد اکثر شاہ فخر اُن کو یاد کرکے یہ دوہا پڑھتے تھے:۔ ؎

تن تڑکے چھیرنا سُرت ملوؤں ہار
مکھن لے گیا پنجابی، چھاچھ پیو سنسار[1]

## مہار میں رشد و ہدایت

مہار میں تشریف لانے کے بعد خواجہ نور محمد نے ارشاد و ہدایت کی وہ شمع روشن کی کہ تمام پنجاب اُس کی روشنی سے جگمگا اُٹھا، اور دور دور سے طالبانِ حق آپ کے گرد جمع ہونے لگے، شجرۃ الانوار میں ہے کہ ایک شخص جو مہار سے دہلی جا رہا تھا، خواجہ نور محمد نے اُس سے فرمایا کہ تم دہلی جاکر حضرت شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہونا، اور میرے سلام کے بعد عرض کرنا کہ حضور کی توجہ سے یہاں روشنی خوب دیکھی، چنانچہ وہ شخص دہلی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے پنجابی زبان میں شاہ فخر سے کہا۔

حضرت جی! پنیاں پڑیو، اور کہیو اساں روشنی اچھی ڈٹھی۔

یہ سُن کر شاہ فخر پر ایک کیف طاری ہوگیا، بار بار اِس جملے کو دہراتے اور فرماتے تھے، میاں نور محمد خوب آدمی ہیں، اور اُنھوں نے بہت اچھی نسبت ہم سے بہم پہنچائی ہے۔[2]

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص۔ ۷۷
[2] تاریخ مشائخ چشت بحوالۂ شجرۃ الانوار قلمی۔

نافع السالکین میں ہے کہ ہزاروں لوگ جُوق درجُوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ آپ کے مریدِ خلیفۂ خاص شاہ محمد سلیمان تونسوی کا بیان ہے کہ:

عجب تاثیرے بود ہر کہ دست ایشاں گرفتے اورا تاثیرے شدے[1]

صاحبِ تکملۂ سیرالاولیاء نے آپ کے ارشاد و تلقین کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

واکثر در عالم محفل آرائی بودند، ہر قسم آدم کہ می آید اختلاط مناسبِ وضع آں می فرمودند۔

اگرچہ آپ کی خانقاہ اُمرا اور دولت مندوں کا مجمع رہتا تھا، لیکن آپ کی نظر میں امیر و غریب سب برابر تھے، شاہ سلیمان تونسوی کا بیان ہے کہ

قبلۂ عالم را قدس سرہٗ از صحبت دنیا داراں بسیار نفور بودے[2]۔

## اصلاح و تربیت

خواجہ نور محمد اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے، ایک روحانی طبیب کی طرح امراضِ باطنی کا علاج تجویز فرماتے ایک مرتبہ آپ نے حکیم مولوی محمد عمر سے فرمایا کہ مہار دارالشفاء ہے، یہاں حکیم موجود ہے، حکیم صاحب نے فوراً ہی جواب دیا۔

شفا بخشِ امراضِ ظاہری و باطنی ذاتِ شریف حضور است

---

[1] نافع السالکین۔ ص۔ ۹۹۔ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۲۶

کہ ہر آیندہ را از زیارتِ حضور شفا صوری و معنوی
حاصل می شود۔

**اتباعِ شریعت** آپ اپنی تعلیمات میں حُسنِ اخلاق اور اتباعِ شریعت پر خاص طور پر زور دیتے تھے، اخلاقیات میں یہ تین باتیں آپ کی اخلاقی تعلیم کا محور تھیں۔

(۱) یکے آں کہ غصّہ بر کسے نکند کہ غصّہ جوہرے
است در باطن و اظہار آں نورِ معرفت را می راند۔
(۲) دوئم آنکہ اگر کسے در حقِ احدے شکایت کند،
آں مادّل با لخیر باید نمود۔
(۳) محاسبہ در امورِ دنیا نباید کرد[1]۔

خود بھی متبع شریعت تھے، اور مریدوں کو بھی اتباعِ شریعت کی خصوصیت سے تعلیم دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے۔

قالب را موافق شریعت کردن و انضمامِ قلب
با تباعِ شریعت ست[2]

**وحدتُ الوجود** وحدت الوجود کے قائل تھے، اپنے دادا پیر شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی[3] کی طرح

---

[1] تکملۂ سیر الاولیا، ص ۱۳۷   [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۹۶

[3] شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے والد کا نام حاجی نور اللہ بن شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی تھا، اُن کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی سے جا ملتا ہے، اُن کے اجداد خجند کے رہنے والے تھے، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے والد شاہجہاں کے عہد میں شاہجہاں آباد آئے، وہ علمِ نجوم

اس مسئلے پر عوام کے سامنے گفتگو ناپسند فرماتے تھے، کہا کرتے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۶۳)

اور ہیئت میں کمال رکھتے تھے، اسی لئے شاہ جہاں نے اُن کو لال قلعے کی تعمیر کے وقت خجند سے بلایا تھا، ان کے دادا احمد معمار شاہجہانی عہد کے ممتاز ماہر فن تھے، اُن کو نادر العصر کا خطاب ملا تھا، احمد معمار کے سب سے چھوٹے بیٹے نور اللہ تھے، جو شاہ کلیم اللہ کے والد تھے، دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ہیں وہ نور اللہ ہی کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے ہیں۔

شاہ کلیم اللہ کی ولادت باسعادت ۲۴ رجمادی الثانی ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء کو ہوئی اُن کی تاریخ تولد "غنی" سے نکلتی ہے، اُنھوں نے شیخ برہان الدین معروف بہ شیخ بہلول اور شیخ ابوالرضا ہندی سے تعلیم حاصل کی، شیخ ابوالرضا شاہ ولی اللہ کے تایا تھے۔ تحصیل علم کے بعد شاہ کلیم اللہ مدینۂ منورہ روانہ ہوگئے، اور مدینہ منورہ میں اُنھوں نے اپنا زیادہ وقت شیخ یحییٰ مدنی چشتی کی خدمت میں گزارا جو احمد آباد کے رہنے والے تھے، اور مشاہیر صوفیہ میں تھے۔ اور ایک روحانی اشارے پر مدینۂ منورہ تشریف لے گئے تھے، مدینۂ منورہ میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے شیخ یحییٰ مدنی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور ظاہر و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوکر اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے دہلی واپس ہوئے۔ دہلی آکر اُنھوں نے بازار خانم میں قیام فرمایا، اور وہیں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا، تھوڑے ہی دن میں اُن کی شہرت دور دور پھیل گئی، اور ہر طرف سے طالب علم اُن کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہونے لگے۔

شاہ کلیم اللہ نے ۸۲ سال کی عمر میں نقرس اور وجع المفاصل کے امراض میں مبتلا ہوکر ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء کو وفات پائی، وفات کے

تھے کہ:

برامم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

وقت یہ شعر زبان پر تھا: ؎

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی است
بخلوتے کہ منم یادِ دوست بے ادبی است

اور اپنی سکونتی حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی مدفون ہوئے۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، مناقب فریدی میں اُن کی تصانیف کی تعداد ۳۲ بتائی گئی ہے، اُن میں سے جن کتابوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قرآن القرآن۔ عربی زبان میں قرآن مجید کی نہایت عمدہ تفسیر ہے، جو ۱۲۹۲ھ میرٹھ کے مطبع احباب سے منشی عرفان الحق نے اُس کو قرآن مجید کے حاشیے پر شائع کیا تھا۔

(۲) عشرۂ کاملہ (۳) سواءالسبیل (۴) کشکول (۵) مرقع (۶) تسنیم (۷) الہاماتِ کلیمی، یہ چھ کتابیں تصوف سے متعلق ہیں، ان میں عشرۂ کاملہ، کشکول، اور مرقع طبع ہو چکے ہیں، اور کشکول کلیمی کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ (۸) رسالہ تشریح الافلاک عاملی محشی بغدادی یہ کتاب علم ہیئت سے متعلق ہے، اور اس کا ایک نادر نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری دہلی میں موجود ہے۔ (۹) شرح قانون، اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔ (۱۰) مکتوبات کلیمی یہ ان کے ۱۳۲ خطوط کا مجموعہ ہے جو مطبع یوسفی دہلی سے ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں شائع ہوئے تھے۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں

اظہار وحدت وجود[۱]۔

**وفات** خواجہ نور محمد کو اپنے مرشد شاہ فخر کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا، اپنے شیخ کی وفات کے بعد وہ ساڑھے چھ سال تک حیات رہے، لیکن اس صدمہ کی وجہ سے طبیعت میں شگفتگی نہ آسکی، آخر یہی حزن وغم آپ کی وفات کا سبب بنا، اور اس رنج وغم نے "کاست بدنی" کی صورت اختیار کر لی، اسی زمانے میں جب کہ آپ بیمار تھے، ایک مزید صدمہ آپ کو یہ پہنچا کہ آپ کے مرید خاص اور خلیفہ حضرت نارووالہ

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔(۱) خواجہ محمد (۲) حامد سعید۔ (۳) محمد فضل اللہ (۴) محمد احسان اللہ نے شاہ کلیم اللہ جہان آبادی ہی کی زندگی میں وفات پائی۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:۔(۱) بی بی رابعہ (۲) بی بی فخر النساء (۳) بی بی زینب (۴) بی بی مصری۔

شاہ کلیم اللہ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں۔(۱) شاہ نظام الدین اورنگ آبادی (۲) شاہ محمد ہاشم (۳) مولانا شاہ ضیاء الدین (۴) مولانا شاہ جمال الدین جے پوری (۵) مولانا شاہ جلال الدین (۶) مخدوم شیخ تھارو (۷) خواجہ مصطفےٰ مرادآبادی وغیرہ۔ (ماخوذ از مناقب المحبوبین۔ص ۵۴۔ مکتوبات کلیمی۔ص ۹۳۔ مکتوب۔۱۲۵۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۴۲۵)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

[۱] مناقب المحبوبین۔ص ۹۴

نے وفات پائی، اس رنج نے اور بھی آپ کو کمزور کر دیا، وفات سے ایک سال پہلے آپ نے دنیا سے بے تعلق ہو کر خاموشی اختیار کر لی تھی، لوگ خاموشی کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میری گفتگو تفسیر و حدیث ہے، کس سے کہا جائے اور کون سمجھے۔

مرض الموت میں مریدوں کے اصرار پر خواجہ محمد عاقل نے پوچھا کہ حضور کا مزار کہاں بنایا جائے، فرمایا۔

من غیب داں نیستم، حق تعالیٰ می داند کہ کجا خواہند مُرد۔

آخر ۳ ذالحجہ ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۱ء) کو آپ نے رحلت فرمائی، تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے:۔

حیف واویلا جہاں بے نور گشت

۱۲۰۵ھ

**مزار مُبارک** آپ کا مزارِ مبارک تاج سرور میں ہے۔ جسے چشتیاں بھی کہتے ہیں۔

**اولاد** خواجہ نور محمد کے تین صاحبزادے تھے، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) شیخ نور الصمد (۲) شیخ نور احمد (۳) شیخ نور الحسن، اِن کے علاوہ دو صاحبزادیاں زینب بی بی اور صاحب بی بی تھیں۔

شیخ نور الصمد، شاہ فخر کے مرید تھے، شیخ نور احمد نے اپنے والد محترم خواجہ نور محمد سے بیعت کی تھی، اور شیخ نور الحسن قاضی عاقل محمد کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے[۱]

---

[۱] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۰۴

خواجہ نور محمد کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ نور الصمد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے، لیکن چند ہی دن کے بعد قوم مہاراں نے اُن کو شہید کر دیا[1]۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نور احمد سجادہ نشین ہوئے، شیخ نور احمد کی وفات کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے میاں خواج محمود نے مسند ارشاد کو زینت بخشی، میاں خواج محمود کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نور بخش رونق افروزِ سجادگی ہوئے، اِن کی وفات کے بعد میاں نور جہانیاں اور خواجہ محمد یوسف نے جادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے، اس کے بعد میاں محمود بخش صاحب سجادہ نشین ہوئے۔

**خلفاء**

خواجہ نور محمد کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے۔ جنھوں نے سارے پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو غیر معمولی فروغ اور ترقی دی، آپ کے بعض خلفاء و مریدین کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت میاں نور محمد نارووالہ صاحب (۲) قاری عزیز اللہ (۳) حافظ غلام حسین (۴) قاری صبغۃ اللہ۔ (۵) میاں محمد فاضل نیکو کارہ (۶) مولوی محمد جمال صاحب (۷) قاضی عاقل محمد صاحب[2]۔

**فضائل و مناقب**

خواجہ نور محمد کی جلالتِ شان و عظمت کا اعتراف آپ کے تمام تذکرہ نگار نہایت خلوص و عقیدت سے کرتے ہیں، مناقب فخریہ کے مؤلف آپ کے محامد اوصاف میں یوں رطب اللسان ہیں:۔

---

[1] نافع السالکین ۔ص ۱۰۔ [2] تاریخ مشائخ چشت ص ۵۵۲/۵۵۳ و ذکر کرام ص ۲۸

و مظہر اتم و مرید مراد ان حضرت و مقبول حضرت اللہ و محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مرشدِ آفاق و ہادی اقوام و مامور حضرت رسالتؐ بہ تربیتِ خلائق، مشغول بحق، فارغ از علائق، مخدومنا و مولانا خواجہ نور محمد است، مدظلہ العالی کہ چندیں ہزار کس نعمت از خوانِ او دریافتہ ولذت از مائدۂ او چشیدہ [1]

صاحبِ فخر الطالبین آپ کے مناقب میں یوں رقم طراز ہیں :۔

افتخار درویشاں، مرہم دل ریشاں، سرمد اتقیاء، جامعِ علوم حیا، صفائے چہرۂ محبوباں، کہرباے دل معشوقاں، مسند نشین مسکنت و دانائے سرحلقہ درد مندانِ الٰہی [2]

حسین بخش فخری نے آپ کی تبلیغی جدو جہد کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

حضرت مولانا صاحب آن مخصوص خود را خلافت دادہ طرف سرزمین پاک پٹن روانہ نمود، ہرگاہیکہ میاں نور محمد دراں جا رفتہ سکونت ورزید، مردمانِ آں نواحی از خاص و عام ہزار وہزار از میاں نور محمد تولا نمودند، و مرید شدند، و اکثر از آنہا خلافت نمودہ فیض رسانِ خاص و عام گشتند [3]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۵۴۸ بحوالۂ مناقب فخریہ قلمی ص ۲۹

[2] ایضاً۔ ص ۵۴۸ - ۵۴۹

[3] ایضاً۔ ص ۵۴۹

مناقب المحبوبین کے مولف حاجی نجم الدین نے آپ کی مساعی رشد و ہدایت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

پس اوّل کسے کہ بعد از حضرت گنج شکر و اولاد و خلفاء ایشاں سکہ بریں ملک مذکور زد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بود کہ چنداں فیض ازیں جناب در ملک پنجاب و سند وغیرہ انتشار یافت کہ در ہر قریہ و شہر و بلدہ درویشان غلاماں آنحضرت و غلام غلامِ آں حضرت صاحبِ ذوق و وجد و سماع و صاحبِ خانقاہ موجود اند، وجوق در جوق گروہِ علماء آمدہ ربقۂ اطاعت و غلامی آں جناب با اعتقاد تمام در گردن خود انداختہ داخل سلسلۂ چشتیہ نظامیہ شدند[1]۔

**ملفوظات** خواجہ نور محمد کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں، ایک مجموعہ قاضی محمد عمر سید پوری نے خلاصۃ الفوائد کے نام سے اور دوسرا مجموعہ مولوی محمد گہلوی نے خیر الاذکار کے نام سے جمع کیا تھا[2]۔

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۰۵ - ۱۰۶

[2] " " ۔ ص ۶۴
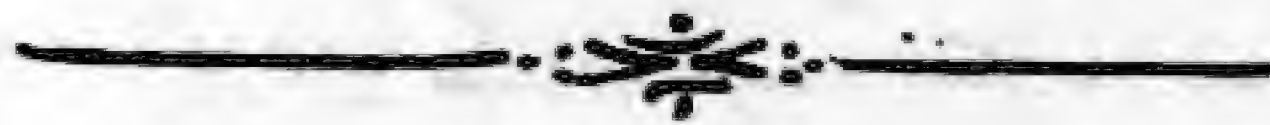
(۹۰)

# میاں نتھا قادری

**حالات** میاں نتھا قادری سرہند کے رہنے والے اور قوم پراچہ سے تھے، جوانی کے زمانے میں وہ حضرت میاں میر قادری لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور ایک طویل عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے، حضرت میاں میر اُن پر خاص توجہ اور بے حد شفقت فرماتے تھے، سکینۃ الاولیاء میں ہے کہ میاں میر کی عادت تھی کہ جو شخص آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ اور استفاضہ کرتا، کچھ دن کے بعد آپ اُسے اجازت مرحمت فرماتے، اور ارشاد فرماتے کہ اب تم خود یاد الٰہی میں مشغول ہو، اور اپنے ساتھ کسی کو بہت کم رکھتے، لیکن میاں نتھا کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے سے جُدا نہ ہونے دیتے۔

**استغراق** آخر میں میاں نتھا پر استغراق اور بے خودی کا یہ عالم تھا کہ اُنھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی، اکثر اوقات

کسی بلند دیوار پر مربع بیٹھ کر کئی دن گزار دیتے بعض اوقات دن رات کسی جنگل یا ویرانے میں کسی قبر کے سرہانے بیٹھے رہتے، حضرت میاں میر کسی آدمی کو بھیجتے کہ جاؤ ننھا کو جو دیوار پر بیٹھا ہے، اُسے خبردار کر کے لے آؤ، کیوں کہ اُس نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا ہے۔

## وفات

ملا خواجہ بہاری کا بیان ہے کہ جس روز میاں ننھا نے وفات پائی وہ کچھ معمولی سے بیمار تھے، اور حضرت میاں میر کے حجرے کے سامنے چارپائی پر بیٹھے ہوئے مشاہدۂ جمالِ حق میں مستغرق تھے، وہ بہت دیر تک اسی حالت میں رہے، مجھ سے حضرت میاں میر نے فرمایا ذرا اُٹھ کر دیکھو تو سہی کہ میاں ننھا زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ میں نے اُن کے قریب جا کر اُن کو ہلایا مگر وہ وفات پا چکے تھے، پھر آپ نے اپنے مریدین کو اُن کی تجہیز و تکفین کے لئے حکم دیا، شیخ عبدالغنی کا بیان ہے کہ جب جنازہ اُٹھا تو حضرت میاں میر نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے آگے آگے چلو، میں نے دیکھا کہ آپ آبدیدہ ہو کر فرماتے جاتے ہیں کہ ہمارے گھر کا فقر میاں ننھا لے گیا، پھر فرمایا کہ ہماری وفات کے بعد ہمیں میاں ننھا کے پاس دفن کرنا، میاں ننھا کی قبر حضرت میاں میر کے روضۂ مبارک کے قریب واقع ہے۔[۱]

---

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول۔ ص ۱۵۱-۱۵۲ و سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴-۱۰۵-۱۱۰ سے ماخوذ ہے۔

(۹۱)

# شیخ نور محمّد نارووالہ صاحب

**حالات** شیخ نور محمد نارووالہ صاحب، خواجہ نور محمد مہاروی کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے، آپ بہت بڑے عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے، میاں نارووالہ حضرت خواجہ نور محمد سے بیعت ہونے سے قبل درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، لیکن جب آپ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں خواجہ نور محمد سے بیعت ہوئے تو اپنے شیخ سے کچھ کتابوں کا درس لیا، حضرت جمال الدین ملتانی کا بیان ہے کہ کہ میں، نارووالہ صاحب اور قاضی عاقل محمد اپنے شیخ، خواجہ نور محمد سے لوائح، سواء السبیل، اور تسنیم وغیرہ پڑھتے تھے، لیکن پڑھنے کے بعد جب اپنے مقام پر واپس آتے تو ہم اس کی تحقیق میاں نارووالہ ہی سے کرتے تھے، اگرچہ ظاہر میں یہ فیض قبلۂ عالم (خواجہ نور محمد) کا ہوتا تھا، لیکن حقیقت میں یہ تمام فیض اور ادراکِ مسائل میاں نارووالہ ہی سے حاصل ہوتا تھا، وہ ہر چیز کو نہایت وضاحت سے سمجھا دیتے تھے[1]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۵۵۷ بحوالہ رسالہ اسرار الکمیالیہ۔

## شاہ فخر کی خدمت میں حاضری

پہلی مرتبہ جب آپ کے پیر خواجہ نور محمد آپ کو لے کر اپنے پیر شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلی ہی نظر میں شاہ فخر نے اُن کو دیکھتے ہی فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| مارا از چشمانِ ایشاں عشق بنظر می آید۔[1] | ہمیں ان کی آنکھوں میں عشق نظر آتا ہے۔ |

شاہ فخر آپ سے بے حد محبت رکھتے تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میاں نارو والہ سے بُوئے شکر بار آتی ہے۔[2]

## اتباعِ شریعت

آپ اس درجہ متبعِ شریعت تھے کہ ہمیشہ باوضو رہتے اور مستحبات بھی آپ سے ترک نہ ہوتے تھے، ہمیشہ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہتے، خیر الاذکار کے مؤلف مولوی محمد صاحب کا بیان ہے کہ:

| | |
|---|---|
| آں حضرت جامعِ شریعت | حضرت، شریعت، طریقت |
| و طریقت و حقیقت بود، پاس | اور حقیقت کے جامع تھے، |
| مراعاتِ ظاہر شریعت بدرجۂ | شریعت کا احترام اس درجۂ |
| اتم بود کہ ہیچ مستحبے فوت | اتم تک فرماتے کہ کوئی مستحب |
| نمی شد، ہر دم با وضو می | بھی فوت نہ ہوتا تھا، اور |
| بودند...... در مراتب طریقت | ہمیشہ باوضو رہتے مراتبِ |
| و آداب و مجاہدہ و ریاضت | طریقت اور آداب اور |
| چناں مصروف بودند کہ | مجاہدوں اور ریاضتوں |

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۵۵۶ بحوالہ مناقب فخریہ۔

[2] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۶

| | |
|---|---|
| ہیچ کس را یارائے ذکرِ امورِ دنیاوی نبود[1] | میں اس قدر مصروف رہتے کہ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی، کہ وہ آپ سے دنیاوی باتیں کر سکے۔ |

**انکسار** سلوک اور علم کے ان مدارج عالی پر فائز ہونے کے باوجود آپ کے مزاج میں بے حد انکسار تھا، صاحبِ مناقب المحبوبین کا بیان ہے کہ:-

| | |
|---|---|
| باوجود آں کمالیت..... خود را چناں قاصر می دانستند کہ گویا مبتدی اند[2] | باوجود اس کمال کے اپنے آپ کو اتنا قاصر سمجھتے کہ گویا مبتدی ہیں۔ |

**مریدوں کی اصلاح و تربیت** مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف بے حد توجہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ ایک مرید کو لکھا۔

| | |
|---|---|
| اوقات شریفہ را موزع دارند، وقتِ تعلیم، تعلیم، وقتِ ذکر، ذکر[3] | اوقات کو منظم رکھو، تعلیم کے وقت تعلیم اور ذکر کے وقت ذکر۔ |

ایک دفعہ ایک مرید نے نواب غازی الدین خاں کے باغ میں چل کر استدعا کی کہ باغ کے رنگ برنگ پھول دیکھیں، فرمایا:-

ما اسیران را تماشائے چمن درکار نیست
داغہائے سینۂ ما کم تر از گل زار نیست[4]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت - ص ۵۵۷ بحوالہ خیر الاذکار۔ [2] مناقب المحبوبین - ص ۱۱۳
[3] تکملہ سیر الاولیاء - ص ۱۳۱ [4] مناقب المحبوبین - ص ۱۱۰

**وفات** آپ نے ۶ر جمادی الاوّل ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء کو وفات پائی۔ لفظ "چراغ" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

آپ کے مرشد خواجہ نور محمد کو آپ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا، اور آپ کی وفات کی خبر سن کر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اگر میاں صاحب چندے | اگر میاں (نارووالہ) کچھ |
| مہلت یافتند، عالمے از | اور زندہ رہتے تو عالم اُن سے |
| ایشاں روشن می شد۔ | روشن ہو جاتا۔ |

**مزار** آپ کا مزارِ مبارک حاجی پور میں مرجع عام و خاص ہے[1]

**اولاد** شاہ نارووالہ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام محمد تھا، اپنے والد کی وفات کے بعد حافظ محمد نے سجّادۂ مشیخت کو زینت بخشی۔

**خلفاء** آپ کے خلفاء میں (۱) عبداللہ خاں (ڈیرہ غازی خاں)، (۲) مولوی محمد حسن (راجن پور) (۳) نور محمد بڈرہ (محمد پور) (۴) مولوی ابو بکر (حاجی پور) (۵) مولوی کہلوی مشہور ہیں۔

**ملفوظات** آپ کے ملفوظات کا مجموعہ "خیر الاذکار" کے نام سے آپ کے مرید مولوی محمد کہلوی نے مرتب کیا تھا۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ۔ص ۵۸۸

(۹۲)

# شاہ یوسف گردیزی

**حالات** شاہ یوسف گردیزی، گردیز کے سادات میں سے تھے، اُن کا خاندان اصل میں بغداد میں آباد تھا، لیکن بعد میں اُن کے بزرگ کسی وجہ سے بغداد سے گردیز میں آباد ہوئے، اور اسی نسبت سے آپ گردیزی کہلاتے ہیں۔

شاہ یوسف ۴۶۲ھ مطابق ۱۰۶۹ء میں گردیز میں پیدا ہوئے، اور بہرام شاہ غزنوی[1] (متوفی ۵۵۲ھ) کے دورِ حکومت میں ملتان تشریف لائے، اور ملتان میں آخر وقت تک رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ شاہ یوسف نے ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء کو ملتان میں وفات پائی۔

آپ کا مزار ملتان کے مشہور مزاروں میں شمار ہوتا ہے۔ متعدد شاہانِ وقت نے آپ کی درگاہ کے لئے جاگیریں بطور معافی عطا کی تھیں، لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یہ جاگیریں ضبط کر لیں۔[1]

---

[1] ملک ارسلان بن مسعود معروف بہ ابوالملوک فرزند مسعود بن ابراہیم کے ابتدائی سلطنت میں اس کا چچا بہرام شاہ اُس سے ناراض ہو کر غزنین سے سلطان سنجر کی خدمت میں خراسان چلا گیا، سلطان سنجر کو اُسی زمانے میں خبر ملی کہ ملک ارسلاں نے اس کی لڑکی کی توہین کی ہے۔ اس نے بہرام شاہ کو ایک جمعیت کثیر دے کر غزنی بھیجا، بہرام شاہ اس کو شکست دے کر خود غزنی کے تخت پر بیٹھ گیا، ارسلان غزنی سے فرار ہو کر ہندوستان آیا اور وہیں ۳۵ سال کی عمر میں ۵۱۱ھ میں مر گیا، اُسے غزنی میں خبر ملی کہ محمد باحلیم نے جو حکومت غزنی کی طرف سے ہندوستانی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ سلہ)
کا حاکم تھا بغاوت اختیار کی، بہرام شاہ نے ہندوستان جاکر اس بغاوت کو فرو کیا، محمد باحلیم نے معافی مانگ لی، بہرام شاہ نے اُس کو دوبارہ ہندوستان کی حکومت دے دی۔ بہرام شاہ کے غزنی جانے کے بعد محمد باحلیم نے پھر بغاوت اختیار کی، بہرام شاہ نے پھر اس بغاوت کو فرو کیا، بہرام شاہ نے اپنے ایام سلطنت میں مختلف لڑائیاں غوریوں سے لڑیں، اور ان لڑائیوں میں تین دفعہ اس نے غوریوں سے شکست کھائی، یہاں تک کہ اس کا لڑکا دولت شاہ بھی ان لڑائیوں میں مارا گیا، اور سلطان علاء الدین نے غزنین کو جلایا، اور بہرام شاہ کو ہندوستان میں شکست دی۔ بہرام شاہ نے ۵۵۲ھ میں وفات پائی۔
(تاریخ ذیل غزنویاں ص ۶۱ و ۶۲)

فٹ نوٹ صفحہ ہذا۔
لہ آپ کوثر ص ۸۲،۸۳ و اخبار الاخیار ص ۶۱۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ شاہ یوسف گردیزی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہمعصر ہیں، لیکن شیخ اکرام صاحب نے مقامی روایات جو مشہور ہیں۔ ان کی بناء پر آپ کا سنہ ولادت ۴۶۲ھ قرار دیا ہے۔

---

(۹۳)

# سیّد یعقوب صدر دیوان زنجانی لاہوری

**حالات** سید یعقوب صدر زنجانی لاہوری عظیم المرتبت شیخ اور لاہور کے اولیاء کبار میں ہیں، شرافت و نجابت کے اعتبار سے بلند پایہ رکھتے تھے، اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، سلسلۂ عالیہ جنیدیہ سے منسلک تھے، اُن کے والد سید علی حسینی سادات میں سے تھے، اور سولہ واسطوں کے بعد آپ کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم سے جا ملتا ہے۔

## لاہور میں تشریف آوری

تحقیقات چشتی اور تاریخ لاہور۔ مصنفہ کنھیا لال میں ہے کہ سید یعقوب زنجانی ۵۳۵ھ میں بہرام شاہ غزنوی کے دور حکومت میں سید اسحاق زنجانی کے ساتھ لاہور تشریف لائے، لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ ان دونوں حضرات نے شاہ حسین زنجانی

---

۵؎ سلسلہ جنیدیہ سید الطائفہ، طاؤس العلماء ابو القاسم جنید بغدادی کی طرف منسوب ہے، یہ طریقہ صحو پر مبنی ہے۔ (ینابیع الحیوۃ الابدیہ قلمی جلد اوّل)

---

کی وفات ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء لکھی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ لاہور مصنفہ عبد اللطیف میں بھی شاہ حسین زنجانی کا سنہ وفات ۴۳۱ھ مندرج ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ سید یعقوب زنجانی شاہ حسین[۱] زنجانی کے ہمراہ تشریف لائے ہوں۔

نزہۃ الخواطر جلد اوّل میں بحوالۂ خزینۃ الاصفیاء منقول ہے کہ شیخ العالم یعقوب بن علی الحسینی الکاظمی زنجانی جو فضل وصلاح میں غیر معمولی طور پر مشہور ہیں ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء میں لاہور تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، اُن سے بہت سے علماء اور مشائخ نے استفادہ کیا، سید یعقوب نے ۱۶ر رجب ۶۰۴ھ/۱۲۰۸ء میں وفات پائی۔[۲]

**مزار** آپ کا مزار پُر انوار بیرون شاہ عالمی دروازہ سرائے رتن چند اور زنانہ ہسپتال کے درمیان اس جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں تلہ بخاری کے نام سے ایک محلہ آباد تھا۔

## ختم شد

---

۱؎ حضرت فخر الدین حسین زنجانی لاہوری اپنے عہد کے مشہور علماء و شیوخ میں تھے، وہ شیخ ابی الفضل محمد بن الحسن ختلی کے مرید تھے، اور ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، پھر لاہور تشریف لائے اور تقریباً ۳۶-۳۷ سال تک لاہور میں

اعلائے کلمۃ الحق اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے اور اس دن وفات پائی جس دن حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش لاہور پہنچے۔ شیخ حسین زنجانی کا مزار مبارک چاہ میراں میں ایک باغ میں ہے، اس باغ کو کسی زمانے میں باغ زنجان سے بھی موسوم کرتے تھے۔ (نزہتہ الخواطر جلد اوّل۔ ص ۸۲)

۵۲ نزہتہ الخواطر جلد اوّل۔ ص ۲۴۰۔

# مآخذ


(۱) نفحات الانس۔
(۲) اخبار الاخیار۔
(۳) خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔
(۴) خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔
(۵) کشف المحجوب۔
(۶) تاریخ دیالمہ و غزنویان۔
(۷) بزم صوفیہ
(۸) آب کوثر۔
(۹) سفینۃ الاولیاء
(۱۰) اسرار التوحید۔
(۱۱) تصوف اسلام۔
(۱۲) اورینٹل کالج میگزین لاہور۔
(۱۳) تاریخ لاہور۔ عبد اللطیف۔
(۱۴) نزہتہ الخواطر جلد ۴
(۱۵) شرح فتوح الغیب۔
(۱۶) کتاب المکاتیب۔
(۱۷) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔
(۱۸) نزہتہ الخواطر۔ جلد ۵۔
(۱۹) ترجمہ سفینۃ الاولیاء۔
(۲۲) مناقب المحبوبین۔
(۲۳) تاریخ مشائخ چشت۔
(۲۴) ملفوظات طیبہ۔
(۲۵) فوائد الفواد۔
(۲۶) نزہتہ الخواطر۔ جلد ۲
(۲۷) نزہتہ الخواطر۔ جلد ۱
(۲۸) سیر العارفین۔
(۲۹) سیر الاولیاء۔
(۳۰) روضۃ الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات۔
(۳۱) مقالات الشعراء۔
(۳۲) پنجابی صوفی پوئیٹ مصنفہ لاجونتی راما کرشنا۔
(۳۳) سوانح حیات حضرت سلطان باہو۔
(۳۴) کلیات بلھے شاہ۔ شائع کردہ پنجابی اکیڈمی۔ لاہور۔
(۳۵) تذکرہ کرام۔
(۳۶) تحفۃ الکرام۔
(۳۷) بیاض قلمی موسومہ بہ کشکول۔
(۳۸) لطائف اشرفی۔
(۳۹) الدر المنظوم۔

(۳۰) برہان پور کے سندھی اولیاء۔

(۴۱) رود کوثر۔

(۴۲) اُردو زبان کا اصل مولد مقالہ
سید حسام الدین راشدی۔

(۴۳) سراج الہدایہ

(۴۴) مقریزنامہ قلمی۔

(۴۵) تاریخ مسلمانان پاکستان و
بھارت جلد اوّل۔

(۴۶) منتخب التواریخ۔ جلد ۳

(۴۷) مناقب فریدی

(۴۸) سیر المتاخرین۔

(۴۹) نزہتہ الخواطر جلد ۴

(۵۰) ذخیرۃ الخوانین جلد اوّل۔

(۵۱) تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد۔

(۵۲) تاریخ فرشتہ۔

(۵۳) پنجاب میں اردو۔

(۵۴) سکینتہ الاولیاء اُردو ترجمہ۔

(۵۵) تذکرہ صوفیائے سندھ۔

(۵۶) تاریخ اسلام۔

(۵۷) رسالہ بُرہان بابت جنوری ۱۹۵۶ء۔

(۵۸) تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔

(۵۹) ینابیع الحیوۃ الابدیہ قلمی۔

(۶۰) مقدمہ دیوان فرید۔

(۶۱) رسالہ ماہ نو۔ ماہ مئی ۱۹۵۱ء

(۶۲) سیر الاقطاب۔

(۴۰) تاریخ معصومی۔

(۴۱) تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف۔

(۶۳) فوائد السالکین۔

(۶۴) راحت القلوب۔

(۶۵) شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور
اُن کی تعلیمات۔

(۶۶) انوار العارفین۔

(۶۷) روضتہ الاقطاب۔

(۶۸) تحقیقات چشتی۔

(۶۹) حدیقۃ الاولیاء۔

(۷۰) صوفیزم اِٹس سینٹس اینڈ شرائینس
مصنفہ۔ جان۔ اے۔ سبحان۔

(۷۱) شطحیات۔ دارا شکوہ

(۷۲) خیابان پاک۔

(۷۳) زبدۃ المقامات۔

(۷۴) نوائے معارک۔

(۷۵) تکملہ سیر الاولیاء۔

(۷۶) مناقب فریدی۔

(۷۷) بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد۔

(۷۸) نافع السالکین۔

(۷۹) نزہتہ الخواطر جلد ۷۔

(۸۰) تذکرہ علمائے ہند۔

(۸۱) نزہتہ الخواطر۔ جلد ۶۔

(۸۲) نزہتہ الخواطر۔ جلد ۱